

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# جَبَّارِ كِتَابِ

حَكِيمِ اللَّهِ مُؤْتَى أَحْمَدِ بْنِ مُحَمَّدٍ نَعِيمِي



نَعِيمِي كُتِبَ فِي مَكْتَبِ كُتُبِ كِبَرَاتِ



ضَمِيمِ الْقُرْآنِ فِي سَلْبِ كِبَرَاتِ

لاهور

إِنَّ الْبَيَاطِلَ كَانَ زَمُونًا ۝

وَقَدْ جَمَعَ الْحَقُّ فِي وَاقِعِ الْبَيَاطِلِ  
إِنَّ الْبَيَاطِلَ كَانَ زَمُونًا ۝

دَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ كَا هِيَ سَايَةٌ تَجْهَىٰ  
بول بالا ہے ترا ذکر ہے اونچا تیرا

الحمد للہ کہ کتاب لاجواب نافع شیخ و شاب مفید عاقل موقظ عاقل

مستحبہ

# جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

المعروف

## فیصلہ مسائل

(جلد اول)

اضافات جدیدہ و ضمیمہ عمیمہ کے ساتھ  
جس میں موجودہ زمانہ کے عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت محققانہ دلیل فیصلہ کر دیا گیا ہے

مُصَنَّفُهُ

حضرت حکیم الامت مولانا مفتی الحاج احمد یار خاں صاحب اربعہ انوی بدیونی تطلہ  
سرپرست مدرسہ غوثیہ گجرات پاکستان

باہتمام

محمد اقتدار خاں عرف مصطفیٰ میاں

ناشر: مفتی اقتدار احمد خان مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط  
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ - خَالِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ  
 عَلٰی مَنْ كَانَ نَبِیًّا وَاَدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ - اَجْمَلِ الْاَجْمَلِیْنَ - اَكْمَلِ الْاَكْمَلِیْنَ  
 سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَاِلٰهِ وَاَصْحَابِهِ وَاَهْلِ بَيْتِهِ اَجْمَعِیْنَ ط

## دیباچہ

دین اسلام کو دنیا میں تشریف لائے ہوئے آج تقریباً پونے چودہ سو برس گزرے اس عرصہ میں اس پاک دین نے ہزار ہا بلاؤں سے مقابلہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس بہہاتے ہوئے چمن پر بہت سی تیز آنڈھیاں آئیں اور اپنا اپنا زور دکھا کر چلی گئیں۔ مگر الحمد للہ کہ یہ چمن اسی طرح سرسبز و شاداب رہا۔ اس آفتاب پر بار ہا تاریک بادل اور غبار آٹے مگر یہ آفتاب اسی طرح چمکتا دکھتا رہا اور کیوں نہ ہوتا کہ رب تعالیٰ خود اس دین کا حافظ و ناصر ہے خود فرماتا ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَكُنَّا لَحٰفِظُوْنَ  
 ہم نے ہی قرآن اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔  
 کبھی اس پر یزیدی بادل آٹے اور کبھی حجاجی غبار۔ کبھی مامونی طاقت نے اس کے سامنے آنے کی جرأت کی اور کبھی تاتاری قوتیں اس سے ٹکرائیں، کبھی خارجی شورش نے اس سے مقابلہ کیا اور کبھی رخص کی طاقت نے اس کو زیر کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب کی سب اس پہاڑ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں۔ اور یہ پہاڑ اسی طرح اپنی جگہ مضبوطی سے قائم رہا۔ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا اللّٰهُ تَعَالٰی اس کو قائم و دائم رکھے۔

مگر ان تمام فتنوں میں زبردست فتنہ اور تمام مصیبتوں میں خطرناک مصیبت وہا بیوں نجدیوں کا فتنہ تھا۔ جس کی خبر مخبر صادق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی دے دی تھی اور طرح طرح سے اس فتنہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ جلد دوم باب ذکر الیمین والشام میں بخاری کے حوالہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن دریاٹے رحمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں ہے بارگاہ الہی میں ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتی جا رہی ہے۔

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا اے اللہ ہمارے لیئے ہمارے شام میں برکت دے اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمِينِنَا اے اللہ ہم کو ہمارے یمن میں برکت دے حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا دینی نجدنا یا رسول اللہ دعا فرمائیں کہ ہمارے نجد میں برکت دے پھر حضور علیہ السلام نے وہ ہی دعا فرمائی۔ شام اور یمن کا ذکر فرمایا۔ مگر نجد کا نام نہ لیا۔ انہوں نے پھر توجہ دلائی کہ دینی نجدنا حضور یہ بھی دعا فرمائیں کہ نجد میں برکت ہو عرض تین بار یمن اور شام کے لیئے دعائیں فرمائیں۔ بار بار توجہ دلانے پر نجد کو دعا نہ فرمائی بلکہ آخر میں فرمایا۔

هَذَاكَ الزَّلَّ لَا يَزِلُّ وَالْفَيْتُنُ | میں اس ازلی محروم خطہ کو دعا کس طرح فرماؤں وہاں  
دَبِهَا يَطْلَعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ - | تو زلزلے اور فتنے ہونگے۔ اور وہاں شیطان کی گروہ پیدا ہوگا  
اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک میں وہاں کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا جس کی اس طرح خبر دی۔

اسی طرح مشکوٰۃ جلد اول کتاب القصاص باب قتل اہل الردۃ میں بحوالہ نسائی حضرت ابو بزرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بار کچھ مال غنیمت تقسیم فرما رہے ہیں۔ ایک شخص نے پیچھے سے عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہ کیا حضور علیہ السلام نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ ہمارے بعد تم کو ہم سے بڑھ کر کوئی عادل نہ ملے گا۔ پھر فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم اس سے پیدا ہوگی جو قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہ اترے گا اور اسلام سے ایسے نکل جائیں گے۔ جیسے تیر شکار سے۔ پھر فرمایا۔

سَيَأْتِيهِمُ التَّحْلِيْقُ لَا يَزَالُونَ يَخْرُجُونَ | یعنی ان کی پہچان سرمنڈانا ہے یہ نکلنے ہی ہیں  
حَتَّىٰ يَخْرُجَ الْخِرْهُمُ مَعَ الدَّجَالِ فَإِذَا | گے یہاں تک کہ ان کی آخری جماعت دجال کے  
لَقِيْتُمُوهُمْ هُمْ شَرُّ الْخَلْقِ وَالْخَلِيْقَةِ | ساتھ ہوگی اگر تم اُن سے ملو تو جان لو کہ وہ تمام خلقت میں سب سے

اس میں ان کی پہچان فرمائی گئی۔ سرمنڈانا آج بھی وہابی اس سے خالی مشکل ہی سے ملیں گے۔ کہیں فرمایا کہ بت پرستوں کو چھوڑیں گے اور مسلمانوں کو قتل کریں گے۔ دیکھو بخاری جلد اول کتاب الانبیاء متصل قصصا بوج و ما بوج۔ و مسلم اور مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اول۔ اسی

جگہ مشکوٰۃ میں یہ بھی ہے۔

لَئِنْ أَدْرَاكَتَهُمْ لَا قَتَلْتَهُمْ قَتَلَ عَادٍ۔ | اگر انہیں ہم پاتے تو قوم عاد کی طرح قتل فرمادیتے۔  
آج بھی دیوبندی عام طور پر ہندوؤں کے ساتھ ہیں۔ مگر نفرت کرتے ہیں تو مسلمانوں سے اور ان کے ہمیشہ حملے مسلمانوں پر خاص کر اہل حرمین پر ہی ہوئے۔

اس فرمان عالی کے مطابق بارہویں صدی میں نجد سے محمد ابن عبدالوہاب پیدا ہوا۔ اس نے کیا کیا۔ اہل حرمین و دیگر مسلمانوں پر ظلم کیے۔ اس کی داستان تو سیف الجبار اور بوارق محمدیہ علیٰ ارغانات النجدیہ وغیرہ کتب تواریخ میں دیکھو۔ ان کے کچھ ظلم علامہ شامی نے اپنی کتاب رد المحتار جلد سوم باب البغات کے شروع میں اس طرح بیان فرمائے ہیں۔

جیسے کہ ہمارے زمانہ میں عبدالوہاب کے ماننے والوں کا واقعہ ہوا کہ یہ لوگ نجد سے نکلے اور مکہ و مدینہ شریف پر انہوں نے غلبہ کر لیا اپنے کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے لیکن انکا عقیدہ یہ تھا کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں اور جو ہمارے عقیدے کے خلاف ہے وہ مشرک ہے اس لیے انہوں نے اہل سنت و الجماعت کا قتل جائز سمجھا اور ان کے علماء کو قتل کیا یہاں تک کہ اللہ نے وہابیوں کی شوکت توڑی اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا۔ اور اسلامی لشکروں کو ان پر فتح دی یہ واقعہ ۱۲۳۳ ہجری میں ہوا۔

حَمَاوَعَفِي زَمَانِنَا فِي اتِّبَاعِ عَبْدِ الْوَهَّابِ  
الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ نَجْدٍ وَتَغَلَّبُوا  
عَلَى الْحَرَمَيْنِ وَكَانُوا يَنْتَحِلُونَ إِلَى  
الْحَنَابِلَةِ لَيْكِنَ هُمْ اِعْتَقَدُوا أَنَّهُمْ هُمُ  
الْمُسْلِمُونَ وَأَنَّ مَنْ خَلَفَ اِعْتِقَادَهُمْ  
مُشْرِكُونَ وَاسْتَبَاحُوا بِذَلِكَ قَتَلَ  
أَهْلَ السُّنَّةِ وَقَتَلَ عُلَمَاءَهُمْ حَتَّى  
كَسَرَ اللَّهُ شَوْكَتَهُمْ وَخَرَّبَ  
بِلَادَهُمْ وَظَفَرَ بِهِمْ عَسَاكِرَ الْمُسْلِمِينَ  
عَامَ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِينَ وَمِائَتَيْنِ وَآلْفٍ۔

سیف الجبار وغیرہ میں ان کے مظالم بیشمار بیان فرمائے کہ مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں بے گناہوں کو بے دریغ قتل کیا اور حرمین شریف کے رہنے والوں کی عورتوں اور لڑکیوں سے زنا کیا ان کو غلام بنایا انکی عورتوں کو اپنی لونڈیاں۔ سادات کرام کو بہت قتل و غارت کیا مسجد نبوی شریف کے تمام قالین اور جھاڑو فانوس اٹھا کر نجد لے گئے۔ تمام صحابہ کرام اور اہلبیت عظام کی قبروں کو گرا کر زمین سے ملا دیا یہاں تک کہ یہ بھی ارادہ کیا کہ حنا گنبد خضر جس کے گرد دروازہ صبح و شام ملائکہ صلوات و سلام پڑھتے ہیں۔ اس کو

بھی گرا دیا جائے۔ مگر جو شخص اس بُری نیت سے روزِ پاک پر گیا اس پر خدائے پاک نے ایک سانپ مقرر فرما دیا۔ جس نے اس کو ہلاک کیا اور رب العلیین نے اپنے نبی کی اس آخری آرامگاہ کو اُن سے محفوظ رکھا۔ غرضیکہ اُن کے مظالم بے حد تکلیف وہ ہیں۔ جن کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے یزید نے اہل بیت کی دشمنی ان کی زندگی میں ہی کی۔ مگر تیرہ سو برس کے بعد صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کو ان کی قبروں میں ستانا ان دہائیوں ہی کے ہاتھ سے ہوا۔ اب بھی جو کچھ ابن سعود نے حرمین شریفین میں کیا وہ ہرجا جی پر روشن ہے مگر مکہ مکرمہ میں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کسی صحابی کی قبر شریف کا نشان بھی نہیں ملتا کہ کوئی فاتحہ بھی پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت میں میں نے ایک شامیانہ لگا ہوا دیکھا جہاں کتے گدھے بے تکلف پھر رہے تھے۔ اس جگہ پہلے ایک قبہ بنا ہوا تھا جہاں لوگ جا کر نمازیں پڑھتے تھے اور اس کی زیارت کرتے تھے یہ حضرت آمنہ خاتون کا مکان تھا اور اسی جگہ اسلام کا آفتاب چمکا۔ مگر اب اس کی یہ بے حرمتی کی گئی فَاِلٰى اللّٰهِ الْمُنْتَكَىٰ۔

یہ تو تھے عرب کے واقعات۔ لیکن ہم کو اس وقت ہندوستان سے گفتگو کرنی ہے وہاں میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام تھا مولوی اسمعیل، اس نے محمد ابن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کا اردو میں خلاصہ کیا۔ جس کا نام رکھا تقویۃ الایمان اور اس کی ہندوستان میں اشاعت کی۔ وہاں انہیں شہید کہتے ہیں کیونکہ یہ حضرت اسی تقویۃ الایمان کی بدولت سرحدی پٹھانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے دیکھو افواہ آفتاب صداقت۔ مگر مشہور کیا کہ سکھوں کے ہاتھوں مرے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

وہ وہاں نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبح کا ۶ وہ شہید لیئے نجد تھا وہ ذبح تیغ خیار ہے

اگر سکھوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ہوتے تو امرتسر یا مشرقی پنجاب کے کسی اور شہر میں مارے جاتے۔ کیونکہ یہ ہی سکھوں کا مرکز تھا۔ سرحد تو پٹھانوں کا ملک ہے وہاں یہ مارے گئے معلوم ہوا کہ انہیں مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کی لاش بھی غائب کر دی۔ اسی لیے ان کی قبر ہی نہیں۔

یزید و یزیدیوں کی مشہور کتاب ارواحِ ثلاثہ کے صفحہ نمبر ۱۳۹ پر ہے کہ سید احمد صاحب نے پہلا جہاد یار محمد خاں حاکم یا عمنستان سے کیا۔ اس جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی۔ مولوی محمد اسمعیل دہلوی، مولوی محمد حسین صاحب پامپوری سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ نیز مولوی اسمعیل صاحب کا میرٹھی میر لال تھا (حیاءِ طلبہ) اور توپچی راجہ رام تھا غرضیکہ وہاں

دیوبندیوں کے قلمی، زبانی اور تلواروں کے حملے مسلمانوں ہی پر ہونے۔ ابھی حال کا واقعہ ہے۔ جو ۲۴ دسمبر ۱۹۶۱ء کے کوہستان وغیرہ تمام اخبارات میں پھپکا کہ ایک دیوبندی عبدالقادر نامی نے پہلے تو حضرت داتا گنج بخش لاہوری کے آستانہ مقدس پر قلمی اشنہارات لگائے جن میں تحریر تھا کہ میت کے پاس دعا قبول کرنے کی طاقت نہیں۔ ان کے مزارات پر بنتیں مانگنا شرک و بدعت ہے۔ پھر رات کے آخری حصہ میں تمام آستانہ پر مٹی کے تیل میں بھیکے ہوئے کپڑے رکھ دیئے سوئے ہوئے زائرین کے کپڑوں میں بھی مٹی کا تیل چھڑک دیا، دیا سلائی جلا کر آگ لگانا چاہتا ہی تھا کہ پکڑا گیا۔ یہ واقعات کے تین بجے ہوئے اگر یہ ایک سیکنڈ کا موقع پالیتا تو سارا دربار اور سارے محلے اور ان تمام انسانوں کو جلا دیتا۔ یہ ہے ان ظالموں کی توحید۔ اور تبلیغ اسی گروہ نے ایک دن پہلے مسجد وزیر خاں کے صحن میں جو مزار ہے اُسے آگ لگانے کی کوشش کی۔ آگ لگا بھی دی مگر چونکہ وہاں لکڑی کا سامان نہ تھا۔ اس لیے صرف دیواریں کالی تو ہو گئیں مگر آگ باقاعدہ نہ لگ سکی۔ کوہستان ۲۴ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز پیر۔

اسمعیل کے معتقدین دو گروہ بنے ایک تو وہ جنہوں نے اماموں کی تقلید کا انکار کیا جو غیر مقلد یا وہابی کہلاتے ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے دیکھا کہ اس طرح اپنے کو ظاہر کرنے سے مسلمان ہم سے نفرت کرتے ہیں انہوں نے اپنے کو حنفی ظاہر کیا۔ نماز روزے میں ہماری طرح ہمارے سامنے آئے۔ ان کو کہتے ہیں، گلابی وہابی یا دیوبندی۔ بھلا میرے آقا دمولے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہاں سے تَدْرُونَ الشَّيْطَانَ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا۔ اَرُوْا مِیْنَ قَدْرُوْنَ الشَّيْطَانِ کا ترجمہ ہے دیوبند۔ دیوار دو میں کہتے ہیں شیطان کو اور بند یعنی گروہ تابع دار یا اصناف مقلوبی ہے۔ یعنی بند دیو شیطان کی جگہ یعنی۔۔۔ لیکن ان دونوں فرقوں کے عقیدے بالکل ایک ہیں۔ اعمال میں کچھ ظاہری اختلاف ہے۔ دونوں محمد ابن عبدالوہاب کو اچھا جانتے ہیں۔ اس کے عقائد کے حامی، چنانچہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اپنے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب التقلید صفحہ ۱۱۹ میں لکھتے ہیں۔

محمد ابن عبدالوہاب کے مقیدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی اور ان کے مقدمی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے

بڑھ گئے۔ ان میں فساد اُگیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی، شافعی، مائکی، حنبلی کا سا ہے؛ رشید احمد۔

لیکن موجودہ زمانہ میں بمقابلہ غیر مقلدین کے زیادہ خطرناک دیوبندی ہیں کیونکہ عام مسلمان انکو پہچان نہیں سکتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی ایسی توہینیں کیں کہ کوئی کھلا ہوا مشرک بھی نہیں کر سکتا۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کے پیشوا بنتے ہیں اور اسلام کے اکیلے ٹھیکیدار۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے حفظ الایمان میں حضور علیہ السلام کے علم کو جانوروں کے علم کی طرح بتایا۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی نے اپنی کتاب برائین قاطعہ میں شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام کے علم سے زیادہ بتایا۔ مولوی اسمعیل صاحب دہلوی نے نماز میں حضور علیہ السلام کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر لکھا۔ مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی ماننے سے انکار کیا اور کہا کہ حضور علیہ السلام کے بعد اگر اور بھی نبی آجائیں تب بھی خاتمیت میں کچھ فرق نہ آئیگا خاتم کے معنی میں اصلی نبی دیگر نبی عارضی ہیں۔ یہ ہی مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا کہ میں بروزی نبی ہوں۔ فرضیکہ مرزا غلام احمد اس مسئلہ میں اُن کا شاگرد رشید ہوا۔

ان صاحبوں کے یہاں توحید کے معنی ہیں انبیاء کی توہین جیسے کہ ردائض کے یہاں حبِ علی کے معنی ہیں بغضِ صحابہ کرام حالانکہ یہ توحید تو شیطانی توحید ہے۔ اس نے حضرت آدم کی عظمت سے انکار کیا۔ نبی کے سامنے نہ جھکا۔ پھر جو اس کا حشر مٹا وہ آج تک لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ اس کی لادخول سے تواضع کی جاتی ہے۔

اسلامی توحید ہے اللہ تعالیٰ کو ایک جاننا، اس کے محبوبوں کی عزت و عظمت کرنا جس کی تعلیم ہے لا ایلہ الا اللہ محمد رسول اللہ پہلے جزو میں اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ دوسرے میں عظمتِ مصطفیٰ کا اظہار آج کل جس جگہ بھی دیکھا گیا مسلمانوں میں اہل سنت اور دیوبندیوں میں جھگڑے پڑے ہوئے ہیں ہر جگہ خانہ جنگی ہے ہر کار خیر کو رد کرنے کی کوشش کہیں علم غیب پر بحث ہے تو کہیں حضور علیہ السلام کے حاضر و ناظر ہونے پر تکرار کہیں محفل میلاد و فاتحہ پر بحث کہیں مزاراتِ اولیاء اللہ پر قبہ بنانے پر مناظرہ۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک مسائل میں اہلسنت نے اعلیٰ درجہ کی تصانیف شائع فرمائیں جیسے مسئلہ تقلید میں انتصار الحق



مصنفہ حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا مصنفہ حضرت صدر الافاضل استاد می مرشد مولانا الحاج محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی مدظلہ، یقینہ فاتحہ وغیرہ میں انوار ساطعہ مصنفہ حضرت مولانا عبد السمیع صاحب بیدل رامپوری اور مسئلہ حاضر و ناظر عروس و زیارت قبور و تمام مسائل میں تصنیفات اعلیٰ حضرت مجدد مائتہ حاضرہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سترہ العزیز وغیرہ۔ مگر خیال یہ تھا کہ کوئی کتاب ایسی لکھی جائے جو ان تمام بحثوں کی جامع ہو جس کے پاس وہ کتاب ہو وہ تقریباً ہر مسئلہ میں مخالف سے گفتگو کر سکے اور مسلمانوں کے عقائد کو ان لوگوں سے بچا سکے اس لیے میں نے حَسْبَنَہُ لِلّٰہِ اس کام کی ہمت کی۔ ہمت تو کر دی مگر اپنی کم علمی اور بے لہذا عتی کا مجھ کو پورا پورا احساس ہے شروع کرنا میرا کام ہے اور اس کو اختتام پر پہنچانا میرے رب کے کرم پر موقوف ہے۔

اس کتاب میں ہر مسئلہ پر مختصر مگر جامع بحث کی گئی ہے۔ جن اصحاب کو زیادہ تفصیل منظور ہو وہ مسئلہ علم غیب میں الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں کہ ایسی کتاب اس مسئلہ میں آج تک نہیں لکھی گئی اسی طرح دیگر مباحث میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سترہ العزیز کی تصنیفات کا مطالعہ کریں۔

## ہدایات

اس کتاب میں حسب ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

- (۱) اپنے دعوے کی وضاحت۔
- (۲) اس کے دلائل قرآن و حدیث اور بزرگان دین، محدثین و مفسرین کے اقوال سے۔
- (۳) اس کی تائید مخالفین کی کتابوں سے۔
- (۴) مخالفین کے اعتراضات آیات قرآنیہ اور احادیث و اقوال فقہاء سے۔
- (۵) اعتراضات کے جوابات قرآن و احادیث و اقوال علماء کی روشنی میں۔
- (۶) اپنے دعویٰ کے عقلی دلائل۔
- (۷) مخالفین کے عقلی اعتراضات۔
- (۸) ان کے عقلی جوابات۔

(۹) اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ حتی الامکان کتابوں کا صفحہ نقل کیا جائے کیونکہ صفحے بدل جاتے ہیں بلکہ باب اور فصل اور اگر تفسیر کا حوالہ ہو تو پارہ، سورۃ اور آیت۔

ناظرین اگر ضرور سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کو ایک سمندر پانی گے جس سے بیش قیمت موتی حاصل ہوں گے اس کتاب میں سخت الفاظی اور کج بھٹی سے پرہیز کیا گیا ہے اہل انصاف سے امید ہے کہ حق قبول کریں اور باطل سے بچیں کہ اسی میں دین و دنیا کی جھلائی ہے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

اس کتاب کا نام حضرت قبلہ عالم امیر ملت شیخ المشائخ قطب الوقت عالم ربانی پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری مدظلہ العالی و دامت برکاتہم القدسیہ نے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ تجویز فرمایا ہے میں نہایت فخر سے اس کتاب کو اسی نام سے موسوم کرتا ہوں اور اپنے رب سے امید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو اسم بامستی فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائے۔ میرے لئے کفارہ تیار بنائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

ضروری نوٹ: مسلمانوں کا اصرار ہوا کہ اس کتاب میں تین مباحث اور زیادہ کیے جائیں سلطنتِ مصطفیٰ، عصمتِ انبیاء، میں رکعت تراویح۔ چنانچہ اس سے پہلے ایڈیشن میں یہ تین بحثیں بڑھا دی گئیں اور بھی دلائل کی زیادتی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماوے۔

ناچیز احمد یار خاں نعیمی ادھیانوی بدایونی

ناظم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۳ شعبان المعظم ۱۳۶۱ھ روز ایمان افزہ شنبہ مبارکہ

اس ایڈیشن میں مضامین اور دلائل بہت سے زیادہ کیئے گئے اور ایک رسالہ طلاق الاولیٰ فی حکم الطلاق  
اشلتہ بڑھایا گیا۔ جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں، تین ہی ہوں گی نہ کہ  
ایک۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

الحمد للہ یہ کتاب اب ۱۳۸۵ھ میں اٹھایسویں بار چھپ رہی ہے اکثر بار دو دو ہزار چھپی اور  
اللہ تعالیٰ کے فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کرم سے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، افریقہ۔ لندن وغیرہ  
دور دراز ممالک میں پہنچی یہ سب رب تعالیٰ کی کرم فوازی ہے اس ایڈیشن میں بہت  
تھوڑا سا اضافہ کیا گیا ہے۔

احمد یار خاں نعیمی بدایونی

مدریہ خوشیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۱۹ شوال ۱۳۸۵ھ ۲۲ فروری ۱۹۶۶ء دوشنبہ

خوشنویس عنایت اللہ بمقام چھپتی محرم ڈاکخانہ ٹھٹہ عالیہ تحصیل چھائیہ ضلع گجرات

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

# مقدمہ

چونکہ اس کتاب میں ہر مسئلہ کے متعلق قرآنی آیات پیش کی جاویں گی۔ اور ان آیات کی تفسیر بھی بیان ہوگی۔ اس لئے تفسیر قرآن کے متعلق حسب ذیل باتیں لحاظ میں رکھنا ضروری ہیں۔

ایک تو ہے قرآن کی تفسیر، دوسری قرآن کی تاویل۔ تیسری قرآن کی تحریف، ان کی علیحدہ علیحدہ تعریفیں میں اور علیحدہ علیحدہ احکام۔

۱) قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے۔ بلکہ اس کے لئے نقل کی ضرورت ہے قرآن کی جائز تاویل اپنے علم و معرفت سے کرنا جائز اور باعث ثواب ہے، قرآن پاک کی تحریف کرنا کفر ہے۔

تفسیر قرآن کریم کے وہ احوال بیان کرنا ہیں جو عقل سے معلوم نہ ہو سکیں۔ ان میں نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شان نزول یا آیات کا نسخ و منسوخ ہونا۔ اگر کوئی شخص بغیر حوالہ نقل اپنی رائے سے کہدے کہ فلاں آیت منسوخ ہے یا فلاں آیت کا یہ شان نزول ہے تو معتبر نہیں۔ بلکہ کہنے والا گنہگار ہے۔

۲) مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں ہے :-

مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَنْتَبِئْهُ  
مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔

مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے، مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَاصَابَ فَقَدْ اَخْطَا۔

جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا پس صحیح کہہ گیا تو بھی اس نے غلطی کی۔

اب تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں۔ تفسیر بلاقرآن۔ یہ سب سے مقدم ہے۔ اس کے بعد تفسیر قرآن بالاحادیث۔ کیونکہ حضور علیہ السلام صاحب قرآن ہیں۔ ان کی تفسیر قرآن نہایت ہی اعلیٰ۔ پھر قرآن کی تفسیر صحابہ کرام کے قول سے خصوصاً فقہاء صحابہ اور خلفائے راشدین کی تفسیر۔

رہی تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔ یہ اگر روایت سے ہے تو معتبر ورنہ غیر معتبر یا خود اعلاء کلمۃ اللہ للعلماء گو لڑوی قدس سرہ۔

۳) تاویل قرآن یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے مضامین اور اس کی باریکیاں بیان کرے۔ اور صرفی و نحوی

قواعد سے اس میں طرح طرح سے نکات نکالے۔ یہ اہل علم کے لئے جائز ہے۔ ان میں نقل کی ضرورت نہیں اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث نبویہ واقوال فقہاء سے ہے۔

رب کریم فرماتا ہے پارہ ۵ سورۃ نسا:۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ  
غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

تو کیا یہ قرآن میں غور نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

تفسیر روح البیان میں اس آیت کے ماتحت يَتَذَكَّرُونَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں يَتَذَكَّرُونَ وَيَتَّبِعُونَ مَا فِيهِ یعنی کیوں نہیں غور کرتے اس کے معنی ہیں اور کیوں نہیں عقل سے دیکھتے۔ ان غویوں کو جو قرآن میں ہیں۔ مشکوٰۃ کتاب القصاص فصل اول میں ہے کہ کسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

دریافت کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن کے سوا کچھ اور بھی عظیمہ مصطفیٰ ہے علی الصلوٰۃ والسلام۔ تو فرمایا کہ مَا عِنْدَنَا إِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ إِلَّا فَهَمَّا يُعْطَى رَجُلٌ فِي كِتَابِهِ۔

ہمارے پاس اس قرآن کے سوا اور کچھ نہیں ہاں وہ علم و فہم ہے جو کسی کو کتاب الہی کے متعلق عطا کر دی جاتی ہے۔

اسی حدیث کے ماتحت مرثاۃ میں ہے۔

وَالْمَرَادُ مِنْهُ مَا يُسْتَنْبَطُ بِهِ الْمَعَانِي  
وَيُذَكَّرُ بِهِ الْأَشَارَاتُ وَالْعُلُومُ الْخُفِيَّةُ۔

اس فہم سے مراد وہ علم ہے جس سے قرآن کے معنی مستنبط کئے جائیں اور جس سے اشارات معلوم ہوں اور چھپے ہوئے علوم کا پتہ لگے۔

اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآنی معنی میں غور کرنا اور علم و عقل سے کام لینا اس سے مسائل کا استنباط کرنا جائز ہے۔ ہر جگہ نقل کی ضرورت نہیں۔

جمل حاشیہ جلالین میں ہے۔ أَصْلُ التَّفْسِيرِ  
الْكَشْفُ وَأَصْلُ التَّوْدِيلِ الرَّجُوعُ وَعِلْمُ  
التَّفْسِيرِ عِلْمٌ عَنِ أَحْوَالِ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ  
دَلَّ لَتِهِ عَلَى مُرَادِ اللَّهِ تَعَالَى بِحَسَبِ الطَّاقَةِ  
الْبَسْمِيَّةِ ثُمَّ هُوَ تَسْمَانِ تَفْسِيرٌ وَهُوَ مَا لَا  
يُذَكَّرُ إِلَّا بِالنَّقْلِ كَأَسْبَابِ التَّرْوِيلِ وَتَاوِيلِ

تفسیر کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا اور تاویل کے معنی ہیں لوٹنا علم تفسیر قرآن پاک کے ان محالات کا جاننا ہے جو اللہ کی مراد کو بتائیں طاقت انسانی کے مطابق پھر اسکی دو قسمیں ہیں ایک تفسیر اور تفسیر وہ ہے جو نقل کے بغیر نہ معلوم ہو سکے اور ایک تاویل اور تاویل وہ ہے جس کو عربی قواعدوں سے معلوم کر سکیں پس تاویل

هُوَ مَا يَتَكَلَّمُ إِذْ رَأَى بِالْقَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ  
 نَهْوٌ مِمَّا يَتَّعَلَقُ بِالذَّرَائِعِ وَالسَّرِّ فِي جَوَازِ  
 التَّأْوِيلِ بِالرَّمْيِ بِشُرُوطِهِ دُونَ التَّفْسِيرِ  
 أَنَّ التَّفْسِيرَ كَشْرَاهِدَةٍ عَلَى اللَّهِ تَطْعُ بِاللَّهِ  
 عَنِّي بِهَذَا اللَّفْظِ هَذَا الْمَعْنَى وَلَا يَجُوزُ إِلَّا  
 بِتَوْقِيفٍ وَبِذَا جَرَّمَ مَا لِحَاكِمُ بِأَنَّ تَفْسِيرَ  
 الصَّحَابِيِّ فِي حُكْمِ الْمَرْفُوعِ وَالتَّأْوِيلِ تَرْجِيحُ  
 لِأَحَدِ الْمُحْتَمَلَاتِ بِلَا تَطْعُ -

کا تعلق فہم سے ہے اور تاویل کے رائے سے جائز  
 ہونے میں اور تفسیر کے رائے سے ناجائز ہونے میں  
 یہ ہے کہ تفسیر تو حوائجے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس  
 کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہ  
 ہی معنی مراد لائے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں اسی  
 لئے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر مرفوعہ حدیث  
 کے حکم میں ہے اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض  
 کو ترجیح دے دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین -

مرثاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں من قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ كَمَا تَحْتِمْ فَرَمَاتِهِ هِيَ -

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اسکی  
 قرأت میں اپنی طرف سے کلام کرے لغت اور زبان  
 جاننے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے شریعی  
 قاعدوں کا لحاظ نہ رکھے بلکہ اس طرح کہہ دے جسکو اسکی عقل  
 چاہے حالانکہ یہ معنی ایسے ہوں کہ جن کا سمجھنا نقل پر موقوف  
 ہو جیسے کہ شان نزول اور ناسخ و منسوخ -

أَيُّ تَكَلَّمَ فِي مَعْنَاهُ أَوْ فِي قِرَائَتِهِ مِنْ تَلْقَاءِ  
 نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ تَتَّبِعُ أَوْ أَلِ الْأَيْمَةِ مِنْ  
 أَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ  
 بَلْ بِحَسَبِ مَا يَقْضِيهِ عَقْلُهُ وَهُوَ مِمَّا  
 يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ كَأَسْبَابِ النُّزُولِ وَالنَّاسِخِ  
 وَالْمَنْسُوخِ -

ترمذی جلد دوم کتاب التفسیر کے شروع میں ہے -

بعض اہل علم صحابہ کرام وغیرہ سے یہ ہی روایت ہے  
 کہ وہ حضرات اس میں بہت سختی کرتے تھے - کہ  
 قرآن کی تفسیر بغیر علم کی جائے -

وَهَكَذَا أُرْوَى عَنْ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ  
 أَصْحَابِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَغَيْرِهِمْ أَنَّهُمْ  
 شَدُّوا فِي هَذَا فِي أَنْ يُفَسَّرَ الْقُرْآنُ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اس حدیث کے حاشیہ میں مجمع البحار سے نقل فرمایا -

یہ تو جائز نہیں کہ اس عبارت کی یہ مراد ہو کہ کوئی بھی  
 قرآن میں بغیر علم سے ہوئے کچھ کلام ہی نہ کرے کیونکہ صحابہ  
 کرام نے قرآن کی تفسیر میں کہیں اور آپس میں بہت طرح

لَا يَجُوزُ أَنْ يُرَادَ أَنْ لَا يَتَكَلَّمَ أَحَدٌ فِي  
 الْقُرْآنِ إِلَّا بِمَا سَمِعَهُ فَإِنَّ الصَّحَابَةَ قَدْ  
 فَسَّرُوا وَاخْتَلَفُوا فِيهِ عَلَى وَجْهِ دَلِيلٍ

ان میں اختلاف رہا اور ان کی سہر بات تو سنی ہوئی نہ تھی  
نیز پھر حضور علیہ السلام کا یہ دعا فرمانا بیکار ہوگا کہ اے  
اللہ انکو دینی فقہ دے اور ان کو تاویل سکھا دے۔

كُلُّ مَا قَالُوهُ سَمِعُوهُ مِنْهُ وَلَا تَنْهَ  
لَا يُفِيدُ دُعَاءُكَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اللَّهُمَّ  
فَقَهْمُ فِي الدِّينِ وَعَلَيْهِمُ التَّوْبِيلُ۔

نیز حضرت امام غزالی نے احیاء العلوم باب ہشتم میں فصل چہارم اس مقصد کے لئے مقرر کی ہے کہ قرآن کا  
سمجھنا بغیر نقل بھی جائز ہے وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی علماء ظاہری  
معنی کی تحقیق کرتے ہیں۔ اور صوفیائے کرام باطنی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو  
سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ۷۰ اونٹ بھر دوں۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص قرآن سمجھ لیتا ہے  
وہ تمامی علوم کو بیان کر سکتا ہے۔ پھر جو حدیث میں یہ آیا کہ جو شخص اپنی رائے سے قرآن میں کہے وہ خطا کار ہے۔  
اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ جن باتوں کا علم بغیر نقل نہیں ہو سکتا۔ ان کو رائے سے بیان کرنا حرام ہے۔ دیکھو  
اس کی پوری بحث احیاء العلوم شریف کے اسی باب اسی فصل میں۔

نیز آئمہ دین کا قرآنی آیات میں بڑا اختلاف رہتا ہے ایک صاحب کسی جگہ وقف کرتے ہیں۔ تو دوسرے  
اور جگہ ایک صاحب اسی ایک آیت سے ایک مسئلہ نکالتے ہیں۔ دوسرے صاحب اس کے خلاف۔ جیسے کہ  
تہمت زنا لگانے والے کی گواہی، متشابہات کا علم وغیرہ۔ تو اگر آپ اپنے علم سے کلام الہی میں بالکل کلام  
نہیں کر سکتے ہر سہر بات کے لئے نقل کی ضرورت ہے تو یہ اختلاف کیسا۔

(۳) تحریف یہ ہے کہ قرآن کے ایسے معنی یا مطلب بیان کرے جو کہ اجماع امت یا عقیدہ اسلامیہ یا اجماع  
مفسرین کے خلاف ہو یا خود تفسیر قرآن کے خلاف ہو اور کہے کہ اس آیت کے وہ معنی نہیں ہیں بلکہ یہ معنی  
ہیں۔ جو میں نے کہے یہ صریح کفر ہے جیسے کہ آیات قرآنیہ اور قرأت متواترہ کا انکار کفر ہے ایسے ہی قرآن کے  
متواتر معنی کا انکار کفر جیسے کہ مولوی قاسم صاحب نے خاتم النبیین کے معنی کیے۔ اصلی نبی۔ اور معنی آخری  
نبی کو خیال عوام یعنی غلط کہا اور نبوت کی دو قسمیں کر ڈالیں۔ اصلی اور عارضی۔ حالانکہ امت کا اجماع اور  
احادیث کا اتفاق اس پر ہے کہ خاتم النبیین کے معنی میں آخری نبی۔ اور حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یا  
بعد کوئی نیا نبی نہیں آ سکتا۔ یہ تحریف ہے۔ اسی طرح ان کریم کی جن آیتوں میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت  
کی گئی ہے وہاں مفسرین کا اجماع ہے کہ اس سے مراد غیر خدا کو پوجنا ہے جیسے وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ خدا کے سوا ان کو نہ پوجو جو نفع نقصان نہ پہنچا سکیں۔

نیز قرآن کریم خود اس کی تفسیر فرماتا ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ يَبْغُ اللَّهُ لَكَ سِجِّينًا وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ يَبْغُ اللَّهُ لَكَ سِجِّينًا وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ يَبْغُ اللَّهُ لَكَ سِجِّينًا  
کو پوچھے

اب اس تفسیر اور اجماع مفسرین کے ہوتے ہوئے جو کہے کہ غیر اللہ کو پکارنا منع ہے۔ وہ قرآن میں تحریف کرتا ہے اس بحث کو خوب اچھی طرح خیال میں رکھنا چاہیے بہت فائدہ مند ہے اور آئندہ کام آئیگی۔

## تقلید کی بحث

تقلید کے باب میں پانچ باتیں خیال میں رہنا ضروری ہیں (۱) تقلید کے معنی اور اس کی قسمیں۔ (۲) تقلید کو نسبی ضروری ہے اور کو نسبی منع (۳) تقلید کس پر لازم ہے اور کس پر نہیں (۴) تقلید کے واجب ہونے کے دلائل (۵) تقلید پر اعتراضات اور ان کے مکمل جوابات۔ اس بیٹے اس بحث کے پانچ باب کیے جاتے ہیں

## باب اول

### تقلید کے معنی اور اس کے اقسام میں

تقلید کے دو معنی ہیں۔ ایک لغوی۔ دوسرے شرعی۔ لغوی معنی ہیں۔ تلامذہ در کردن بستن گلے میں ہا ری ا پٹہ ڈالنا۔ تقلید کے شرعی معنی یہ ہیں کہ کسی کے قول و فعل کو اپنے پر لازم شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لئے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔ جیسے کہ ہم مسائل شرعیہ میں امام صاحب کا قول و فعل اپنے لئے دلیل سمجھتے ہیں اور دلائل شرعیہ میں نظر نہیں کرتے۔

حاشیہ حسامی باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صفحہ ۸۶ پر شرح مختصر المنار سے نقل کیا اور

عبارت نور الانوار بحث تقلید میں بھی ہے۔

التَّقْلِيدُ اتِّبَاعُ الرَّجُلِ غَيْرِهِ نِيْمًا سَمِعَهُ يَقُولُ  
اَوْ فِى فِعْلِهِ عَلَى مَرَعِمٍ اَنْهُ مُحِقٌّ بِلَا  
تقلید کے معنی ہیں کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا  
اس میں جو اسکو کہتے ہوئے یا کرتے ہوئے سن لے یہ سمجھ کر  
کہ وہ اہل تحقیق میں سے ہے بغیر دلیل میں نظر کیے ہوئے  
نظیر فی الدلیل۔

نیز امام غزالی کتاب المستصفیٰ جلد دوم صفحہ ۳۸۷ میں فرماتے ہیں التَّقْلِيدُ هُوَ قَبُولُ قَوْلِ بِلَا حُجَّةٍ۔



مسلم الثبوت میں ہے التَّقْلِيدُ الْعَمَلُ يَقُولُ الْعَدِيمُ مِنَ غَيْرِ حُجَّةٍ ترجمہ وہی جو اوپر بیان ہوا اس تعریف سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کرنے کو تقلید نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکا ہر قول و فعل دلیل شرعی ہے تقلید میں ہوتا ہے۔ دلیل شرعی کو نہ دیکھنا۔ لہذا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی کہلائیں گے نہ کہ مقلد۔ اسی طرح صحابہ کرام و ائمہ دین حضور علیہ السلام کے امتی ہیں نہ کہ مقلد اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کام کو اپنے لیے حجت نہیں بناتا۔ بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا یہ فتویٰ غلط تھا، کتب فقہ کے خلاف تھا تو کوئی بھی نہ مانے بخلاف قول امام ابو حنیفہ کے کہ اگر وہ حدیث یا قرآن یا اجماع امت کو دیکھ کر مسئلہ فرمادیں تو بھی قبول اور اگر اپنے قیاس سے حکم دیں تو بھی قبول ہو گا یہ فرق ضرور یاد رہے۔

تقلید دو طرح کی ہے۔ تقلید شرعی اور غیر شرعی۔ تقلید شرعی تو شریعت کے احکام میں کسی کی پیروی کرنے کو کہتے ہیں۔ جیسے روزے، نماز، حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل میں آئمہ دین کی اطاعت کی جاتی ہے اور تقلید غیر شرعی دنیاوی باتوں میں کسی کی پیروی کرنا ہے جیسے طبیب لوگ علم طب میں بوعلی سینا کی اور شاعر لوگ داغ، امیر یا مرزا غالب کی یا نحوی و صرفی لوگ سیبویہ اور خلیل کی پیروی کرتے ہیں اسی طرح ہر پیشہ وراپنے پیشہ میں اس فن کے ماہرین کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تقلید دنیاوی ہے۔

صوفیائے کرام جو وظائف و اعمال میں اپنے مشائخ کے قول و فعل کی پیروی کرتے ہیں وہ تقلید دینی تو ہے مگر تقلید شرعی نہیں بلکہ تقلید فی الطریقت ہے۔ اس لئے کہ یہ شرعی مسائل حرام و حلال میں تقلید نہیں ہاں جس چیز میں تقلید ہے وہ دینی کام ہے۔

تقلید غیر شرعی اگر شریعت کے خلاف میں ہے تو حرام ہے اگر خلاف اسلام نہ ہو تو جائز ہے بڑھی عورتیں اپنے باپ و داداؤں کی ایجاب کی ہوئی شادی غمی کی ان رسموں کی پابندی کریں جو خلاف شریعت ہیں تو حرام ہے اور طبیب لوگ جو طبی مسائل میں بوعلی سینا وغیرہ کی پیروی کریں جو کہ مخالف اسلام نہ ہوں تو جائز ہے اسی پہلی قسم کی حرام تقلید کے بارے میں قرآن کریم جگہ جگہ ممانعت فرماتا ہے اور ایسی تقلید کرنے والوں کی برائی فرماتا ہے۔

اور اس کا کہا نہ مانو جب کادل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا

وَلَا تَطْعَمَنَّ مِنْ أَغْضَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا

وَاتَّبَعِ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا

مَلَاؤَانِ جَاهِدَكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ  
لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا -

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ  
الرَّسُولِ قَالُوا احْسَبْنَا مَا وَصَّيْنَاكَ بِهٖ  
أَبَاءَنَا أَدْرَاكَوْكَانَ آبَاءُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ  
شَيْئًا وَلَا يَرْهَقُونَ -

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا  
بَلَىٰ نَتَّبِعُ مَا الْفَرِيقَانَا عَلَيْهِ  
أَبَاءَنَا -

اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے  
گذر گیا۔ اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک  
بٹھرا اس کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہا نہ مان۔

اور جب ان سے کہا جائے کہ ادا اس طرف جو اللہ  
نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہم کو وہ بہت ہے  
جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ اگرچہ ان کے  
باپ دادا کچھ نہ جانیں اور نہ راہ پر ہوں۔

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اتارے  
ہوئے پر چلو تو کہیں گے ہم تو اس پر چلیں گے جس پر  
اپنے باپ دادا کو پایا۔

ان میں اور ان جیسی آیتوں میں اسی تقلید کی برائی فرمائی گئی ہے جو شریعت کے مقابلہ میں جاہل باپ دادوں  
کے حرام کاموں میں کی جاوے کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے تھے ہم بھی ایسا کریں گے۔ چاہے یہ کام  
جائز ہو یا ناجائز۔ یہی شرعی تقلید اور آئمہ دین کی اطاعت، اس سے ان آیات کو کوئی تعلق نہیں ان آیتوں  
سے تقلید آئمہ کو شرک یا حرام کہنا محض بے دینی ہے۔ اس کا بہت خیال ہے۔

## دوسرا باب

### کن مسائل میں تقلید کی جاتی ہے کن میں نہیں

تقلید شرعی میں کچھ تفصیل ہے شرعی مسائل میں طرح کے میں (۱) عقائد (۲) وہ احکام جو صراحتہ قرآن

پاک یا حدیث شریف سے ثابت ہوں اجتہاد کو ان میں دخل نہ ہو (۳) وہ احکام جو قرآن یا حدیث سے  
استنباط و اجتہاد کر کے نکالے جائیں۔

عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔ تفسیر روح البیان آخر سورہ ہود زیر آیت نَصِيْبُهُمْ غَيْرِ مَنْقُوْضٍ

میں ہے وَفِي الْاٰيَةِ دَمَةُ التَّقْلِيْدِ وَهِيَ تَقْبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيْلٍ وَهِيَ جَائِزَةٌ فِي الْفُرُوْعِ وَالْعَمَلِيَّاتِ

وَلَا يَجُوزُ فِي أُصُولِ الدِّينِ وَالْإِعْتِقَادِيَّاتِ بَلَّ لَا بَدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالْإِسْتِدْلَالِ اِذَا كُنِيَ مِنْهُمْ  
 پوچھے کہ توحید و رسالت وغیرہ تم نے کیسے مانی تو یہ نہ کہا جاوے گا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمانے  
 سے یا کہ فقہ اہل توحید و رسالت سے کیونکہ عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ مقدمہ شامی بحث تقلید  
 المفصول مع الافضل میں ہے :-

رَعَى مُعْتَقِدِنَا اَى عَمَّا نَعْتَقِدُهُ مِنْ غَيْرِ  
 الْمَسْئِلِ الْمَرْعِيَّةِ مِمَّا يَجِبُ اِعْتِقَادُهُ عَلَى  
 كُلِّ مَكَلَّفٍ بِلَا تَقْلِيدٍ لِأَحَدٍ وَهُوَ مَا عَلَيْهِ أَهْلُ  
 السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَهُمْ الْأَشَاعِرَةُ وَالْمَاتُرِيدِيَّةُ

یعنی جن کا ہم اعتقاد رکھتے ہیں فرعی مسائل کے علاوہ  
 کہ جن کا اعتقاد رکھنا ہر مکلف پر بغیر کسی کی تقلید کے  
 واجب ہے وہ عقائد وہی ہیں جن پر اہل سنت  
 والجماعت ہیں اور اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ ہیں۔  
 نیز تفسیر کبیر پارہ دس زیر آیت فَاجْرَهُ حَتَّى يَمِمْ كَلَامَ اللَّهِ فِي هَذِهِ الْآيَةِ تَدُلُّ عَلَى  
 أَنَّ التَّقْلِيدَ غَيْرُ كَافٍ فِي الدِّينِ وَأَنَّهُ لَا بَدَّ مِنَ النَّظَرِ وَالْإِسْتِدْلَالِ صَرَحَ احْكَامِ فِي  
 بھی کسی کی تقلید جائز نہیں۔ پانچ نمازیں، نماز کی رکعتیں، تیس روزے، روزے میں کھانا پینا حرام ہونا  
 یہ وہ مسائل ہیں جن کا ثبوت نص سے صراحتہ سے اس لئے یہ نہ کہا جائے گا کہ نمازیں پانچ اس لئے ہیں  
 یا روزے ایک ماہ کے اس لئے ہیں کہ فقہ اہل توحید نے لکھا ہے یا امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے بلکہ اس کے لئے  
 قرآن و حدیث سے دلائل دیئے جائیں گے۔

جو مسائل قرآن و حدیث یا اجماع امت سے اجتہاد و استنباط کر کے نکالے جائیں۔ ان میں غیر مجتہد  
 پر تقلید کرنا واجب ہے مسائل کی جو ہم نے تقسیم کر دی اور بتا دیا کہ کون سے مسائل تقلید یہ ہیں اور کون سے  
 نہیں اس کا بہت لحاظ ہے بعض موقع پر غیر مقلد اعتراض کرتے ہیں کہ مقلد کو حق نہیں ہوتا کہ دلائل سے  
 مسائل نکالے پھر تم لوگ نماز روزے کے لئے قرآنی آیتیں یا احادیث کیوں پیش کرتے ہو اس کا جواب  
 بھی اس امر میں آگیا کہ روزہ و نماز کی فرضیت تقلیدی مسائل سے نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ سوائے احکام خبر  
 وغیرہ میں تقلید نہ ہوگی۔ جیسے کہ مسئلہ کفر بیزید وغیرہ۔ نیز قیاسی مسائل میں فقہا کا قرآن و حدیث سے  
 دلائل پیش کرنا صرف مانے ہوئے مسائل کی تائید کے لئے ہوتا ہے وہ مسائل پہلے ہی سے قول امام  
 سے مانے ہوئے ہوتے ہیں تو بلا نظر فی الدلیل کے یہ معنی نہیں کہ مقلد دلائل دیکھے ہی نہیں بلکہ یہ کہ دلائل  
 سے مسائل حل نہ کرے۔

## تیسرا باب

### کس پر تقلید کرنا واجب ہے اور کس پر نہیں

مکلف مسلمان دو طرح کے ہیں ایک مجتہد۔ دوسرے غیر مجتہد۔ مجتہد وہ ہے۔ جس میں اس قدر علمی لیاقت اور قابلیت ہو کہ قرآنی اشارات درموز سمجھ سکے اور کلام کے مقصد کو پہچان سکے اس سے مسائل نکال سکے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا علم رکھتا ہو۔ علم صرف و نحو و بلاغت، وغیرہ میں اس کو پوری مہارت حاصل ہو احکام کی تمام آیتوں اور احادیث پر اس کی نظر ہو۔ اس کے علاوہ ذکی اور خوش فہم ہو دیکھو تفسیر احمدیہ وغیرہ جو کہ اس درجہ پر نہ پہنچا ہو وہ غیر مجتہد یا مقلد ہے۔ غیر مجتہد پر تقلید ضروری ہے۔ مجتہد کے لئے تقلید منع۔ مجتہد کے چھ طبقے ہیں (۱) مجتہد فی الشرع (۲) مجتہد فی المذہب (۳) مجتہد فی المسائل (۴) اصحاب التخریج (۵) اصحاب الترجیح (۶) اصحاب التیمیز (مقدمہ شامی بحث طبقات الفقہاء)

(۱) مجتہد فی الشرع وہ حضرات ہیں جنہوں نے اجتہاد کرنے کے قواعد بنائے۔ جیسے چاروں امام ابو حنیفہ شافعی۔ مالک۔ احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۲) مجتہد فی المذہب وہ حضرات ہیں جو ان اصول میں تقلید کرتے ہیں اور ان اصول سے مسائل شرعیہ فرعیہ خود استنباط کر سکتے ہیں جیسے امام ابو یوسف و محمد ابن مبارک رحمہم اللہ اجمعین۔ کہ یہ قواعد میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں خود مجتہد۔

(۳) مجتہد فی المسائل وہ حضرات ہیں جو قواعد اور مسائل فرعیہ دونوں میں مقلد ہیں۔ مگر وہ مسائل جن متعلق آئمہ کی تصریح نہیں ملتی۔ ان کو قرآن و حدیث وغیرہ دلائل سے نکال سکتے ہیں۔ جیسے امام طہاوی اور قاضی خان، شمس الآئمہ سمرخسی وغیرہم۔

(۴) اصحاب تخریج وہ حضرات ہیں جو اجتہاد تو بالکل نہیں کر سکتے، بل ان آئمہ میں سے کسی کے محل قول کی تفصیل فرما سکتے ہیں جیسے امام کرخی وغیرہ۔

(۵) اصحاب ترجیح وہ حضرات ہیں جو امام صاحب کی چند روایات میں سے بعض کو ترجیح دے سکتے ہیں یعنی اگر کسی مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو قول روایت میں آئے تو ان میں

سے کس کو ترجیح دیں۔ یہ وہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہو تو کسی کے قول کو ترجیح دے سکتے ہیں کہ بذاتہ یا بذاتہ اصح وغیرہ جیسے صاحب قدوری اور صاحب بدایہ (۱۶) اصحاب تیسرہ حضرات میں جو ظاہر مذہب اور روایات نارہ اسی طرح قول ضعیف اور قوی اور اقویٰ میں فرق کر سکتے ہیں کہ اقوال مردودہ اور روایات ضعیفہ کو ترک کر دیں۔ اور صحیح روایات اور مقبر قول کو لیں۔ جیسے کہ صاحب کنز اور صاحب در مختار وغیرہ۔

جن میں ان چھ وصفوں میں سے کچھ بھی نہ ہوں۔ وہ مقلد محض ہیں۔ جیسے ہم اور ہمارے زمانہ کے عام علماء کہ ان کا صرف یہ ہی کام ہے کہ کتاب سے مسائل دیکھ کر لوگوں کو بتادیں۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مجتہد کو تقلید کرنا حرام ہے تو ان چھ طبقوں میں جو صاحب جس درجہ کے مجتہد ہوں گے۔ وہ اس درجہ سے کسی کی تقلید نہ کریں گے۔ اور اس سے اوپر والے درجہ میں مقلد ہوں گے جیسے امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کہ یہ حضرات اصول اور قواعد میں تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں اور مسائل میں چونکہ خود مجتہد ہیں۔ اس لئے ان میں مقلد نہیں۔

ہماری اس تقریر سے غیر مقلدوں کا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ جب امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ حنفی ہیں اور مقلد ہیں تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ جگہ مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ تو یہ ہی کہا جا چکا۔ کہ اصول و قواعد میں یہ حضرات مقلد ہیں۔ اس میں مخالفت نہیں کرتے اور فرعی مسائل میں مخالفت کرتے ہیں انہیں خود مجتہد ہیں۔ وہ کسی کے مقلد نہیں۔

یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم بہت سے مسائل میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیتے ہو اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو چھوڑتے ہو پھر تم حنفی کیسے؟ جواب اگیا کہ بعض درجہ کے فقہار اصحاب ترجیح بھی ہیں جو چند قولوں میں سے بعض کو ترجیح دیتے ہیں اسی لئے ہم کون فقہار کا ترجیح دیا ہوا جو قول ملا اس پر فتویٰ دیا گیا یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ تم اپنے کو حنفی پھر کیوں کہتے ہو۔ یوسفی یا محمدی یا ابن مبارک کی کہو اکیونکہ بہت سی جگہ تم ان کے قول پر عمل کرتے ہو امام ابو حنیفہ کا قول چھوڑ کر۔ جواب یہ ہی ہوا کہ چونکہ ابو یوسف و محمد و ابن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ کے تمام اقوال امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے اصول اور قوانین پر بنے ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی بھی قول کو لینا درحقیقت امام صاحب ہی کے قول کو لینا ہے جیسے حدیث پر عمل درحقیقت قرآن پر عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ کوئی حدیث صحیح ثابت

ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔ اب اگر کوئی محقق فی المذہب کوئی صحیح حدیث پا کر اس پر عمل کرے تو وہ اس سے غیر مقلد نہ ہوگا۔ بلکہ حنفی ہی رہے گا۔ کیونکہ اس نے اس حدیث پر امام صاحب کے اس قاعدے سے عمل کیا یہ پوری بحث دیکھو مقدمہ شامی مطلب صحیح عن اکابرہ اذ اصحہ الحدیث فہو مذہبی امام صاحب کے اس قول کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوئی ہے تو وہ میرا مذہب بنی یعنی ہر مسئلہ اور ہر حدیث میں میں نے بہت جرح قدح اور تحقیق کی ہے تب اسے اختیار کیا چنانچہ حضرت امام کے یہاں ہر مسئلہ کی بڑی چھان بین ہوتی تھی۔ مجتہد شاگردوں سے نہایت تحقیقی گفتگو کے بعد اختیار فرمایا جاتا تھا۔

اگر یہ مختصر سی تقریر خیال میں رکھی گئی تو بہت مشکلوں کو انشاء اللہ حل کر دے گی اور بہت کام آویگا بعض غیر مقلد کہتے ہیں کہ ہم میں اجتہاد کرنے کی قوت ہے لہذا ہم کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ اس کے لیے بہت طویل گفتگو کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اجتہاد کے لیے کس قدر علم کی ضرورت ہے اور ان حضرات کو وہ قوت علمی حاصل ہے یا نہیں۔

حضرت امام رازی، امام غزالی وغیرہ امام ترمذی و امام ابو داؤد وغیرہ حضور غوث پاک حضرت بابائے بسطامی۔ شاہ بہاء الحق نقشبند اسلام میں ایسے پایہ کے علماء اور مشائخ گزرے کہ ان پر اہل اسلام حقیقتاً بھی فخر کریں کم ہے۔ مگر ان حضرات میں سے کوئی صاحب بھی مجتہد نہ ہوئے بلکہ سب مقلد ہی ہوئے خواہ امام شافعی کے مقلد ہوں۔ یا امام ابو حنیفہ کے رضی اللہ عنہم جمعیں۔ زمانہ موجودہ میں کون ان کی قابلیت کا ہے جب ان کا علم مجتہدینے کیلئے کافی نہ ہوا۔ تو جن بے چاروں کو ابھی حدیث کی کتابوں کے نام لینا بھی نہ آتے ہوں وہ کس شمار میں ہیں۔

ایک صاحب نے دعویٰ اجتہاد کیا تھا میں نے اس سے صرف اتنا پوچھا کہ سورۃ تکوین سے کس قدر مسائل آپ نکال سکتے ہیں اور اس میں حقیقت، مجاز، صریح و کنایہ ظاہر و نفس کتنے ہیں۔ ان بے چاروں نے ان چیزوں کے نام بھی نہ سنے تھے۔

# چوتھا باب

## تقلید واجب ہونے کے دلائل میں

اس باب میں ہم دو نسلیں بکھتے ہیں۔ پہلی فصل میں تو مطلقاً تقلید کے دلائل ہیں۔ دوسری میں تقلید شخصی کے دلائل۔

**فصل اول۔** تقلید کا واجب ہونا قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عمل امت اور اقوال مفسرین سے ثابت ہے۔ تقلید مطلقاً بھی اور تقلید مجتہدین بھی ہر ایک تقلید کا ثبوت ہے۔

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ  
أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔  
ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ ان کا راستہ جن پر تو نے  
احسان کیا۔ (سورہ فاتحہ)

اس سے معلوم ہوا کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور تمام مفسرین محدثین فقہاء، ادیباء اللہ، غوث و قطب و ابدال اللہ کے نیک بندے ہیں وہ سب ہی مقلد گزرے لہذا تقلید ہی سیدھا راستہ ہوا۔ کوئی محدث و مفسر، ولی غیر مقلد نہ گزرا۔ غیر مقلد وہ ہے جو مجتہد نہ ہو۔ پھر تقلید نہ کرے۔ جو مجتہد ہو کر تقلید نہ کرے۔ وہ غیر مقلد نہیں۔ کیونکہ مجتہد کو تقلید کرنا منع ہے۔

(۲) لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِكْرَامًا ذَرْبًا لِّسَانِهَا (سورہ بقرہ)  
اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت پر  
اس آیت سے معلوم ہوا کہ طاقت سے زیادہ کام کی خدا تعالیٰ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔ تو جو شخص  
اجتہاد نہ کر سکے اور قرآن سے مسائل نہ نکال سکے۔ اس سے تقلید نہ کرنا اور اس سے استنباط کرنا طاقت سے  
زیادہ بوجھ ڈالنا ہے جب غریب آدمی پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں تو بے علم پر مسائل کا استنباط کرنا کیونکر  
ضروری ہوگا۔

(۳) وَالسَّائِقُونَ الَّذِينَ لَا لُبَّ لَهُمْ فِي صُدُورِهِمْ  
وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِأَحْسَانٍ  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ كَمَا رَضُوا عَنْهُمْ۔  
اور سب میں اگلے پھلے حجاج و انصار اور جو بھلائی  
کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی  
اور وہ اللہ سے راضی۔

معلوم ہوا کہ اللہ ان سے راضی ہے جو مہاجرین اور انصار کی اتباع یعنی تقلید کرتے ہیں۔ یہ بھی تقلید ہوتی۔

(۴) أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُذِيعُوا  
 اطماعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور  
 حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں۔

اس آیت میں تین ذاتوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اللہ کی (قرآن) رسول علیہ السلام کی (حدیث) اور والوں کی (فقہ و استنباط کے علماء) مگر کلمہ اطیعوا دو جگہ لایا گیا۔ اللہ کے یسے ایک اور رسول علیہ السلام اور حکم والوں کے یسے ایک۔ کیونکہ اللہ کی صرف اس کے فرمانے میں ہی اطاعت کی جائے گی نہ کہ اس کے فعل میں اور نہ اس کے سکوت میں۔ وہ کفار کو روزی دیتا ہے کبھی ان کو ظاہری فتح دیتا ہے وہ کفر کرتے ہیں مگر ان کو فوراً عذاب نہیں بھیجتا۔ ہم اس میں رب تعالیٰ کی پیروی نہیں کر سکتے کہ کفار کی امداد کریں بخلاف نبی علیہ السلام و امام مجتہد کے کہ ان کا ہر حکم ان کا ہر کام اور ان کا کسی کو کچھ کام کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش ہونا۔ تینوں چیزوں میں پیروی کی جاوے گی۔ اس فرق کی وجہ سے دو جگہ أَطِيعُوا بولا اگر کوئی کہے کہ امر والوں سے مراد سلطان اسلامی ہے تو سلطان اسلامی کی اطاعت شرعی احکام میں کی جاوے گی نہ کہ خلاف شرع چیزوں میں اور سلطان وہ شرعی احکام علماء مجتہدین ہی سے معلوم کرے گا حکم تو سب میں فقیہ کا ہوتا ہے۔ اسلامی سلطان محض اس کا جاری کرنے والا ہوتا ہے۔ تمام رعایا کا حاکم بادشاہ اور بادشاہ کا حاکم۔ عالم مجتہد لہذا نتیجہ وہ بنی نکلا کہ اولی الامر علمائے مجتہدین ہی ہوتے اور اگر بادشاہ اسلامی بھی مراد ہو۔ جب بھی تقلید تو ثابت ہو ہی گئی۔ عالم کی نہ ہوتی بادشاہ کی ہوتی۔ یہ بھی خیال رہے کہ آیت میں اطاعت سے مراد شرعی اطاعت ہے۔

ایک نکتہ اس آیت میں یہ بھی ہے کہ احکام تین طرح کے ہیں۔ صراحتہ قرآن سے ثابت جیسے کہ جس عورت غیر حاملہ کا شوہر مر جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے ان کے یسے حکم ہوا أَطِيعُوا اللَّهَ دوسرے وہ جو صراحتہ حدیث سے ثابت ہیں۔ جیسے کہ چاندی سونے کا زیور مرد کو پہننا حرام ہے اس کے یسے فرمایا گیا وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ تیسرے وہ جو نہ تو صراحتہ قرآن سے ثابت ہیں نہ حدیث سے جیسے کہ چاول من سوڈ کی حرمت قطعاً ہے۔ اس کے یسے فرمایا گیا أَذِيعُوا اَلْاَمْرَ مِنْكُمْ تین طرح کے احکام اور تین حکم۔

(۵) فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ | تو اسے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں۔  
 اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص جس مسئلہ کو نہ جانتا ہو۔ وہ اہل علم سے دریافت کرے۔ وہ



اجتہادی مسائل جن کے نکالنے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ مجتہدین سے دریافت کیئے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاریخی واقعات ہیں۔ جیسا کہ اوپر کی آیت سے ثابت ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس آیت کے کلمات مطلق بغیر قید کے ہیں اور پوچھنے کی وجہ ہے نہ جاننا تو جس چیز کو ہم نہ جانتے ہوں اس کا پوچھنا لازم ہے۔

(۷) وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ | اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی اتباع (تقلید) ضروری ہے۔ یہ حکم بھی عام ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔

(۸) وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَمْرٍ وَإِنَّا ذُرِّيَّتًا قَوَّةً أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ | اور وہ جو عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دے ہمارے بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں میں ٹھنڈک اور ہم کو پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

اس آیت کی تفسیر میں تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

فَنَقْتَدِيَ بِالْمُتَّقِينَ دِيْقَتَدِي بِنَا الْمُتَّقُونَ۔ | ہم پرہیزگاروں کی پیروی کریں اور پرہیزگار ہماری پیروی کریں۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی پیروی اور ان کی تقلید ضروری ہے۔

(۹) فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔ | تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر مجتہد بنا ضروری نہیں۔ بلکہ بعض توفیقہ بنیں اور بعض دوسروں کی تقلید کریں۔

(۱۰) وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُمُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَ مِنْهُمْ۔ | اور اگر اس میں رسول اور امر والے لوگوں کی طرف رجوع کرتے تو ضرور ان میں سے اس کی حقیقت جان لیتے وہ جو استنباط کرتے ہیں۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ احادیث اور اخبار اور قرآنی آیات کو پہلے استنباط کرنے والے علماء

کے سامنے پیش کرے۔ پھر جس طرح وہ فرماویں اس پر عمل کرے۔ خبر سے بڑھ کر قرآن و حدیث ہے لہذا اُس کا مجتہد پر پیش کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) يَوْمَ سَدَّ عَوَاكِلَ اَنَابٍ بِاِمَامِهِمْ | جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائی گئے۔  
اس کی تفسیر تفسیر روح البیان میں اس طرح ہے۔

اَوْ مُقَدَّمٍ فِي الدِّينِ فَيَقَالُ يَا حَنْفِيُّ | یا امام دینی پیشوا ہے۔ پس قیامت میں کہا جاوے  
يَا شَافِعِيُّ۔ | گا کہ اے حنفی اے شافعی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ہر انسان کو اس کے امام کے ساتھ بلا یا جاوے گا۔ یوں کہا جاوے گا کہ اے حنفیو اے شافعیو اے مالکیو چلو! تو جس نے امام ہی نہ پکڑا۔ اس کو کس کے ساتھ بلا یا جائے گا۔ اس کے بارے میں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی امام نہیں۔ اس کا امام شیطان ہے۔

(۱۱) وَاِذَا قِيلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَا اٰمَنَ | یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا ایمان لاؤ  
النَّاسُ قَالُوْا اَنُؤْمِنُ بِكَمَا اٰمَنَ | جیسا کہ مخلص مومن ایمان لاتے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم  
السُّفَهَاءُ۔ | ایسا ایمان لائیں جیسا یہ بے وقوف ایمان لاتے۔

معلوم ہوا کہ ایمان بھی وہ ہی معتبر ہے۔ جو صالحین کا سا ہو۔ تو مذہب بھی وہ ہی ٹھیک ہے۔ جو نیک بندوں کی طرح ہو اور وہ تقلید ہے۔

## اقوال مفسرینِ محدثین

خبر دی ہم کو علی نے انہوں نے کہا کہ مجھ سے کہا عبد الملک نے انہوں نے عطا سے روایت کی کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے میں سے امرو والوں کی۔ فرمایا عطا نے کہ اول الامر علم اور فقہ والے حضرت ہیں

دارمی باب الاقتدار بالعلماء میں ہے۔ اَخْبَرَنَا يَعْلَى قَالَ اَخْبَرَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ عَنْ عَطِيَّةٍ وَاطْبِغَوْ اللّٰهَ وَاطْبِغَوْ الرَّسُوْلَ وَادُوْلِ الْاَمْرِ مِنْكُمْ قَالُوْا اَدُوْلُو الْعِلْمَ وَالْفِقْهَ۔

تفسیر خازن زیر آیت۔

پس پوچھو تم ذکر والوں سے اگر تم نہیں جانتے

فَاَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

فَاسْئَلُوا الْمُؤْمِنِينَ الْعَالِمِينَ مِنْ أَهْلِ الْقُرْآنِ - | تم ان مومنوں سے پوچھو جو قرآن کریم کے علماء ہیں۔  
تفسیر و منثور میں اسی آیت فَاَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ كِي تَفْسِيرٍ میں ہے۔

ابن مردودیر نے حضرت انس سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا کہ فرماتے تھے کہ بعض شخص نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں حج اور جہاد کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ منافق ہوتے ہیں عرض کی کہ یا رسول اللہ کس درجہ سے ان میں نفاق آگیا۔ فرمایا کہ اپنے امام پر طعنہ کرنے کی وجہ سے امام کون ہے فرمایا کہ رب نے فرمایا فَاَسْئَلُوا الْآيَةَ

أَخْرَجَ ابْنُ مَرْدَوَيْهِ عَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الرَّجُلَ يَصِلُ وَيَصُومُ وَيَحُجُّ وَيَغْرُودُ وَآيَةٌ لِمَنَافِقٍ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ بِمَاذَا دَخَلَ عَلَيْهِ النِّفَاقُ قَالَ لِيَطْعَنَهُ عَلَى إِمَامِهِ وَإِمَامُهُ مَنْ قَالَ قَالَ قَالَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ فَاَسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ.

تفسیر صاوی سورہ کہف واذکرتک اذا نسیت کی تفسیر میں ہے۔

یعنی چار مذہبوں کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ صحابہ کے قول اور صحیح حدیث اور آیت کے موافق ہی ہو۔ جو ان چار مذہبوں سے خارج ہے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ کیوں کہ حدیث و قرآن کے محض ظاہری معنی لینا کفر کی جڑ ہے۔

وَلَا يَجُوزُ تَقْلِيدُ مَا عَدَا الْمَذَاهِبَ الْأَرْبَعَةَ وَلَوْ وَافَقَ قَوْلَ الصَّحَابَةِ وَالْحَدِيثِ الصَّحِيحِ وَالآيَةِ فَالْخَارِجُ عَنِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ ضَالٌّ مُضِلٌّ وَمُرَبِّمَا آذَاهُ ذَلِكَ لِكُفْرِهِ لِأَنَّهُ أَخَذَ بِظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ مِنْ أُصُولِ الْكُفْرِ.

**احادیث۔** مسلم جلد اول صفحہ ۴۴۴ باب بیان ان الدین النصیحة میں ہے۔

تیمم داری سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دین خیر خواہی ہے ہم نے عرض کیا کس کی؟ فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی۔ اور مسلمانوں کے امام کی اور عامہ مومنین کی۔

عَنْ تَمِيمِ الدَّارِمِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلَّهِ وَرِكَّتَابِهِ وَرَسُولِهِ وَرِأْيَةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّةِ تَهْدِهِ.

اس حدیث کی شرح نووی میں ہے۔

یہ حدیث ان اماموں کو بھی شامل ہے جو علمائے دین

وَقَدْ يَتَنَادَوْنَ ذَلِكَ عَلَى الْأَيْمَةِ الدِّينِ

ہیں اور علماء کی خیر خواہی سے ہے ان کی روایت کی ہوتی احادیث کا قبول کرنا اور ان کے احکام میں تقلید کرنا اور ان کے ساتھ نیک گمان کرنا۔

هُمْ عَلَمَاءُ الدِّينِ وَإِنْ مِنْ نَصِيحَتِهِمْ قَبُولُ مَا سَرَدَدَهُ وَتَقْلِيدُهُمْ فِي الْأَحْكَامِ وَإِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِمْ

## دوسری فصل تقلید شخصی کے بیان میں

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ میں بحوالہ مسلم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

جو تمہارے پاس آوے حالانکہ تم ایک شخص کی اطاعت پر متفق ہووہ چاہتا ہو کہ تمہاری لاکھی توڑو اور تمہاری جماعت کو متفرق کرے تو اس کو قتل کر دو۔

مَنْ آتَاكُمْ وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ عَلَى رَجُلٍ وَاحِدٍ يُرِيدُ أَنْ يَشُقَّ عَصَاكُمْ وَيَفْرِقَ بَيْنَ جَمَاعَتِكُمْ فَاقْتُلُوهُ

اس میں مراد امام اور علماء دین ہی ہیں۔ کیونکہ حاکم وقت کی اطاعت خلاف شرع احکام میں جواز

نہیں ہے۔

مسلم نے کتاب الامارۃ میں ایک باب باندھا باب دُجُوبِ طَاعَةِ الْأَمْرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ یعنی امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی کی اطاعت ضروری ہے۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الیسوع باب الفرائض میں بروایت بخاری ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت ابن مسعود کے بارے میں فرمایا لَا تَسْأَلُونِي مَا دَامَ هَذَا الْجَبْرُ فِيكُمْ جب تک کہ یہ علامہ تم میں رہیں۔ مجھ سے مسائل نہ پوچھو۔ معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی اطاعت نہ کرے اور ہر مقلد کی نظر میں اپنا امام افضل ہوتا ہے۔

جو شخص مسلمانوں کی حکومت کا مالک ہو پھر ان پر کسی کو حاکم بنائے حالانکہ جانتا ہو کہ مسلمانوں میں اس سے زیادہ مستحق اور قرآن و حدیث کا جاننے والا ہے تو اس نے اللہ و رسول علیہ السلام اور عام مسلمانوں کی خیانت کی۔

فتح القدیر میں ہے۔ مَنْ تَوَلَّى أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ شَيْئًا فَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا دَعِيَ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّ فِيهِمْ مَنْ هُوَ أَوْلَى بِدَالِكِ وَأَعْلَمُ مِنْهُ بِكِتَابِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَجَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فصل اول میں ہے۔

جو مر جائے حالانکہ اس کے گلے میں کسی کی بیعت نہ ہو۔ وہ جہالت کی موت مرا۔

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ  
مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔

اس میں امام کی بیعت یعنی تقلید اور بیعت اولیاء سب ہی داخل ہیں ورنہ بتاؤ فی زمانہ ہندوستانی وہابی کن سلطان کی بیعت میں ہیں۔

یہ تو چند آیات و احادیث تھیں۔ اس کے علاوہ اور بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی پر قناعت کی گئی۔ اب امت کا عمل دیکھو۔ توتبع تابعین کے زمانہ سے اب تک ساری امت مرحومہ اس ہی تقلید کی عامل ہے کہ جو خود مجتہد نہ ہو۔ وہ ایک مجتہد کی تقلید کرے اور اجماع امت پر عمل کرنا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور ضروری ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

اور جو رسول کی مخالفت کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راستہ چلے ہم اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیں گے اور اسکو دوزخ میں داخل کریں گے۔ اور کیا ہی بڑی جگہ پلٹنے کی ہے۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا  
تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ  
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ  
جَهَنَّمَ دَسَاءً مَصِيْبًا۔

جس سے معلوم ہوا کہ جو راستہ عام مسلمانوں کا ہو اس کو اختیار کرنا فرض ہے اور تقلید پر مسلمانوں کا

اجماع ہے۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنت میں ہے۔

بڑے گروہ کی پیروی کر دیو کیونکہ جو جماعت مسلمین سے علیحدہ راہ علیحدہ کر کے بہنم میں بھیجا جاویگا۔ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شِدَّةٍ  
شِدَّةٍ فِي التَّامِرِ۔

نیز حدیث میں ہے۔ مَا سَأَلَ الْمُؤْمِنُونَ  
حَسَنًا فَهَدَوْهُ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنًا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ آج بھی اور اس سے پہلے بھی عام مسلمان تقلید شخصی ہی کو اچھا جانتے آئے اور مقلد ہی ہوئے آج بھی عرب و عجم میں مسلمان تقلید شخصی ہی کرتے ہیں اور جو غیر مقلد ہوا وہ اجماع کا منکر ہوا اگر اجماع کا اعتبار نہ کر دو خلافت صدیقی و فاروقی کس طرح ثابت کر دے وہ بھی تو اجماع امت سے ہی ثابت ہوئی۔ یہاں تک کہ جو شخص ان دونوں خلافتوں میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ اسی

طرح تقلید پر بھی اجماع ہوا۔

تفسیر خازن زیر آیت **ذَكَوْنَا مَعَ الصَّادِقِينَ** ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار سے فرمایا کہ قرآن شریف نے مہاجرین کو صادقین کہا اُولَئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ اور پھر فرمایا **ذَكَوْنَا مَعَ الصَّادِقِينَ** سچوں کے ساتھ رہو۔ لہذا تم بھی علیحدہ خلافت نہ قائم کرو۔ ہمارے ساتھ رہو ایسے ہی میں غیر مقلدوں سے کہتا ہوں کہ سچوں نے تقلید کی ہے تم بھی ان کے ساتھ رہو۔ مقلد بنو۔

**عقلی دلیل :-** دنیا میں انسان کوئی بھی کام بغیر دوسرے کی پیروی کے نہیں کر سکتا۔ ہر مہنر اور علم کے قواعد سب میں اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوتی ہے۔ دین کا معاملہ تو دنیا سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ اس میں بھی اس کے ماہرین کی پیروی کرنا ہوگی۔ علم حدیث میں بھی تقلید ہے کہ فلاں حدیث اس لئے ضعیف ہے کہ بخاری نے یا فلاں محدث نے فلاں راوی کو ضعیف کہا ہے۔ اس کا قول ماننا یہ ہی تو تقلید ہے۔ قرآن کی قرأت میں قاریوں کی تقلید ہے کہ فلاں نے اس طرح اس آیت کو پڑھا ہے قرآن کے اعراب آیات سب ہی تقلید ہی تو ہے نماز میں جب جماعت ہوتی ہے تو امام کی تقلید سب مقتدی کرتے ہیں حکومت اسلامی میں تمام مسلمان ایک بادشاہ کی تقلید کرتے ہیں۔ ریل میں بیٹھتے ہیں تو ایک انجن کی ساری میل والے تقلید کرتے ہیں۔ غرضیکہ انسان ہر کام میں مقلد ہے اور خیال رہے کہ ان سب صورتوں میں تقلید شخصی ہے۔ نماز کے امام دو نہیں۔ بادشاہ اسلام دو نہیں۔ تو شریعت کے امام ایک شخص دو کس طرح مقرر کر سکتا ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الجہاد باب آداب السفر میں ہے۔

إِذَا كَانَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ | جبکہ تین آدمی سفر میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر بنا لیں

## پانچواں باب

تقلید پر اعتراضات اور جوابات کے بیان میں

مسئلہ تقلید پر مخالفین کے اعتراضات دو طرح کے ہیں۔ ایک وہابیات طعنے اور مسخران کے جوابات ضروری نہیں۔ دوسرے وہ جن سے مقلدین کو غیر مقلد دھوکا دیتے ہیں۔ اور عام مقلدین

دھوکا کھا لیتے ہیں۔ یہ حسب ذیل ہیں :-

سوال :- (۱) اگر تقلید ضروری تھی تو صحابہ کرام کسی کے مقتدیوں نہ ہوتے ؟

جواب :- صحابہ کرام کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو حضور علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے تمام مسلمانوں کے امام اور پیشوا ہیں کہ آئمہ دین امام ابو حنیفہ و شافعی وغیرہ وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

اصْحَابِيْ كَالنَّجْوَمِ بِاَتْهِمِ اِتِّدَايْتُمْ  
اِهْتَدَايْتُمْ۔  
میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں تم جن کی پیروی  
کر دو گے ہدایت پا لو گے۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ دَسْتَةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ ۲ تم لازم مکر و میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو  
یہ سوال تو ایسا ہے۔ جیسے کوئی کہے ہم کسی کے امتی نہیں۔ کیونکہ ہمارے نبی علیہ السلام کسی کے  
امتی نہ تھے تو امتی نہ ہونا سنت رسول اللہ ہے۔ اس سے یہ ہی کہا جاوے گا کہ حضور علیہ السلام تو  
خود نبی ہیں سب آپ کی امت میں وہ کس کے امتی ہوتے۔ ہم کو امتی ہونا ضروری ہے ایسے ہی صحابہ  
کرام تمام کے امام ہیں۔ ان کا کون مسلمان امام ہوتا۔

نہر سے پانی اس کھیت کو دیا جاوے گا جو دریا سے دور ہو۔ بکترین کی آواز پر وہ ہی نماز پڑھیگا جو  
امام سے دور ہو لب دریا کے کھیتوں کو نہر کی ضرورت نہیں۔ صف اول کے مقتدیوں کو بکترین کی ضرورت  
نہیں صحابہ کرام صف اول کے مقتدی ہیں۔ وہ بلا واسطہ سینہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام سے فیض لینے والے  
ہیں ہم چونکہ اس بحر سے دور ہیں لہذا کسی نہر کے حاجت مند ہیں۔ پھر سمندر سے ہزار ہا دریا جاری ہوتے ہیں۔  
جن سب میں پانی تو سمندر ہی کا ہے مگر ان سب کے نام اور راستے جدا ہیں کوئی گنگا کہلاتا ہے کوئی جمنایسے  
ہی حضور علیہ السلام۔ آب رحمت کے سمندر ہیں۔ اُس سینہ میں سے جو نہر امام ابو حنیفہ کے سینہ سے ہوتی  
ہوئی آئی اُسے حنفی کہا گیا جو امام مالک کے سینہ سے آئی وہ مذہب مالکی کہلایا۔ پانی سب کا ایک ہے مگر نام  
جداگانہ اور ان نہروں کی سمیں ضرورت پڑی نہ کہ صحابہ کرام کو جیسے حدیث کی اسناد ہمارے لینے ہے صحابہ کرام  
کیلئے نہیں۔

سوال (۲) رہبری کے لئے قرآن و حدیث کافی ہیں! ان میں کیا نہیں جو کہ فقہ سے حاصل کریں قرآن فرماتا ہے۔

وَلَا تَطِبُّوْا لِيَايِسِ الْاَلَانِيْ كِتَابِ مُّبِيْنٍ ۵ اور نہ ہے کوئی ترازو خشک چیر جو ایک روشن کتاب میں کبھی نہ ہو

اور بیشک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لئے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب سے آسان ہے اور قرآن سب کے لئے آسان بھی ہے پھر کس لئے مجتہد کے پاس جاویں۔

**جواب:** قرآن وحدیث بیشک رامہیری کے لئے کافی ہیں۔ اور ان میں سب کچھ ہے۔ مگر ان سے مسائل نکالنے کی قابلیت ہونا چاہیے۔ سمندر میں موتی ہیں۔ مگر ان کو نکالنے کیلئے غوط خور کی ضرورت ہے۔ آئمہ دین اس سمندر کے غوطہ زن ہیں۔ طب کی کتابوں میں سب کچھ لکھا ہے۔ مگر ہم کو حکیم کے پاس جانا اور اس سے نسخہ تجویز کرانا ضروری ہے۔ آئمہ دین طبیب ہیں وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے قرآن کو حفظ کرنے کے لئے آسان کیا ہے۔ نہ کہ اس سے مسائل استنباط کرنے کیلئے۔ اگر مسائل نکالنا آسان ہیں تو پھر حدیث کی بھی کیا ضرورت ہے قرآن میں سب کچھ ہے اور قرآن آسان ہے نیز پھر قرآن سکھانے کے لئے نبی کیوں آئے۔ قرآن میں ہے وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط اور وہ نبی ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں۔ قرآن وحدیث روحانی دوائیں ہیں۔ امام روحانی طبیب

**سوال (۳)** قرآن کریم نے تقلید کرنے والوں کی برائیاں فرمائی ہیں۔ فرماتا ہے۔ انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا۔

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ دَرُجَاتٍ مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ

پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ

اور یہ کہ یہ ہی میرا سیدھا راستہ ہے تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تم کو اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔

وَإِنْ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فَتَفْرَقَ بَيْنَكُمْ

تو کہیں گے بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ ڈاکو پایا

قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا آفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

ان آیات اور ان جیسی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ورسول کے حکم کے سامنے اماموں کی بات ماننا طریقہ کفار ہے اور سیدھا راستہ ایک ہی ہے چار راستہ حنفی، شافعی وغیرہ طرہے راستہ ہیں وغیرہ۔

**جواب:** جس تقلید کی قرآن کریم نے برائی فرمائی ہے۔ اس کو ہم پہلے باب میں بیان کر چکے ہیں۔



وَلَا تَتَّبِعُوا السَّبِيلَ فِي يَهُودِيَّتٍ يَانَصْرَانِيَّةٍ وَغَيْرِهِ خِلَافِ إِسْلَامٍ رَاسْتِے مَرَادِ فِي حِنْفِي شَافِعِي وَغَيْرِهِ  
چند راستے نہیں۔ بلکہ ایک سٹیشن کی چار سڑکیں یا ایک دریا کی چار نہریں ہیں۔ درنہ پھر تو غیر مقلدین کی  
جماعتیں ثنائی اور غزنوی کا کیا حکم ہے۔ چند راستے ہوتے ہیں۔ عقائد بدلنے سے چاروں مذہب کے  
عقائد یکساں ہیں صرف اعمال میں فروری اختلاف ہے جیسا کہ خود صحابہ کرام میں اختلاف رہا۔

سوال (۴) ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت مان کسی کا قول و کردار

دین حق را چار مذہب ساختند فقہ در دین نبی انداختند!

جواب :- یہ شعر اصل میں چکر والیوں کا ہے

ہوتے ہوئے کبریا کی گفتار مت مان نبی کا قول و کردار

دوسرا شعر بھی اس طرح ہے

مسجد و خشت علیحدہ ساختند فقہ در دین نبی انداختند

چار مذہب کا جواب ہم نے اپنے دیوان میں دو شعروں میں اس طرح دیا ہے

چار رسل فرشتے چار چار کتب ہیں دین چار سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں

آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے ہے ثبات چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چار کا عدد تو خدا کو بڑا ہی پیارا ہے۔ کتابیں بھی چار بھیجیں۔ اور دین بھی چار ہی بنائے انسان کا

خمیر بھی چار ہی چیزوں سے کیا وغیرہ۔ جب مقصود کے چاروں راستے گھر گئے تو پھر وہاں پہنچانا ناممکن کیونکہ

راستے چار ہی ہو سکتے ہیں۔ خانہ کعبہ کے ارد گرد چار طرف نماز ہوتی ہے۔ مگر رخ سب کا کعبہ کو ایسے ہی حضور

علیہ السلام تو کعبہ ایمان ہیں۔ چاروں مذہبوں نے چاروں راستے گھیر لیئے۔ وہاں کس راستے سے دہاں پہنچینگے؟

کسی نے کیا خوب کہا ہے

مذہب چار چوں چہ راہ اند بہر منت جو جاہ پیمانی

خودیکے مینی از چہا طرف کعبہ را چوں تو سجدہ بنمائی

جس طرح قرآن کے ہوتے ہوئے حدیث کی ضرورت ہے اسی طرح حدیث کے ہوتے ہوئے

فقہ کی ضرورت ہے فقہ قرآن و حدیث کی تفسیر ہے اور جو حکم کہ ہم کو حدیث میں ملے نہ قرآن میں اس کو

فقہ ہی بیان فرماتا ہے۔

سوال (۵) تقلید میں غیر خدا کو اپنا حکم بنانا ہے اور یہ شرک ہے لہذا تقلید شخصی شرک ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** | نہیں ہے حکم مگر اللہ کا

جواب: اگر غیر خدا کو حکم یا پنج بنانا شرک ہے۔ تو حدیث ماننا بھی شرک ہو نیز سارے محدثین مفسرین مشرک ہو گئے کیونکہ ترمذی ابو داؤد مسلم وغیرہ حضرات تو مقلد ہیں۔ اور امام بخاری وغیرہ مقلدوں کے شاگرد دیکھو یعنی شرح بخاری۔ ہم نے دیوان ساکت میں اس سوال کا جواب یہ دیا ہے

جو تیری تقلید شرک ہوتی محدثیں سارے ہوتے شرک بخاری و مسلم ابن ماجہ امام اعظم ابو حنیفہ! کہ جتنے فقہا محدثین ہیں تمہارے من سے شہ چپ ہیں ہوں واسطے سے کہ بے وسیلہ امام اعظم ابو حنیفہ!

جس روایت میں ایک فاسق راوی آجاوے۔ وہ روایت ضعیف یا موضوع ہے تو جس روایت میں کوئی مقلد آجاوے تو مشرک آیا لہذا وہ بھی باطل۔ پھر ترمذی و ابو داؤد تو خود مقلد ہیں۔ مشرک ہوتے ان کی روایات ختم ہوئیں۔ بخاری وغیرہ پہلے ہی ختم ہو چکی کہ وہ مشرکوں کے شاگرد ہیں اب حدیث کہاں سے لاؤ گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔

وَأِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا۔

اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک حکم مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پانچ عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔

حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے جنگ صفین میں حکم بنایا۔ خود حضور علیہ السلام نے بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم بنایا۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ حقیقی حکم خدائے پاک ہی کا ہے اور جو اس کے سوا کے احکام ہیں۔ علماء فقہاء اور مشائخ کے اسی طرح احکام حدیث یہ تمام بالواسطہ خدائے تعالیٰ ہی کے حکم ہیں۔ اگر یہ معنی ہوں کہ کسی کا حکم سوائے خدا کے ماننا شرک ہے تو آج تمام دنیا حج کا فیصلہ کچھ لوگوں کے مقدمات کو مانتی ہے۔ سب ہی مشرک ہو گئے۔

سوال (۶) قیاس مجتہدین ہے اور ظن کرنا گناہ ہے۔ قرآن میں اس سے ممانعت ہے۔ قرآن فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِمِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبَ بَئِهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَّا الَّذِينَ ظَنُّوا أَنَّهُمْ ملاقاة ربهم وهم لا يرجعون۔

اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو بے شک کوئی گمان گناہ ہو جاتا ہے اور عیب ڈھونڈو۔ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو لہذا دین میں صرف کتاب و

بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔

سنت پر عمل چاہیے۔

اصل دین آمد کتاب اللہ مقدم داشتن  
 پس حدیث مصطفیٰ از جان مسلم داشتن  
**جواب**۔ اس کا جواب خاتمہ میں آدیکھا کہ قیاس کسے کہتے ہیں اور اس کے احکام کیا ہیں۔

سوال (۷) امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو حدیث صحیح ثابت ہو جاوے۔ وہ ہی میرا مذہب ہے  
 لہذا ہم نے ان کے قول حدیث کے خلاف پا کر چھوڑ دیئے انشاء اللہ غیر مقلدوں کو اس سے زیادہ دلائل نہ  
 ملیں گے ان ہی کو بنا بگاڑ کر یا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں۔

**جواب**۔ بیشک امام صاحب کا یہ حکم ہے کہ اگر میرا قول کسی حدیث کے مقابل واقعہ ہو جائے  
 تو حدیث پر عمل کرنا میرے مذہب پر عمل کرنا ہے۔ یہ تو امام صاحب کا انتہائی تقویٰ ہے اور واقعہ  
 بھی یہ ہے کہ قیاس مجتہدوں میں ہوتا ہے جہاں نص موجود نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس زمانہ میں  
 دنیا میں ایسا کون محدث ہے جو احادیث کا اس قدر علم رکھتا ہو کہ تمام احادیث پھر اس کی تمام اشادوں  
 پر اطلاع رکھتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ امام صاحب نے یہ حکم کس حدیث سے لیا ہے۔ ہم لوگوں کی نظر  
 صحاح ستہ سے آگے نہیں ہوتی پھر کس طرح فیصدہ کر سکتے ہیں کہ امام کا یہ فرمان کسی حدیث سے ماخوذ نہیں  
 یوں تو حدیث میں بھی آتا ہے (مقدمہ تفسیر احمدیہ صفحہ ۴)

إِذَا بَلَغَ كُمْ مِثِّي حَدِيثٌ فَاعْرِضُوهُ عَلَيَّ كِتَابًا  
 اللَّهُ فَإِنْ وَافَقَهُ فَاتَّبِعُوهُ وَإِلَّا فَارْتَدُوا۔  
 جب تم کو میری کوئی حدیث پہنچے تو اس کو کتاب اللہ  
 پر پیش کرو اگر اسکے موافق ہو تو قبول کرو ورنہ رد کرو۔

تو اگر کوئی چکڑا لوی کہے کہ بہت احادیث چونکہ خلاف قرآن ہیں اس لئے ہم حدیث کو چھوڑتے ہیں  
 قرآن میں ہے کہ میراث تقسیم کو و حدیث میں ہے کہ نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ جس طرح یہ کلام مروج  
 ہے تمہارا قول بھی رو ہے۔

سوال (۸) امام اعظم کو حدیث نہیں آتی تھی۔ اس لئے ان کی روایات بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ سب  
**جواب**۔ امام اعظم بہت بڑے محدث تھے۔ بغیر حدیث دانی اس قدر مسائل کیسے استنباط ہو سکتے  
 تھے ان کی کتاب مسند امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی کتاب مؤطا امام محمد سے ان کی حدیث دانی معلوم ہوتی ہے  
 حضرت صدیق اکبرؓ کی روایات بہت کم ملتی ہیں تو کیا وہ محدث نہ تھے کئی روایت احتیاط کی وجہ سے ہے۔  
 امام صاحب کی تمام روایات صحیح ہیں کیونکہ ان کا زمانہ حضور سے بہت قریب ہے بعد میں بعض روایات

میں ضعف پیدا ہوا بعد کا ضعف حضرت امام کو مضر نہیں۔ جس قدر اسناد بڑھی ضعف بھی پیدا ہوا۔  
 لطیفہ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم کہتے ہو کہ چاروں مذاہب حق ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے حق  
 تو صرف ایک ہی ہوگا۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے امام  
 شافعی فرماتے ہیں کہ واجب ہے تو یا تو واجب ہوگی یا مکروہ۔ دونوں مسئلے صحیح کس طرح ہو سکتے ہیں۔  
**جواب:** یہ ہے کہ حق کے معنی یہاں صحیح یا واقعہ کے موافق نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاروں  
 مذاہب میں سے کسی کی پیروی کر لو خدا کے یہاں پکڑ نہ ہوگی۔ کیونکہ مجتہد کی خطا بھی معاف ہے۔ امیر معاویہ  
 اور مولیٰ علی اسی طرح عائشہ صدیقہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین میں جنگ بھی ہوئی۔ اور حق پر ایک  
 ہی صاحب تھے مگر دونوں کو حق پر کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی کی پکڑ عند اللہ نہیں ہوگی جنگل میں ایک شخص  
 کو خبر نہیں کہ قبلہ کدھر ہے۔ اس نے اپنی رائے سے چار رکعت چار طرف پڑھیں کیونکہ رائے بدلتی رہتی  
 یہ بھی منہ پھیرتا رہا۔ قبلہ تو ایک ہی طرف تھا مگر نماز صحیح ہو گئی چاروں قبلہ درست ہیں۔ بلکہ مجتہد خطا بھی  
 کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی اجتہادی خطا اور حضرت  
 سلیمان علیہ السلام کی درست رائے بیان فرمائی۔ مگر کسی پر عقاب نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا: **كَلَّا اَتَيْنَاكَ كَلِمًا**  
**مَشْكُورَةً** کتاب الامارۃ باب العمل فی القضاء میں ہے۔

جبکہ حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے اور صحیح کرے  
 تو اس کو دو ثواب ہیں اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد  
 کرے اور خطا کرے تو اس کو ایک ثواب ہے۔

اِذَا حَكَمَ الْحُكْمَ فَاجْتَهَدْ وَاَحْبَابٌ قَالَتْ  
 اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ فَاخْطَا  
 قَالَتْ اَجْرٌ وَاَحَدٌ (متفق علیہ)

اس سے یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اگر شافعی رفع یدین کرے تو ٹھیک ہے اور اگر غیر مقلد کرے تو  
 جرم ہے کیونکہ شافعی حاکم شرع مجتہد سے فیصلہ کر کر رفع یدین کر رہا ہے اگر غلطی کرتا ہے تو بھی معاف  
 اور چونکہ غیر مقلد نے کسی مجتہد سے فیصلہ نہ کرایا۔ لہذا اگر صحیح بھی کرتا ہے تو بھی خطا کا رہے جیسے کہ آج  
 حاکم کے بغیر فیصلہ کوئی شخص خود ہی قانون کو ہاتھ میں لے کر کوئی کام کرتا ہے مجرم ہے لیکن اگر حاکم کچھ ہی  
 فیصلہ کر کر وہ ہی کام کیا تو اس پر جرم نہیں۔ حاکم جوابدہ ہے اگر حاکم نے غلطی کی ہے تو بھی اس کی پکڑ نہیں  
 دیکھو حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں سے محض قیاس پر فدیہ لیا پھر آیت اسکے خلاف آئی۔ معلوم ہوا کہ  
 اس قیاس سے رب راضی نہیں مگر وہ فدیہ کار پیہ واپس نہ کرایا گیا۔ بلکہ ارشاد ہوا **فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ**

حَدًّا لَا طَيْبًا وَهَذَا مَالٌ لَهَا لَوْ حَلَّالٌ طَيِّبٌ، معلوم ہوا کہ خطا اجتہادی پر کوئی پکڑ نہیں۔

### حاتمہ قیاس کی بحث :-

شریعت کے دلائل چار ہیں، قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس، اجماع کے دلائل تو ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کا بھی حکم ہے اور حدیث کا بھی کہ عام جماعت مسلمین کے ساتھ ہو۔ جو اس سے علیحدہ ہوا وہ جہنمی ہے۔

قیاس کے معنی لغت میں اندازہ لگانا اور شریعت میں کسی فرعی مسئلہ کو اصل مسئلہ سے حلت اور حکم میں ملا دینا یعنی ایک مسئلہ ایسا درپیش آگیا۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں نہیں ملتا تو اس کی مثل کوئی وہ مسئلہ لیا جو قرآن و حدیث میں ہے اس کے حکم کی علت معلوم کر کے کہا کہ چونکہ وہ علت یہاں بھی ہے لہذا اس کا یہ حکم ہے جیسے کسی نے پوچھا کہ عورت کے ساتھ غلام کرنا کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا کہ حالت حیض میں عورت سے جماع حرام ہے کیوں؟ پلیدی کی وجہ سے۔ اور اس میں بھی پلیدی ہے لہذا یہ بھی حرام ہے۔ کسی نے پوچھا کہ جس عورت سے کسی کے باپ نے زنا کیا۔ وہ اس کے لیے حلال ہے۔ یا نہیں؟ ہم نے کہا کہ جس عورت سے کسی کا باپ نکاح کرے وہ بیٹے کو حرام ہے۔ دہلی یا جزیرتہ کی وجہ سے لہذا یہ عورت بھی حرام ہے۔ اس کو قیاس کہتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ قیاس کرنا والا مجتہد ہو سہر کس نکاح کا قیاس معتبر نہیں۔ قیاس اصل میں حکم شریعت کو ظاہر کرنا والا ہے خود مستقل حکم نہیں۔ یعنی قرآن و حدیث کا حکم ہوتا ہے مگر قیاس اسے یہاں ظاہر کرتا ہے قیاس کا ثبوت قرآن و حدیث و افعال صحابہ ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

نَا عْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

تو عبرت لو اسے نگاہ والو۔

یعنی کفار کے حال پر اپنے کو قیاس کر دو کہ اگر تم نے ایسی حرکات کیں تو تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔

نیز قرآن نے قیامت کے ہونے کو نیند پر اسی طرح کھیتی کے خشک ہو کر سرسبز ہونے پر قیاس فرما کر بتایا۔

اول سے آخر تک کفار کی مثالیں بیان فرمائی ہیں یہ بھی قیاس ہے۔ بخاری کتاب الاعتصام میں ایک باب لکھا

بَابُ مَنْ شَبَّهَ أَحَدًا مَعْلُومًا

بِأَسْئَلِ مَسْئَلٍ قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ حُكْمَهَا

بِأَسْئَلِ مَسْئَلٍ قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ حُكْمَهَا

بِأَسْئَلِ مَسْئَلٍ قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ حُكْمَهَا

بِأَسْئَلِ مَسْئَلٍ قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ حُكْمَهَا

بِأَسْئَلِ مَسْئَلٍ قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ حُكْمَهَا

بِأَسْئَلِ مَسْئَلٍ قَدْ بَيَّنَّ اللَّهُ حُكْمَهَا

اس سے سمجھ لے۔

اس میں ایک حدیث نقل کی۔ جس میں حضور علیہ السلام نے ایک عورت کو قیاس سے حکم فرمایا۔

إِنَّ امْرَأًا جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ | ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی

وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ أُمَّيْ نَذَرَتْ أَنْ تَصُحَّ  
أَفَأَصْحَجَّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّي عَنْهَا أَرَوَيْتَ  
لَوْ كَانَ عَلَى أُمَّتِكَ دَيْنٌ أَكُنْتِ تَقْضِيْنَ لَهُ  
قَالَتْ نَعَمْ قَالَ ائْتُوا الَّذِي لَهُ فَإِنَّ  
اللَّهَ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ -

اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی، کیا  
میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا ہاں کرو۔ اگر  
تمہاری ماں پر قرض ہو تو تم اس کو ادا کرتیں عرض کیا  
ہاں۔ فرمایا وہ بھی قرض ادا کرو جو اللہ کا ہے کیوں کہ  
اللہ ادا شدہ قرض کا زیادہ مستحق ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الامارۃ باب ما علی الولاۃ اور ترمذی جلد اول شریع الاحکام اور دارمی میں ہے  
کہ جب حضرت معاذ ابن جبل کو حضور علیہ السلام نے مین کا حکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟  
عرض کیا کتاب اللہ سے۔ فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تو عرض کیا کہ اس کے رسول کی سنت سے فرمایا اگر اس  
میں بھی نہ پاؤ؟ تو عرض کیا کہ۔

أَجْتَهِدُ بِرَأْيِي دَلَالَةُ الْوَقَالِ قَضَى رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَدْرِهِ  
وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ  
رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يَرْضَى بِهِ رَسُولُ اللَّهِ

اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ راوی نے فرمایا کہ  
پس حضور علیہ السلام نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور  
فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے  
قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں  
اس سے قیاس کا پر زور ثبوت ہوا۔ چونکہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں اجماع نہیں ہو سکتا  
اس لیے اجماع کا ذکر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نہ کیا۔ اسی طرح صحابہ کرام نے بہت سے احکام اپنے  
قیاس سے دیئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو قیاس فرما کر مہر مثل دلوایا جو بغیر مہر

نکاح میں آئی اور شوہر مر گیا (دیکھو نسائی جلد دوم صفحہ ۱۸)

نسائی شریف جلد دوم کتاب القضاء باب الحكم باتفاق اهل العلم من حضرت عبد اللہ ابن مسعود روایت ہے  
فَمَنْ عَرَضَ لَهُ مِنْكُمْ قَضَاءٌ بَعْدَ الْيَوْمِ  
فَلْيَقْضِ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ فَإِنْ جَاءَهُ  
أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَلْيَقْضِ بِمَا قَضَى  
بِهِ نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنْ  
جَاءَهُ أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ دَلَالَةُ قَضَى

آج کے بعد سے جس پر کوئی فیصلہ پیش آجائے تو قرآن  
شریف سے فیصلہ کرے اگر ایسی چیز پیش آگئی جو  
قرآن شریف میں نہیں ہے تو اس سے فیصلہ کرے  
جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا لیکن اگر ایسی  
چیز پیش آجائے جو نہ تو قرآن شریف میں ہو اور نہ اللہ

بِهِ نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَقْضِ  
بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ جَاءَ  
أَمْرٌ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا قَضَى بِهِ  
نَبِيُّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا قَضَى  
بِهِ الصَّالِحُونَ فَلْيَجْتَبِهَا رَأْيًا -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ کیا ہو تو اس پر  
فیصلہ کرو جو نیک لوگوں نے فیصلہ کیا ہو لیکن اگر وہ  
چیز پیش آگئی جو نہ تو قرآن شریف میں ہے اور نہ  
اس کا فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا نہ صالحین  
نے تو اپنے قیاس سے اجتہاد کرے۔

امام نسائی اسی حدیث کے متعلق اسی جگہ فرماتے ہیں -

قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ هَذَا الْحَدِيثُ جَيِّدٌ  
يَهْدِي بِيَهُ كَهَيْئَةِ كَلْبٍ يَهْدِي بِرِجْلَيْهِ

یہ حدیث بڑی کھری ہے بڑی کھری ہے۔

نسائی شریف میں اس جگہ حضرت قاضی شریح سے روایت ہے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عمر  
رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں دریافت کیا کہ میں فیصلے کیسے کروں تو آپ نے جواب دیا -

انہیں حضرت عمر نے لکھا کہ قرآن شریف فیصلہ کرو۔  
اگر اس میں نہ ہو تو سنت رسول اللہ سے فیصلہ کرو  
اور اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنت رسول اللہ  
میں تو اس سے فیصلہ کرو جو اللہ کے نیک لوگوں نے  
فیصلہ کیا ہو (اجماع امت) لیکن اگر نہ تو وہ مسئلہ  
قرآن میں ہو نہ سنت میں اور نہ ہی اس کے  
متعلق صالحین کا فیصلہ ہو تو چاہو تو پیش قدمی  
کرو اور چاہو مہلت لو میں تمہارے لیے مہلت  
ہی کو بہتر جانتا ہوں۔

فَكَتَبَ إِلَيْهِ أَنْ يَقْضِيَ بِمَا فِي كِتَابِ اللَّهِ  
فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ نَبِيُّهُ رَسُولِ  
اللَّهِ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَا فِي  
سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقْضِ  
بِمَا قَضَى بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي  
كِتَابِ اللَّهِ وَلَا فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَقْضِ بِهِ الصَّالِحُونَ فَإِنْ  
شِدَّتْ فَتَقَدَّمْ وَإِنْ شِدَّتْ فَتَأَخَّرْ وَلَا أَدْرَى  
التَّأَخَّرَ إِلَّا خَيْرٌ لَكَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ -

ان دونوں حدیثوں میں کتاب - سنت، اجماع امت اور قیاس کا ایسا صحیح ثبوت ہے کہ اس کا نہ  
انکار ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی تاویل۔ اب وہ اعتراض جو غیر مقلد کرتے ہیں اِجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِمَّا نَظَرْتِ  
کہ بہت ظن سے بچو۔ اس میں ظن سے مراد بدگمانیاں ہیں یعنی مسلمانوں پر بدگمانیاں نہ کیا کرو اسی لیے اس  
آیت میں اس کے بعد غیبت وغیرہ کی ممانعت ہے ورنہ قیاس اور غیبت میں کیا تعلق جیسے رب تعالیٰ  
فرماتا ہے اِنَّمَا النَّجْوَى مِنَ الشَّيْطَانِ مَشْوَرَةٌ لَكَ الشَّيْطَانُ مِنْ شَيْطَانِ كَامٍ

ہے۔ نہیں بلکہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے ہوں وہ شیطانی ہیں ایسے ہی یہ ہے اور جس قیاس کی برائیاں آئی ہیں۔ وہ وہ قیاس ہے جو حکم خدا کے مقابلہ میں کیا جائے جیسا کہ شیطان نے حکم سجدہ پا کر قیاس کیا اور حکم الہی کو رد کر دیا یہ کفر ہے۔ غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن فرماتا ہے اِنَّمَا اَتَّبِعْ مَا نُوحِيْ اِلَيّْ اِنَّمَا حَصَرْتُمْ كَيْفَ يَنْبَغِيْ جِسْمٌ لِّمَنْ سَوَّاهُ و جی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کی جائے نہ اجماع کی نہ قیاس کی صرف قرآن و حدیث کی پیروی ہو مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اجماع و قیاس پر عمل بھی قرآن و حدیث پر ہی عمل ہے کہ قیاس مظہر ہے۔

آخر میں میں منکرین قیاس سے دریافت کرتا ہوں کہ جن چیزوں کی تصریح قرآن و حدیث میں نہ ملے یا بظاہر احادیث میں تعارض واقع ہو وہاں کیا کر گئے؟ مثلاً ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ اسی طرح اگر جمعہ کی نماز میں رکعت اول میں جماعت تھی۔ رکعت دوم میں جماعت پیچھے سے بھاگ گئی اب ظہر پڑھیں یا جمعہ؟ اسی طرح دیگر مسائل قیاسیہ میں کیا جواب ہوگا؟ اس بیٹے بہتر ہے کہ کسی امام کا دامن پکڑ لو۔ اللہ توفیق دے۔

## بحث علم غیب

اس میں ایک مقدمہ ہے اور دو باب اور ایک خاتمہ مندرجہ ذیل

### مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

### پہلی فصل

#### غیب کی تعریف اور اس کے اقسام کے بیان میں

غیب وہ چھپی ہوئی چیز ہے جس کو انسان نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ حواس سے محسوس کر سکے اور نہ بلا دلیل بداعتہ عقل میں آسکے لہذا پنجاب والے کے لیے بمبئی غیب نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو آنکھ سے دیکھ آیا ہے یا سن کر کہہ رہا ہے کہ بمبئی ایک شہر ہے۔ یہ حواس سے علم ہوا۔ اسی طرح کھانوں کی لذتیں اور ان کی خوشبو وغیرہ غیب نہیں کیونکہ یہ



چیزیں اگرچہ آنکھ سے چھپی ہیں۔ مگر دوسرے حواس سے معلوم ہیں جن اور ملائکہ اور جنت و دوزخ ہمارے لیے اس وقت غیب ہیں۔ کیونکہ نہ انکو حواس سے معلوم کر سکتے ہیں اور نہ بلا دلیل عقل سے۔ غیب دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو سکے یعنی دلائل سے معلوم ہو سکے دوسرا وہ جس کو دلیل سے بھی معلوم نہ کر سکیں پہلے غیب کی مثال جیسے جنت و دوزخ اور جنائے پاک کی ذات و صفات کہ عالم کی چیزیں اور قرآن کی آیات دیکھ کر ان کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے غیب کی مثال جیسے قیامت کا علم کہ کب ہوگی۔ انسان کب مرے گا اور عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، بد بخت ہے یا نیک بخت کہ ان کو دلائل سے بھی معلوم نہیں کر سکتے۔ اسی دوسرے غیب کو مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اور اس کو پروردگار عالم نے فرمایا فَلَا يَنْظُرُهُمْ غَلَّٰبُ غَيْبِهِ أَحَدًا الْأَمِنْ أَنْ تَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ۔ تفسیر بضاوی يُؤَدِّنُونَ بِالْغَيْبِ كَمَا تَحْتِ بِهٖ۔

وَالْمُرَادِ بِهٖ الْخَفِيُّ الَّذِي لَا يُدْرِكُهُ الْحِسُّ وَلَا تَقْتَنِيْهِ بِدَاعَةُ الْعَقْلِ۔

غیب سے مراد وہ چھپی ہوئی چیز ہے جسکو حواس نہ پاسکیں اور نہ بداعتہ اس کو عقل چاہے۔

تفسیر کبیر سورہ بقرہ کے شروع میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

تَوَلَّىٰ جَمْعُهُمْ الْفُسْرَيْنِ أَنْ الْغَيْبِ هُوَ الَّذِي يَكُونُ غَائِبًا عَنِ الْحَاسَّةِ ثُمَّ هَذَا يَنْقَسِمُ إِلَى مَا عَلَيْهِ دَلِيلٌ وَإِلَى مَا لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ۔

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو۔ پھر غیب کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ جس پر دلیل ہے دوسرے وہ جس پر کوئی دلیل نہیں۔

تفسیر روح البیان میں شروع سورہ بقرہ بِرُؤْيُومِنُونَ بِالْغَيْبِ كَمَا تَحْتِ بِهٖ۔

وَهُوَ مَا غَابَ عَنِ الْحِسِّ وَالْعَقْلِ غَيْبَةً كَامِلَةً بِحَيْثُ لَا يُدْرِكُ بِوَأَحَدٍ مِّنْهَا ابْتِدَاءً بِطَرِيقِ الْبَدَاهَةِ وَهُوَ تَسْمَانُ تَسْمٌ لَا دَلِيلَ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي أُرِيدَ بِقَوْلِهِ عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ وَتَسْمٌ نَّصِبَ عَلَيْهِ دَلِيلٌ كَالصَّانِعِ وَصِفَاتِهِ وَهُوَ الْمُرَادُ۔

غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا چھپا ہوا ہو اس طرح کہ کسی ذریعہ سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ غیب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم جس پر کوئی دلیل نہ ہو وہ ہی اس آیت سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں دوسری قسم وہ جس پر دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالیٰ اور اسکی صفا۔ وہ ہی اس جگہ مراد ہے۔

فائدہ رنگ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے۔ بوناک سے سو گھی جاتی ہے اور لذت زبان سے آواز کان

سے محسوس ہوتی ہے۔ تو زنگت زبان و کان کے لئے غیب ہے اور بو آنکھ کے لئے غیب اگر کوئی اللہ کا بندہ ہو اور لذت کو ان کی شکلوں میں آنکھ سے دیکھ لے وہ بھی علم غیب اصفانی ہے جیسے اعمال قیامت میں مختلف شکلوں میں نظر آئیں گے۔ اگر کوئی ان شکلوں میں یہاں دیکھ لے تو یہ بھی علم غیب ہے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَهَا هُوًّا أَوْ دَهْوًّا | تَمَرُّ وَتَنْقِضِي إِلَّا آتَانِي

کوئی مہینہ اور کوئی زمانہ علم میں نہیں گزرتا مگر وہ ہمارے پاس ہو کر اجازت لے کر گزرتا ہے۔ اسی طرح جو چیز فی الحال موجود نہ ہونے یا بہت دور ہونے یا اندھیرے میں ہونے کی وجہ سے نظر نہ آسکے وہ بھی غیب ہے اور اس کا جاننا علم غیب جیسے حضور علیہ السلام نے آئینہ پیدا ہونے والی چیزوں کو ملاحظہ فرمایا یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہنادند میں حضرت ساریہ کو مدینہ پاک سے دیکھ لیا اور ان تک اپنی آواز پہنچا دی۔ اسی طرح کوئی پنجاب میں بیٹھ کر مکہ معظمہ یا دیگر دور دراز ملکوں کو مثل کف دست کے دیکھے یہ سب غیب ہی میں داخل ہیں۔

بذریعہ آلات کے جو چھپی ہوئی چیز معلوم کی جاوے وہ علم غیب نہیں مثلاً کسی الیکٹرونک ڈیوائس سے عورت کے پیٹ کا پتہ معلوم کرتے ہیں۔ یا کہ ٹیلیفون اور ریڈیو سے دور کی آواز سن لیتے ہیں۔ اس کو علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ غیب کی تعریف میں عرض کر دیا گیا کہ جو اس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اور ٹیلیفون یا ریڈیو میں سے جو آواز نکلی۔ وہ آواز جو اس سے معلوم ہونے کے قابل ہے اسے جو پیٹ کے پچھ کا حال معلوم ہوا۔ یہ بھی غیب کا علم نہ ہوا جبکہ اگر نے اس کو ظاہر کر دیا تو اب غیب کہاں رہا۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی آلہ چھپی چیز کو ظاہر کر دے۔ پھر ظاہر ہو چکنے کے بعد ہم اس کو معلوم کر لیں۔ علم غیب نہیں

## دوسری فصل ضروری فوائد کے بیان میں

علم غیب کے مسئلہ میں گفتگو کرنے سے پہلے یہ چند باتیں خوب خیال میں رکھی جاویں تو بہت فائدہ

ہوگا اور بہت سے اعتراضات خود بخود ہی دفع ہو جائیں گے۔

۱۔ نفس علم کسی چیز کا بھی ہو برا نہیں۔ ہاں بُری باتوں کا کرنا یا کرنے کے لئے سیکھنا بُرا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علم دوسرے علموں سے زیادہ افضل ہوں جیسے علم عقائد۔ علم شریعت۔ علم تصوف دوسرے

علموں سے افضل ہیں مگر کوئی علم فی نفسہ بڑا نہیں جیسے بعض آیات قرآنیہ بعض سے زیادہ ثواب رکھتی  
 قُلْ هُوَ اللَّهُ فِي تَهَائِي قرآن کا ثواب ہے مگر تَبَّتْ يَدَايَايَاں یہ ثواب نہیں دیکھو روح البیان پر  
 آیت دَلُّوا كَان مِّنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَدُّوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا، لیکن کوئی آیت بُری نہیں۔  
 اس لیے کہ اگر کوئی بڑا علم ہوتا تو خدا کو بھی وہ حاصل نہ ہوتا کہ خدا ہر برائی سے پاک ہے نیز فرشتوں کو  
 خدا کی ذات و صفات کا علم تو تھا۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کو عالم کی ساری اچھی بُری چیزوں کا علم دیا۔  
 اور وہ ہی علم ان کی افضلیت کا ثبوت ہوا۔ اس علم کی وجہ سے وہ ملائکہ کے استاد قرار پائے اگر بُری  
 چیزوں کا علم بڑا ہوتا تو حضرت آدم کو یہ علم دے کر استاد نہ بتایا جاتا۔ نیز دنیا میں سب سے بدتر چیز  
 ہے کفر و شرک۔ مگر فقہا فرماتے ہیں کہ علم حسد و بغض اور الفاظ کفریہ و شرکیہ کا جاننا فرض ہے تاکہ اس  
 سے بچے۔ اسی طرح جادو سیکھنا فرض ہے دفع جادو کے لئے شامی کے مقدمہ میں ہے۔

وَعِلْمُ الرِّيَاءِ وَعِلْمُ الْحَسَدِ وَالْعَجَبِ وَعِلْمُ الْأَلْفَاظِ  
 یعنی علم ریا اور حسد و حرام اور کفریہ کلموں کا سیکھنا فرض ہے  
 اور والٹھریہ بہت ہی ضروری ہے۔

اسی مقدمہ شامی بحث علم نجوم درمل میں فرماتے ہیں۔

وَنِيْ ذَخِيْرَةِ النَّظْرِ تَعَلَّمَهُ قَرَضَ سِرِّ  
 ذخیرہ ناظرہ میں لکھا ہے کہ جادو سیکھنا فرض ہے  
 اہل حرب کے جادو کو دفع کرنے کے لیے۔

احیاء العلوم جلد اول باب اول فصل سوم بڑے علوم کے بیان میں ہے علم کی برائی خود علم ہونے کی  
 وجہ سے نہیں۔ بلکہ بندوں کے حق میں تین وجہوں سے ہے الخ

اس بیان سے بخوبی واضح ہوا کہ نفس علم کسی شے کا بڑا نہیں۔ اب منکرین کا وہ سوال اٹھ گیا کہ حضور  
 علیہ السلام کو بُری چیزوں، چوری، زنا، جادو، اشعار کا علم نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا جاننا عیب ہے۔ بتاؤ  
 خدا کو بھی ان کا علم ہے یا نہیں؟ اسی لیے انہوں نے شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ  
 مانا یہ تو ایسا ہنوا، جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ خدائے پاک بُری چیزوں کا خالق نہیں ہے کیونکہ بُری چیزیں پیدا  
 کرنا بھی بُرا ہے۔ نعوذ باللہ۔ اگر علم جادو بڑا ہے تو اس کی تعلیم کے لیے رب کی طرف سے دو فرشتے ہاروت  
 وماروت کیوں زمین پر اتارے؟ ہوسے علیہ السلام کے جادو گروں نے جادو کے علم کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ  
 السلام کی حقانیت چھپانی اور آپ پر ایمان لائے۔ دیکھو علم جادو ایمان کا ذریعہ بن گیا۔

(۲) سارے انبیاء اور ساری مخلوق کے علوم حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ اس کو مولوی محمد قاسم صاحب نافو قوی نے تحذیر الناس میں مانا ہے۔ جس کے سارے حوالے آتے ہیں تو جس چیز کا علم کسی مخلوق کو بھی ہے وہ حضور علیہ السلام کو ضرور ہے بلکہ سب کو جو علم ملا وہ حضور علیہ السلام ہی کی تقسیم سے ملا۔ جو علم شاگرد استاد سے لے ضروری ہے کہ استاد بھی اس کا جاننے والا ہو۔ انبیاء میں حضرت آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ اس لیے ہم حضرت آدم و حضرت خلیل اللہ علیہما السلام کے علم سے بھی بحث کریں گے۔

(۳) قرآن اور لوح محفوظ میں سارے واقعات کل ماکان و مایکون ہیں اور اس پر ملائکہ اور بعض اولیاء و انبیاء کی نظریں ہیں اور ہر وقت وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش نظر ہے۔ اس کے حوالہ بھی آتے ہیں۔ اس لیے ہم لوح محفوظ اور قرآنی علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔ اسی طرح کاتب تقدیر فرشتہ کے علوم کا بھی ذکر کر دیں گے۔

یہ تمام بحثیں علم مصطفیٰ علیہ السلام کے ثابت کرنے کو ہوں گی۔

## تیسری فصل علم غیب کے متعلق عقیدہ اور علم غیب کے مراتب کے بیان میں

- علم غیب کی تین صورتیں ہیں اور ان کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں (از خالص الاعتقاد صفحہ ۵)
- (۱) اللہ عز و جل عالم بالذات ہے۔ اس کے بغیر بتائے کوئی ایک حرف بھی نہیں جان سکتا۔
  - (۲) حضور علیہ السلام اور دیگر انبیائے کرام کو رب تعالیٰ نے اپنے بعض غیب کا علم دیا۔
  - (۳) حضور علیہ السلام کا علم ساری خلقت سے زیادہ ہے۔ حضرت آدم و خلیل علیہما السلام اور ملک الموت و شیطان بھی خلقت میں۔ یہ تین باتیں ضروریات دین میں سے ہیں ان کا انکار کفر ہے۔
  - (۱) قسم دوم ادیائے کرام کو بھی بالواسطہ انبیائے کرام کچھ علوم غیب ملتے ہیں۔
  - (۲) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پانچ غیبوں میں سے بہت سے جزئیات کا علم دیا۔ جو اس قسم دوم کا منکر ہے وہ گمراہ اور بد مذہب ہے کہ صد ہا احادیث کا انکار کرتا ہے۔
  - (۱) قسم سوم حضور علیہ السلام کو قیامت کا بھی علم ملا کہ کب ہوگی۔
  - (۲) تمام گزشتہ اور آئندہ واقعات جو لوح محفوظ میں ہیں ان کا بلکہ ان سے بھی زیادہ کا علم دیا گیا۔
  - (۳) حضور علیہ السلام کو تحقیق روح اور قرآن کے سارے متشابہات کا علم دیا گیا۔

## چوتھی فصل: جب علم غیب کا منکر اپنے دعوے پر دلائل قائم کرے تو چار باتوں کا خیال رکھنا

ضروری ہے ہے (ازاحۃ الغیب صفحہ ۴۲)

(۱) وہ آیت قطعی الدلائل جو جس کے معنی میں چند احتمال نہ نکل سکتے ہوں اور حدیث ہو تو متواتر ہو۔

(۲) اس آیت یا حدیث سے علم کے عطا کی نفی ہو کہ ہم نے نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام فرما دیں مجھ کو یہ علم نہیں دیا گیا۔

(۳) صرف کسی بات کا ظاہر نہ فرمانا کافی نہیں ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم تو ہو مگر کسی مصلحت سے ظاہر نہ کیا ہو اسی طرح حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ خدا ہی جانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا یا مجھے کیا معلوم وغیرہ کافی نہیں کہ یہ کلمات کبھی علم ذاتی کی نفی اور مخاطب کو خاموش کرنے کے بیٹے ہوتے ہیں۔

(۴) جس کے بیٹے علم کی نفی کی گئی ہو وہ واقعہ ہو اور قیامت تک کا ہو ورنہ کل صغائر البہیہ اور بعد قیامت

کے تمام واقعات کے علم کا ہم بھی دعوے نہیں کرتے یہ چار فصلیں خوب خیال میں رکھی جائیں۔

# پہلا باب

## علم غیب کے ثبوت کے بیان میں

اس میں چھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں آیات قرآنیہ سے ثبوت۔ دوسری میں احادیث سے ثبوت۔

تیسری میں احادیث کے شارحین کے۔ چوتھی میں علمائے امت اور فقہاء کے اقوال۔ پانچویں میں خود منکرین

کی کتابوں سے ثبوت۔ چھٹی میں عقلی دلائل اولیاء اللہ کے علم غیب کا بیان۔

### پہلی فصل آیات قرآنیہ میں۔

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے  
پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کیں۔

(۱) وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ  
عَلَى الْمَلَائِكَةِ۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام بتانے کے  
معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکو وہ تمام جنسیں دکھا  
دیں جس کو پیدا کیا ہے اور انکو بتا دیا کہ اس کا نام گھوڑا

وَمَعْنَى تَعْلِيمِهِ أَسْمَاءَ الْمَسْمُوكَاتِ أَنَّه  
تَعَالَى أَرَادَهُ الْأَجْنَاسَ الَّتِي خَلَقَهَا وَ  
عَلَّمَهُ أَنَّ هَذَا السَّمُوهَ فَسَمَّاهُ وَهَذَا السَّمُوهَ

بَعِيْنٌ وَهَذَا السَّمْعُ كَذَا وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلِمَهُ اسْمٌ حَلَّ شَيْءٌ حَتَّى الْقُصْعَةَ وَالْمَعْرَفَةَ -

اور اس کا نام ادنٹ اور اس کا نام فلاں ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ان کو ہر چیز کے نام سکھا دیئے یہاں تک کہ سیالی اور چٹو کے بھی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت میں یہ ہی مضمون بیان فرمایا اتنا اور بھی زیادہ فرمایا۔  
وَقِيلَ عَلِمَهُ اَدَمُ اَسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ وَقِيلَ اَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَقِيلَ عَلِمَهُ اللّٰغَاتِ كُلَّهَا -

کہا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں کے نام سکھا دیئے اور کہا گیا ہے کہ ان کی اولاد کے نام اور کہا گیا کہ ان کو تمام زبانیں سکھادیں۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔  
قَوْلُهُ اَيُّ عَلِمَهُ صِفَاتِ الْاَشْيَاءِ وَتَعَوَّثَهَا وَهُوَ الْمَشْهُورُ اَنَّ الْمُرَادَ اَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ مِنْ خَلْقٍ مِنْ اَجْنَاسِ الْمَخْدُوٰثَاتِ مِنْ جَمِيْعِ اللّٰغَاتِ الْمُخْتَلِفَةِ الَّتِي تَتَكَلَّمُ بِهَا وَلَدُ اَدَمَ الْيَوْمَ مِنَ الْعَرَبِيَّةِ وَالْفَارِسِيَّةِ وَالرُّومِيَّةِ

آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اوصاف اور ان کے حالات سکھا دیئے اور یہ ہی مشہور ہے کہ مراد مخلوق میں سے ہر حادث کی جنس کے سارے نام ہیں جو مختلف زبانوں میں ہونگے۔ جنکو اولاد آدم آج تک بول رہی ہے عربی۔ فارسی۔ رومی وغیرہ۔

تفسیر الباعث میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَقِيلَ اَسْمَاءَ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ وَقِيلَ اَسْمَاءَ خَلْفِهِ مِنَ الْمَعْقُوٰلَاتِ وَالْمَحْسُوٰسَاتِ وَالْمُتَخَيَّلَاتِ وَالْمَوْهُومَاتِ وَالْهَمَمَةُ مَعْرِفَةُ ذَوَاتِ الْاَشْيَاءِ وَاَسْمَاءُ هَا وَخَوَاصِرُهَا وَمَعَارِفُهَا اُصُوْلُ الْعِلْمِ وَتَوَانِيْنُ الصَّنَعَاتِ وَتَفَاصِيْلُ الْاَتِهَاتِ وَكَيْفِيَّتُهُ اسْتِعْمَالُهَا -

کہا گیا ہے کہ حضرت آدم کو گذشتہ اور آئندہ چیزوں کے نام بتا دیئے اور کہا گیا ہے کہ اپنی ساری مخلوق کے نام بتا دیئے عقلی، جسمی، خیالی، وہمی چیزیں بتا دیں ان چیزوں کی ذات، ان کے نام ان کے خاصے ان کی پہچان، علم کے قواعد، ہنر و نیکے قانون، ان کے اوزاروں کی تفصیل اور ان کے استعمال کے طریقے کا علم حضرت آدم کو الہام فرمایا۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَعَلَّمَ اَحْوَالَهَا وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا مِنْ الْمَنَافِعِ

اور حضرت آدم کو چیزوں کے حالات سکھائے اور جو کچھ ان

الدِّيْنِيَّةِ وَالذِّيْنِيَّةِ وَعَلَّمَ اسْمَاءَ الْمَلَائِكَةِ  
وَأَسْمَاءَ ذُرِّيَّتِهِ وَأَسْمَاءَ الْحَيَوَانَاتِ وَ  
الْجَمَادَاتِ وَصَنَعَةَ كُلِّ شَيْءٍ وَأَسْمَاءَ الْمُدُنِ  
وَالْقُرَى وَأَسْمَاءَ الطَّيْرِ وَالشَّجَرِ وَمَا يَكُونُ  
وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ يَخْلُقُهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ  
وَأَسْمَاءَ الْمَطْعُومَاتِ وَالْمَشْرُوبَاتِ وَكُلِّ  
نَعِيمٍ فِي الْجَنَّةِ وَأَسْمَاءَ كُلِّ شَيْءٍ دَنَى الْخَيْرِ  
عَلَّمَهُ سَبْعَ مِائَةِ أَلْفِ لُغَاتٍ -

میں دینی و دنیاوی نفع ہیں وہ بتائے اور انکو فرشتوں کے  
نام انکی اولاد اور حیوانات اور جمادات کے نام بتائے  
اور ہر چیز کا بنانا بتایا تمام شہروں اور گاؤں کے نام  
پرندوں اور درختوں کے نام جو جو چکایا جو کچھ بھی ہوگا  
ان کے نام اور جو قیامت تک پیدا فرمائیں گے ان کے  
نام اور کھانے پینے کی چیزوں کے نام جنت کی ہر  
نعمت جو جنیکہ ہر چیز کے نام بتا دیئے حدیث میں ہے  
کہ حضرت آدم کو سنا لاکھ زبانیں سکھائی گئیں۔

ان تفسیروں سے اتنا معلوم ہوا ماکان اور مایکوں کے سارے علوم حضرت آدم علیہ السلام کو دیشے  
گئے زبانیں چیزوں کے نفع و ضرر بنانے کے طریقے۔ آلات کا استعمال سب دکھادیئے۔ لیکن اب  
میرے آقا و مولے صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کو تو دیکھو۔ حق یہ ہے کہ یہ علم آدم میرے آقا کے علم کے  
دریا کا ایک قطرہ یا میدان کا ایک ذرہ ہیں۔

شیخ ابن عربی فتوحاتِ مکہ باب دہم میں فرماتے ہیں۔

أَوَّلُ نَائِبٍ كَانَ لَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَخَلِيفَتُهُ أَدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
حضور علیہ السلام کے پہلے خلیفہ اور نائب آدم  
علیہ السلام ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور علیہ السلام کے خلیفہ ہیں۔ خلیفہ اس کو کہتے ہیں جو اصل  
کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ کام کرے۔ حضور علیہ السلام کی پیدائش پاک سے قبل سارے انبیاء  
حضور علیہ السلام کے نائب تھے یہ مولوی قاسم صاحب نے بھی تمخیر الناس میں لکھا ہے۔ جیسا کہ ہم بیان  
کریں گے خلیفہ کے علم کا یہ حال ہے۔

نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض میں ہے۔

إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عُرِضَتْ عَلَيْهِ الْخَلَائِقُ  
مِنْ لَدُنِ آدَمَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ فَعَرَفَهُمْ  
كُلَّهُمْ كَمَا عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا -  
حضور علیہ السلام پر ساری مخلوقات از حضرت  
آدم تا روز قیامت پیش کی گئیں پس ان سب کو پہچان  
لیا جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب نام سکھائے

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب کو جانتے پہچانتے ہیں۔  
 (۲) دَيُّكُونُ الرَّسُولِ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا | اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ ہوں۔  
 تفسیر عریضی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضور علیہ السلام اپنے نبور نبوت کی وجہ سے  
 ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے  
 کس درجہ تک پہنچا ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت  
 کیا ہے۔ اور کون سا حجاب اس کی ترقی سے مانع  
 ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور  
 تمہارے ایمانی درجات کو اور تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے  
 اخلاص اور نفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہذا ان کی گواہی دنیا میں  
 بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔

رسول علیہ السلام مطلع است نبور نبوت بر دین ہر  
 متدین بدین خود کہ در کلام در جہاز دین من رسیدہ  
 و حقیقت ایمان او چیت و حجابے کہ بل از ترقی محبوب  
 ماندہ است کلام است پس او سے شناسد گناہان شمار او  
 درجات ایمان شمار او اعمال بد و نیک شمار او اخلاق  
 و نفاق شمار او لہذا شہادت اور دنیا بحکم  
 شرع در حق امت مقبول واجب العمل  
 است :

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یہ اس بنا پر ہے کہ کلمہ شہید میں محافظ اور خبر دار کے  
 معنی بھی شامل ہیں اور اس معنی کے شامل کرنے میں  
 اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو عادل کہنا اور صفائی کی  
 گواہی دینا گواہ کے حالات پر مطلع ہونے سے ہو سکتا  
 ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی مسلمانوں پر گواہی دینے  
 معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر دیندار کے دینی مرتبہ کو پہچا  
 ہیں پس حضور علیہ السلام مسلمانوں کے گناہوں کو ان کے ایمان  
 کی حقیقت کو ان کے اچھے برے اعمال کو ان کے اخلاص  
 اور نفاق وغیرہ کو نور حق سے پہچانتے ہیں اور حضور  
 علیہ السلام کی امت بھی قیامت میں ساری امتوں کے  
 یہ حالات جانے لگی مگر حضور علیہ السلام کے نور سے

هَذَا مَبْتَنِي عَلَى تَضْمِينِ الشَّهِيدِ مَعْنَى  
 الرَّقِيبِ وَالْمُطِيعِ وَالْوَجْهَ فِي إِعْتِبَارِ تَضْمِينِ  
 الشَّهِيدِ الْإِشَارَةَ إِلَى أَنَّ التَّعْدِيلَ  
 وَالتَّوَكُّيَةَ إِنَّمَا يَكُونُ عَنْ خُبْرَةٍ وَمَوَاقِبَةٍ  
 بِحَالِ الشَّاهِدِ - وَمَعْنَى شَهَادَةِ الرَّسُولِ  
 عَلَيْهِمُ إِطْلَاعُهُ رُتْبَةً كُلِّ مُتَدِينٍ بِدِينِهِ  
 فَهُوَ يَعْرِفُ ذُنُوبَهُمْ وَحَقِيقَةَ إِيمَانِهِمْ  
 وَأَعْمَالَهُمْ وَحَسَنَاتِهِمْ وَسَيِّئَاتِهِمْ وَ  
 إِخْلَاصَهُمْ وَنِفَاقَهُمْ وَغَيْرَ ذَلِكَ بِنُورِ  
 الْحَقِّ وَامْتِنَهُ يَعْرِفُونَ ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ  
 الْأَصْمِ بِنُورِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ -



تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ثُمَّ يُوتَى بِمُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
فَيُسْأَلُهُ عَنْ أُمَّتِهِ فَيُزَكِّيهِمْ  
وَيُشْهِدُهُ بِصِدْقِهِمْ۔

پھر قیامت میں حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور آپ کی امت کے حالات پوچھے گا تو حضور علیہ السلام سے آپ کی امت کے حالات پوچھے گا تو آپ انکی صفائی کی گواہی دیں گے اور انکی سچائی کی گواہی دیں گے۔

تفسیر مدارک پارہ ۲ سورہ بقرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فَيُوتَى بِمُحَمَّدٍ فَيُسْأَلُ عَنْ حَالِ  
أُمَّتِهِ فَيُزَكِّيهِمْ وَيُشْهِدُهُم بِعَدَالَتِهِمْ  
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُم بِعَدَالَتِكُمْ۔

پھر حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور آپ کی امت کے حال پوچھے جائیں گے پس آپ اپنی امت کی صفائی بیان کرینگے اور عدل نبوی کی گواہی دیں گے لہذا حضور تمہاری عدالت کو جانتے ہیں۔

اس آیت اور ان تفاسیر میں یہ فرمایا گیا کہ قیامت کے دن دوسرے انبیائے کرام کی امتیں بارگاہ الہی میں عرض کریں گی کہ ہمارے پاس تیرا کوئی پیغمبر نہ پہنچا۔ ان امتوں کے نبی عرض کریں گے کہ خدایا ہم ان میں گئے، تیرے احکام پہنچائے مگر ان لوگوں نے قبول نہ کیئے۔ رب تعالیٰ کا ایذا کو حکم ہوگا کہ چونکہ تم مدعی ہو اپنا کوئی گواہ لاؤ۔ وہ اپنی گواہی کے بیٹے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش فرمائیں گے مسلمان گواہی دیں گے کہ خدایا تیرے پیغمبر سچے ہیں انہوں نے تیرے احکام پہنچائے تھے۔

اب دو باتیں تحقیق کے لائق ہیں۔ اول یہ کہ یہ مسلمان گواہی کے قابل ہیں یا نہیں (فاسق و فاجر اور کافر کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ مسلمان پر بیہ گار کی گواہی قبول ہے، دوسرے یہ کہ ان لوگوں نے اپنے سے پہلے پیغمبر و نوازمانہ دیکھا نہ تھا۔ پھر گواہی کس طرح دے رہے ہیں مسلمان عرض کریں گے کہ خدایا ہم سے تیرے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پہلے پیغمبروں نے تبلیغ کی تھی اس کو سن کر ہم گواہی دے رہے ہیں تب حضور علیہ السلام کو بلا یا جاوے گا اور حضور علیہ السلام دو باتوں کی گواہی دیں گے ایک یہ کہ یہ لوگ فاسق یا کافر نہیں تاکہ ان کی گواہی قبول نہ ہو۔ بلکہ مسلمان اور پر بیہ گار ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہاں ہم نے ان سے کہا تھا کہ پہلے نبیوں نے اپنی قوم تک احکام الہیہ پہنچائے تب ان پیغمبروں کے حق میں ڈگری ہوگی۔

اس واقعہ سے چند باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام قیامت تک کے مسلمان کے ایمان اعمال روزہ، نماز و نیت سے بالکل خبردار ہیں ورنہ پہلی یعنی صفائی کی گواہی کیسی ممکن نہیں کہ ایک مسلمان کا مجھ کو کوئی حال آپ سے چھپا رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی آنے والی نسل کا حال معلوم فرمایا

کہ خدایا ان کی اولاد بھی اگر ہوئی تو کافر ہوگی وَلَا يَلِدُ وَلَا يُولَدُ اَلْقَارَاهُ لہذا تو ان کو غرق کر دے حضرت خضر علیہ السلام نے جس بچے کو قتل فرمایا اس کا آئندہ حال معلوم کر لیا تھا کہ آئندہ اگر زندہ رہا تو سرکش ہوگا تو سید الانبیاء علیہ السلام پر کسی کا حال کیونکر چھپ سکتا ہے دوسرے یہ کہ گذشتہ پیغمبروں اور ان کی امتوں کے حالات حضور علیہ السلام نے سنور نبوت دیکھے تھے اور آپ کی گواہی دیکھی ہوئی تھی اگر سنی ہوئی ہوتی تو ایسی گواہی تو اس سے پہلے مسلمان بھی دے چکے تھے سنی گواہی کی انتہا دیکھی گواہی پر ہوتی ہے تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ تو جانتا ہے کہ نبی سچے ہیں مگر پھر بھی گواہیاں لے کر فیصلہ فرماتا ہے۔ اسی طرح اگر حضور علیہ السلام مقدمات میں تحقیق فرمادیں اور گواہیاں وغیرہ لیں تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضور علیہ السلام کو خیر نہ ہو۔ بلکہ مقدمات کا قاعدہ یہ ہی ہونا ہے اور زیادہ تحقیق اس کی دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمن بہ آیات القرآن میں دیکھو۔ اسی گواہی کا ذکر آئندہ آیت میں بھی ہے۔

اور اے محبوب تم کو ان سب پر نگہبان بنا کر ہم لادینگے۔

(۳) وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا

تفسیر نیشاپوری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اس لئے کہ حضور علیہ السلام کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے جو پہلے پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے

إِنَّ رُوحَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُشَاهِدٌ عَلَىٰ جَمِيعِ الْأَرْوَاحِ وَالْقُلُوبِ وَالنَّفُوسِ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضور علیہ السلام پر آپ کی امت کے اعمال صبح و شام پیش کیے جاتے ہیں لہذا آپ امت کو انکی علامات سے جانتے ہیں اور انکے اعمال کو بھی اس لئے آپ ان پر گواہی دینگے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّهُ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَعْمَالُ أُمَّتِهِ غَدَاةً وَعَشِيَّةً فَيَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَلِذَلِكَ يَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضور علیہ السلام گواہ ہیں مومنوں پر ان کے ایمان کے کافروں پر ان کے کفر کے اور منافقوں پر ان کے نفاق کے اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام از اول تا روز قیامت تمام لوگوں کے کفر و ایمان

أَيُّ شَهِدًا أَعْلَىٰ مِنْ أَمْنِ بِالْإِيمَانِ وَعَلَىٰ مَنْ كَفَرَ بِالْكَفْرِ وَعَلَىٰ مَنْ تَأَفَّقَ بِالنِّفَاقِ

دلفاق و اعمال وغیرہ سب کو جانتے ہیں اسی لئے آپ سب کے ہی گواہ ہیں یہ ہی تو علم غیب ہے۔

۴۴) مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ  
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔

وہ کون ہے جو اس کے یہاں شفاعت کرے بغیر اس کے حکم کے جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ مِنْ أَرْيَابِ الْأَمْزِقِ قَبْلَ الْخَلْقِ  
وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ

حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے ادنیٰ معاملات بھی جانتے ہیں اور جو مخلوق کے بعد قیامت کے احوال میں وہ بھی جانتے ہیں۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

يَعْلَمُ مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ  
مِنَ الْأُمُورِ الْأَرْيَابِ قَبْلَ الْخَلْقِ  
وَمَا خَلْفَهُمْ مِنْ أَحْوَالِ الْقِيَامَةِ وَفَنَعِ  
الْخَلْقِ وَغَضَبِ الرَّبِّ۔

حضور علیہ السلام مخلوق کے پہلے کے حالات جانتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مخلوقات کو پیدا کرنے کے پہلے کے واقعات اور ان کے پیچھے کے حالات بھی جانتے ہیں قیامت کے احوال مخلوق کی گھبراہٹ اور رب تعالیٰ کا غضب وغیرہ۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی میں مَنْ ذَا الَّذِي سے لے کر إِلَّا بِإِذْنِهِ آئے

تک تین صفات حضور علیہ السلام کے بیان ہوئے۔ باقی اول و آخر میں صفات الہیہ ہیں۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاس کوئی بغیر اجازت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا اور جن کو شفاعت کی اجازت ہے وہ حضور علیہ السلام ہیں اور شفیع کے لئے ضروری ہے کہ گنہگاروں کے انجام اور ان کے حالات سے واقف ہونا کہ نا اہل کی شفاعت نہ ہو جاوے اور مستحق شفاعت اس سے محروم نہ رہ جائیں جیسے طبیب کے لئے ضروری ہے کہ قابل علاج اور لا علاج مریضوں کو جانے تو فرمایا گیا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ کہ جن کو ہم نے شفیع بنایا ہے۔ اس کو تمام کا علم بھی دیا ہے کیوں کہ شفاعت کرنے کے لئے علم غیب لازم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام قیامت میں منافقین کو نہ پہچانیں گے۔ یا

حضور علیہ السلام کو اپنی بھی خبر نہیں کہ میرا انجام کیا ہوگا محض غلط اور بے دینی ہے جیسا کہ آئندہ آتا ہے وَلَا يَحِيطُونَ لَشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

احتمال یہ بھی ہے کہ اس ضمیر سے حضور علیہ السلام مراد ہیں یعنی حضور علیہ السلام لوگوں کے حالات کو مشاہدہ فرمانے والے ہیں اور ان کے سامنے کے حالات جانتے ہیں انکے اخلاق انکے معاملات اور انکے قصے وغیرہ اور انکے سچے کے حالات بھی جانتے ہیں آخرت کے احوال حقیقی، دوزخ کو لوگوں کے حالات اور وہ لوگ حضور علیہ السلام کے معلومات میں سے کچھ بھی نہیں جانتے مگر اسی قدر جتنا کہ حضور چاہیں اولیاء اللہ کا علم، علم انبیاء کے سامنے ایسا ہے جیسے ایک قطرہ سات سمندروں کے سامنے اور انبیاء کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے سامنے اسی درجہ کا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام کا علم رب العلمین کے سامنے اسی درجہ کا۔ پس بہ نبی اور مرسلوں اور ہر ولی اپنی اپنی استعداد اور قابلیت کے موافق حضور سے ہی لیتے ہیں اور کسی کو یہ ممکن نہیں کہ حضور علیہ السلام سے آگے بڑھ جائے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ تَكُونَ الْهَاءُ كِنَايَةً عَنْهُ عَلَيْهِ  
السَّلَامُ يَعْنِي هُوَ شَاهِدٌ عَلَىٰ أَحْوَالِهِمْ  
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ مِنْ سِيرِهِمْ وَمَعَامِلَاتِهِمْ  
وَأَحْوَالِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ  
شَيْئًا مِنْ مَعْلُومَاتِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ مِنْ مَعْلُومَاتِهِ  
عِلْمُ الْأَوْلِيَاءِ مِنْ عِلْمِ الْأَنْبِيَاءِ بِمَنْزِلَةِ  
قَطْرَةٍ مِنْ سَبْعَةِ أَمْجَارٍ وَعِلْمُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ  
عِلْمِ نَبِيِّنَا عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَذَا الْمَنْزِلَةِ وَعِلْمُ  
نَبِيِّنَا مِنْ عِلْمِ الْحَقِّ سُبْحَانَهُ بِهَذَا الْمَنْزِلَةِ  
فَكَلَّ مَرْسُولٍ وَنَبِيٍّ وَوَلِيٍّ اخْتِذُوا  
بِقَدْرِ الْقَابِلِيَّةِ وَالْأَسْتَعْدَادِ  
مِمَّا لَدَيْهِ وَلَيْسَ لِأَحَدٍ أَنْ يَعُدُّوهُ  
أَوْ يَتَقَدَّمَ عَلَيْهِ

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یعنی خدا تعالیٰ انکو اپنے علم پر اطلاع دیتا ہے اور وہ انبیاء و مرسلوں میں تاکہ ان کا علم غیب پر مطلع ہونا انکی نبوت کی دلیل ہو جیسے رب نے فرمایا ہے کہ پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب خاص پر کسی کو سوائے اس رسول کے جس رب رضی

يَعْنِي أَنْ يَطَّلِعَهُمْ عَلَيْهِ وَهُمْ الْأَنْبِيَاءُ وَ  
الرُّسُلُ وَلِيَكُونَ مَا يَطَّلِعَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ عِلْمِ  
غَيْبِهِ دَلِيلًا عَلَىٰ نُبُوَّتِهِمْ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى  
فَلَا يُظهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ

تفسیر معالم التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یعنی یہ لوگ علم غیب کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر کہ خدا چاہے جس کی خبر رسولوں نے دی۔

يَعْنِي لَا يُجِبُّونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِ الْغَيْبِ  
إِلَّا بِمَا شَاءَ مِمَّا أَخْبَرَ بِهِ الرَّسُولُ

اس آیت اور ان تفاسیر سے اتنا معلوم ہوا کہ اس آیت میں یا تو خدا کا علم مراد ہے کہ خدا کا علم کسی کو حاصل نہیں ہاں جس کو رب ہی دینا چاہے تو اس کو علم غیب حاصل ہوتا ہے اور رب نے تو انبیاء کو دیا اور انبیاء کے ذریعے سے بعض مومنین کو دیا۔ لہذا ان کو بھی بہ عطاۃ الہی علم غیب حاصل ہوا۔ کتنا دیا اس کا ذکر آئندہ آوے گا۔

یا یہ مراد ہے کہ حضور علیہ السلام کے علم کو کوئی نہیں پاسکتا۔ مگر جس کو حضور علیہ السلام ہی دینا چاہیں تو عطا فرمادیں۔ لہذا از حضرت آدم تا روز قیامت جس کو جس قدر علم ملا۔ وہ حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے اس میں حضرت آدم اور فرشتوں وغیرہ کا علم بھی شامل ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے علم کی وسعت ہم علم ادم کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اسے عام لوگوں کو غیب کا علم دے۔ ہاں اللہ چاہتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

۵، مَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

خدا تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دینے کا کہ مطلع کرے اس کفر ایمان پر جو کہ دلوں میں ہوتا ہے لیکن اللہ اپنی پیغمبری کیلئے جسکو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اسکی طرف وحی فرماتا ہے اور بعض غیب کی انکو خبر دیتا ہے یا ان کیلئے ایسے دلائل قائم فرماتا ہے جو غیب پر راہبری کریں

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُوتِيَ أَحَدَكُمْ عِلْمَ الْغَيْبِ فَيُطْلِعُ عَلَى مَا فِي الْقُلُوبِ مِنْ كُفْرٍ وَإِيمَانٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ لِرُسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيُوحِيْ اللَّهُ وَيَخْتَارُ بِبَعْضِ الْمُغْتَبَاتِ أَوْ يُنْصِبُ لَهُ مَا يَدُلُّ عَلَيْهِ۔

تفسیر خازن میں ہے۔

لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس انکو خبر دے کرتا ہے بعض علم غیب پر

لَكِنَّ اللَّهَ يَصْطَفِيْ وَيَخْتَارُ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى بَعْضِ عِلْمِ الْغَيْبِ

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونے کے جان لینا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔ (مجلد)

معنی یہ ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسکو چاہتا

فَمَا مَعَرَفَةٌ ذَلِكَ عَلَى سَبِيلِ الْأَعْلَامِ مِنَ الْغَيْبِ فَهُوَ مِنْ خَوَاصِّ الْأَنْبِيَاءِ (مَجْمُوعٌ) الْمَعْنَى لَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ أَنْ يَصْطَفِيْ مِنْ

ہے چن لیتا ہے پس ان کو غیب پر مطلع کرتا ہے۔  
خدا تعالیٰ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرے گا تا کہ فرق کرنے  
سے پہلے منافقوں کو جان لو۔ لیکن اللہ جسکو چاہتا ہے  
چھانٹ لیتا ہے تو اسکو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے  
جیسا کہ نبی علیہ السلام کو منافقین کے حال پر مطلع فرمایا

رُسُلِهِ مَنِ يَشَاءُ فَيُطَلِّعُهُ عَلَى الْغَيْبِ (جلالین)  
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطَلِّعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَعْرِفُوا  
الْمُنَافِقَ قَبْلَ التَّمْيِيزِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُجَدِّبُ وَ  
يُخْتَارُ مَنْ يَشَاءُ فَيُطَلِّعُ عَلَى غَيْبِهِ كَمَا أَطَّلَعَ  
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى حَالِ الْمُنَافِقِينَ

روح البیان میں ہے -

کیونکہ حقیقتوں اور حالات کے غیب نہیں ظاہر  
ہوتے بغیر رسول علیہ السلام کے واسطے سے -

فَإِنَّ غَيْبَ الْحَقَائِقِ وَالْأَحْوَالِ لَا يَنْكَشِفُ  
بِلَا وَاسِطَةٍ الرَّسُولِ .

اس آیت کریمہ اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدا کا خاص علم غیب پیغمبر پر ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین  
نے جو فرمایا کہ بعض غیب اس سے مراد ہے علم الہی کے مقابلہ میں بعض اور کل ماکان و مایکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے۔

(۱۶) وَ عَلَيْكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَ كَانَ فَضْلُ  
اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا .

اور تم کو سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا  
تم پر بڑا فضل ہے - (جلالین)

یعنی احکام اور علم غیب (تفسیر کبیر)  
اللہ نے آپ پر قرآن اتارا اور حکمت اتاری اور آپ کو

أَمْرٍ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْغَيْبِ  
أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ أَطَّلَعَكَ

ان کے بھیدوں پر مطلع فرمایا اور انکی حقیقتوں پر واقف کیا۔  
یعنی شریعت کے احکام اور دین کی باتیں سکھائیں اور

عَلَى أَسْرَارِهِمَا وَ أَتَّفَقَ عَلَى حَقَائِقِهِمَا  
يَعْنِي مِنَ أَحْكَامِ الشَّرْعِ وَ أُمُورِ الدِّينِ وَ

کہا گیا ہے کہ آپ کو علم غیب میں وہ وہ باتیں سکھائیں جو آپ  
جانتے تھے اور کہا گیا ہے کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ آپ کو چھپی چیزیں

تَبَيَّنَ عِلْمُكَ مِنَ عِلْمِ الْغَيْبِ مَا لَمْ تَكُنْ  
تَعْلَمُ وَ تَبَيَّنَ مَعْنَاهُ عِلْمُكَ مِنْ خَفِيَّاتِ

سکھائیں اور دلوں کے راز پر مطلع فرمایا اور منافقین کے  
مکر و فریب آپ کو بتا دیئے (مدارک)

الْأُمُورِ وَ أَطَّلَعَكَ عَلَى صَمَائِرِ الْقُلُوبِ وَ  
عِلْمُكَ مِنْ أَحْوَالِ الْمُنَافِقِينَ وَ كَيْدِهِمْ

دین اور شریعت کے امور سکھائے اور چھپی ہوتی  
باتیں دلوں کے راز بتائے -

مِنْ أُمُورِ الدِّينِ وَ الشَّرَائِعِ أَوْ مِنْ خَفِيَّاتِ  
الْأُمُورِ وَ صَمَائِرِ الْقُلُوبِ -

تفسیر حسینی بحر الحقائق سے اسی آیت کے ماتحت نقل فرماتے ہیں -

”اَلْاَلْمِ اَلْمَاكَا نِ دَمَا يَكُوْنُ هَسْتُ كَرْحَقِ سَجَا نَ اَدْرَشَبِ  
اَسْرَا بِلَا نِ حَضْرَتِ عَطَا فَرْمُو دِ چَا نِچَ اَدْر حَدِيثِ مِعْرَا جِ  
هَسْتُ كَرْمِنِ اَدْر زِيْرِعِشِ بُو دِمِ قَطْرَهْ اَدْر حَلَقِ مِّنْ رَّحْمَتِي فَعَلِمْتُ  
مَا كَا نَ دَمَا يَكُوْنُ -  
جَا مِعِ اَلْبِيَا نِ قَبْلَ نَزُوْلِ ذَا لِكَ مِرْجِ  
حَقِيْقَا تِ اَلْاُمُوْسِ -

یہ ماکان اور یا کیوں کا علم ہے کہ حق تعالیٰ نے شبِ معراج  
میں حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا۔ چنانچہ معراج شریف  
کی حدیث میں ہے کہ ہم عرش کے نیچے تھے ایک تپاہ بہا کہ حلق  
میں ڈالیں ہم نے سارے گزشتہ اور آئندہ کے واقعات معلوم کر لیتے  
یعنی آپ کو وہ سب باتیں بتا دیں جو قرآن کے نزول  
سے پہلے آپ نہ جانتے تھے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو تمام آئندہ اور گزشتہ واقعات کی خبر دے  
دی گئی۔ کلمہ ناعربی زبان میں غور۔ کے لیے ہوتا ہے تو آیت سے یہ معلوم ہوا کہ شریعت کے احکام  
دین کے سارے واقعات، لوگوں کے ایمانی حالات وغیرہ جو کچھ بھی آپ کے علم میں تھا سب ہی بتا  
دیا اس میں یہ قید لگانا کہ اس سے مراد صرف احکام ہیں اپنی طرف سے قید ہے جو قرآن و حدیث اور  
امت کے عقیدے خلاف ہے۔ جیسا کہ آئندہ بیان ہوگا۔

(۴) مَا فَزَطْنَا فِي اَلِكْتَابِ مِنْ شَيْءٍ  
اِنَّ الْقُرْاٰ نَ مُشْتَمِلٌ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَحْوَالِ  
تفسیر انوار التنزیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے :-

کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے کیونکہ یہ لوح محفوظ  
ان تمام باتوں پر مشتمل ہے جو عالم میں ہوتا ہے ظاہر  
اور باہر اس میں کسی حیوان اور جہاد کا معاملہ چھوڑا نہ گیا

يَعْنِي اللّٰوْحَ الْمُحْفُوْظَ فَاِنَّهُ مُشْتَمِلٌ عَلٰى  
مَا يَجْرِي فِي الْعَالَمِ مِنْ حَبِيْلٍ وَ دَقِيْقٍ  
لَمْ يَحْمَلْ فِيْهِ اَمْرٌ مَّحْيُوْا نٍ وَ كَلَا جَمًا  
تفسیر االس البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے :-

یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہ  
چھوڑا ہے لیکن اس ذکر کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر وہ  
جتنی معرفت کے انوار سے تائید کی گئی ہو۔

اَمْي مَا فَزَطْنَا فِي اَلِكْتَابِ ذِكْرَ اَحَدٍ مِّنَ  
الْمَخْلُوْقِ لِكِنِّ كَلَا يَبْصُرُ ذِكْرًا فِي الْاِكْتَابِ اِلَّا  
الْمُوْتِدُوْنَ بِاَنْوَا سِ الْمَعْرِفَةِ -

امام شعرانی طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں۔ ماخوذ از ادخال السنن صفحہ ۵۵  
اگر خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے بند قفل کھول دے تو

اَمَامُ شَعْرَانِي طَبَقَاتِ كَبْرِيَا فِيْ مِيْنِ فَرْمَا تِيْ مِيْنِ  
اِكْرُ خُ دَا تَعَالٰى تَهَارَا سِيْ دِلُوْلِ كِيْ بِنْدِ قَفْلِ كُھُوْلِ دِيْ تُو

كَاطْلَعْتُمْ عَلَى مَا فِي الْقُرْآنِ مِنَ الْعُلُومِ وَ  
اسْتَعْتَبْتُمْ عَنِ النَّظْرِ فِي سِوَاهُ فَإِنِّي  
جَمِيعَ مَا رُقِمَ فِي صَفَحَاتِ الْوُجُودِ قَالَ اللَّهُ  
تَعَالَى مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ -

تم ان علموں پر مطلع ہو جاؤ جو قرآن میں ہیں اور تم قرآن  
کے سوا دوسری چیز سے بے پرواہ ہو جاؤ۔ کیونکہ قرآن میں  
تمام وہ چیزیں ہیں جو وجود کے صفحوں میں کبھی میں رب تعالیٰ  
فرماتا ہے۔ مَا فَزَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

اس آیت اور ان تفسیروں سے معلوم ہوا کہ کتاب میں دنیا و آخرت کے سارے حالات موجود ہیں  
اب کتاب سے مراد بالقرآن ہے یا لوح محفوظ۔ اور قرآن بھی حضور علیہ السلام کے علم میں ہے اور لوح محفوظ  
بھی جیسا کہ آئندہ آدے گا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا و آخرت کے حالات حضور علیہ السلام کے علم میں ہوتے  
کیونکہ سارے علوم قرآن اور لوح محفوظ میں ہیں۔ اور قرآن و لوح محفوظ حضور کے علم میں۔

اور نہیں ہے کوئی تزا در خشک جو روشن کتاب  
میں نہ لکھا ہو۔

(۸) وَلَا سَطَبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ

مُبِينٍ

روح البیان، هُوَ اللُّوحُ الْمُحْفُوظُ فَقَدْ صَبَطَ  
اللَّهُ فِيهِ جَمِيعَ الْمُقَدَّرَاتِ الْكُتُبِيَّةِ لِقَوْلِهِ  
تَرْجِعْ إِلَى الْعِبَادِ يَعْرِفُهَا الْعُلَمَاءُ بِاللَّهِ -

تفسیر کبریہ یہی آیت، وَفَأَسَدَا هَذَا الْكِتَابِ  
أُمُورٌ أَحَدَهَا أَنَّ تَعَالَى كَتَبَ هَذِهِ الْأَحْوَالِ  
فِي اللُّوحِ الْمُحْفُوظِ لِتَقِفَ الْمَلَائِكَةُ عَلَى نِقَازِ  
عِلْمِهِ فِي الْمَعْلُومَاتِ فَيَكُونُ ذَلِكَ عِبْرَةً  
تَأَمَّةً كَامِلَةً لِلْمَلَائِكَةِ الْمُؤْتَمِرِينَ بِاللُّوحِ  
الْمُحْفُوظِ لِأَنَّهُمْ يُقَابِلُونَ بِهِ مَا يَحْدُثُ  
فِي صَحِيفَةِ هَذَا الْعَالَمِ فَيَجِدُونَ تَهَهُ مَوَافِقًا  
تفسیر خازن یہی آیت، وَالثَّانِي أَنَّ الْمُرَادَ بِالْكِتَابِ  
الْمُبِينِ هُوَ اللُّوحُ الْمُحْفُوظُ لِأَنَّ اللَّهَ كَتَبَ  
فِيهِ عِلْمَ مَا يَكُونُ وَمَا عَدَا كَانَ قَبْلَ أَنْ

وہ لوح محفوظ ہے کہ اللہ نے اس میں ساری ہوسکتے  
والی چیزیں جمع فرمادیں ان فائدہ دہنی وجہوں سے جو  
بندوں کی طرف لوٹتے ہیں انکو علمائے ربانی جانتے ہیں  
اس لکھنے میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے  
ان حالات کو لوح محفوظ میں اس لئے لکھا تھا تاکہ ملائکہ  
خبردار ہو جائیں ان معلومات میں علم الہی جاری ہو سکتے  
پس یہ بات ان فرشتوں کے لیے پوری پوری عبرت بن  
جائے جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں کیونکہ وہ فرشتے ان  
واقعات کا اس تحریر سے مقابلہ کرتے ہیں جو عالم میں  
نئے ہوتے رہتے ہیں تو اس کو لوح محفوظ کے موافق پاتے  
دوسری توجیہ یہ ہے کہ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ  
ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جو کچھ ہو گا اور جو کچھ  
آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے ہو چکا سب کا علم



لکھ دیا اور ان تمام چیزوں کے کھنے سے اس کتاب میں  
فائدہ یہ ہے کہ فرشتے اسکے علم کے جاری کرنے پر  
واقف ہو جائیں۔

وہ کتاب یا تو علم الہی ہے یا لوح محفوظ

تفسیر تنویر المقیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یہ تمام چیزیں لوح محفوظ میں ہیں کہ ان کی مقدار  
اور ان کا وقت بیان کر دیا گیا ہے۔

أَنْ يَخْلُقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَفَأَسَدَةً  
إِخْصَاءِ الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا فِي هَذَا الْكِتَابِ لِنَتَقِفَ  
الْمَلَائِكَةَ عَلَىٰ إِنْفَادِ عِلْمِهِ۔

(تفسیر مدارک یہی آیت) هُوَ عِلْمُ اللَّهِ وَاللُّوحِ

تفسیر تنویر المقیاس میں تفسیر ابن عباس میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كُلُّ ذَلِكَ فِي اللُّوحِ الْمَحْفُوظِ مَبِينٌ  
مِقْدَارُهَا وَوَقْتُهَا۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں ہر خشک و ترادنے والے چیز ہے اور لوح  
محفوظ کو فرشتے اور اللہ کے خاص بندے جانتے ہیں اور علم مصطفیٰ علیہ السلام ان سب کو محیط ہے  
لہذا یہ تمام علوم علم مصطفیٰ علیہ السلام کے دریا کے قطرے ہیں۔

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے  
ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن دین و دنیا کی  
ہر چیز کا روشن بیان بنا کر بھیجی تفصیلی  
واجمالی۔

(۹) نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ  
تفسیر حسینی یہی آیت نَزَّلْنَا فَرَسَاتِيمَ عَلَيْكَ  
الْكِتَابَ بِرُتُورِ الْقُرْآنِ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ بَيَانِ رُشْنِ بَرِّ  
ہمہ چیز از امور دین و دنیا تفصیل و اجمال

اس کے بیان کیلئے جو دینی چیزوں سے تعلق رکھتی ہوں  
اور اس میں سے امتوں اور ان کے پیغمبروں کے حالات ہیں  
حضرت مجاہد نے ایک دن فرمایا کہ عالم میں کوئی شے  
ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو تو ان سے کہا گیا کہ سر لوٹو  
ذکر کہاں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس آیت میں ہے  
کہ تم پر گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں داخل ہو جس میں  
کوئی ربتا نہ ہو اور تمہارا دماغ سامان ہو۔

(تفسیر روح البیان یہی آیت) يَتَّعَلَقُ بِأُمُورِ الدِّينِ  
مِنْ ذَلِكَ أَحْوَالُ الْأُمَمِ وَاشْتِيََاءُ هِمَمِ  
تفسیر نقان یہی آیت) قَالَ الْمُجَاهِدُ يَوْمًا مَا  
مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ  
فَقِيلَ لَهُ فَإِنَّ ذِكْرَ الْخَنَائِتِ فَقَالَ فِي  
قَوْلِهِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا  
غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں ہر اونے والی چیز ہے اور قرآن رب تعالیٰ  
نے محبوب علیہ السلام کو سکھایا الرَّحْمَنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ یہ تمام چیزیں علم مصطفیٰ علیہ السلام میں آئیں۔

۱۰) وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ -

رحملا میں یہ ہی آیت (تَفْصِيلَ الْكِتَابِ تَبَيَّنُ مَا كَتَبَ اللَّهُ تَعَالَى مِنَ الْأَحْكَامِ وَغَيْرِهَا (جمل یہ ہی آیت) آئِ فِي اللُّوْحِ الْمُحْفُوظِ

روح البیان یہ ہی آیت) آئِ وَتَفْصِيلَ مَا حَقَّقَ وَاتَّيَبَتْ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالشَّرَائِعِ وَفِي التَّوْبِيَّاتِ النَّجْمِيَّةِ آئِ تَفْصِيلَ الْجُمْلَةِ الَّتِي هِيَ الْمَقْدَامُ الْمَكْتُوبُ فِي الْكِتَابِ الَّذِي لَا يَبْطُرُ قِي إِلَيْهِ الْحُجُورُ وَالْإِثْبَاتُ لِأَنَّهُ أَرْزَى أَبَدِيًّا -

اور لوح محفوظ میں جو کچھ لکھا ہے قرآن سب کی تفصیل ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ یہ تفصیلی کتاب ہے اس میں وہ احکام اور ان کے سوا دوسری چیزیں بیان کی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیں۔ یعنی لوح محفوظ میں تمام تفصیل ہے۔

یعنی یہ قرآن اُن شرعی اور حقیقت کی چیزوں کی تفصیل ہے جو ثابت کی جا چکی ہیں اور تاویلاتِ نجومیہ سے کہ اس تمام کی تفصیل ہے جو تقدیر میں آچکی ہیں اور اس کتاب میں بھی جا چکی ہیں جس میں تو بدل نہیں ہوتا کیونکہ وہ کتاب ازلی وابدی ہے۔

اس آیت و تفسیر سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم میں احکام شرعیہ اور تمام علوم موجود ہیں اس آیت سے پتہ لگا کہ قرآن میں سارے لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔ اور لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ وَلَا يَأْتِيكَ فِي الْكِتَابِ مُبِينٍ اور قرآن حضور علیہ السلام کے علم میں ہے۔ الرَّحْمَنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ لہذا سارا لوح محفوظ حضور علیہ السلام کے علم میں ہے کیونکہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے۔

یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں اپنے سے اگلی کلاموں کی تصدیق ہے اور ہر چیز کا مفصل بیان۔

یعنی اس قرآن میں جو آپ پر اتارا گیا۔ ا سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز کی تفصیل ہے جسکی آپ کو ضرورت ہو حلال اور حرام سزا میں اور احکام اور قصے اور نصیحتیں اور مثالیں۔ ان کے علاوہ اور چیزیں جن کی بندوں کو اپنے دینی و دنیاوی معاملات میں ضرورت پڑتی ہے۔

یعنی اس قرآن میں ہر اس چیز کا بیان ہے جسکی دین و دنیا

۱۱) مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَكَانَ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (تفسیر خانن یہ ہی آیت) يَعْنِي فِي هَذَا الْقُرْآنِ الْمُنَزَّلِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ تَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ تَحْتَاجُ إِلَيْهِ مِنَ الْحَدَلِ وَالْحَرَامِ وَ الْحُدُودِ وَالْأَحْكَامِ وَالْقَصَصِ وَالْمَوَاطِنِ وَالْأَمْثَالِ وَغَيْرِ ذَلِكَ مِمَّا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ الْعِبَادُ فِي أَمْرِ دِينِهِمْ وَدُنْيَاهُمْ -

تفسیر حسینی میں ہے وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ دِيَانِ مَب

میں ضرورت ہو۔ کتاب الابدان میں ہے کہ  
 علم میں کوئی چیز ایسی نہیں جو قرآن میں نہ ہو  
 رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا انسانیت کی  
 جان محمد کو پیدا کیا ماکان ویاکون کا بیان اس کو سکھایا  
 اللہ نے انسان یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو پیدا فرمایا اور ان کو بیان یعنی ساری اگلی پچھلی  
 باتوں کا بیان سکھادیا۔

کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں  
 کہ ان کو اگلے پچھلے امور کا بیان سکھادیا گیا کیونکہ حضور  
 علیہ السلام کو اگلوں اور پچھلوں کی اور قیامت کے  
 دن کی خبر سے وہی گنتی۔

یعنی ہمارے نبی علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے قرآن اور  
 اپنی ربوبیت کے مجید سکھائے جیسا کہ خود رب تعالیٰ  
 نے فرمایا کہ آپ کو سکھادیں وہ باتیں جو آپ نہ جانتے تھے  
 انسان سے مراد جنس انسانی ہے یا آدم علیہ السلام  
 یا حضور علیہ السلام۔

کہا گیا ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضور  
 علیہ السلام ہیں اور بیان سے مراد ہے کہ آپ کو وہ  
 تمام باتیں سکھائیں جو نہ جانتے تھے۔

یا مراد ہے کہ پیدا فرمایا حضور علیہ السلام کی ذات کو  
 اور سکھایا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔

ان آیتوں اور تفاسیر سے معلوم ہوا کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اس کا سارا علم حضور علیہ الصلوٰۃ و

چیز یا کہ محتاج باشد در دین و دنیا۔  
 مَا مِنْ شَيْءٍ فِي الْعَالَمِ إِلَّا هُوَ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى  
 (۱۳) الرَّحْمَنُ هُوَ عَلَّمَ الْقُرْآنَ هُوَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ  
 عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ه

تفسیر معالم التنزیل و حسین یہی آیت خَلَقَ  
 الْإِنْسَانَ اِنَّمَا مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَّمَهُ  
 الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ  
 تفسیر خازن یہی آیت۔

قِيلَ أَرَادَ بِالْإِنْسَانَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ يَعْنِي بَيَانَ مَا كَانَ وَ  
 مَا يَكُونُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ عَنْ خَيْرِ  
 الْأَدْيَانِ وَالْآخِرِينَ وَعَنْ يَوْمِ الدِّينِ۔

روح البیان یہی آیت، وَعَلَّمَهُ نَبِيَّنَا عَلَيْهِ  
 السَّلَامُ الْقُرْآنَ وَأَسْرَارَ الْأَلْوَهِيَّةِ كَمَا  
 قَالَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

تفسیر مدارک، یہی آیت، الْإِنْسَانَ أَيِ الْجِنْسِ  
 أَوِ الْإِنْسَانِ مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ۔

معالم التنزیل یہی آیت، وَقِيلَ الْإِنْسَانُ  
 هَهُنَا مُحَمَّدٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَبَيَانُهُ عَلَّمَكَ  
 مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔

تفسیر حسینی یہی آیت یا وجود محمد را یا موزانید و  
 اور سکھایا ان کو جو ہو چکا ہے یا ہوگا۔

السلام کو دیا گیا۔

(۱۳) مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ بِمَجْنُونٍ ه  
 (تفسیر روح البیان یہی آیت) بِمَسْتَوِرٍ عَلِيمًا  
 كَانَ فِي الْأَنْزَالِ وَمَا سَيَكُونُ إِلَّا الْآبِدِ  
 لِاتِّجَانِ الْجَنَّةِ هُوَ الشَّارِكُ بَلْ أَنْتَ عَالِمٌ بِمَا  
 كَانَ وَخَبِيرٌ بِمَا سَيَكُونُ۔

اس آیت و تفسیر سے علم غیب کُلّی ثابت ہوا۔

(۱۴) وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا  
 نَخُوضُ وَنَلْعَبُ۔

تفسیر درمنثور و طبری یہی آیت) عَنْ مُجَاهِدٍ أَنَّهُ  
 قَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَلَئِن سَأَلْتَهُمُ الْخ  
 قَالَ سَرَجُلٌ مِّنَ الْمُنَافِقِينَ يُحَدِّثُنَا مُحَمَّدًا  
 أَنَّ نَاقَةَ فَلَانٍ بَوَّادٍ كَذَا ذَكَرْنَا وَمَا يُدْرِيهِ  
 بِالْغَيْبِ۔

اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو گے تو کہیں گے  
 کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے  
 اس آیت کے نزول کے بارے میں وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ  
 کہ ایک منافق نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)  
 خبر دیتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں جنگل میں ہے  
 ان کو غیب کی کیا خبر۔

اس آیت اور تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے غیب کا انکار کرنا منافقین کا کام تھا جس کو

قرآن نے کفر قرار دیا۔

(۱۵) فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ  
 ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ۔

تفسیر کبیر یہی آیت) أَيْ دَنَّتْ وَقَوَّعَ الْقِيَمَةَ  
 مِنَ الْغَيْبِ الَّذِي لَا يُظْهِرُهُ اللَّهُ لِأَحَدٍ  
 فَإِنْ قِيلَ فَإِذَا أَحْمَلْتُمْ ذَلِكَ عَلَى الْقِيَمَةِ  
 فَكَيْفَ قَالَ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ مَعَ  
 أَنَّهُ لَا يُظْهِرُهُ هَذَا الْغَيْبِ لِأَحَدٍ قُلْنَا بَلْ

تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے  
 پسندیدہ رسولوں کے۔

یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے  
 ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا  
 جاوے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا تو  
 اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا اگر پسندیدہ رسول کو حالانکہ  
 یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب

يُظهِرُهُ عِنْدَ قَرِيبِ الْقِيَمَةِ -

تفسیر عزیز ص ۱۴۳ - آنچہ بہ نسبت ہر مخلوق  
غائب است غائب مطلق است مثل وقت آمدن قیامت  
واحکام تکوینیہ و شرعیہ باری تعالیٰ در ہر روز و ہر شریعت  
و مثل حقائق ذات و صفات او تعالیٰ علی سبیل تفضل  
این قسم را غیب خاص او تعالیٰ نیز می نامند فَمَا يُظهِرُهُ  
عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا اِن مِّن مَّن يُّظهِرُهُ غَيْبًا خَوِّفَ  
بِهِ كَمَا كَانَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا كَانَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
خَوَّافًا لِّمَنْ يُّظهِرُهُ غَيْبًا خَوِّفَ بِهِ كَمَا كَانَتْ  
عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا اِن مِّن مَّن يُّظهِرُهُ غَيْبًا خَوِّفَ  
بِهِ كَمَا كَانَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَمَا كَانَتْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

عبارت السلام اور انہا پر بعضے از نبویہ خاصہ خود می فرماید -  
تفسیر خازن یہی آیت (الْاَمِنْ يَضْطَفِيهِ لِوَسَالَتِهِ  
وَتَبَوُّتِهِ فَيُظهِرُهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنَ الْغَيْبِ  
حَتَّىٰ يَسْتَدْلَ عَلَىٰ تَبَوُّتِهِ بِمَا يُخْبِرُ بِهِ  
مِنَ الْمُغْيَبَاتِ فَيَكُونُ ذَلِكَ مُعْجَزَةً لَهُ  
ردح البیان یہی آیت، قَالَ ابْنُ الشَّيْخِ أَنَّهُ  
تَعَالَىٰ لَا يُطْلِعُ عَلَىٰ الْغَيْبِ الَّذِي يَخْتَصُّ بِهِ  
تَعَالَىٰ عَلَيْهِ إِلَّا لِمَا تَضَىٰ الَّذِي يَكُونُ رَسُولًا  
وَمَا لَا يَخْتَصُّ بِهِ يُطْلِعُ عَلَيْهِ غَيْرَ الرَّسُولِ

تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرما دیگا۔

جو چیز تمام مخلوقات سے غائب ہو وہ غائب مطلق ہے  
جیسے قیامت کے آنے کا وقت اور روزانہ اور ہر چیز  
کے پیدائشی اور شرعی احکام اور جیسے پروردگار کی  
ذات و صفات بر طریق تفصیل اس قسم کو رب  
تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں پس اپنے خاص غیب  
پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ اس کے سوا جس کو پسند  
فرمادے اور وہ رسول ہوتے ہیں خواہ فرشتے کی جنس  
سے ہوں یا انسان کی جنس سے جیسے حضرت مصطفیٰ علیہ  
السلام ان کو اپنے بعض خاص غیب پر ظاہر فرماتا ہے۔  
سوا اس کے جس کو اپنی نبوت اور رسالت کیلئے چن  
لیا پس ظاہر فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے غیب تاکہ انکی  
نبوت پر دلیل پکڑی جاوے ان غیب چیزوں سے جس  
کی وہ خبر دیتے ہیں پس یہ ان کا معجزہ ہوتا ہے۔

ابن شیح نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اس غیب پر جو اس سے  
خاص ہے کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسول  
کے اور جو غیب کہ رب سے خاص نہیں اس پر غیر  
رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔

اس آیت اور ان تفاسیر سے معلوم ہوا کہ خدائے قدوس کا خاص علم غیب حتیٰ کہ قیامت کا علم بھی  
حضور علیہ السلام کو عطا فرمایا گیا اب کیا شے ہے جو علم مصطفیٰ علیہ السلام سے باقی رہ گئی۔

۱۱۷) فَأَدْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَدْحَىٰ - اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔

مدارج النبوة جلد اول وصل رویتہ الہی میں ہے۔

معراج میں رب نے حضور علیہ السلام پر جو سارے علوم  
فَأَدْحَىٰ الْآيَةَ بِتَمَامِ الْعِلْمِ وَمَعَارِفِ وَحَقَائِقِ وَبَشَارَاتِ

واشارات، اخبار و آثار و کرامات و کمالات در  
 محیطہ این ابہام داخل است و ہمدار شامل و کثرت و  
 عظمت اوست کہ مبہم آورد و بیان نہ کرد اشارات  
 بانکہ جز علم علام الغیوب در رسول محبوب بہ آن محیط  
 نتواند شد مگر آن چہ آن حضرت بیان  
 کردہ -

اور معرفت اور بشارتیں اور اشارے اور خبریں اور کرامتیں کمالات  
 وحی فرماتے وہ اس ابہام میں داخل ہیں اور کبے شامل ہیں  
 انکی زیادتی اور عظمت ہی کی وجہ سے ان چیزوں کو بطور ابہام  
 ذکر کیا بیان نہ فرمایا۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان علوم  
 غیبیہ کو سوائے سب تعالیٰ، اور محبوب علیہ السلام کے کوئی نہیں  
 احاطہ کر سکتا۔ حال جس قدر حضور نے بیان فرمایا وہ معلوم ہے۔

اس آیت اور عبارت سے معلوم ہوا کہ معراج میں حضور علیہ السلام کو وہ وہ علوم عطا ہوئے۔ جن کو  
 نہ کوئی بیان کر سکتا ہے اور نہ کسی کے خیال میں آسکتے ہیں ماکان و مایکون تو صرف بیان کے لیشے ہے۔  
 ورنہ اس سے بھی کہیں زیادہ کی عطا ہوئی۔

اور یہ نبی غیب بتانے میں نخیل نہیں۔

۱۱) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيٍّ ۝

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب ہو۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 لوگوں کو اس سے مطلع فرمادیتے ہوں۔

حضور علیہ السلام غیب پر اور آسمانی خبروں پر اور  
 ان خبروں و قصوں پر نخیل نہیں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ  
 حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب آتا ہے پس وہ  
 اس میں تم پر نخیل نہیں کرتے بلکہ تم کو سکھاتے ہیں اور تم  
 کو خبر دیتے ہیں جیسے کہ کامن چھپاتے ہیں ویسے نہیں چھپا  
 مراد یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے پاس علم غیب  
 آتا ہے تو تم پر اس میں نخیل نہیں فرماتے۔ بلکہ تم کو  
 سکھاتے ہیں۔

(معالم التنزیل یہ ہی آیت) عَلَى الْغَيْبِ وَخَبِيرِ  
 السَّمَاءِ وَمَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مِنَ الْأَخْبَارِ وَالْقَصَصِ  
 بِضَنِيٍّ أَيْ بِبَخِيلٍ يَقُولُ إِنَّهُ يَأْتِيهِ عِلْمُ  
 الْغَيْبِ فَلَا يَبْخُلُ بِهِ عَلَيْكُمْ بَلْ يَعْلَمُكُمْ وَ  
 يُخْبِرُكُمْ وَلَا يَكْتُمُهُ كَمَا يَكْتُمُ الْكَاهِنُ  
 (مخازن یہ ہی آیت) يَقُولُ إِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
 يَأْتِيهِ عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يَبْخُلُ بِهِ عَلَيْكُمْ  
 بَلْ يَعْلَمُكُمْ۔

اس آیت و عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام لوگوں کو علم غیب سکھاتے ہیں۔ اور سکھائے گا۔ وہ

ہی جو خود جانتا ہے۔

اور ان کو اپنا علم لڈنی عطا کیا یعنی حضرت خضر کو

(۱۱) وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ كَدِّ نَاعِلَمًا۔

حضرت خضر کو وہ علم سکھائے جو ہمارے ساتھ خاص میں بغیر ہمارے بتائے کوئی نہیں جانتا اور وہ علم غیب ہے

تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے۔

حضرت خضر نے فرمایا تھا حضرت موسیٰؑ سے کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے وہ حضرت علم غیب جانتے تھے کہ انہو جان لیا حضرت خضر کو جو لدنی علم سکھایا گیا وہ علم غیب ہے اور اس غیب کے متعلق خبر دینا ہے خدا کے حکم سے جیسا کہ اس طرف ابن عباسؓ کہتے ہیں۔

یعنی حضرت خضر کو غیب کی خبریں دیں اور کہا گیا ہے کہ علم لدنی وہ ہوتا ہے جو بندے کو الہام کے طریقہ پر حاصل ہو۔

یعنی حضرت خضر کو علم باطن الہام کے طریقہ پر عطا فرمایا

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا۔

جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صخرہ پر کھڑا کیا گیا اور ان کیلئے آسمان کھول دینے لگے یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جو کچھ آسمانوں میں ہے دیکھ لیا اور آپ کیلئے زمین کھولی گئی یہاں تک کہ انہوں نے زمینوں کی نیچی زمین اور ان عجائبات کو دیکھ لیا جو زمینوں میں ہیں۔

عجاہد نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ساتوں

(بیضادی میں یہی آیت) اَنْی مِمَّا یَخْتَصُّ نَبَاً لَا یَعْلَمُ اِلَّا بِتَوْقِیْفِنَا وَهُوَ عَلِمُ الْغَیْبِ۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِی صَبْرًا كَانَ مَرَجَلًا یَعْلَمُ عَلِمَ الْغَیْبِ قَدْ عَلِمَ ذَلِكَ (روح البیان یہی آیت) هُوَ عَلِمَ الْغُیُوبِ وَالْاَخْبَارُ عَنْهَا بِاِذْنِهِ تَعَالَى كَمَا مَا ذَهَبَ اِلَيْهِ ابْنُ عَبَّاسٍ۔

(تفسیر مدارک یہی آیت) یَعْنِی الْاِخْبَارَ مَا بِالْغُیُوبِ وَقِیْلَ اَلْعِلْمُ اللّٰدُنِیُّ مَا حَصَلَ لِلْعَبْدِ بِطَرِیْقِ الْاِلْهَامِ۔

(تفسیر خازن یہی آیت) اَنْی عَلِمَ الْبَاطِنِ الْاِلْهَامًا۔

اس آیت و تفسیری عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت خضر کو بھی علم غیب عطا فرمایا تھا۔ جس سے لازم آیا کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب عطا ہوا۔ کیونکہ آپ تمام مخلوق الہی سے زیادہ عالم ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام بھی مخلوق ہیں۔

(۱۹) وَكَذَلِكَ نُرِي اِبْرَاهِيمَ مَكْنُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ض۔

(تفسیر خازن یہی آیت) اَقِيْمَ عَلٰی صَخْرَةٍ وَ كَشَفَ لَهُ عَنِ السَّمٰوٰتِ حَتّٰی رٰى الْعَرْشَ وَالْكَرْسِیَّ وَ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ كَشَفَ لَهُ عَنِ الْاَرْضِ ضِ حَتّٰی نَظَرَ اِلَى اَسْفَلِ الْاَرْضِیْنَ وَ مَا فِیْهَا مِنْ الْعَجَیْبِ۔

(تفسیر مدارک یہی آیت) قَالَ مُجَاهِدٌ فُرِجَتْ لَهُ

السَّمَوَاتِ السَّبْعُ فَنَظَرَ إِلَى مَا فِيهِنَّ  
حَتَّىٰ انْتَهَىٰ نَظْرُهُ إِلَى الْعَرْشِ وَفُرِجَتِ  
لَهُ الْأَرْضُ ضُورًا السَّبْعُ حَتَّىٰ نَظَرَ إِلَى مَا  
فِيهِنَّ -

”روح البیان یہی آیت ”عجائب و بدائع  
آسمانہا زمین ہا زردہ عرش تا تحت الثری برے منکشف“

آسمان کھول دینے گئے پس انہوں نے دیکھ لیا۔  
جو کچھ آسمانوں میں ہے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش  
تک پہنچ گئی اور ان کے ایسے سات زمینیں کھولی گئیں  
کہ انہوں نے وہ چیزیں دیکھ لیں جو زمینوں میں ہیں۔  
ابراہیم کو آسمان وزمین کی عجائبات و غرائب دکھا  
اور عرش کی بلندی سے تحت الثریٰ تک کھول دیا۔

تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم میں اسی آیت کے ماتحت ہے -

إِنَّهُ جَلَّ لَهُ الْأَمْرُ سِرًّا وَعَدْلَانِيَّةً فَلَمْ  
يَخْفَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ أَعْمَالِ الْخَلَائِقِ -

(تفسیر کبیر یہی آیت) إِنَّ اللَّهَ شَقَّ لَهُ السَّمَوَاتِ  
حَتَّىٰ سَأَىٰ الْعَرْشَ وَالْكَرْسِيَّ وَالْإِلَى  
حَيْثُ يَنْتَهَىٰ إِلَيْهِ قُوَّةُ الْعَالَمِ  
الْجِسْمَانِيَّ وَسَأَىٰ مَا فِي السَّمَوَاتِ مِنَ  
الْعَجَائِبِ وَالْبَدَائِعِ وَسَأَىٰ مَا فِي بَطْنِ  
الْأَرْضِ مِنَ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ -

حضرت ابراہیم پر کھلی پوشیدہ تمام چیزیں کھل گئیں  
پس ان پر مخلوق کے اعمال میں سے کچھ بھی چھپا نہ رہا۔  
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کیلئے آسمانوں کو چیر دیا  
یہاں تک کہ انہوں نے عرش و کرسی اور جہانک جہانی  
علم کی فوقیت ختم ہوتی ہے دیکھ لیا۔ اور وہ عجیب و  
غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو آسمانوں میں ہیں۔ اور  
وہ عجیب و غریب چیزیں بھی دیکھ لیں جو زمین کے  
پیٹ میں ہیں۔

اس آیت اور ان تفسیری عبارات سے معلوم ہوا کہ از عرش تا تحت الثریٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو  
دکھائے گئے اور مخلوق کے اعمال کی بھی ان کو خبر دی گئی اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے  
تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم عطا ہوئے۔

خیال رہے کہ عرش کے علم میں لوح محفوظ بھی آگئی۔ اور لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے اس کو ہم پہلے بیان  
کر چکے۔ لہذا ماکان و ما یكون کا علم تو ان کو بھی حاصل ہوا۔ اور علم ابراہیمی اور علم حضرت آدم علیہ السلام  
حضور علیہ السلام کے علم کے دریا کا قطرہ ہے۔

(۲۰) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ تَرْضَانِ إِلَّا ابْتِثْنَا بِمَا بَيْنَا وَبَيْنَهُ - اس کی  
تفسیر میں روح البیان و کبیر و خازن میں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں کھانے کے گذشتہ و آئندہ کے



سارے حالات بنا سکتا ہوں کہ غلہ کہاں سے آیا اور اب کہاں جائے گا۔ تفسیر کبیر نے تو فرمایا کہ یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ یہ کھانا نفع دے گا یا نقصان۔ یہ چیزیں وہ ہی بتا سکتا ہے جو ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہو پھر فرماتے ہیں۔  
ذٰلِكُمْ مِمَّا عَلَّمَنِی رَبِّیْ۔  
یہ علم تو میرے علوم کا بعض حصہ ہے۔

اب بتاؤ کہ حضور علیہ السلام کا علم کتنا ہوگا۔ علم یوسفی تو علم مصطفیٰ کے سمندر کا قطرہ ہے اور علیہ السلام نے فرمایا۔

وَأَنْتُمْ كُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ  
فِی بُيُوتِكُمْ۔  
میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے  
ہو اور جو کچھ جمع کرتے ہو۔

دیکھو کھانا گھر میں کھایا اور رکھا گیا۔ جہاں علیہ السلام موجود نہیں تھے اور انکی خبر آپ باہر سے رہے ہیں  
یہ ہے علم غیب۔

(۲۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَن  
أَشْيَاءٍ إِن تَبْدُو لَكُمْ نَسْوًا  
اے ایمان والو ایسی باتیں ہمارے محبوب سے نہ پوچھو کہ  
اگر تم پر نساہر کر دی جاویں تو تمہیں ناگوار ہوں۔

بخاری شریف میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی عن ابن عباس قال کان قوم  
يسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم استهنأ فيقول الرجل من أني ويقول الرجل  
أين نأقتي فأنزل الله فيهم هذه الآية يا أيها الذين آمنوا لا تسألو عن أشياء۔

تمہ۔ مخالفین سے ان دلائل کے جواب کچھ نہیں بنتے صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ جن آیات  
میں کُلُّ شَيْءٍ کا ذکر ہوا یا فرمایا گیا مَالِكٌ تَكُنْ تَعْلَمُ ان میں مراد شریعت کے احکام ہیں نہ کہ اور چیزیں  
اس کے بیٹے چند دلائل لاتے ہیں۔

(۱) کُلُّ شَيْءٍ غیر متناہی (بے انتہا) ہیں اور غیر متناہی چیزوں کا علم خدا کے سوا کسی کو ہونا منطقی قاعدے  
سے بالکل باطل ہے دلیل تسلسل سے۔

(۲) بہت سے مفسرین نے بھی کُلُّ شَيْءٍ کے معنی کیئے ہیں مِنْ أُمُورِ الدِّينِ یعنی دین کے احکام  
جیسے جلالین وغیرہ۔

(۳) قرآن پاک میں بہت جگہ کُلُّ شَيْءٍ فرمایا گیا ہے مگر اس سے بعض چیزیں مراد ہیں جیسے  
أُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ بَلْقِيسُ کو کُلُّ شَيْءٍ دی گئی۔ حالانکہ بلقیس کو بعض چیزیں ہی دی گئی تھیں

مگر یہ دلائل نہیں صرف غلط فہمی ہے اور دھوکا۔ ان کے جوابات یہ ہیں:-  
 عربی زبان میں کلمہ کل اور کلمہ ماعوم کے لئے آتے ہیں۔ اور قرآن کا ایک ایک کلمہ قطعی ہے اس  
 میں کوئی قید لگانا محض اپنے قیاس سے جائز نہیں۔ قرآن پاک کے عام کلمات کو حدیث آحاد سے  
 بھی خاص نہیں بنا سکتے چہ جائیکہ محض اپنی رائے سے۔

۱) کُلُّ شَيْءٍ غَيْرِ مُتَنَاهٍ نَبِيٍّ - بلکہ متناہی میں - تفسیر کبیر زیر آیت دَاخِطِي كُلَّ شَيْءٍ عَدَا  
 قُلْنَا لَا شَيْءَ اِنْ اِحْصَاءُ الْعَدَدِ اِدْتِمًا يَكُونُ فِي الْمُتَنَاهِي فَاَمَّا لَفْظَةُ كُلِّ شَيْءٍ فَانْتَهَا لَتَدَلُّ  
 عَلٰى كَوْنِهِ غَيْرِ مُتَنَاهٍ لِاَنَّ الشَّيْءَ عِنْدَنَا هُوَ الْمَوْجُودَاتُ وَالْمَوْجُودَاتُ مُتَنَاهِيَةٌ فِي الْعَدَدِ  
 تفسیر روح البیان میں اسی آیت دَاخِطِي كُلَّ شَيْءٍ کے ماتحت فرمایا۔

اس آیت سے اس پر بڑی دلیل پکڑی جاتی ہے کہ  
 معلوم (غیر موجود) شئی نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بھی شئی  
 ہوتی تو چیزیں غیر متناہی (بے انتہا) ہو جاتیں۔ اور  
 چیزوں کا شمار میں آنا چاہتا ہے کہ چیزیں متناہی ہوں  
 کیونکہ عدد سے شمار متناہی کی ہو سکتی ہے۔

۲) اگر بہت سے مفسرین نے کُلُّ شَيْءٍ سے صرف شریعت کے احکام مراد لئے ہیں تو بہت سے  
 مفسرین نے کلی علم غیب بھی مراد لیا ہے اور جبکہ بعض دلائل نفی کے ہوں۔ اور بعض ثبوت کے۔ تو  
 ثبوت والوں کو ہی اختیار کیا جاتا ہے۔

نور الانوار بحث تعارض میں ہے۔ وَالْمُثَبِّتُ اَوْلٰى مِنَ النَّافِي ثَابِتٌ كَرْنِ وَالْاَسْلُوفُ نَفْيٌ كَرْنِ  
 والے سے زیادہ بہتر ہیں۔ تو جن تفسیروں کے حوالہ ہم پیش کر چکے ہیں۔ چونکہ ان میں زیادہ کا ثبوت ہے  
 لہذا وہ ہی قابل قبول ہیں۔ نیز کُلُّ شَيْءٍ کی تفسیر خود احادیث اور علمائے امت کے اقوال سے ہم بیان  
 کریں گے کہ کوئی ذرہ کوئی قطرہ ایسا نہیں جو حضور علیہ السلام کے علم میں نہ آگیا ہو اور ہم مقدمہ کتاب میں کچھ  
 چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالمحدیث اور تفسیروں سے بہتر ہے لہذا حدیث ہی کی تفسیر مافی جبار سے کی۔

نیز جن مفسرین نے امور دین سے تفسیر کی انہوں نے بھی دوسری چیزوں کی نفی تو نہ کی۔ لہذا تم نفی کہاں سے نکالتے ہو؟ کسی چیز کے ذکر نہ کرنے سے اس کی نفی کیسے ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ تَقْتَلِمُ الْحَسْرَةَ یعنی تمہارے کپڑے تم کو گرمی سے بچاتے ہیں۔ تو کیا کپڑے سردی سے نہیں بچاتے؟ مگر ایک چیز کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز دین تو سب ہی کو شامل ہے۔ عالم کی کون سی چیز ایسی ہے۔ جس پر دین کے احکام حرام حلال وغیرہ جاری نہیں ہوتے تو ان کا یہ فرمانا کہ دینی علم مکمل کر دیا سب کو شامل ہے۔

(۳) بلقیس وغیرہ کے قصہ میں جو کُلُّ شَيْءٍ آیا ہے۔ وہاں قرینہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کُلُّ شَيْءٍ سے مراد سلطنت کے کاروبار کی کل چیزیں ہیں۔ اس لیے وہاں گویا مجازی معنی مراد لینے گئے یہاں کو نسا قرینہ ہے جس کی وجہ سے کُلُّ شَيْءٍ کے حقیقی معنی اچھوڑ کر مجازی معنی مراد لینے جا دیں خیال رہے۔ کہ قرآن کریم نے ہُدُودَ کَا قَوْلِ نَقْلِ فرمایا کہ اس نے کہا اُدْتِيَتْ مِنْ کُلِّ شَيْءٍ بلقیس کو ہر چیز دی گئی خود رب نے یہ خبر نہ دی۔ ہُدُودَ سَمَّحًا کہ بلقیس کو دنیا بھر کی تمام چیزیں مل گئیں مگر مصطفیٰ علیہ السلام کے لیے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ نَبِيًّا نَا لِكُلِّ شَيْءٍ ہُدُودَ غَلَطِي كَر سکتا ہے رب کا کلام غلط نہیں ہو سکتا اس نے تو یہ بھی کہا دَرَاهِمًا عَرَّ شَ عَظِيمًا۔ کیا تخت بلقیس عرش عظیم تھا۔ بلکہ قرآن کی اور آیتیں تو بتا رہی ہیں کہ کُلُّ شَيْءٍ سے مراد وہاں عالم کی تمام چیزیں ہیں۔ فرماتا ہے۔ وَ لَا يَأْتِيَنَّكَ فِي كِتَابٍ مِّمِّينَ كَوْنِي شَاكٍ وَ تَرَجِيْزِ اِيْسِي نَهِيْنَ جَو لَوْحِ مَحْفُوْظِ يَا قِرْآنِ كَرِيْمِ مِيْنَ نَهِيْ بِعِيْرِ اَنْتَ وَ اَلِي اَحَادِيْثِ اَدْرِ اَعْلَمَاءِ اَدْرِ مَحْدَثِيْنَ كَقَوْلِ هَيْ اَسِي كِي تَاثِيْدَ كَرْتِيْ هِيْنَ كَر اَعْلَمِ كِي هَر جِيْرِيْ كَا حَضُوْرِ عَلِيْهِ السَّلَامِ كَو اَعْلَمِ دِيَا كِيَا۔ ہم حاضر و ناظر کی بحث میں انشاء اللہ تباہیں گے کہ تمام عالم ملک الموت کے سامنے ایسا ہے جیسا ایک طشت۔ اور ابلیس آن کی آن میں تمام زمین کا چکر لگا لیتا ہے۔ اور یہ دیوبندی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ساری مخلوقات سے زیادہ حضور علیہ السلام کا علم ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو بھی ان چیزوں کا علم ہو۔ حضرت آدم اور کاتب تقدیر فرشتہ کا علم ہم علوم خمسہ کی بحث میں بتائیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ سارے علوم خمسہ ان کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام تو ساری مخلوق سے زیادہ عالم لہذا حضور علیہ السلام کو بھی یہ علوم بلکہ اس سے زیادہ ماننا پڑیں گے۔ ہمارا مدعے ہر حال میں ثابت ہے۔ وَ لِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

## دوسری فصل

### علم غیب کی احادیث کے بیان میں

اس فصل میں ہم نمبر وار احادیث بیان کرتے ہیں۔ پھر اسی نمبروں کی ترتیب سے تیسری فصل میں ان حدیثوں کی شرح بیان کریں گے۔

(۱) بخاری کتاب بدر الخلق اور مشکوٰۃ جلد دوم باب بدر الخلق و ذکر الانبیاء میں حضرت فاروق سے روایت ہے۔  
 قَا مَرَّفِنَا سُرَّ سُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 مَقَامًا فَاخْبَرْنَا عَنْ بَدْوِ الْخَلْقِ حَتّٰی  
 دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ  
 مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهُ وَ  
 نَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔

حضور علیہ السلام نے ہم میں ایک جگہ قیام فرمایا۔  
 پس ہم کو ابتداء پیدائش کی خبر دے دی۔ یہاں تک  
 کہ جنتی لوگ اپنی منزلوں میں پہنچ گئے اور جہنمی اپنی  
 میں جس نے یاد رکھا۔ اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا  
 وہ بھول گیا۔

اس جگہ حضور علیہ السلام نے دو قسم کے واقعات کی خبر دی۔ عالم کی پیدائش کی ابتدا کس طرح  
 ہوئی۔ پھر عالم کی انتہا کس طرح ہوگی۔ یعنی از روز ازل تا قیام قیامت ایک ایک ذرہ و قطرہ بیان کر دیا  
 (۲) مشکوٰۃ باب المعجزات میں مسلم سے بروایت عمرو ابن الخطب اسی طرح منقول ہے مگر اس  
 میں اتنا اور ہے۔

فَاخْبَرَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى يَوْمِ  
 الْقِيَامَةِ فَاَعْلَمْنَا احْفَظْنَا۔

ہم کو تمام ان واقعات کی خبر دے دی جو قیامت تک تک پہنچے  
 ہیں۔ پس ہم میں بڑا عالم وہ ہے جو ان باتوں کا زیادہ حافظ ہے۔

(۳) مشکوٰۃ باب الفتن میں بخاری و مسلم سے بروایت حضرت حذیفہ ہے۔  
 مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِي مَقَامِهِ اِلَى  
 يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا حَدَّثَ بِمِ حَفِظَهُ مَنْ  
 حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔

حضور علیہ السلام نے اس جگہ قیامت تک کی کوئی  
 چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دے دی جس نے یاد  
 رکھا یا درکھا جو بھول گیا وہ بھول گیا۔

(۴) مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں مسلم سے بروایت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔  
 اِنَّ اللّٰهَ رَدَىٰ لِيْ الْاَرْضَ مِنْ حَرَبِيَّتِ مُشَدِّقٍ

اللہ نے میرے لیے زمین سمیٹ دی پس میں نے

الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا -

زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔

(۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں عبدالرحمن بن عائش سے روایت ہے۔

رَعَيْتُ مَرِيَّتِي عَتَرَ وَجَلَّ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ  
فَوَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتَفَيَّ فَوَجَدَتْ  
بُرْدَهَا بَيْنَ شَرِيْعِي فَعَلِمْتُ مَا فِي  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ -

ہم نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ پر رکھا جسکی ٹھنڈک ہم نے اپنے قلب میں پائی پس تمام آسمان وزمین کی چیزوں کو ہم نے جان لیا۔

(۶) شرح مواہب لدینیہ للزرقانی میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت سے ہے۔

إِنَّ اللَّهَ رَفَعَنِي السَّمَاوَاتِ فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا  
وَإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ  
كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هَذَا -

اللہ تعالیٰ نے ہمارے سامنے ساری دنیا کو پیش فرمایا پس ہم اس دنیا کو اور جو اس میں قیامت تک ہونی والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہیں۔

(۷) مشکوٰۃ باب المساجد بروایت ترمذی ہے۔

فَتَجَلَّى لِي كُلُّ شَيْءٍ دَعَرْتُ -

پس ہمارے لیے ہر چیز ظاہر ہو گئی اور ہم نے پہچان لی

(۸) مسند امام احمد بن حنبل میں بروایت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

لَقَدْ تَرَكْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَمَا يَصْحَرُكَ طَائِرٌ جُنَاحِيهِ إِلَّا ذَكَرْنَا مَنَّهُ عَلِيًّا

ہم کو حضور علیہ السلام نے اس حال پر چھوڑا کہ کوئی پرندہ اپنے پر بھی نہیں ہلاتا۔ مگر اس کا ہم کو علم بنا دیا۔

(۹) مشکوٰۃ باب الفتن فصل ثانی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

مَا تَرَكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ  
قَائِدٍ فِتْنَةٍ إِلَى أَنْ تَنْقُضِيَ الدُّنْيَا يُبْلَغُ مِنْ  
ثَلَاثِ مِائَةٍ فَصَاعِدًا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهِ  
وَأَسْمِ أَبِيهِ وَأَسْمِ قَبِيلَتِهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

نہیں چھوڑا حضور علیہ السلام نے کسی فتنہ چلانے والے کو دنیا کے ختم ہونے تک جن کی تعداد تین سو سے زیادہ تک پہنچے گی مگر ہم کو اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے قبیلے کا نام بنا دیا۔

(۱۰) مشکوٰۃ باب ذکر الانبیاء میں بخاری سے بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

خَفِيفَ عَلَى دَاوُدَ الْقُرْآنَ أَنْ فَكَانَ يَأْمُرُ  
دَوَابَّهُ فَتَسْرَجُ فَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ

حضرت داؤد علیہ السلام پر قرآن (زبور) کو اس قدر ہلکا کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو زمین لگانے کا حکم دیتے تھے

أَنْ تَسْرَجَ

تو آپ ان کی زین سے پہلے زبور پڑھ لیتے تھے۔  
یہ حدیث اس جگہ اس بیٹے بیان کی گئی کہ اگر حضور علیہ السلام نے ایک وعظ میں ازاد لے تا آخر وقت  
بیان فرمادیتے تو یہ بھی آپ کا معجزہ تھا۔ جیسا کہ حضرت داؤد ان کی آن میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے  
۱۱۱، مشکوٰۃ باب مناقب اہل البیت میں ہے۔

تَلِدُ قَاطِمَةً إِنْ شَاءَ اللَّهُ غَلَامًا يَكُونُ  
فِي حَجْرِكَ -

حضور علیہ السلام نے خبر دی کہ فاطمہ زہرا کے فرزند  
پیدا ہوگا۔ جو تمہاری پرورش میں رہے گا۔

۱۱۲، بخاری باب اثبات عذاب القبر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَبْرَيْنِ  
يَعْدَا بَانَ فَقَالَ إِنَّهُمَا يَعْدَا بَانَ وَمَا  
يَعْدَا بَانَ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَدَى  
يَسْتَنْزِهِ مِنَ الْبَوْلِ وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ  
يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ ثُمَّ أَخَذَ جَرِيدَةً رَطْبَةً  
فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِي كُلِّ قَبْرِ  
وَأَحَدَةٍ وَقَالَ لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا  
مَا لَمْ يَيْسَأْ -

حضور علیہ السلام دو قبروں پر گزرے جن میں عذاب  
ہو رہا تھا تو فرمایا کہ ان دونوں شخصوں کو عذاب دیا جا  
رہا ہے در کسی دشوار بات میں عذاب نہیں ہو رہا  
ہے ان میں سے ایک تو پیشاب سے بچتا تھا اور دوسرا  
چٹنی کیا کرتا تھا پھر ایک تر شاخ لے کر اسکو آدھا آدھا  
چیرا پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا اور فرمایا کہ جب  
تک یہ ٹکڑے خشک نہ ہوں گے ان دونوں شخصوں  
سے عذاب میں کمی کی جاوے گی۔

۱۱۳، بخاری کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة اور تفسیر خازن میں زیر آیت لَا تَسْأَلُوا عَنْ

أَشْيَاءَ إِنْ تَبَدَّلَ لَكُمْ هِيَ -

قَامَ عَلَى الْمَنْبَرِ ذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ  
بَيْنَ يَدَيْهَا أُمُورًا عَظِيمًا ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ  
رَجُلٍ أَحَبَّ أَنْ يُسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلَيْسَتْ  
عِنْدَهُ قَوْلَ اللَّهِ لَا تَسْأَلُوا عَنِّي عَنِ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ  
مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ  
أَيُّنَ مَدْخَلِي قَالَ النَّارُ فَقَامَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ

حضور علیہ السلام منبر پر کھڑے ہوئے پس قیامت کا  
ذکر فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے واقعات ہیں پھر  
فرمایا کہ جو شخص جو بات پوچھنا چاہے پوچھو تم خدا کی  
جبتک ہم اس جگہ یعنی منبر پر ہیں تم کوئی بات ہم نہ پوچھو گے  
مگر ہم تم کو اس کی خبر دیں گے ایک شخص نے کھڑے ہو کر  
عرض کیا کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فرمایا جہنم میں۔ عبد اللہ

حَدَاثَةٌ فَقَالَ مَنْ ابْنِي قَالَ أَبُوكَ حَدَاثَةٌ  
ثُمَّ كَثُرَ أَنْ يَقُولَ سَلُونِي سَلُونِي -

ابن حذافہ نے کھڑے ہو کر دریافت کیا کہ میرا باپ کون  
ہے فرمایا حذافہ پھر بار بار فرماتے رہے کہ پوچھو پوچھو۔

خیال رہے کہ جہنمی یا جہنمی ہونا علوم خمسہ میں سے ہے کہ سعید ہے یا شقی اسی طرح کون کس کا بیٹا  
ہے یہ ایسی بات ہے کہ جس کا علم سولہ تھے اس کی ماں کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا قربان ان نگاہوں کے  
جو کہ اندھیرے اجالے، دنیا و آخرت سب کو دیکھتی ہیں۔

(۱۴) مشکوٰۃ باب مناقب علی میں ہے۔

قَالَ يَوْمَ مَخَيَّبَ الْأَعْطِينَ هَذِهِ التَّرَايَةُ  
عَدَا سِرْجًا يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ يُجِيبُ  
اللَّهُ دَمْرَ سُؤْلِهِ -

حضور علیہ السلام نے خیبر کے دن فرمایا کہ ہم کل یہ جھنڈا  
اس کو دیں گے جس کے ہاتھ پر اللہ خیبر فتح فرمادے گا اور  
وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

(۱۵) مشکوٰۃ باب المساجد میں ابو زر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔

ہم پر ہماری امت کے اعمال پیش کیے گئے اچھے بھی  
اور بُرے بھی ہم نے انکے اچھے اعمال میں وہ تکلیف دہ  
چیز بھی پائی جو راستے سے ہٹا دی جائے۔

عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا  
فَوَجَدْتُ فِي مُحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذَى يُمَاطُ  
عَنِ الطَّرِيقِ -

(۱۶) مسلم جلد دوم کتاب الجہار باب غزوہ بدر میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ فلاں شخص کے گرنے کی جگہ  
ہے اور اپنے دست مبارک کو ادھر ادھر زمین پر رکھتے  
تھے راوی نے فرمایا کہ کوئی بھی مقتولین میں سے حضور  
علیہ السلام کے ہاتھ کی جگہ سے ذرا بھی نہ ہٹا۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا  
مَصْرَعٌ فَلَا تَنْ يَضَعُ يَدَا عَلَى الْأَرْضِ هَاهُنَا  
هَاهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ  
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -

خیال رہے کہ کون کس جگہ مرے گا۔ یہ علوم خمسہ میں سے ہے۔ جس کی خبر حضور علیہ السلام جنگ بدر  
میں ایک روز پہلے ہی دے رہے ہیں۔

(۱۷) مشکوٰۃ باب المعجزات میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

شکاری آدمی نے کہا کہ میں نے آج کی طرح کبھی نہ  
دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کر رہا ہے تو بھیڑیا بولا کہ اس سے

فَقَالَ رَجُلٌ تَأَلَّفَهُ إِنَّ رَوَيْتُكَ كَالْيَوْمِ  
ذَنْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ الذِّئْبُ الْمَعْجَبُ

مِنْ هَذَا أَرَجُلٌ فِي النَّحْلَاتِ بَيْنَ  
الْحَرَّتَيْنِ يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَىٰ وَمَا هُوَ  
كَائِنٌ بَعْدَكُمْ۔

عجیب بات یہ ہے کہ (ایک صاحب حضور) دو میدانوں کے درمیانی نخلستان (مدینہ) میں ہیں اور تم کو گذشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہے ہیں۔

(۱۸) تفسیر خازن پارہ ۴ زیر آیت۔ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَسْكَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ هُوَ۔  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَرَّ بِصَدِّقِ  
أُمَّتِي فِي صُورِهَا فِي الطَّيْنِ كَمَا عُرِضَتْ  
عَلَىٰ آدَمَ وَأَعْلَمْتُ مَنْ يُؤْمِنُ بِي وَمَنْ  
يَكْفُرُ بِي فَبَلَغَ ذَلِكَ الْمُنَافِقِينَ قَالُوا اسْتَهْزَأُوا  
رِزْمَةَ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَ  
مَنْ يَكْفُرُ بِهِ مِمَّنْ لَمْ يَخْلُقْ بَعْدُ وَ تَحَنُّنٌ  
مَعَهُ وَمَا يَعْرِفُنَا فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ  
وَأَشْنَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ طَعَنُوا  
فِي عَلِيِّ لَوْلَا سَأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ فِيهَا بَيِّنَةٌ  
وَبَيِّنَ السَّاعَةِ إِلَّا أَنْبَأْتُكُمْ بِهِ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم پر ہماری امت پیش فرمائی گئی اپنی اپنی صورتوں میں مٹی میں جس طرح کہ حضرت آدم پر پیش ہوئی تھی ہم کو بتا دیا گیا کون ہم پر ایمان لایا گیا اور کون کفر کر گیا یہ خبر منافقین کو پہنچی تو وہ ہنس کر کہنے لگے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کو لوگوں کی پیدائش سے پہلے ہی کافر و مومن کی خبر ہو گئی ہم تو ان کے ساتھ ہیں اور ہم کو نہیں پہچانتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا کہ قوموں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم میں کرتے ہیں اب قیامت تک کسی چیز کے بارے میں جو بھی تم ہم سے پوچھو گے ہم تم کو خبر دیں گے۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام کے علم میں طعن کرنا منافقوں کا طریقہ ہے دوسرے یہ کہ قیامت تک کے واقعات سارے حضور علیہ السلام کے علم میں ہیں۔

(۱۹) مشکوٰۃ کتاب الفتن باب الملاحم فصل اول میں مسلم سے بروایت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

إِنِّي لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ  
وَأَلْوَانَ خَيْبُو لَهُمْ خَيْرٌ قَوَارِسِ أَوْ مِنْ  
خَيْرِ قَوَارِسِ عَلَى ظَهْرِ الْأَمْرِ۔

ہم ان کے (دو جہال سے جہاد کی تیاری کرنے والوں) نام ان کے باپ دادوں کے نام ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتے ہیں وہ روٹے زمین پر بہترین سوار ہیں۔

(۲۰) مشکوٰۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس کی نیکیاں تاروں کے برابر ہوں فرمایا ہاں وہ عمر ہیں۔



اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے سارے لوگوں کے تمام ظاہری اور پوشیدہ اعمال کی پوری خبر ہے اور آسمانوں کے تمام ظاہر و پوشیدہ تاروں کا بھی تفصیلی علم ہے۔ حالانکہ بعض بعض تارے اب تک فلاسفہ کو سائنسی آلات سے نبی معلوم نہ ہو سکے۔ حضور علیہ السلام نے ان دونوں چیزوں کو ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں۔ دو چیزوں کی برابری یا کمی بیشی وہ ہی بتا سکتا ہے جسے دونوں چیزوں کا علم بھی ہو اور مقدار بھی معلوم ہو۔

ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر اختصاراً اسی قدر پر کفایت کی گئی ان احادیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے اس طرح ہے۔ جیسے اپنی کف دست۔ خیال رہے کہ عالم کہتے ہیں ماسوا اللہ کو تو عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امر، عالم امکان عالم ملائکہ، عرش و فرش، غرضیکہ ہر چیز پر حضور علیہ السلام کی نظر ہے اور عالم میں لوح محفوظ بھی ہے جس میں سارے حالات ہیں۔ دوسرے یہ معلوم ہوا کہ اگلے پچھلے سارے واقعات پر بھی اطلاع رکھتے ہیں۔ تیسرے یہ معلوم ہوا کہ تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کیسے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ نہیں کہ عبد اللہ کے والد خدیفہ کو بتا دیا۔ چوتھے یہ معلوم ہوا کہ کون کب مرے گا۔ کہاں مرے گا۔ کس حال میں مرے گا۔ کافر یا مومن، عورت کے پیٹ میں کیا ہے یہ بھی میرے حضور علیہ السلام پر مخفی نہیں غرضیکہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ علم میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

## تیسری فصل

### شراحین احادیث کے اقوال میں، دربارہ علم غیب

(۱) عینی شرح بخاری۔ فتح الباری ارشاد الساری شرح بخاری۔ مرقاة شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۱ کے ماتحت ہے۔  
 فِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ أَخْبَرَ فِي الْمَجْلِسِ الْوَحِيدِ بِجَمِيعِ أَحْوَالِ الْخَلْقِ قَاتٍ مِنْ ابْتَدَأَ بِهَا إِلَىٰ أَنْتَهَا بِهَا۔  
 اس حدیث میں دلالت ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک ہی مجلس میں ساری مخلوقات کے سارے حالات کی از ابتداء تا انتہاء خبر دے دی۔

(۲) مرقاة شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا الملائعہ قاری و ذرقانی شرح مواہب۔ نسیم الریاض شرح شفا میں حدیث نمبر ۱ میں ہے۔

وَمَا صِلُهُ أَنَّهُ طَوَى لَهُ الْأَرْضَ وَجَعَلَهَا  
مَجْمُوعَةً كَهَيْئَةِ كَفِّ فِيهِ مِرْوَةٌ يَنْظُرُ  
إِلَى جَمْعِهَا وَطَوَاهَا بِتَقْرِيبِ بَعِيدِهَا  
إِلَى تَقْرِيبِهَا حَقٌّ إِطْلَعْتُ عَلَى مَا  
فِيهَا -

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کیلئے زمین  
سمیٹ دی گئی اور اسکو ایسا جمع فرمایا گیا جیسے ایک ہاتھ  
میں آئینہ ہو اور وہ شخص اُس پورے آئینہ کو دیکھتا ہے  
اور زمین کو اس طرح سمیٹا کہ دور والی کو قریب کر دیا اسکے  
قریب کی طرف یہاں تک کہ ہم نے دیکھ لیا ان تمام چیزوں کو جو زمین میں

(۵) مرثاۃ شرح مشکوٰۃ میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت ہے۔

فَعَلِمْتُ بِسَبَبِ دُصُولِ ذَلِكَ الْفَيْضِ مَا  
فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَعْنِي مَا أَعْلَمَهُ اللَّهُ  
مِمَّا فِيهِمَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ وَالْأَشْجَارِ وَغَيْرِهَا  
وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنْ سِعَةِ عَلَيْهِ الَّذِي فَتَحَ اللَّهُ  
وَقَالَ ابْنُ مَسْجُودٍ أَيْ جَمِيعَ الْكَائِنَاتِ الَّتِي  
فِي السَّمَوَاتِ بَلْ وَمَا قَوْفَهَا كَمَا يُسْتَفَادُ  
مِنْ تَصْنَعِ الْمَعْرَاجِ وَالْأَرْضِ هِيَ بِمَعْنَى  
الْجَنَسِ وَجَمِيعَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنَ السَّبْعِ  
بَلْ وَمَا تَحْتَهَا كَمَا أَفَادَهُ إِخْبَارُهُ عَلَيْهِ  
السَّلَامُ مَعَنِ الثُّمَرِ وَالْحَوْتِ الَّذِي عَلَيْهِمَا  
الْأَرْضُونَ -

اس فیض کے پہنچنے سے ہم نے تمام وہ چیزیں جان  
لیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی آسمان و زمین  
میں وہ چیزیں جو اللہ نے بتائیں فرشتے اور فرشتہ وغیرہ  
یہ آپ کے اس وسیع علم کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ  
نے آپ پر ظاہر فرمایا۔ ابن حجر نے فرمایا کہ جان لی وہ  
تمام مخلوقات جو آسمانوں (بلکہ جو اس کے اوپر ہے)  
جیسا کہ حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے اور زمین  
میں ہے اور تمام وہ چیزیں جو ساتوں زمین بلکہ جو  
اس سے نیچے ہیں جیسا کہ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا  
ہے جن میں حضور علیہ السلام نے گائے اور چھالی کی خبر  
دی ہے جن پر زمینیں قائم ہیں۔

اشعۃ المعانی شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

تعبیرات است از حصول تمام علوم جزوی و کلی احاطہ ال  
یہ حدیث نام جزئی و کلی علموں کے حاصل ہونے اور اس کے احاطہ کا بیان ہے

(۷) اشعۃ المعانی میں حدیث نمبر ۷ کے ماتحت بیان فرمایا۔

پس ظاہر شد ہر چیز از علوم و ثنا ختم ہمہ را  
ہم پر ہر قسم کا علم ظاہر ہو گیا۔ اور ہم نے سب کو پہچان لیا۔

علامہ زرقانی شرح میوایب میں اسی حدیث نمبر ۷ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَيُّ أَطْرَمٍ وَكَشِفَ لِي الدُّنْيَا بِحَيْثُ أَحْطَتْ  
یعنی ہمارے سامنے دنیا ظاہر کی گئی اور کھولی گئی کہ ہم

بِجَمِيعِ مَا فِيهَا فَانَا أَنْظَرُ إِلَيْهَا وَإِلَى  
مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَاطَمَا  
أَنْظَرُ إِلَى كَفَى هَذِهِ إِشَارَةً إِلَى أَنَّهُ نَظَرَ  
حَقِيقَةً دَفَعَ بِهِ أَنَّهُ أُرِيدَ بِالنَّظَرِ الْعِلْمُ-

نے اسکی تمام چیزوں کا احاطہ کر لیا پس ہم اس دنیا کو اور  
جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہے ہیں  
جیسے کہ اس میں اسطرن اشارہ ہے کہ حضور صلیہ السلام نے  
حقیقتہً ملاحظہ فرمایا یہ احتمال دفع ہو گیا کہ نظر سے مراد علم ہے۔

(۸) امام احمد قسطلانی مواعظ شریف میں زیر حدیث نمبرہ فرماتے ہیں -

وَلَا شَكَّ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَطَّلَعَهُ عَلَى أَزِيدٍ مِنْ  
ذَلِكَ وَالْقَى عَلَيْهِ عِلْمَهُ الْأَدْلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ

اس میں شک نہیں کہ اللہ نے حضور کو اس سے بھی زیادہ  
پر مطلع فرمایا اور آپ کو سارے اگلے پچھلے حضرات کا علم دیا

ملا علی قاری مرقاۃ میں حدیث نمبرہ کے ماتحت فرماتے ہیں -

يُخْبِرُكُمْ بِمَا مَضَى أَمْي سَبَقَ مِنْ خَبَرِ  
الْأَدْلِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَا هُوَ كَائِنٌ بَعْدَكُمْ  
أَمْي مِنْ نَبَأِ الْآخِرِيْنَ فِي الدُّنْيَا وَمِنْ  
أَحْوَالِ الْأَجْمَعِيْنَ فِي الْعُقْبَى -

تم کو حضور صلیہ السلام اگلوں کی گذری ہوئی خبریں  
دیتے ہیں اور جو کچھ تمہارے بعد پچھلوں کی خبریں ہیں  
وہ بھی بتاتے ہیں۔ دنیاوی حالات اور آخرت کے  
سارے حالات -

(۹) مرقاۃ میں حدیث نمبرہ کے ماتحت فرماتے ہیں -

فِيهِ مَعَ كَوْنِهِ مِنَ الْمُعْجَزَاتِ دَلَالَةٌ عَلَى  
أَنَّ عِلْمَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَحِيْطٌ بِالْكُلِّيَّاتِ  
وَالْجَزْئِيَّاتِ مِنَ الْكَائِنَاتِ وَغَيْرِهَا -

اس حدیث میں معجزہ ہونیکے ساتھ ہی ساتھ اس پر بھی  
دلالت ہے کہ حضور صلیہ السلام کا علم کلی اور جزئی  
واقعات کو گھیرے ہوئے ہے۔

محمدتین کے ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ حضور صلیہ السلام تمام عالم کو اور اس میں ازاں تا ابد ہونے  
والے واقعات کو اس طرح ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جیسے کوئی اپنے ہاتھ میں آئینہ لے کر اس کو دیکھتا ہے اس  
عالم میں لوح محفوظ بھی ہے دوسرے یہ معلوم ہوا کہ تمام آدنیوں و آخرین یعنی انبیاء و ملائکہ و اولیاء کا علم آپ  
کو عطا فرمایا گیا۔ انبیاء میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت خضر علیہم السلام داخل ہیں۔ اور ملائکہ میں  
حاملین عرش اور حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں اور انکا علم تو سارے ماکان و مایکون کو محیط ہے۔ تو حضور  
کے علم کا کیا پوچھنا۔ اس وسعت علم میں علوم خمسہ بھی آگئے۔

## چوتھی فصل

علمائے اُمت کے اقوال کے بیان میں دوبارہ علم غیب

مدارج النبوة کے خطبہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ  
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔

وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر وہ ہی ظاہر ہے وہ  
ہی پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

یہ خدا کی حمد بھی ہے اور نعتِ مصطفیٰ علیہ السلام بھی۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

بُودے صلی اللہ علیہ وسلم وانا است مہرہ چیز از شیوننا  
واحکام الہی واحکام وصفات حق واسماء وافعال  
د آثار وجمیع علوم ظاہر وباطن اول وآخر احاطہ نمودہ و  
مصدق توفیق کمال ذی علم علیہ شد

حضور علیہ السلام تمام چیزوں کے جاننے والے  
ہیں اور انہوں نے خدائے پاک کی شانیں اس کے  
احکام حق تعالیٰ کے صفات اور افعال اور سارے ظاہری  
باطنی اول و آخر کے علوم کا احاطہ فرمایا ہے۔

اسی مدارج جلد اول باب پنجم در ذکر فضائل آنحضرت صفحہ ۴۴ میں ہے۔

از زمان آدم تا نفع اولی بروے علیہ السلام منکشف  
ساختند تا سہمہ احوال اور از اول و آخر معلوم  
گرد و یاران خود را نیز از بعضی احوال  
خبر داد۔

حضرت آدم سے صور چھونکنے تک تمام حضور علیہ  
السلام پر ظاہر فرمایا تا کہ اول سے آخر تک کے  
سارے حالات آپ کو معلوم ہو جائیں اور حضور علیہ السلام  
نے بعض حالات کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَتَفَقَّتْ مَعَانِيهَا عَلَى  
إِطْلَاعِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى الْغَيْبِ وَكَذَلِكَ نَبِيُّ  
الْأَيَاتِ الدَّالَّةِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا  
اللَّهُ لِأَنَّ الْمُنْفَى عِلْمُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ  
غَيْرِ وَسِطَةٍ أَمَا إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِأَعْلَانِ اللَّهِ  
فَمُحَقَّقٌ بِقَوْلِهِ تَعَالَى الْآمِنِ أَرْتَضَى مِنْ رَسُولِ

احادیث اس پر متواتر ہیں اور انکے معانی اس پر متفق ہیں کہ  
حضور علیہ السلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ مشکل ان آیتوں  
کے خلاف نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے سوا  
کوئی غیب نہیں جانتا کیونکہ جس غیب کی نفی ہے وہ علم غیر  
واسطہ ہے (ذاتی) لیکن حضور کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتا  
وہ ثابت ہے کہ اس قول سے کہ سوائے پسندیدہ رسول کے

شفا شریف میں قاضی عیاض علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (ماخوذ از خزینتی شرح قصیدہ بردہ)

اللہ نے حضور علیہ السلام کو خاص فرمایا تمام دینی و دنیاوی مصلحتوں پر مطلع فرما کر اور اپنی امت کے مصلحت اور گذشتہ امتوں کے واقعات اور اپنی امت کے ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ پر خبردار فرمایا۔ اور تمامی معرفت کے فنون پر مطلع فرمایا جیسے دل کے حالات، فرائض عبادات اور علم حساب۔

حَصَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْإِطْلَافِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَصَالِحِ أُمَّتِهِ وَكَانَ فِي الْأُمَمِ مِمَّا سَيَكُونُ فِي أُمَّتِهِ مِنَ التَّقْيِيرِ وَالْقَطْمِيرِ وَعَلَى جَمِيعِ فُنُونِ الْمَعَارِفِ كَأَحْوَالِ الْقُلُوبِ وَالْفَرَائِضِ وَالْعِبَادَةِ وَالْحِسَابِ -

قصیدہ بردہ میں ہے -

وَمِنْ عُلُومِكَ عَلْمُ اللُّوْحِ وَالْقَلَمِ  
اور لوحِ دقلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَرَ تَرَهَا  
دینا و آخرت آپ ہی کے کرم سے ہے

شرح قصیدہ بردہ مصنف علامہ ابراہیم بیجوری میں اس شعر کے ماتحت ہے -

اگر کہا جاوے کہ جب لوحِ دقلم کا علم حضور کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم میں جواب دیا جاویگا کہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جسکی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دی کیونکہ قلم نے تو لوح میں وہ ہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔

فَإِنَّ قِيلَ إِذَا كَانَ عِلْمُ اللُّوْحِ وَالْقَلَمِ بَعْضُ عُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَمَا الْبَعْضُ الْآخِرُ أُجِيبُ بِأَنَّ الْبَعْضَ الْآخِرُ هُوَ مَا أَخْبَرَهُ اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْوَالِ الْآخِرَةِ لِأَنَّ الْقَلَمَ إِنَّمَا كَتَبَ فِي اللُّوْحِ مَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ -

ملا علی قاری حل العقد شرح قصیدہ بردہ میں اسی شعر کے ماتحت فرماتے ہیں -

اور لوحِ دقلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علوم کے بعض اس لئے ہیں کہ حضور کے علوم منقسم ہیں جزئیات اور کلیات اور حقائق اور معرفت اور ان معرفتوں کی طرف جس کا تعلق ذات اور صفات سے ہے لہذا لوحِ دقلم کا علم حضور کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور حضور علیہ السلام کے علم کی سطروں کا ایک حرف۔

وَكُونَ عُلُومَهُمَا مِنْ عُلُومِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ عُلُومَهُ تَنْتَوِي إِلَى الصُّلِّيَّاتِ وَالْجَزْئِيَّاتِ وَحَقَائِقِ دَمَعَارِفِ دَعْوَارِفِ تَتَعَلَّقُ بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَعِلْمُهُمَا يَكُونُ نَهْرًا مِنْ مَجْمُوعِ عِلْمِهِ وَحَرْفًا مِنْ سَطْرِهِ عَلَيْهِ -

ان عبارتوں نے فیصلہ فرمایا کہ وہ لوح و قلم جن کے علوم کو قرآن نے فرمایا کہ  
 وَلَا تَرَىٰ طَلَبٌ وَلَا يَأْتِيَنَّكَ الْكِتَابُ مُبِينٌ | کوئی خشک و زچیر ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں نہ ہو۔  
 اس کے علوم علم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندروں کا ایک قطرہ ہے تو معلوم ہوا کہ مَا كَانَ دَهْرًا يُكْوَنُ  
 کا علم حضور علیہ السلام کے علم کے دفتر کا ایک نقطہ ہے۔

امام بو صیری صاحب تصیّدہ بروہ اپنے دوسرے تصیّدہ اتم القرط میں فرماتے ہیں۔  
 وَسَمِعَ الْعَالَمِينَ عِلْمًا وَجِلْمًا ۞ فَهُوَ بَحْرٌ لَّمْ تَعْرِهَا الْأَغْيَاءُ  
 حضور علیہ السلام نے اپنے علم و اخلاق سے جہانوں کو گھیر لیا۔ پس آپ ایسے سمندر ہیں کہ اس کو گھیرنے  
 والے نہ گھیر سکے۔ شیخ سلیمان جبل اس شعر کی شرح میں فتوحات احمدیہ میں فرماتے ہیں۔

یعنی آپ کا علم تمام جہانوں یعنی جن و انسان اور  
 فرشتوں کے علم کو گھیرے ہوئے ہے کیونکہ رب تعالیٰ  
 نے آپ کو تمام عالم پر خبردار فرمایا پس اگلے پھلوں  
 کا علم سکھایا اور ماکان و ما یكون بتایا اور حضور علیہ السلام  
 کے علم کے لئے علم قرآن کافی ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے  
 ہم نے اس کتاب میں کوئی چیز اٹھانہ رکھی۔  
 اَمَّا وَسَمِعَ عِلْمُهُ عُلُومَ الْعَالَمِينَ الْاِنْسَانِ وَالْحَيَّةِ  
 وَالْمَلَكِيَّةِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَطَّلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ  
 كُلِّهِ فَعَلِمَهُ عِلْمَهُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا  
 كَانَ دَهْرًا يُكْوَنُ وَحَسْبُكَ عِلْمُهُ عِلْمُ  
 الْقُرْآنِ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا تَرْتُنَا  
 فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القدیٰ میں فرماتے ہیں۔  
 کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو  
 تمام جہان پر خبردار فرمایا پس آپ نے اولین و آخرین  
 اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہو گا اس کو جان لیا۔  
 لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَطَّلَعَهُ عَلَى الْعَالَمِ  
 كُلِّهِ فَعَلِمَهُ عِلْمَهُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ وَمَا  
 كَانَ دَهْرًا يُكْوَنُ

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ سارے جہان والوں کا علم حضور علیہ السلام کو دیا گیا۔ جہان والوں میں حضرت  
 آدم و ملائکہ اور ملک الموت اور شیطان وغیرہ سب ہی ہیں۔ اور ملک الموت و شیطان کے لئے علم غیب  
 تو رو بند ہی بھی مانتے ہیں۔

امام بو صیری تصیّدہ بروہ میں فرماتے ہیں۔  
 وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مَلْتَمِسٌ ۞ نَعْرًا مِنْ الْبَحْرِ اُدْرَسَ شَقًا مِنَ الدِّيَمِ

تمام رسول حضور علیہ السلام سے ہی لینے والے ہیں : سمندر سے ایک چلو یا تیز بارش سے چھینٹنا علامہ خروپتی شرح قصیدہ بروہ میں اس شعر کے ماتحت فرماتے ہیں -

إِنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ طَلَبُوا  
وَأَخَذُوا الْعِلْمَ مِنْ عَلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
الَّذِي كَالْبَحْرِ فِي السَّعَةِ وَالْكَرَمِ مِنْ كَرَمِهِ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِي هُوَ كَالدِّيَمِ لِأَنَّهُ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ مُفِيضٌ وَهُمْ مُسْتَقَاضُونَ  
لِأَنَّهُ تَعَالَى خَلْقَ ابْتِدَاءٍ رُوحَهُ عَلَيْهِ  
السَّلَامُ وَوَضَعَ عُلُومَ الْأَنْبِيَاءِ وَعَلِمَ مَا كَانَ  
وَمَا يَكُونُ ثُمَّ خَلَقَهُمْ فَأَخَذُوا عُلُومَهُمْ  
مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ -

برہنہی نے حضور علیہ السلام کے اس علم سے مانگا اور  
لیا جو وسعت میں سمندر کی طرح ہے اور سب نے  
کرم حضور علیہ السلام کے اس کرم سے حاصل کیا  
جو تیز بارش کی طرح ہے کیونکہ حضور علیہ السلام فیض  
دینے والے ہیں اور وہ نبی فیض لینے والے۔ کیونکہ  
رب تعالیٰ نے اولاً حضور علیہ السلام کی روح پیدا  
فرمائی پھر اس روح میں نبیوں کے اور ماکان دیا کیونکہ  
علم رکھے پھر ان رسولوں کو پیدا فرمایا پس ان سب  
نے اپنے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیے

حافظ سلیمان ابریز شریف صفحہ ۲۵۸ میں فرماتے ہیں -

حضور علیہ السلام عرش سے فرش تک کو جانتے ہیں اور  
جو کچھ ان میں ہے اسکی خبر رکھتے ہیں اور یہ سارے  
علوم حضور علیہ السلام کی نسبت سے ایسے ہیں جیسے  
الف۔ ۶ جزو کی نسبت سے جو قرآن کریم میں -

لَيَعْلَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى الْفَرْشِ  
وَيَطَّلِعُ عَلَى جَمِيعِ مَا فِيهَا وَهَذَا الْعُلُومُ  
بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَالْفِ مِ  
سِتِّينَ جُزْءٍ الَّتِي هِيَ الْقُرْآنُ الْعَزِيزُ -  
امام تفسیرانی مواہب میں فرماتے ہیں -

نبوت بنا سے مشتق ہے جس کے معنی میں خبر یعنی اللہ  
نے اُن کو غیب پر خبردار فرمایا -

النَّبُوَّةُ مَا خَوَّذَهُ مِنَ النَّبَاءِ بِمَعْنَى الْخَبَرِ  
أَيَّ أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ -

مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۱۹۲ القم الثانی فیما  
أَخْبَرِيهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْغُيُوبِ میں ہے -

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام  
کو اس سے بھی زیادہ پر اطلاع دی اور آپ پر انگوٹوں  
پچھلوں کا علم پیش کر دیا -

لَأَشْكُ أَنْ اللَّهُ تَعَالَى تَدَا أَطْلَعَهُ عَلَى  
أَمْرٍ يَدٍ مِنْ ذَلِكَ وَالْقِي عَلَيْهِ عِلْمَ  
الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ -

حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۳۱۰ میں فرماتے ہیں۔

جو علم نقلیٰ کیسا تھا خاص اس پر خاص لوگوں کو اطلاع دیتے ہیں  
بعض علمائے صالحین سے سنا گیا ہے کہ بعض عربین نے کوئی  
کتاب کبھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام  
کو تمام علوم الہیہ معلوم کر دیئے گئے تھے۔ یہ کلام بظاہر تو بہت  
سے لائل کے خلاف ہے۔ معلوم کرتا ہوں کہ اس کی تردید ہے۔

بر علم کہ مخصوص بہ دست سجانہ معانی اس رسالہ اطلاع ہے بخشد  
مدارج النبوة جلد اول میں ہے۔ از بعض صلحا از اہل  
فضل شنیدہ شدہ کہ بعض از عرفا کتابے نوشته اند اثبات کردہ  
انکہ ان حضرت را تمام علوم الہی معلوم سلطنت بودند و این سخن  
بظاہر مخالف بسیاری از اولیاء است تا قائل آنچہ قصد باشد۔

یہ عبارت یہاں اس لیے پیش کی گئی کہ بعض لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خدا کے علم کے برابر  
مانا اور فرق صرف ذاتی اور عطائی کا جانا۔ مگر شیخ عبدالحق نے ان کو مشرک نہ فرمایا۔ بلکہ غایت کہا۔ معلوم  
ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایسے علم غیب ماننا مشرک نہیں۔ میرزا بدر رسالہ کے خطبہ میں ہے۔ کَانَ  
صَوَادِقُ التَّصَدِيقَاتِ يَطْبَأُ بِعَرَهَا مُتَوَجِّهَةً إِلَى حَضْرَتِهِ الْأَقْدَسِ وَحَقَائِقُ التَّصَوُّرَاتِ  
بِأَنْفُسِهَا مَا بَلَدَتْ إِلَى جَنَابِ الْمُقَدَّسِ فَرُوجُهُ الْمُعْلَى مَوْكِنًا الْمَعْقُولَاتِ تَصَوُّرَاتِهَا وَ  
تَصَدِيقَاتِهَا وَنَفْسُهُ الْعُلْيَا مَنبَعُ الْعَقْلِيَّاتِ نَظِيرًا تَأْتِيهَا وَنَظِيرًا تَأْتِيهَا أَسَى كِي شَرْحِ لَوْلَا لَهْدِ  
مصنف غلام سحیے میں اس عبارت کے ماتحت ہے قَدْ آتَتْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ جَامِعٌ بَيْنَ جَمِيعِ  
أَحْصَاءِ الْعُلُومِ۔ سجان اللہ اس عبارت نے پرے اٹھا دیئے منطقیوں نے بھی بارگاہ نبوت میں پیشانی رکڑ دی۔

مولانا سحر العلوم عبدالعلی لکھنوی علیہ الرحمۃ خطبہ حواشی میرزا بدر رسالہ میں فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کو رب نے وہ علوم سکھائے جن پر علم اعلیٰ  
بھی مشتمل نہیں اور جس کے گھیرنے پر لوح محفوظ قادر  
نہیں نہ تو آپ کی مثل زمانے میں پیدا ہوا ازل سے اور  
اب تک ہوا اور آسمانوں دوزین میں کوئی آپ کا ہمسر نہیں۔

عَلِمَهُ عُلُومًا مَا أَحْتَوَى عَلَيْهِ الْعِلْمُ الْأَعْلَى  
وَمَا اسْتَطَاعَ عَلَى إِحْاطَتِهَا اللُّوْحُ الْأَوْفَى لَمْ  
يَلِدِ الدَّهْرُ مِثْلَهُ مِنَ الْأَزَلِ وَلَمْ يُولَدْ إِلَى الْأَبَدِ  
فَلَيْسَ لَهُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كَمُؤَادٍ أَحَدٌ  
علامہ شنوانی جمع التہایہ میں فرماتے ہیں۔

یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا  
سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔

قَدْ وَارَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
شرح عقائد فلسفی صفحہ ۷۵ میں ہے۔



بِالْجُمْلَةِ الْعِلْمُ بِالْغَيْبِ أَمْ تَقَرَّرَ بِهِ اللَّهُ  
تَعَالَى لَا سَبِيلَ إِلَيْهِ لِلْعِبَادِ إِلَّا بِإِعْلَامِهِ مِنْهُ  
أَوْ إِيَّاهُمْ بِطَرِيقِ الْمُحْجَزَةِ أَوْ الْكِرَامَةِ -

در مختار شروع کتاب الحج میں ہے -

فَرَضَ الْحَجُّ سَنَةً تَسْبَعُ وَإِنَّمَا آخِرَةٌ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعَثَ بَعْدَئِمْ مَعَهُ عَلَيْهِ  
بِقَاءِ حَيَاتِهِ لِيَكْمَلَ التَّبْلِيغُ -

خلاصہ کلام یہ ہے کہ غیب جاننا ایک ایسی بات ہے جو خدا  
سے خاص ہے بندوں کو اس تک کوئی راہ نہیں بغیر رب  
کے تباہی یا الہام فرشتے معجزے یا کرامت کے طریقہ پر

حج ۹ھ میں فرض ہوا اور حضور علیہ السلام نے اس کو سنہ  
تک مؤخر فرمایا کسی عذر کی وجہ سے اور حضور علیہ السلام کو اپنی  
زندگی پاک کے باقی رہنے کا علم بھی تھا تاکہ تبلیغ پوری ہو جائے

اس عبارت سے معلوم کہ کب وفات ہوگی اس کا جاننا علوم خمسہ سے ہے مگر حضور علیہ السلام کو اپنی وفات کی  
خبر تھی - کہ ۹ھ میں نہ ہوگی - اسی لئے اس سال حج نہ فرمایا - ورنہ حج فرض ہوتے ہی اس کا ادا کرنا ضروری  
ہے کیونکہ ہم کو موت کی خبر نہیں -

خرپوتی نے شرح قصیدہ بروہ میں اس شعر کے ماتحت بیان فرمایا -

وَأَقْوَمَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمْ وَفِي حَدِيثٍ  
يُرْوَى عَنْ مَعَاوِيَةَ أَنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ بَيْنَ يَدَيْهِ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لَهُ أَلَيْسَ الدَّوَاءُ دَحْرَبِ الْقَلَمِ  
وَأَقَمِ الْبَاءَ وَفَرَّقِ السَّيْنِ وَلَا تَعْوِزِ الْمِيْمَةَ مَعَ أَنَّهُ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكْتُبْ وَلَمْ يَقْرَأْ مِنْ كِتَابِ كَادِيْنِ

حضرت امیر معاویہ سے حدیث مروی ہے کہ وہ حضور علیہ  
السلام کے سامنے لکھا کرتے تھے پس حضور علیہ السلام  
نے ان کو فرمایا کہ دو ات اس طرح رکھو - قلم کو پھیر کر ب  
سیدھا کرو، سین میں فرق کرو اور میم کو ٹیڑھا نہ کرو - باوجودیکہ  
حضور علیہ السلام نے لکھنا نہ دیکھا اور نہ اگلوں کی کتاب پڑھی -

تفسیر روح البیان میں زیر آیت وَلَا تَخْطُبُ بِمِيمِنِكَ ہے -

كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَعْلَمُ الْخَطُوطَ وَيُخْبِرُ عَنْهَا

حضور علیہ السلام خطوں کو جانتے تھے اور اس کی خبر بھی دیتے تھے -

اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام علم خط بھی بخوبی جانتے تھے - اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان

حبیب الرحمن بآیات القرآن میں دیکھو - مثنوی شریف میں ہے -

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء

تا بقعر تار و پودت در روند

بلکہ پیش از زادن تو سالیہا

دیدہ باشندت بچندین حالہا

حال تو دانت یک یک موبو زانکہ پر بستند از اسرار جو  
اسی مثنوی شریف میں مولانا کفار قیدیوں کا ایک واقعہ نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و  
السلام نے ارشاد فرمایا ہے

بنگرم سر عالم بنیم نہاں آدم و حوا نرستہ از جہاں  
من شمار اوقت ذرات الست ویدہ ام پابستہ و منکوس و پست  
از حدوت آسمان بے عمد آنچه دانستہ بدم افزوں نہ شد

یعنی ہم سارے جہان کو اس وقت سے دیکھ رہے ہیں جب آدم و حوا پیدا بھی نہ ہوئے تھے اے کافر  
قیدیو ہم نے تمہیں میثاق کے دن مومن اور نمازی دیکھا تھا۔ اس لیے تمہیں قید کیا ہے کہ تم ایمان لاؤ۔ بے  
سئون آسمان کی پیدائش ہم نے دیکھی ہے اس سے کچھ نہ زیادہ ہوا۔  
علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے سارے انبیاء ملائکہ سے زیادہ علوم  
عطا فرمائے لوح محفوظ و قلم کے علوم حضور علیہ السلام کے علموں کا قطرہ ہے اور عالم کی کوئی چیز ایسی نہیں جو اس چشم حق بین  
سے مخفی رہی ہو۔

## پانچویں فصل

### مخالفین کی تائید کے بیان میں

اب تک تو موافقین کی عبارات سے علم غیب حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کیا گیا۔ اب مخالفین  
کے اکابر کی وہ عبارات پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے مسئلہ علم غیب بخوبی حل ہو جاتا ہے۔  
حاجی ادا اللہ صاحب شمامہ ادا دیہ صفحہ ۱۱۰ میں فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ علم غیب انبیاء  
و اولیاء کو نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں کہ اہل حق جس طرف نظر کرتے ہیں۔ دریافت و ادراک مغیبات کا ان  
کو ہوتا ہے۔ اصل میں یہ علم حق ہے۔ آنحضرت علیہ السلام کو حدیبیہ اور حضرت عائشہ کے معاملات  
کی خبر نہ تھی۔ اس کو دلیل اپنے دعویٰ کی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط ہے کیونکہ علم کے واسطے توجہ ضروری ہے۔

(ماخوذ از انوار غیبیہ صفحہ ۲۵)

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لطائف رشیدیہ صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہ السلام کو ہر

دم مشاہدہ امور غیبیہ اور تیسقظ حضور حق تعالیٰ کا رہتا ہے، کَمَا قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحَكْتُمْ قَلِيلًا وَ لَبِ كَيْتُمْ كَثِيرًا اور فرمایا اِنِّي اَرَى مَا لَا تَرَوْنَ (انوار غیبیہ صفحہ ۳۲)

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی تکمیل یقین مطبوعہ ہندوستان پرنٹنگ پریس صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ شریعت میں وارد ہوا ہے کہ رسل و اولیاء غیب اور آئندہ کی خبر دیا کرتے ہیں۔ کیونکہ جب خدا غیب اور آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے اس لیے کہ ہر حادثہ اس کے علم سے اسی کے ارادے کے منطبق ہونے سے اسی کے فعل سے پیدا ہوتا ہے تو پھر اس سے کون امر مانع ہو سکتا ہے کہ یہ ہی خدا ان رسل و اولیاء میں سے جسے چاہے اسے غیب یا آئندہ کی خبر دے دے۔ اگرچہ ہم اس کے قائل ہیں۔ کہ فطرت انسانی کا یہ مقصدی نہیں کہ وہ بذاتہ اور خود مغیبات میں سے کسی شے کو جان سکے۔ لیکن اگر خدا کسی کو بتادے تو اس کو کون روک سکتا ہے۔ پس ان لوگوں کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ وہ خدا کے بتانے سے ہی معلوم ہوتا ہے اور پھر وہ لوگ اور وہ خبر دے دیتے ہیں۔ ان میں سے ایسا کوئی نہیں جو بذاتہ علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو۔ چنانچہ شریعت محمدیہ بالذات علم غیب کے دعویٰ کرنے کو اعلیٰ درجہ کے ممنوعات میں شمار کرتی ہے۔ اور جو اس کا دعویٰ کرے اس کو کافر بتاتی ہے۔

مولوی محمد ناسم صاحب نانوتوی تحذیرات اس کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں۔ علماء اولین مثلاً اور میں اور علوم آخرین اور لیکن وہ سب علم رسول اللہ میں مجتمع ہیں۔ اسی طرح سے عالم حقیقی رسول اللہ میں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں۔

اس آخری عبارت پر غور کرنا چاہیے کہ مولوی قاسم صاحب نے حضور علیہ السلام میں اولین اور آخرین کا علم جمع مانا ہے۔ اور اولین میں حضرت آدم و حضرت خلیل و حضرت ابراہیم علیہم السلام اسی طرح سارے ملائکہ حاملان عرش و حاضرین لوح محفوظ بھی شامل ہیں۔ لہذا ان سب کے علوم سے حضور علیہ السلام کا علم زیادہ ہونا چاہیے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے علم کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

## چھٹی فصل

علم غیب کے عقلی دلائل اور اولیاء کے علم غیب کے بیان میں  
چند عقلی دلائل سے بھی علم ماکان و مایکون کا ثابت ہے وہ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سلطنت الہیہ کے وزیر اعظم بلکہ خلیفہ اعظم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا۔ تو حضور علیہ السلام اس سلطنت کے خلیفہ اعظم اور زمین میں نائب رب العالمین ہیں۔ اور سلطنت کے مقرر کردہ حاکم میں۔ دو وصف لازم ہیں۔ ایک تو علم دوسرے اختیارات۔ اس دنیاوی سلطنت کے حکام جس قدر بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی قدر ان کی معلومات اور اختیارات زیادہ ہوتے ہیں۔ بلکہ کوسا کے صلح کا علم و اختیارات۔ وائسرائے کوسا کے ملک کے متعلق علم و اختیارات ضروری ہیں۔ کہ ان دو وصفوں کے بغیر وہ حکومت کر ہی نہیں سکتا۔ اور سلطانی قانون رعایا میں جاری ہی نہیں کر سکتا۔ اسی طرح حضرات انبیاء میں جن کا جس قدر بڑا درجہ اسی قدر ان کے اختیارات اور علم زیادہ۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کو رب العالمین نے ان کے علم ہی سے ثابت فرمایا کہ چونکہ ان کو اتنا وسیع علم دیا ہے وہ ہی خلافت الہیہ کے لئے موزوں ہیں پھر ملائکہ سے سجدہ کرانا ان کے اختیارات خصوصاً کا ثبوت تھا کہ ملائکہ بھی ان کے سامنے جھک گئے۔ چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے عالم کے نبی اور عرش و فرش کے لوگ آپ کے امتی ہیں۔ لہذا ضروری تھا کہ آپ کو تمام انبیاء سے زیادہ علم اور زیادہ اختیارات دینے جاویں۔ اسی لئے بہت سے معجزات دکھائے گئے۔ چاند اشارے سے پھاڑا۔ ڈربا ہوا سورج واپس فرمایا۔ بادل کو حکم دیا۔ پانی برسنا۔ پھر حکم دیا۔ کھل گیا۔ یہ سب اپنے خداداد اختیارات کا اظہار تھا۔

(۲) مولوی قاسم صاحب نانوتوی نے تحذیر الناس میں لکھا ہے۔ کہ انبیاء امت سے علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ رباعمل۔ اس میں بظاہر کبھی امتی نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ عمل میں امتی نبی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر علم میں نبی کا زیادہ ہونا ضروری ہے اور حضور علیہ السلام کے امتی تو ملائکہ بھی ہیں لَیْکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا تو علم میں حضور علیہ السلام کا ملائکہ سے زیادہ ہونا ضروری ہے ورنہ پھر حضور علیہ السلام کس وصف میں امت سے افضل ہوں گے اور ملائکہ حاضرین لوح محفوظ کو تو ماکان دیا کیون کا علم ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس سے بھی زیادہ علم ہو۔

(۳) چند سال کامل استاذ کی صحبت میں رہ کر انسان عالم بن جاتا ہے حضور علیہ السلام قبل ولادت پاک کو ۱۰ برس رب تعالیٰ کی بارگاہ خاص میں حاضر رہے تو حضور کیوں نہ کامل عالم ہوں۔ روح البیان نے لَقَدْ جَاءَکُمْ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت جبریل نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ایک تارہ ستر ہزار سال بعد حکمتا تھا۔ اور میں نے

اسے بہتر ہزار دفعہ چمکتے دیکھا۔ فرمایا۔ وہ تارا ہم ہی تھے۔ حساب لگا لو کہ کتنے کروڑ برس دربار خاص میں حاضر ہی رہے۔ (۴) اگر شاگرد کے علم میں کچھ کمی رہے تو اس کی صرف چار ہی وجہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً تو یہ کہ شاگرد ذلیل تھا۔ استاذ سے پورا فیض لے نہ سکا۔ دوم یہ کہ استاذ کامل نہ تھا کہ مکمل سکھانہ سکا۔ سوم یہ کہ استاذ یا تو بیخبل تھا کہ پورا علم اس شاگرد کو نہ دیا یا اس سے زیادہ کوئی اور پیارا شاگرد تھا کہ اس کو سکھانا چاہتا ہے۔ چوتھے یہ کہ جو کتاب پڑھائی وہ ناقص تھی۔ ان چار وجہوں کے سوا اور کوئی وجہ ہو سکتی ہی نہیں۔ یہاں سکھانے والا پروردگار کیلئے دالے محبوب علیہ السلام۔ کیا سکھایا قرآن اور اپنے خاص علوم بتا دیے یا رب تعالیٰ کامل استاذ نہیں۔ یا رسول علیہ السلام لائق شاگرد نہیں؛ حضور علیہ السلام سے زیادہ کوئی اور پیارا ہے؛ یا کہ قرآن مکمل نہیں؛ جب ان میں سے کوئی بات نہیں۔ رب تعالیٰ کامل عطا فرمائے والا محبوب علیہ السلام کامل لینے والے۔ قرآن کریم کامل کتاب الرحمن ۞ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۞ وہ ہی سب سے زیادہ مقبول بارگاہ۔ پھر علم کیوں ناقص ہو۔

(۵) رب تعالیٰ نے ہر بات لوح محفوظ میں کیوں لکھی۔ لکھنا تو اپنی یادداشت کے لئے ہوتا ہے کہ بھول نہ جائیں۔ یا دوسروں کے بتانے کے لئے رب تعالیٰ تو بھول سے پاک لہذا اس نے دوسروں ہی کے لئے لکھا اور حضور علیہ السلام تو دوسروں سے زیادہ محبوب لہذا وہ تحریر حضور کے لئے ہے (۶) غیبوں کی غیب رب تعالیٰ کی ذات ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا فرمائی تو فرمایا گیا۔ لَنْ تَرَانِيْ تَمَّ حَمْدُ كُوْدِكُمْ نَهْ سَكُوْغَكُمْ۔ جب محبوب علیہ السلام نے رب ہی کو معراج میں اپنی ان ظاہری مبارک آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو عالم کیا چیز ہے جو آپ سے چھپ سکے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود دیدار الہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر فصل اول کے آخر میں ہے۔

کَمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
رَاكَ فِي الدُّنْيَا لِذُنُوبِكَ نَوْمًا  
حضور علیہ السلام نے دنیا میں رب کو دیکھا۔ کیونکہ  
خود فور ہو گئے تھے۔

(۷) شیطان دنیا کا گمراہ کرنے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہادی۔ گویا شیطان دہائی بیماری ہے۔ اور نبی علیہ السلام طیب مطلق۔ رب تعالیٰ نے شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے اتنا وسیع

علم دیا کہ دنیا کا کوئی شخص اس کی نگاہ سے غائب نہیں۔ پھر اُسے یہ بھی خبر ہے کہ کون گمراہ ہو سکتا ہے۔ کون نہیں۔ اور جو گمراہ ہو سکتا ہے۔ وہ کس حد سے۔ ایسے ہی وہ ہر دین کے ہر مسئلہ سے خبر دار ہے اس لئے ہر نیکی سے روکتا ہے۔ ہر برائی کو لاتا ہے۔ اس نے رب تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ لَا غُیْبَ لَكَ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ جب گمراہ کرنے والے کو اتنا علم دیا گیا۔ تو ضروری ہے کہ دنیا کے طیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دینے کے لئے اس سے کہیں زیادہ علم دلے ہوں کہ آپ ہر شخص کو اس کی بیماری کو اس کی استعداد کو اس کے علاج کو جانیں۔ درہم ہدایت کمل نہ ہوگی۔ اور رب تعالیٰ نے اعتراض پڑے گا کہ اس نے گمراہ کرنے والے کو قوی کیا اور ہادی کو کمزور رکھا۔ لہذا گمراہی تو کامل رہی اور ہدایت ناقص۔

(۸) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کے خطاب سے پکارا یا آيْتَهَا النَّبِيُّ اور نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا۔ اگر اس خبر سے صرف دین کی خبر مراد ہو تو ہر مولوی نبی ہے اور اگر دنیا کے واقعات مراد ہوں تو ہر اخبار۔ ریڈیو، خط، تاریخینے والا نبی ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ نبی میں غیبی خبریں معتبر ہیں یعنی فرشتوں کی اور عرش کی خبر دینے والا جہاں تارا، اخبار کا مہ آسکیں۔ وہاں نبی کا علم ہوتا ہے معلوم ہوا کہ علم غیب نبی کے معنی میں داخل یہاں تک تو حضور علیہ السلام کے علم غیب کی بحث تھی۔ اب یہ بھی جانا چاہیے کہ حضور علیہ السلام کے صدقے سے اولیائے کرام کو بھی علم غیب دیا جاتا ہے۔ مگر ان کا علم نبی علیہ السلام کے واسطے سے ہوتا ہے اور ان کے علم کے سمندر کا قطرہ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کتاب عقائد تالیف شیخ ابو عبد اللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں۔  
 الْعَبْدُ يَنْقَلُ فِي الْأَحْوَالِ حَتَّى يُصِيبَا إِلَى  
 نَعْتِ الرَّوحَانِيَّةِ فَيَعْلَمُ الْغَيْبَ۔  
 بندہ حالات میں منتقل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ روحانیت کی صفت پالیتا ہے۔ پس غیب جانتا ہے۔

اسی مرقاۃ میں کتاب عقائد سے نقل فرمایا۔

يَطَّلِعُ الْعَبْدُ عَلَى حَقَائِقِ الْأَشْيَاءِ وَيَتَجَلَّى  
 لَهُ الْغَيْبُ وَغَيْبُ الْغَيْبِ۔  
 کامل بندہ چیزوں کی حقیقتوں پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس پر غیب اور غیب الغیب کھل جاتے ہیں۔

مرقاۃ جلد دوم صفحہ ۶ باب الصلوة عَلَى النَّبِيِّ وَفَضْلِهَا میں فرماتے ہیں۔

النَّفُوسُ مِنَ الرُّكْبَةِ الْقُدْسِيَّةِ إِذَا تَجَرَّدَتْ  
 عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِيَّةِ حَرَجَتْ وَاتَّصَلَتْ  
 پاک و صاف نفس جبکہ بدنی علاقوں سے خالی ہو جاتے ہیں تو متنی کر کے بزم بالا سے مل جاتے ہیں اور ان پر کوئی پردہ

بالملاء إلا على ذلكم يبق له حجاب فترى أكل  
 كالمشاهد بنفسها أو بأخبار الملك لها۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عریزی سورہ جن میں فرماتے ہیں: اطلاع بر لوح محفوظ و دیدن نقوش نیز از بعضی اولیاء بتواتر منقول است۔ لوح محفوظ کی خبر رکھنا اور اس کی تحریر دیکھنا بعض اولیاء اللہ سے بھی بطریق تواتر منقول ہے۔ امام ابن حجر کی کتاب الاعلام میں اور علامہ شامی سل الجسام میں فرماتے ہیں۔

الجواهر یجوز ان یعلم الغیب فی قضیة  
 أو قضاء کما وقع لکثیر منهم واشتهر۔

جائز ہے کہ خاص خاص حضرت کسی معاملہ یا فیصلے میں غیب جان لیں جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے واقع ہوا۔ اور یہ مشہور بھی ہو گیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب الطاف القدس میں فرماتے ہیں۔

نفس کلید بجائے جسد عارف سے شود و ذات عارف  
 بجائے لوح ادہم عالم علم حضوری سے میند۔

عارف کا نفس بالکل جسم بن جاتا ہے اور عارف کی ذات بجائے لوح کے ہو جاتی ہے وہ تمام عارف کو علم حضوری دیکھتا ہے۔

زر قافی شرح مواہب جلد ۱ صفحہ ۲۲۸ میں فرماتے ہیں۔

قال فی لطائف المنن اطلاع العبد علی غیب  
 من غیوب اللہ بدلیل خبر اتقوا من  
 فیراستہ المؤمن فإنة ینظر بنور اللہ  
 لا یستغرب وهو معنی کنت بصره الذی  
 ینصربہ فمن الحق بصره فأطلاعہ  
 علی الغیب لا یستغرب۔

لطائف المنن میں فرمایا کہ کامل بندے کا اللہ کے غیبوں میں سے کسی غیب پر مطلع ہو جانا عجیب نہیں اس حدیث کی درجہ سے کہ مومن کی دانائی سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور یہ ہی اس حدیث کے معنی ہیں کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس اسکا

دیکھنا حق کی طرف سے ہوتا ہے لہذا اس کا غیب پر مطلع ہونا کچھ عجیب بات نہیں۔

امام شعرانی ایواقیت والحواس میں فرماتے ہیں۔

للمجتہدین القدماء فی علوم الغیب  
 غیبی علوم میں مجتہدین کا قدم مضبوط ہے۔

حضور غوث پاک فرماتے ہیں

نظرت الی بلا داللہ جمعا  
 گھر دلیہ علی حکمہ التصالی!

ہم نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھ لیا۔ جیسے چندرائی کے دانے ملے ہوئے ہوں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی زبدۃ الاسرار میں حضور غوث پاک کا ارشاد نقل فرماتے ہیں۔

اسے بہادر دے فرزندو! آؤ اور اس دریا سے کچھ لے لو۔ جب کا کنارہ ہی نہیں۔ قسم ہے اپنے رب کی کہ تحقیق نیک نجت اور بد نجت لوگ مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں ہمارا گوشہ چشم لوح محفوظ میں رہتا ہے اور میں اللہ کے علم کے سمندروں میں غوطے لگا رہا ہوں۔

قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَا أَبْطَالُ يَا أَبْطَالُ هَلُمَّ  
وَدَعْدُ وَاَعْنُ هَذَا الْبَحْرَ الَّذِي لَا سَاحِلَ لَهُ  
وَعِزَّةَ رَبِّي إِنَّ السُّعْدَاءَ وَالْأَشْقِيَاءَ يُعْرَضُونَ  
عَلَيَّ وَأَنْ بُوَّ بَوْمَاءَ عَيْنِي فِي اللُّوْحِ الْمَحْفُوظِ  
وَأَنَا عَائِضٌ فِي حِجَارِ عِلْمِ اللَّهِ -

مولانا جامی نفحات الانس میں حضرت خواجہ مہیاء الدین نقشبند قدس سرہ کا قول نقل فرماتے

حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ اس گروہ اولیاء کی نظر میں زمین دسترخوان کی طرح ہے۔ اور ہم کہتے ہیں نجان کی طرح ہے کہ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں ہے۔

حضرت عزیزان علیہ الرحمۃ گفتند کہ زمین در نظر این طائفہ چون سفرۂ ایست مای گویم کہ چون ناخن است بیج چیز از نظر ایشان غائب نیست۔

امام شعرانی کبریٰ میں فرماتے ہیں۔

ہم نے اپنے شیخ سید علی خواص رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے نزدیک اس وقت تک کوئی مرد کامل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اپنے مرید کی حرکات نسبی کو زبان سے۔ یوم میثاق سے لے کر اس کے جنت یا دوزخ میں داخل ہونے تک کو۔

وَأَمَّا شَيْخُنَا السَّيِّدُ عَلِيُّ بْنُ الْخَوَاصِّ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ لَا يَكْمُلُ الرَّجُلُ عِنْدَنَا  
حَتَّى يَعْلَمَ حَرَكَاتِ مُرِيدِهِ فِي انْتِقَالِهِ  
فِي الْأَصْلَابِ وَهُوَ مِنْ يَوْمِ أَلَسْتُ إِلَى  
اسْتِقْرَإِهَا فِي الْجَنَّةِ أَوْ فِي النَّارِ -

شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔

پھر وہ مرد عارف بارگاہ حق کی طرف جذب ہو جاتے ہیں پس اللہ کے بند ہوتے ہیں اور انکو ہر چیز ظاہر ہو جاتی ہے۔

ثُمَّ إِنَّهُ يَجْتَذِبُ إِلَى حَيْزِ الْحَقِّ فَيُصِيرُهُ  
عَبْدًا لِلَّهِ فَيَتَجَلَّى لَهُ كُلُّ شَيْءٍ -

مشکوٰۃ جلد اول کتاب الدعوات باب ذکر اللہ والتقرب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بروایت بخاری رب تعالیٰ فرماتا ہے پس جبکہ میں اس بند سے محبت کرتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ

فَإِذَا أَحْبَبْتَهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي  
يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ  
وَيَدَهُ الَّذِي يَبْطِشُ بِهِ وَأَدْبِرُ جِلْدَهُ الَّذِي



یَمَّشَى بِرَهَا۔  
 بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔  
 یہ بھی خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام والیاس علیہ السلام اس وقت زمین پر زندہ ہیں۔ اور یہ حضرات اب امتِ مصطفیٰ علیہ السلام کے ولی ہیں اور حضرت علیؑ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے وہ بھی اس امت کے ولی کی حیثیت سے ہوں گے۔ ان کے علوم کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان کے علوم بھی اب حضور علیہ السلام کی امت کے اولیاء کے علوم ہیں۔

## دوسرا باب

### علم غیب پر اعتراضات کے بیان میں

اس باب میں چار فصلیں ہیں۔ پہلی فصل ان آیاتِ قرآنیہ کے بیان میں جو مخالفین پیش کرتے ہیں۔ دوسری فصل احادیث کے بیان میں۔ تیسری فصل اقوالِ علماء و فقہاء کے بیان میں۔ چوتھی فصل عقلی اعتراضات کے بیان میں۔

اس باب کے شروع سے پہلے بطور مقدمہ چند ضروری بحثیں قابلِ غور ہیں۔

(۱) جن آیات و احادیث یا اقوالِ فقہاء میں حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی ہے ان میں یا تو ذاتی علم مراد ہے۔ یا مامی معلومات یعنی رب تعالیٰ کے معلومات کی برابر عطائی علم کی نفی نہیں درتہ پھر ان آیات و احادیث میں ثبوتات میں بیان کر چکے ہیں۔ مطابقت کیوں کر ہوگی۔

علامہ ابن حجر فتاویٰ حدیثیہ میں اس قسم کے تمام دلائل کے جواب میں فرماتے ہیں۔

مَعْنَاهَا لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ إِسْتِقْلَالًا وَ عِلْمَ  
 إِحَاطَةٍ إِلَّا اللَّهُ تَعَالَى أَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَ  
 أَلْكَرَامَاتُ فَبِإِعْلَامِ اللَّهِ تَعَالَى۔  
 ان کے معنی یہ ہیں کہ مستقل طور پر (ذاتی) اور احاطہ  
 کے طور پر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے لیکن  
 معجزات اور کرامات پس وہ خدا کے بتانے سے ہوتی ہیں

مخالفین کہتے ہیں کہ جن دلائل میں علم غیب کا ثبوت ہے اس سے مراد مسائلِ دنیویہ کا علم ہے۔ اور جن میں نفی ہے ان سے مراد باقی دنیاوی چیزوں کے علوم ہیں۔ مگر یہ توجیہ ان آیاتِ قرآنیہ اور

اس حدیث صحیحہ و اقوال علمائے امت کے خلاف ہے جو ہم نے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم اسی طرح لوح محفوظ کا علم سب ہی چیزوں کو شامل ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا فرمانا کہ تمام عالم ہمارے سامنے مثل ماٹھ کے ہے لہذا یہ تو حیرت انگیز بات ہے۔

(۲) مخالفین کے پیش کردہ وہ دلائل کہ رب فرماتا ہے کہ غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا حضور فرماتے ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا یا فقہا فرماتے ہیں کہ جو غیر خدا کے لیے علم غیب مانے وہ کافر ہے یہ خود مخالفین کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ بعض علوم غیبیہ کے تو وہ بھی قائل ہیں۔ صرف جمیع ماکان و مایکون میں اختلاف ہے ان آیات و اقوال فقہاء سے تو وہ بھی نہیں بچ سکتے۔ کیونکہ اگر ایک بات کا بھی علم مانا۔ ان دلائل کے خلاف مثلاً سالیہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ ہوتی ہے۔

(۳) مخالفین کہتے ہیں کہ ان دلائل میں کل علم غیب کی نفی ہے نہ کہ بعض کی۔ تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا۔ کیونکہ ماکان و مایکون علم الہی کے سمندروں کا قطرہ ہے۔ ہم بھی حضور علیہ السلام کے لیے علوم الہیہ کے مقابلہ میں بعض ہی علم کے قائل ہیں۔

(۴) مخالفین کہتے ہیں کہ علم غیب خدا کی صفت ہے لہذا غیر خدا کے لیے ماننا کفر ہے اس کفر میں وہ بھی داخل ہو گئے۔ کیونکہ صفت الہیہ میں اگر ایک میں شرکت مانی تو کفر ہوا سب میں مانی تو کفر ہوا جو شخص عالم کی ایک چیز کا خالق کسی بندے کو مانے وہ بھی بے دین ہے۔ تمام عالم کا خالق کسی کو مانے تو بھی کافر اور وہ بھی بعض علم غیب تو حضور علیہ السلام کے لیے ثابت کرتے ہیں ہیں۔ پھر کفر سے کیسے بچے ہاں یہ کہو کہ ذاتی علم خدا کی عطائی علم حضور علیہ السلام کی صفت لہذا شرک نہ ہوا۔ یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

## پہلی فصل

### آیات قرآنیہ کے بیان میں

﴿قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾ | ﴿قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبُ﴾

تم فرما دو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہو کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں۔

اس آیت کی چار توجیہیں مفسرین نے کی ہیں۔ اولاً یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔ دوم یہ کہ کل علم کی

نفی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ کلام تواضع اور انکسار کے طور پر بیان فرما دیا گیا ہے۔ چہاں یہ کہ آیت کے معنی یہ ہیں میں دعوت نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعویٰ علم غیب کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی ملاحظہ ہوں تفاسیر

تفسیر نیشاپوری میں اس آیت کے ماتحت ہے۔  
 يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ عَطْفًا  
 عَلَى لَا أَقُولُ لَكُمْ أَمَى قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ  
 فَيَكُونُ فِيهِ دَلَالَةٌ أَنَّ الْغَيْبَ بِالْإِسْتِقْلَالِ  
 لَا يَعْلَمُهُ إِلَّا اللَّهُ۔

اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ لا اعلم کا عطف لا  
 اقول پر ہو یعنی اے محبوب فرماؤ کہ میں غیب نہیں جانتا  
 تو اس میں دلالت اس پر ہوگی کہ غیب بالاستقلال  
 یعنی ذاتی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر رضی صاوی یہ ہی آیت۔

لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ مَا لَمْ يُوْحَ إِلَيَّ أَوْ لَمْ  
 يَنْتَهِبْ عَلَيْهِ دَلِيلٌ۔

میں غیب نہیں جانتا جب تک اسکی مجھ پر وحی نہ کی  
 جاوے یا کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔

یا اس سے مراد کل علم کی نفی ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قَوْلُهُ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ يَدُلُّ عَلَى إِعْتِرَافِهِ  
 بِأَنَّهُ غَيْرُ عَالِمٍ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ۔

یہ فرمان کر میں غیب نہیں جانتا حضور علیہ السلام کے اس  
 اقرار پر دلالت کرتا ہے کہ آپ سارے معلومات نہیں جانتے  
 یا یہ کلام بطور تواضع و انکسار فرمایا گیا۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَأِنَّمَا نَفَى عَنِ نَفْسِهِ لِشَرِّ يَقِينٍ هَذِهِ الْأَشْيَاءُ  
 تَوَاضَعًا لِلَّهِ تَعَالَى وَاعْتِرَافًا بِالْعُبُودِيَّةِ  
 فَلَسْتُ أَوَّلُ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ وَلَا آدَعِيهِ۔

حضور علیہ السلام نے ان چیزوں کی اپنی ذات کو یہ سے نفی فرمائی  
 رب کے لئے عاجزی کرتے ہوئے اور اپنی بندگی کا اقرار  
 فرما ہوئے یعنی میں اسمیں کچھ نہیں کہتا اور کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا۔  
 حضور علیہ السلام نے انکسار فرمایا کہ اپنی ذات کو انسانیت  
 کی جگہ میں رکھا اور نہ آپ از عرش تا فرش ساری مخلوق  
 میں اشرف ہیں اور ملائکہ اور روحانیوں سے زیادہ مستحقر سے  
 ہیں حتیٰ تعالیٰ کی شان جباری کے سامنے عاجزی کے طور پر  
 اسکی سطوت کے سامنے ہستی کے اظہار کے طریقہ پر یہ فرمایا۔

تفسیر السلبی ان میں ہے۔ وَتَوَاضَعٌ حِينَ  
 أَتَاهُ لِنَفْسِهِ مَقَامَ الْإِنْسَانِيَّةِ بَعْدَ أَنْ كَانَ  
 أَشْرَفَ خَلْقِ اللَّهِ مِنَ الْعَرْشِ إِلَى التُّرَى وَ  
 أَطْهَرَ مِنَ الْكُرْوِ بَيِّنٍ وَالرُّوحَانِيَّةِ  
 خَضُوعًا لِجَبَرُوتِهِ وَخُشُوعًا لِمَلَكُوتِهِ۔

یہ دعویٰ علم غیب کی نفی ہے کہ میں علم غیب کا دعویٰ نہیں کرتا۔

یعنی میں تمام مقدرات پر قدرت رکھنے اور تمام  
 معلومات کے جلنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

تفسیر نیشاپوری میں ہے۔ أَمَى لَا أَدْعِي الْقُدْرَةَ  
 عَلَى كُلِّ الْمَقْدُورَاتِ وَالْعِلْمَ بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ

تفسیر کبیرہ یہی آیت۔ اَیُّ لَآ اَدْعٰی کُوْنِیْ  
مَوْصُوْفًا یَعْلَمُ اللّٰهَ وَیَجْمَعُوْهُمْ هٰذِیْنَ الْکَلٰمِیْنَ  
حَصَلَ اَنْتَ لَا یَدْعٰی اِلٰی لِهٰیجَةٍ۔

روح البیان یہی آیت عَطْفٌ عَلٰی عِنْدِیْ  
خَرَائِنُ اللّٰهِ وَلَا مَذْکُوْرَةٌ لِلتَّفْیِ اٰی وَلَا اَدْعٰی  
اِنِّیْ اَعْلَمُ الْغَیْبَ مِنْ اَفْعَالِهٖ تَعَالٰی عَلٰی اَنْتَ هَا  
عِنْدِیْ وَذٰلِکِنْ لَّا اَقُوْلُ لَکُمْ فَمَنْ قَالَ اِنَّ  
نَبِیَّ اللّٰهِ لَا یَعْلَمُ الْغَیْبَ فَقَدْ اَخْطَا فِیْمَا اَصَابَ  
تفسیر مدارک یہی آیت۔

وَمَحَلُّ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ النَّصْبُ عَطْفًا عَلٰی  
مَحَلِّ عِنْدِیْ خَرَائِنُ اللّٰهِ کَانَ مِنْ جُمْلَةِ  
الْمَقُوْلِ کَانَ قَالَ لَّا اَقُوْلُ لَکُمْ هٰذَا الْقُوْلُ  
وَلَا هٰذَا الْقُوْلُ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔

یعنی میں اللہ کے علم سے متصف ہوں گا دعویٰ نہیں کرتا  
اور ان دونوں باتوں کے مجموعہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور  
علیہ السلام خدا ہوں گا دعویٰ نہیں کرتے۔

اس کا عطف عِنْدِیْ خَرَائِنُ اللّٰهِ پر ہے اور کَا  
زائدہ ہے نفی کا یا مدد لانے والا یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ  
خدا کے افعال میں غیب جانتا ہوں اس بنا پر کہ خَرَائِنُ اللّٰهِ  
میرے پاس تو ہیں مگر میں یہ کہتا نہیں۔ تو جو شخص یہ کہے کہ نبی  
اللہ غیب نہیں جانتے اس نے غلطی کی اس آیت میں جس میں مصیبت

وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ کا اعراب زبر ہے عِنْدِیْ  
خَرَائِنُ اللّٰهِ کے محل پر عطف کی وجہ سے کیونکہ یہ  
بھی کہی ہوئی بات میں سے ہے گویا آپ نے یوں  
فرمایا کہ میں تم سے نہ یہ کہتا ہوں اور نہ یہ۔

تفسیر نیشاپوری۔ اَیُّ قَوْلٍ لَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ فَمَا یُکُوْنُ فِیْهِ دَلٰلَةٌ عَلٰی اَنَّ الْغَیْبَ یَسْتَقِلُّ اَلْیَعْلَمُ اِلَّا اللّٰهُ  
نکتہ۔ اس آیت میں لَّا اَقُوْلُ دو جگہ ہے پہلے لَّا اَقُوْلُ کے بعد دو چیزوں کا ذکر ہے کہ میں نہیں کہتا کہ  
میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ غیب جانتا ہوں۔ دوسرے لَّا اَقُوْلُ کے بعد صرف  
ایک چیز کا ذکر ہے میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ اس لئے کہ پہلے دو میں تو دعویٰ کی نفی ہے اور مدعی کا  
ثبوت اور دوسرے قول میں دعویٰ اور مدعی دونوں کی نفی ہے یعنی میرے پاس اللہ کے خزانے بھی ہیں اور  
میں غیب بھی جانتا ہوں۔ مگر ان کا دعویٰ نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اُدْتِیْتُ مَقَاتِیْمَ خَرَائِنِ  
الْاَرْضِ (مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین) یعنی مجھ کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں اور علم  
غیب کی احادیث ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور نہ میں واقع میں فرشتہ ہوں اور نہ اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر یہ نکتہ  
نہیں۔ تو ایک ہی جگہ لَّا اَقُوْلُ کافی تھا۔ دو جگہ کیوں لایا گیا اگر ہماری بیان کی ہوئی تو جہیں نہ کی جاویں  
تو یہ آیت مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب تو وہ بھی مانتے ہیں۔ اور یہ آیت بالکل نفی کر رہی

ہے۔ نیز یہاں لکھ میں کفار سے خطاب ہے یعنی اے کافر میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے میں تم چور ہو۔ چوروں کو خزانے نہیں بتائے جاتے۔ تم شیطانوں کی طرح اسرار کی چوری نہ کر لو۔ رب تعالیٰ نے بھی شیطان کو آسمان پر جانے سے اسی لئے روکا کہ وہ چور ہے۔ یہ تو صدیق سے کہا جاوے گا کہ مجھے خزانہ الہیہ کی کنجیاں سپرد ہوئیں نیز یہاں عندی فرما کر بتایا کہ خزانہ میرے پاس نہیں میری ملک میں ہیں۔ کیونکہ خزانہ خزانچی کے پاس اور مالک کی ملک میں ہوتا ہے۔ میں خزانچی نہیں۔ کیا نہ دیکھا کہ ان کے اشارہ پر بادل برسا۔ ان کی انگلیوں سے چٹھے جاری ہوئے۔

(۴) وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمَ الْغَيْبِ لَاسْتَكْثَرْتَ مِنَ الْحَيْرِ۔ اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں بہت بھلائی جمع کر لی۔

اس آیت کے بھی مفسرین نے تین مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کلام بطور انکار کے ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تمام معلومات الہیہ جاننے کی نفی کرنا مقصود ہے تیسرے یہ کہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے۔

نسیم ریاض میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

علم غیب کا ماننا اس آیت کے منافی نہیں کہ وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمَ الْغَيْبِ لَاسْتَكْثَرْتَ مِنَ الْحَيْرِ۔ اس آیت کی تفسیر میں حضور علیہ السلام کا غیب پر مطلع ہونا اللہ کے بتا واقع ہے رب تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ الرَّحْمَٰنُ كُلَّ مَعْلُومَاتِ الْغَيْبِ جَلَسَتْ كَيْفَ نَفِي هِيَ۔

شرح موافق میں میر سید شریف فرماتے ہیں۔

تمام غیبوں پر مطلع ہونا نبی کیلئے ضروری نہیں اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمَ الْغَيْبِ لَاسْتَكْثَرْتَ مِنَ الْحَيْرِ۔ (یہ کلام انکار کے طور پر ہے۔ اگر تم کہو کہ یہ آیت گذشتہ کلام کے خلاف ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی غیبوں پر مطلع

الْإِطْلَاقُ عَلَىٰ جَمِيعِ الْمُغْتَبَاتِ لَا يَجِبُ لِلنَّبِيِّ وَلَيْدًا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ كُنْتَ أَعْلَمَ الْغَيْبِ (الآیہ) وَجَمِيعِ مُغْتَبَاتٍ غَيْرِ مُتَّاهِيَةٍ۔

صادی حاشیہ جلالین میں ہے یہی آیت۔ اِنْ قُلْتَ اَنْ هَذَا اِشْكَالٌ مَعَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

کر دیا گیا تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام کا اَعْلَمُ الْغَيْبِ بطور انکسار فرمایا گیا ہے۔

أَنَّهُ أَطَّلَعَ عَلَى جَمِيعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ  
فَأَجْوَابُ أَنَّهُ قَالَ ذَلِكَ تَوَاضَعًا

تفسیر خازن میں جمل حاشیہ جلال سے اسی آیت کے ماتحت نقل کیا۔

پس اگر تم کہو کہ حضور علیہ السلام نے بہت غیبوں کی خبر دی ہے اور اس کے متعلق بہت سی احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ اور علم غیب تو حضور علیہ السلام کا بڑا معجزہ ہے تو ان باتوں میں اور اس آیت میں کہ لَوْ كُنْتُ مَعْلَمَ الْغَيْبِ مَطَابَقَتْ كَسْ طَرَحِ هَوَ كِي تَوْ هِي كَهْو كَا كَرِيهَا احتمال یہ ہے کہ یہ کلام انکسار کے طریقہ پر فرمایا ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میں غیب نہیں جانتا بغیر خدا کے بتائے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام غیب پر مطلع ہونے سے پہلے کا ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو غیب پر مطلع فرمادیا تو خبریں دیں۔

فَإِنْ قُلْتَ قَدْ أَخْبَرَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
عَنِ الْمَغَيَّبَاتِ قَدْ جَاءَتْ أَحَادِيثُ فِي  
الصَّحِيحِ بِذَلِكَ وَهُوَ مِنْ أَعْظَمِ مُعْجَزَاتِهِ  
فَكَيْفَ الْجَمْعُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَوَلِيهِ لَوْ كُنْتُ  
أَعْلَمَ الْغَيْبِ قُلْتُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ  
قَالَ تَوَاضَعًا وَأَدْبَابًا الْمَعْنَى لِأَنَّ مَعْلَمَ الْغَيْبِ  
إِلَّا أَنْ يُطْلِعَنِي اللَّهُ عَلَيْهِ وَيُقَدِّرَهُ لِي  
وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ قَالَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ  
يُطْلِعَهُ اللَّهُ عَلَى الْغَيْبِ فَلَمَّا أَطْلَعَهُ اللَّهُ  
أَخْبَرَنِي بِهِ۔

علامہ سلیمان جمل نے فتوحات البیہ حاشیہ جلالین جلد دوم صفحہ ۲۵۸ میں اسی کی مثل فرمایا۔  
یعنی فرمادو کہ میں غیب نہیں جانتا الخ پس اس آیت میں اس پر دلالت ہے کہ غیب بالاستقلال یعنی ذاتی خدا کے سوائے کوئی نہیں جانتا۔

أَيُّ قُلْ لَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ فَيَكُونُ فِيهِ  
دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّ الْغَيْبَ بِالِاسْتِقْلَالِ  
لَا يَعْلَمُ إِلَّا اللَّهُ۔

حضور علیہ السلام کا علم غیب جاننا نہ جاننے کی طرح ہے۔ کیونکہ آپ کو اس چیز کے بدلنے پر قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیں۔ تو معنی یہ ہوتے کہ اگر مجھ کو علم حقیقی ہوتا اس طرح کہ میں اپنی مراد کے واقع کرنے پر قادر ہوتا۔ تو خیر بہت سی جمع کر لیتا۔

تفسیر صادی یہ ہی آیت اَدَّانَ عِلْمَهُ  
بِالْمَغَيَّبِ كَلَّا عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ لَا قُدْرَةَ  
لَهُ عَلَى تَغْيِيرِ مَا قَدَّرَ اللَّهُ فَيَكُونُ الْمَعْنَى  
حِينَئِذٍ لَوْ كَانَ لِي عِلْمٌ حَقِيقَتِي بَأَنَّ أَقْدَرَ  
عَلَى مَا أَسْرَيْدُ وَقُوْعُهُ لَأَسْكَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ

یہ توجیہ نہایت ہی نفیس ہے کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی خیر جمع کر لیتا



قادر ہونا۔ کیونکہ کنجی کا کام یہ ہی ہوتا ہے کہ اس سے قفل کھولا جائے اور اندر کی چیز باہر اور باہر کی چیز اندر  
 کر دی جائے اسی طرح حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کرنا یعنی پیدا کرنے اور موت دینے کی قدرت  
 پروردگار ہی کو ہے۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

جبکہ پروردگار تمام معلومات کا جاننے والا ہے تو اس  
 مطلب کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری  
 صورت پر مراد اس سے سارے ممکنات پر قادر ہونا ہے۔

فَكَذَلِكَ هُمْ هُنَا لَمَّا كَانَ عَلِيمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ  
 عَبَّرَ هَذَا الْمَعْنَى بِالْعِبَادَةِ الْمَذْكُورَةِ وَعَلَى  
 التَّقْدِيرِ الثَّانِي الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ عَلَى كُلِّ امْتِنَانٍ

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ان چیزوں کے نقش بانڈھنے کا قلم جو ایسی کنجی ہے جس سے  
 ان چیزوں کے پیدائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے انکی  
 مناسب صورتوں پر اوہ ہی ملکوت ہے، پس ہر چیز کے  
 ملکوت کے قلم سے ہر چیز کی ہستی ہوتی ہے اور ملکوت کا  
 قلم اللہ کے ہاتھ میں ہے اس لیے کہ غیب مراد پیدا کرنا جانتا

وَقَلَمُ تَصْوِيرِهَا الَّذِي هُوَ مِفْتَاحُ يَفْتَحُ  
 بِهِ بَابَ عِلْمِ تَكْوِينِهَا عَلَى صُورَتِهَا وَكَوْنُهَا  
 هُوَ الْمَلَكُوتُ فَتَقَلَمُ مَلَكُوتِ كُلِّ شَيْءٍ يَكُونُ  
 كُلُّ شَيْءٍ وَقَلَمُ الْمَلَكُوتِ بِيَدِ اللَّهِ لِأَنَّ  
 الْغَيْبَ هُوَ عِلْمُ التَّكْوِينِ -

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

کیونکہ رب تعالیٰ جب تمام معلومات کا جاننے والا ہے  
 تو اس کے معنی کو اس عبارت سے بیان کیا اور دوسری  
 تفسیر پر اسکے معنی یہ ہونگے کہ اس کے نزدیک غیب کے  
 خزانے میں اور اس سے مراد ہے ہر ممکن چیز پر قدرت کاملہ

لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا كَانَ عَلِيمًا بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ  
 عَبَّرَ هَذَا الْمَعْنَى بِهَذَا الْعِبَادَةِ وَعَلَى التَّفْسِيرِ  
 الثَّانِي يَكُونُ الْمَعْنَى وَعِنْدَ الْخَزَائِنِ الْغَيْبِ  
 الْمُرَادُ مِنْهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ عَلَى كُلِّ امْتِنَانٍ

یا اس سے مراد ہے کہ غیب کی کنجیاں بغیر تعلیم الہی کوئی نہیں جانتا۔ تفسیر عرسل البیان میں ہے۔

حرمی نے فرمایا کہ ان کنجیوں کو سوائے اللہ تعالیٰ  
 کے اور سوائے ان محبوبوں کے جن کو اللہ خبردار کرے  
 کوئی نہیں جانتا یعنی ان کو اگلے پھلے اللہ کے ظاہر  
 فرمانے سے پہلے نہیں جانتے۔

قَالَ الْحَرَمِيُّ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَمَنْ يُطْلَعُهُ  
 عَلَيْهَا مِنْ خَلِيلٍ وَحَبِيبٍ أَيْ لَا يَعْلَمُهَا  
 إِلَّا ذُوْنُ وَالْآخِرُونَ قَبْلَ إِظْهَارِهَا  
 تَعَالَى ذَلِكَ لَهُمْ -

ان غیب کی کنجیوں کے خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص ہوئی وہ

تفسیر عنایت القاضی یہی آیت وَجِبَهُ اخْتِصَاصًا



بِهِ تَعَالَى أَنْتَ لَا يَعْلَمُهَا كَمَا هِيَ ابْتِدَاءَ الْاَهِو | یہ ہے کہ جیسی وہ ہیں اس طرح ابتداء خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس آیت کے اگر وہ مطلب نہ بیان کئے جاویں جو ہم نے بتائے تو یہ منافقین کے بھی خلاف ہے کیونکہ بعض علم غیب وہ بھی مانتے ہیں۔ اور اس میں علم غیب کی بالکل نفی ہے۔

نکتہ۔ بعض صاحبوں نے مجھ سے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس جگہ ایک نکتہ لکھا ہے۔ وہ یہ کہ اس آیت میں ہے۔ عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ۔ دوسری میں ہے۔ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ۔ مفاتح اور مقالید دونوں کے معنی ہیں کنجیاں اور اگر مفاتح کا اول و آخر حرف یعنی م۔ ح لو۔ اور مقالید کا اول و آخر حرف یعنی م، لو۔ تو بنتا ہے مُحَمَّدٌ (صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے سمجھ میں آتا ہے کہ ذاتِ رسول اللہ ہی ظہورِ عالم کی کنجی ہے لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا هُوَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام جیسے ہیں ویسا کوئی نہیں جانتا۔ حقیقت محمدیہ کو رب ہی جانے مَفَاتِحُ جَمْعِ اس لیے بولا کہ آپ کی سر اور رحمت الہی کی کنجی ہے آپ کا نورِ عالم کی کنجی كُلُّ الْخَلْقِ مِنْ نُورِي قِيَامَتِ میں آپ کا سجدہ شفاعت کی کنجی ہے جنت میں آپ کا نام بہ نعمت کی کنجی اور جنت میں آپ کا جانا سب کے لیے جنت کے کھلنے کی کنجی ہے۔ دیکھو ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمن۔

نکتہ۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں اب یہ سوال ہے کہ اس کنجی سے کسی کے لیے دروازہ غیب کھولا بھی گیا یا نہیں؟ یا کسی کو کوئی کنجی دی گئی یا نہیں؟ اس کا جواب قرآن و حدیث سے پوچھو قرآن فرماتا ہے۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ہم نے آپ کے لیے ظاہر طور پر کھول دیا۔ کیا کھول دیا؟ اس کی نفیس تو جہیں ہماری کتاب شانِ حبیب الرحمن من آیات القرآن میں دیکھو۔ قفل اور کنجی میں وہ ہی چیر رکھی جاتی ہے۔ جو کھول کر نکالنی ہو اور جسے نکالنا نہ ہو وہ زمیں میں دفن کر دی جاتی ہے۔ پتہ لگا کر غیب کسی کو دینا تھا اس لیے کنجی بھی بھیجی۔

حدیث میں ہے۔ اُدْتِيْتُ مَفَاتِحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ مِنْ كَوْزِ مَنَ كَسْرَ اَنْوَانِ كِنِجِيَا دَسْ دِي كِنِيَا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو کنجی دی بھی گئی آپ کے لیے فتح باب بھی ہوا۔  
(۴) قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔  
زمین میں ہیں مگر اللہ۔

اس آیت کے بھی مفسرین نے دو مطلب بیان فرمائے ہیں کہ کوئی نہیں جانتا۔ کلی غیب کوئی نہیں جانتا۔

تفسیر المتوجہ جلیل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ بغیر دلیل یا بغیر تباہ

یا سارے غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

غیب وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور کسی مخلوق

کو اس پر مطلع نہ کیا گیا ہو۔

مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ أَذْ

بِلَا تَعْلِيمٍ أَوْ جَمِيعِ الْغَيْبِ -

تفسیر مدارک یہ ہی آیت وَالْغَيْبُ مَا لَمْ

يَقُمْ عَلَيْهِ دَلِيلٌ وَلَا أُطْلِعَ عَلَيْهِ مَخْلُوقٌ

مدارک کی اس توجیہ سے معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں جو علم عطائی ہو وہ غیب ہی نہیں کہا جاتا

غیب صرف ذاتی کو کہتے ہیں۔ اب کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔ جن آیات میں غیب کی نفی ہے وہ علم ذاتی

کی ہے، اس آیت کے کچھ آگے ہے۔ مَا مِنْ غَائِبٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ

جس سے معلوم ہوا کہ ہر غیب لوح محفوظ یا قرآن میں محفوظ ہے۔

آیت لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَغَيْرِهَا کے کیا معنی

ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام آئندہ کی باتیں جانتے

ہیں جو اب اس کے معنی یہ ہیں کہ غیب کو مستقل

طور پر ذاتی کوئی نہیں جانتا لیکن معجزات اور کرامات

پس یہ رب کے بتانیے حاصل ہوتے نہ کہ بالاستقلال

فتاویٰ امام نووی مَا مَعْنَى قَوْلِ اللَّهِ لَا يَعْلَمُ

مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ مَعَ أَنَّهُ

قَدْ عَلِمَ مَا فِي غَيْدِ وَالْجَوَابِ مَعْنَاهُ لَا يَعْلَمُ

ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا وَأَمَّا الْمُعْجَزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ

فَحَصَلَتْ بِإِعْلَامِ اللَّهِ كَالِاسْتِقْلَالِ -

امام ابن حجر کی فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں۔

ہم نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ کہا اسکی امام

نووی نے اپنے فتاویٰ میں تصریح کی ہے انہوں نے

کہا کہ غیب مستقل طور پر سارے معلومات الہیہ کوئی نہیں جانتا

یہ کلام ان آیات کے خلاف نہیں جن سے معلوم

ہوتا ہے کہ غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ

نفی بے واسطہ علم کی ہے لیکن اللہ کی تعلیم سے

جانتا یہ ثابت ہے۔

مَا ذَكَرْنَا فِي الْآيَاتِ صَوَّرَ بِهِ التَّوْحِيدِي

فِي فِتْنَادَاهُ فَقَالَ لَا يَعْلَمُ ذَلِكَ اسْتِقْلَالًا

وَعِلْمَهُ إِحْاطَةً بِكُلِّ الْمَعْلُومَاتِ -

شرح شفاء خفاجی میں ہے هَذَا الْآيَاتِ فِي

الْآيَاتِ الدَّالَّةِ عَلَى أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ

إِلَّا اللَّهُ فَإِنَّ النَّفْيَ عِلْمًا مِنْ غَيْرِ وَاسْطَةٍ أَمَّا

إِطْلَاعُهُ عَلَيْهِ بِإِعْلَامِ اللَّهِ فَأَمْرٌ مُتَحَقِّقٌ -

اگر اس آیت کے یہ مطلب نہ مانے جاویں تو مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی بعض غیبوں کا علم

حضور علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اور اس میں بالکل کی نفی ہے۔ نیز انہوں نے شیطان و ملک الموت کو علم غیب مانا ہے دیکھو براہین قاطعہ صفحہ ۵۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب بتائیں گے قرآن کریم میں ہے ان الحکمۃ  
 اِلَّا اللّٰهُ حکم خدا کے سوا کسی کا نہیں لہٰذا مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ خَدٰى هٰى دہ تمام چیزیں ہیں  
 جو آسمان و زمین میں ہیں۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شٰهِيْدًا اللّٰهُ کٰفٰى گواہ ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اللّٰهُ کٰفٰى  
 وکیل ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حٰسِبًا اللّٰهُ کٰفٰى حساب لینے والا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حکومت، ملکیت، گواہی، وکالت، حساب لینا سب اللہ تعالیٰ کے ساتھ  
 خاص ہے۔ اب بادشاہ اسلام کو حاکم، ہر شخص کو اپنی چیزوں کا مالک، مشرکین کو وکیل محاسب اور عام  
 لوگوں کو مقدمات کا گواہ مانا جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ان آیات میں حکومت ملکیت وغیرہ  
 سے حقیقی اور ذاتی مراد ہے اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بہ عطائے الہی مانے گئے اسی طرح آیات  
 غیب میں بھی توجیہ کرنا لازم ہے کہ حقیقی کی غیر سے نفی ہے اور عطائی کا ثبوت۔

(۵) وَمَا عَلَّمْنَاكَ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَكَ اِنْ  
 هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝  
 اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ انکی شان  
 کے لائق ہے وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

مفسرین نے اس آیت کے تین مطلب بتائے ہیں اولایہ کہ علم کے چند معنی ہیں۔ جہاں بلکہ دمشق  
 و تجربہ وغیرہ) اس جگہ علم کے دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر گوئی کا  
 ملکہ نہ دیا نہ یہ کہ ان کو اچھا برا صحیح غلط شعر پہچانتے کا شعور نہ دیا۔ دوسرے یہ کہ شعر کے دو معنی ہیں  
 ایک تو وزن و قافیہ والا کلام (غزل) دوسرے جھوٹی اور دہی و خیالی باتیں چاہے نظم ہوں یا نثر اس  
 آیت میں یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں۔ یعنی ہم نے ان کو جھوٹی اور دہی باتیں نہ سکھائیں وہ جو کچھ فرماتے  
 ہیں حق ہے۔ تیسرے یہ کہ شعر سے مراد اس جگہ اجمالی کلام ہے۔ یعنی ہم نے ان کو ہر چیز کی تفصیل بتائی ہے  
 نہ کہ محض اور اجمالی باتیں وَ تَفْصِيْلًا يَكُلُّ شَيْءٍ عِلْمٍ مَعْنٰى مَلِكٌ قُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ فرماتا ہے۔ وَ عَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ  
 لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے ان کو تمہارا ایک پہناؤ بنا سکھایا۔

دہلی نے حضرت جابر سے روایت کیا۔ عَلَّمُوْا بَيْنَكُمْ الرَّحْمٰى عِنِّىْ اٰنِىْ اِدْلَارٌ كُوْتِرٌ اِنْدَازِىْ سَكْحٰى  
 روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وَالاٰتَمَّ اَنَّهُ كَانَ لَآيْمِيْنَهُ وَاٰلِكِيْنٌ كَانَ  
 زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ شعر بخوبی پڑھتے نہ تھے۔

يُمَيِّزُ جَيِّدَ الشِّعْرِ وَرَدِيَّةَ

لیکن اچھے اور ردی شعریں فرق فرمایتے تھے۔

روح البیان یہ ہی آیت اِنَ الْمُحَرَّمِ مَرَّ عَلَيْهِ اِنَّمَا هُوَ اِنْشَاءُ الشِّعْرِ اَبِی كَعْبٍ شَرِبْنَا مَنَعَتْهَا۔ شعر کے معنی میں جھوٹا کلام کفار کہہ کرتے تھے کہ قرآن کریم شعر ہے اور حضور علیہ السلام شاعر ہیں۔ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ اس شعر سے ان کی مراد تھی جھوٹا کلام تو ان کے اس کبواس کی تردید اسی آیت نے کر دی کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اِن هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَتُرْآنٌ مُّبِينٌ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن یہاں اگر شعر سے مراد منظوم کلام ہو تو اس عبارت سے آیت کا کیا تعلق ہوگا۔

مَرَّكَ يَهِي آيَةُ اَي مَا عَلَّمْنَا التَّيْبِي عَلَيْهِ السَّلَامُ قَوْلَ الشِّعْرِ اَوْ مَا عَلَّمْنَا تَتَّعَلِمُ الْقُرْآنِ الشِّعْرَ عَلَى مَعْنَى اَنَّ الْقُرْآنَ لَيْسَ لِشِعْرِ خَازِنٍ يَهِي آيَةُ دَلَمَّا نَعْنَى اَنَّ يَكُونُ الْقُرْآنُ مِنْ جِنْسِ الشِّعْرِ قَالَ اللهُ تَعَالَى اِن هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَتُرْآنٌ مُّبِينٌ

یعنی ہم نے نبی علیہ السلام کو شعر کہنا نہ سکھایا یا ہم نے ان کو قرآن کی تعلیم سے شعر نہ سکھایا۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم شعر نہیں۔

جبکہ اس کی تردید فرمادی کہ قرآن کریم شعر کی جنس سے ہو تو رب تعالیٰ نے فرمادیا کہ نہیں ہے وہ مگر نصیحت اور روشن قرآن۔

خَازِنٍ قِيلَ اِنَّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ قَالُوا اِنَّ مُحَمَّدًا شَاعِرٌ وَمَا يَقُولُ شِعْرًا فَاَنْزَلَ اللهُ تَكْذِيْبًا لَهُمْ وَمَا عَلَّمْنَا الشِّعْرَ۔

کہا گیا ہے کہ کفار قریش نے کہا تھا کہ حضور علیہ السلام شاعر ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں (قرآن) وہ شعر ہے اس کی تکذیب کیلئے رب تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

تنبیہ اس جگہ مخالفین یہ سوال کرتے ہیں کہ روایات میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کی زبان پاک شعر کے موافق نہ تھی یعنی آپ کوئی شعر پڑھتے تھے تو وزن بگڑ جاتا۔ دیکھو اسی خازن میں ہے۔

اَي مَا يَسْهَلُ لَهُ ذَلِكَ وَمَا يُصْلِحُ مِنْهُ بِحَيْثُ لَوْ اَمَرَا دَنْظَمَ شِعْرًا لَمْ يَتَّاتَ لِذَلِكَ۔ مَرَّكَ اَي جَعَلْنَا بِحَيْثُ لَوْ اَرَادَ قُرْءَةً شِعْرًا لَمْ يَسْهَلْ۔

یعنی آپ کو شعر پڑھنا آسان نہ تھا اور آپ سے درست نہ اور ہونا تھا اگر کسی شعر کو نظم فرمانیکا ارادہ فرماتے تو نہ ہو سکتا یعنی ہم نے آپ کو اس طرح کیا ہے کہ اگر آپ شعر پڑھنے کا ارادہ فرمادیں تو آسان نہ ہو۔

آپ کو شعر آسان نہیں یہاں تک کہ اگر کسی کو اور فرمائے ارادہ فرمادیں تو آپ سے ٹوٹا ہوا سنا جاتا ہے۔

تَفْسِيْرٌ كَبِيْرٌ وَمَا يَسْهَلُ لَهُ حَتَّى اِنَّهُ اِنْ تَمَثَّلَ لَهُ بَيْتٌ شِعْرٍ مِمَّعٍ مِنْهُ مَرَّ اَحْفَا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شعر کا علم اور ہے شعر کا پڑھنا اور بڑے بڑے شعراء اور علماء کا کر پڑھ نہیں سکتے بہت سے نعت خوال اور تو ال علم شعر نہیں رکھتے۔ مگر شعر پڑھنے پر پورے قادر ہوتے ہیں۔ آپ روتی پکانا جانتے نہیں مگر اچھی بڑی، موٹی باریک خوب جان لیتے ہیں۔

آپ کی ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو شعر پڑھنے کا ملکہ اور مشق نہ تھی۔ نہ کہ شعر کی پہچان نہ تھی۔ یہ ہی ہم نے کہا تھا۔ حضور علیہ السلام کو بعض شعر پسند تھے اور بعض ناپسند۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

كَانَ أَحَبَّ الْحَدِيثِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشِّعْرُ وَإِيضًا  
حضور علیہ السلام کو شعر بہت پسند بھی تھا۔ اور  
كَانَ أَبْغَضُ الْحَدِيثِ إِلَيْهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الشِّعْرُ۔  
تہایت ناپسند بھی۔

نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض شعراء کے شعر پڑھے ہیں اور ان کی تعریف فرمائی ہے۔ جیسے کہ الْأَكْلُ شَيْءٌ مَا خَلَا اللَّهُ بِأَطْلُ الْرَأْيِ بُرِّ شِعْرِي مَعْجَانٌ نَهَيْتُ تَوْبَةَ تَعْرِيفُ فَرْمَانَا كَيْسَا وَشِعْرُ مَرَادِ اَجْمَالِي يَعْنِي غَيْرُ مَفْصَلِ كَلَامٍ اَدْرَعْتُمْ هِيں۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

جاننا چاہیے کہ شعر اجمالی اور پھسلنے اور اشاروں کا مقام ہے یعنی ہم نے حضور علیہ السلام کے لئے کسی چیز کے اشارے نہ کیئے اور نہ یہ کیا کہ ہم ارادہ کچھ فرمائیں اور خطاب کچھ کریں اور ان سے اس طرح اجمالی کلام نہ فرمایا کہ سمجھ میں نہ آوے۔

قَالَ الشَّيْخُ الْأَكْبَرُ أَعْلَمَ أَنَّ الشِّعْرَ فَحَلٌّ  
لِلرَّجْمِ وَاللَّعْنِ وَالتَّوْبِ بِيَتِيَةِ أَيُّ مَا دَرَمْنَا  
مُحَمَّدًا عَلَيْهِ السَّلَامُ شَيْئًا وَلَا الْعَرْنَ نَادِلًا  
خَطِينًا هُ بِشَيْءٍ وَنَحْنُ نَرِيدُ شَيْئًا وَلَا جَعَلْنَا  
لَهُ الْخِطَابَ حَيْثُ لَمْ يَفْهَمْ۔

(۴) مِنْهُمْ مَنْ نَقَضْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ  
مَنْ لَمْ نَقْضُصْ عَلَيْكَ۔

ان نبیوں میں سے کسی کا احوال تم سے بیان فرمایا اور کسی کا احوال نہ بیان فرمایا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے چند توجہیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں تمام انبیاء کے حالات کا علم دینے کی نفی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم میں صراحتہ ذکر کی نفی ہے۔ یعنی بعض انبیاء کے واقعات صراحتہ بیان نہ فرمائے۔ دوسرے یہ کہ ذکر تفصیلی کی نفی ہے۔ اور اجمالی ذکر سب کا فرمایا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وحی ظاہر میں سب کا بیان نہ ہوا۔ وحی حقیقی میں سب کا ذکر فرمایا گیا۔ تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت،  
إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنْ

حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔

الدُّنْيَا حَتَّىٰ عَلَيْهِمْ جَمِيعُ الْأَنْبِيَاءِ تَفْصِيلًا  
كَيْفَ لَا دَهُمُ مَخْلُقُونَ مِنْهُ وَخَلَقَهُمْ  
لَيْلَةَ الْإِسْحَاقِ فِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَكَذَلِكَ  
الْعِلْمُ الْمَكْنُونُ وَإِنَّمَا تَرَكَ بَيَانُ قَصَصِهِمْ  
لِرَأْمَتِهِ رَحْمَةً بِهِمْ فَلَمْ يُكَلِّفْهُمْ إِلَّا بِمَا  
كَانُوا يُطِيقُونَ -

یہاں تک کہ تمام انبیاء کو تفصیلاً جان لیا۔ کیونکہ  
جانیں وہ سب پیغمبر آپ ہی سے پیدا ہوئے اور  
شب معراج بیت المقدس میں آپ کے مقتدی بنے  
لیکن یہ علم مکنون ہے اور ان پیغمبروں کے قصے  
چھوڑ دیئے امت کے لئے ان پر رحمت فرماتے  
ہوئے پس ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے -

هَذَا الْإِسْنَانِي قَوْلُهُ تَعَلَّىٰ مِنْهُمْ مِنْ كَلِمَةٍ  
تَقْصُصُ عَلَيْكَ لِأَنَّ الْمَنْعَىٰ هُوَ التَّفْصِيلُ  
وَالثَّابِتُ هُوَ الْأَجْمَالُ وَالنَّفْيُ مُقَيِّدٌ بِالْوَجْهِ  
الْبَاطِنِ وَالثَّبُوتُ مُتَحَقِّقٌ بِالْوَجْهِ الْخَفِيِّ -

یہ کلام اس آیت کے خلاف نہیں کہ مِنْهُمْ مِنْ كَلِمَةٍ  
تَقْصُصُ عَلَيْكَ کیونکہ نفی تو علم تفصیلی کی ہے اور  
ثبوت علم اجمالی کا ہے یا نفی وحی ظاہر (قرآن) کی ہے  
اور ثبوت وحی خفی (حدیث) کا ہے۔

قرآن فرماتا ہے كَلَّا تَقْصُصُ عَلَيْنَا مِنْ  
أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُنَبِّئُ بِهِ قَوَادِكَ  
(۷) يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا  
أُجِبْتُمْ قَالُوا إِلَّا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ  
عَلَّامُ الْغُيُوبِ -

اور سب کچھ ہم تم کو رسولوں کی خبریں سناتے ہیں۔  
جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں۔

جس دن اللہ جمع فرمادے گا رسولوں کو۔ پھر فرمادے گا  
کہ تم کو کیا جواب ملا۔ عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں  
بے شک تو ہی غیبوں کا خوب جاننے والا ہے۔

مفسرین نے اس آیت کریمہ کی دو توجیہیں فرمائی ہیں اولیٰ یہ کہ خدا یا تیرے علم کے مقابلہ میں ہم کو  
علم نہیں۔ دوسرے یہ کہ ادباً یہ عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ قیامت میں جس وقت نفسی نفسی فرمانے  
کا وقت ہوگا اس وقت انبیائے کرام یہ فرمائیں گے۔ بعد میں پھر عرض کریں گے کہ ہم نے اپنی قوم کو تبلیغ  
احکام کی مگر انہوں نے نہ مانا۔ وہ کفار کہیں گے کہ ہم کو احکام نہ پہنچے۔ جس پر امت مصطفیٰ علیہ السلام انبیائے  
کرام کی گواہی دے گی۔ تفسیر حازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

پس اس قول کی بنا پر پیغمبروں نے اپنی ذات سے  
علم کی نفی کی اگرچہ وہ جانتے تھے کیونکہ علم اللہ کے

فَعَلَىٰ هَذَا الْقَوْلِ إِنَّمَا نَفَوْا الْعِلْمَ عَنِ  
أَنْفُسِهِمْ وَإِنْ كَانُوا حَلَمَاءَ لِأَنَّ عِلْمَهُمْ

صَابِرًا وَلَا عِلْمٍ عِنْدَ عَلِيمٍ اللَّهُ

مَدَارِكٌ قَالُوا أَذَلِكَ تَأْذِينًا أَمْ عِلْمُنَا  
سَاقِطٌ مَعَ عِلْمِكَ فَكَأَنَّهُ لَا عِلْمَ لَنَا  
تَفْسِيرٌ كَبِيرٌ فِي هَذِهِ آيَةِ إِنَّ الرُّسُلَ عَلَيْهِمُ  
السَّلَامَ لَمَّا عَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ عَالِمٌ لَا يَجْهَلُ  
حَلِيمٌ لَا يَسْفَهُ عَادِلٌ لَا يَظْلِمُ عِلْمُوا أَنَّ  
قَوْلَهُمْ لَا يَفِيدُ خَيْرًا وَلَا يَدْفَعُ شَرًّا  
فَالْأَدَبُ فِي السُّكُوتِ وَتَفْوِضِ الْأُمُورِ إِلَى  
اللَّهِ وَدَعْوِهِ فَقَالُوا الْإِلَهَ لَنَا -

بیضاری یہی آیت ذہیل المعنی لا علم لنا الی  
جَنَّبَ عِلْمِكَ -

روح البیان یہی آیت إِنَّ هَذَا الْجَوَابَ يَكُونُ  
فِي بَعْضِ مَوَاطِنِ الْقِيَامَةِ وَتَرْجِعُ عَقُومَ لَهُمْ  
إِلَيْهِمْ فَيَسْتَهْدُونَ عَلَى قَوْمِهِمْ أَنَّهُمْ يَلْبَغُوا  
الرِّسَالَةَ وَإِنَّ قَوْمَهُمْ كَيْفَ رَدُّوا عَلَيْهِمْ  
(۸) وَمَا أَدْرِي مَا يَفْعَلُ فِي دَلَايِكُمْ -

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں  
ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں  
درایت کی نفی ہے۔ نہ کہ علم کی۔ دراست اکل اور قیاس سے چہانتے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے  
قیاس سے یہ امور نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے  
سے پہلے کی ہے۔ لہذا یہ منسوخ ہے۔

علم کے سامنے مثل نہ ہونے کے ہو گیا۔

ان انبیاء نے یہ عرض کیا اوباً یعنی ہمارا علم تیرے  
علم کے ساتھ ساقط ہے پس گویا ہم کو علم ہی نہیں۔  
(ارضاخان) ایسے کرام نے جب جان لیا کہ اللہ عالم  
ہے بے علم نہیں۔ حلیم ہے سقید نہیں۔ انصاف والا  
ہے ظالم نہیں تو وہ سمجھ گئے کہ ان کی بات نہ تو بھلائی  
کا فائدہ دے گی اور نہ مصیبت کو دفع کرے گی۔ پس اوب  
خاموشی میں ہے در معاملہ کو اللہ کے عدل کی طرف سپرد  
کر دینے میں ہے لہذا انہوں نے عرض کر دیا کہ ہم کو علم نہیں  
کہا گیا ہے کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم کو تیرے  
علم کے مقابل علم نہیں۔

یہ جواب قیامت کے بعض موقعوں میں ہوگا۔ اور  
اس کے بعد تو اس قائم ہوں گے تو اپنی قوم پر گواہی  
دیں گے کہ ہم نے رسالت کی تبلیغ فرمادی اور ہماری  
قوم نے کیا جواب دیا (ملخصاً)

اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا اور کہا ساتھ کیا

اس سے مخالفین دلیل پکڑتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو نہ تو اپنی خبر تھی۔ نہ کسی اور کی کہ قیامت میں  
ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ لیکن اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں  
درایت کی نفی ہے۔ نہ کہ علم کی۔ دراست اکل اور قیاس سے چہانتے کو کہتے ہیں۔ یعنی میں بغیر وحی اپنے  
قیاس سے یہ امور نہیں جانتا۔ وحی سے جانتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت حضور علیہ السلام کو یہ باتیں بتانے  
سے پہلے کی ہے۔ لہذا یہ منسوخ ہے۔

کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا اور  
آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔

تفسیر صادی میں ہے یہی آیت مَا أَخْرَجَ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ عَلَّمَهُ اللَّهُ

فِي الْقُرْآنِ مَا يُعْمَلُ بِهِ وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
وَالْآخِرَةَ إِجْمَالًا ذَكَرْنَا لَكُمْ آيَةً  
کہ ان سے اور مومنین سے اور کافروں سے دنیا  
اور آخرت میں کیا کیا جاوے گا۔

علامہ عبدالرحمان ابن محمد مشقی رسالہ ناسخ و منسوخ میں فرماتے ہیں۔ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي ذَلَا  
يَكُمُ نَسِخٌ يَقُولُهُ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ آيَةً مَا أَدْرِي مَنْسُوخٌ هِيَ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سَعَةً۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مشرک خوش ہوئے اور کہنے  
لگے کہ لات و عزریٰ کی قسم ہمارا اور حضور علیہ السلام کا تو  
یکساں حال ہے انکو ہم پر کوئی زیادتی اور بزرگی نہیں  
اگر وہ قرآن کو اپنی طرف سے گھر کر نہ کہتے ہوتے تو ان  
کو بھیجنے والا خدا نہیں بتا دیتا کہ ان سے کیا معاملہ کریگا  
تو رب نے یہ آیت اتاری لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ  
پس صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو  
مبارک ہو آپ نے توجان لیا جو آپ کے ساتھ ہوگا  
ہم سے کیا معاملہ کیا جاوے گا تو یہ آیت اتری کہ دخل  
فرمایا گیا۔ اللہ مسلمان مرد اور عورتوں کو جنسوں میں الایۃ  
اور یہ آیت اتری کہ مسلمانوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے  
لیئے اللہ کی طرف سے بڑا نفل ہے یہ حضرات انس  
اور قتادہ و عکرمہ کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے  
ہیں کہ یہ آیت اس آیت سے پہلے کی ہے جبکہ حضور  
علیہ السلام کو ان کی مغفرت کی خبر دی گئی مغفرت کی خبر  
آپ کو حدیبیہ کے سال دی گئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے لَمَّا  
نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ فَرِحَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالُوا  
وَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ مَا أَمْرُنَا بِأَمْرِ مُحَمَّدٍ إِلَّا  
وَاحِدًا وَمَالَهُ عَلَيْنَا مِنْ مَرِيَّةٍ وَفَضَّلِ  
لَوْلَا أَنَّهُ مَا بَدَعَ مَا يَقُولُهُ لِأَخْبَرَهُ  
الَّذِي بَعَثَهُ بِمَا يُفْعَلُ بِهِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ  
وَجَلَّ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ  
(الآیۃ) فَقَالَتْ الصَّحْبَةُ هِنْدٌ لَكَ يَا  
نَبِيَّ اللَّهِ قَدْ عَلِمْتُ مَا يُفْعَلُ بِكَ فَمَاذَا  
يُفْعَلُ بِنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ لِيَدْخُلَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ (الآیۃ) وَأَنْزَلَ وَبَشِّرِ  
الْمُؤْمِنِينَ بِأَن لَّهُمْ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلًا  
كَبِيرًا وَهَذَا قَوْلُ أَنَسٍ وَتَنَادَا وَعِكْرَمَةُ  
قَالُوا إِنَّمَا هَذَا قَبْلَ أَنْ يُخْبَرَ بِغُفْرَانِ  
ذَنْبِهِ وَاتِّمَامِ أَخْبَرِ بِغُفْرَانِ ذَنْبِهِ  
عَامَ الْحَدِيثِ فَتَسْمَعُ ذَلِكَ۔

اگر کوئی کہے کہ آیت لا ادری خبر ہے اور منسوخ نہیں ہو سکتی تو اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بہت  
سے علماء نسخ خبر جا رہے ہیں۔ جیسے دِان تَبْدَأُ الْآيَةَ لَّا يَكْتَلِفُ اللَّهُ نَفْسًا سَعَةً منسوخ ہے ایسے ہی  
لَا اَدْرِي کو ابن عباس و انس و ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ سَعَةً منسوخ مانا تفسیر کبیر





کی محرفت میں کلام نہ کرتا تھا۔ مگر حضور علیہ السلام ان کو پہچان لیتے تھے اور اس کے فساد باطن اور نفاق پر دلیل کھڑے تھے۔

الْقَوْلُ بِحَدِّكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ لَا تَكَلِّمُ مُنَافِقٍ  
عِنْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْإِعْرَافُ وَيَسْتَدِلُّ مُنَافِقٌ  
عَلَى فِسَادِ بَاطِنِهِ وَنِفَاقِهِ -

تفسیر میضاد ہی یہی آیت۔

آپ پر ان کا حال باوجود آپ کی کمال سمجھ اور سچی مردم شناسی کے مخفی رہ گیا۔

خَفِيَ عَلَيْكَ حَالُهُمْ مَعَ كَمَالِ فِطْنَتِكَ وَ  
صِدْقِ قَسْرَسَتِكَ -

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اندازے سے پتہ لگا لینے کی نفی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ توجیہ میں نہ کی جاوے تو ان احادیث کی مخالفت ہوگی جن سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام منافقوں کو پہچانتے تھے۔ مگر پردہ پوشی سے کام لیتے تھے۔

یعنی شرح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۲۱ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

حضور علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ پڑھا۔ پس فرمایا کہ اے فلاں نکل جا کیونکہ تو منافق ہے ان میں سے بہت سے آدمیوں کو رسوا کر کے نکال دیا۔

خَطَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ  
الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَخْرَجْ يَا فُلَانُ فَإِنَّكَ مُنَافِقٌ  
فَأَخْرَجَ مِنْهُمْ كَأْسًا فَفَضَّحَهُمْ -

شرح شفا ملا علی قاری جلد اول صفحہ ۲۴۱ میں فرماتے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافقین مردہ تھے اور عورتیں ایک سوستر۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُنَافِقُونَ مِنَ الرِّجَالِ  
ثَلَاثَةَ مِائَةٍ وَ مِنَ النِّسَاءِ مِائَةٌ وَ سَبْعِينَ

ہم اثبات علم غیب میں ایک حدیث پیش کر چکے ہیں۔ جس میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم پر ہماری امت پیش کی گئی۔ لہذا ہم نے منافقوں اور کفار اور مومنین کو پہچان لیا۔ اس پر منافقین نے اعتراض کیا اور قرآن کی آیت ان کے جواب کے لیے آئی۔ ان سب دلائل میں مطابقت کرنے کے لیے یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ نیز یہ کلام اظہار غضب کے لیے ہوتا ہے اگرچہ کو باپ مارنے لگے اور کوئی باپ سے بچائے تو وہ کہتا ہے کہ اس خلیفہ کو تم نہیں جانتے میں جانتا ہوں۔ اس سے علم کی نفی نہیں (۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّا تَأْتِيكَ بِهِ بَأْسُهُ إِذْ جَاثَبْتَهُ بِالنَّفْسِ بِهَا يَأْتِيكُمُ الْبَأْسُ مِنْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ - دلائل کی نفی نہیں ابی منافق کی ناز جنازہ یا تو پڑھ لی یا پڑھنا چاہی فاروق اعظم نے منع کیا۔ مگر ان کی عرض نہ سنی تب یہ

آیت اتری۔ جس میں آپ کو منافقین کی نماز جنازہ سے روکا گیا۔ اگر علم غیب تھا تو منافق کا جنازہ کیوں پڑھا؟

جواب اس منافق کا حضرت عباس پر کچھ احسان تھا اور اس کا فرزند مخلص مومن تھا اور خود اس منافق نے وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ حضور پڑھائیں۔ اس وقت تک اس کی ممانعت نہ تھی۔ لہذا یہی مصلحت سے اجازت پر عمل فرمایا۔ تفسیر کبیر دروح البیان نے فرمایا کہ اس کی وصیت علامت توبہ تھی اور شریعت کا حکم ظاہر پر ہے۔ جس پر حضور نے عمل فرمایا۔ رب کو منظور نہ تھا کہ حبیب کا دشمن ظاہری عورت بھی پادے۔ لہذا قرآن کریم نے حضرت فاروق کی تائید فرمادی غرض کہ اس مسئلہ کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا منافق ہونا ظاہر تھا۔ مگر اس نماز میں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ کریم کا گرم غیر اختیاری ہوتا ہے۔ اور پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظم کو پتہ لگ جائے مگر حضور کو پتہ نہ لگے۔

(۱۱) دَيْسَلُوْنَاكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُدْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا تَلْمِيزًا

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں۔ تم فرماؤ کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تم کو علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

مخالفین اس آیت سے دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہ تھا کہ روح کیا چیز ہے لہذا آپ کو علم غیب ملی نہ ہوا اس میں تین امور قابل غور ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ ہم نے حضور علیہ السلام کو یہ علم نہیں دیا۔ یا حضور علیہ السلام نے کہاں فرمایا کہ مجھے روح کا علم نہیں ملا۔ لہذا اس آیت کو نفی علم روح کی دلیل بنا نا محض غلط ہے۔ اس میں تو پوچھنے والے کا فرد سے فرمایا گیا کہ تم کو علم بہت تھوڑا سا دیا گیا ہے تم کو روح کی حقیقت کا علم نہیں دوسرے یہ کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کے معنی حضرت قبلہ عالم شیخ مرعی شاہ صاحب فاضل گولڑوی علیہ الرحمۃ نے سیفِ چشتیانی میں حضرت محی الدین ابن عربی سے یہ نقل فرمایا کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي فرماؤ کہ روح امر رب سے ہے۔ یعنی عالم بہت سے ہیں عالم عناصر، عالم ارواح، عالم امکان وغیرہ تو روح عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگ عالم عناصر کے تم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکتے کیونکہ اے کافر تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ روح البیان میں زیر آیت۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ

لَا أَنَّهُ تَجَادَرَ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ عَنِ عَالَمِ الْعَنَاصِرِ  
بڑھے پھر عالم طبیعت سے پھر عالم ارواح سے یہاں

تک کہ عالم از تک پہنچے اور سب کی آنکھ عالم اجسام سے ہے پس آپ ان تمام چیزوں سے علیحدہ ہو گئے اور رب تعالیٰ کو کل ذات سے دیکھا۔

حَتَّىٰ وَصَلَ إِلَىٰ عَالَمِ الْأَمْرِ دَعَيْنُ الزَّائِمِ  
مِنْ عَالَمِ الْأَجْسَامِ فَانْتَلَحَ عَنِ الْكُلِّ دَرَأِي  
مَرْتَبَةً بِالْكُلِّ۔

اس سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں حضور علیہ السلام نے عالم امر کی سیر ہی نہیں فرمائی۔ بلکہ خود بھی عالم امر میں سے بن گئے۔ اور اپنے رب کو دیکھا۔ اور اسی عالم امر کی روح بھی ہے۔ پھر آپ پر روح کیونکر مخفی رہ سکتی ہے۔ جس طرح ہم جسم کو کھینچتے پہچانتے ہیں علیہ السلام آدھے بشر اور آدھے روح تھے کیونکہ حضرت مریم تو بشر تھیں اور حضرت جبریل روح قَادُ سَلْنَا إِلَيْهَا مَرْدُ حَتَّىٰ سَمِعْتِ  
مریم کے پاس اپنی روح یعنی جبریل کو بھیجا۔ اور آپ کی پیدائش حضرت جبریل کی پھونک سے ہوئی۔ اس لئے دونوں امور آپ میں موجود ہیں۔ فتوحات کلمہ باب ۵۷ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں۔

كَانَ نَصْفَهُ نَبْرًا وَنَصْفَهُ الْآخِرُ رُوحًا  
مَطَهَّرًا مَلَكًا لِأَنَّ جِبْرِيْلَ دَهَبَهُ لِمَرْيَمَ

حضرت مسیح نصف بشر اور نصف دوم پاک روح ہیں کیونکہ جبریل نے حضرت مریم کو انہیں بخشا۔ اور ان کی پیدائش بھی حضور علیہ السلام کے نور سے ہے۔ تو گویا حضور علیہ السلام از ستر تا پا روح ہیں روح البیان نے اسی آیت لَا تَذَرُكَ کے ماتحت لکھا۔

الْحَقِيْقَةُ الْمُحَمَّدِيَّةُ هِيَ حَقِيْقَةُ الْخَفَائِقِ  
وَهُوَ الْمَوْجُودُ الْعَامَّةُ الشَّامِلُ۔

حقیقت محمدیہ تمام حقیقتوں کی حقیقت ہے اور وہ ہی وجود عام ہے۔

لہذا آیت کے معنی یہ ہونے کہ روح وہ جو امر یعنی کن سے بلا واسطہ پیدا ہو۔ اور وہ تو حقیقت محمدیہ ہے۔ کہ بلا واسطہ ان کی پیدائش ہے اور سب کی پیدائش ان کے نور سے ہے مطلب یہ ہوا کہ عالم کی روح حقیقی میں ہوں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں روح سے قرآن یا جبریل مراد ہیں۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ قرآن کیا ہے شعر ہے یا کہانت؟ جبریل کون ہیں؟ اور کیسے آتے ہیں؟ جواب دیا گیا کہ قرآن امر الہی ہے نہ شعر ہے نہ جادو۔ جبریل امر الہی سے آتے ہیں وَمَا يَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ اسی کبیر میں ہے۔

جب حضور علیہ السلام خدا کو پہچانیں تو روح کو کیوں نہ پہچانیں۔

فَإِذَا كَانَ مَعْرِفَتُ اللَّهِ تَعَالَى مُمَكِّنَةً بَلْ  
حَاصِلَةٌ فَأَيُّ مَانِعٍ يَمْنَعُ مِنْ مَعْرِفَةِ الرَّوحِ

تیسرے یہ کہ مفسرین و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم تھا۔ تفسیر خازن نے اسی آیت کے ماتحت لکھا۔

قِيلَ إِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلِمَ مَعْنَى  
الرُّوحِ لَكِنَّهُ لَمْ يُخْبِرْ بِهِ لِأَن تَرَكَ الْأَخْبَارِ  
كَأَنَّ عَلِمًا لِنُبُوتِهِ وَالْقَوْلُ الْأَصَحُّ أَنَّ اللَّهَ  
اسْتَأْذَرَ يَعْلَمُ الرُّوحَ -

کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو حقیقت روح معلوم تھی  
لیکن اسکی خبر نہ دی کیونکہ یہ خبر نہ دینا آپ کی نبوت کی علامت  
اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علم روح سے  
خاص ہے۔

اس عبارت میں علم روح ماننے والوں کو مشرک نہ کہا گیا اور نہ ان کے قول کو غلط بتایا۔

تفسیر روح البیان اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

جَلَّ مَنْصَبُ حَبِيبِ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ  
أَجْزِلًا بِالرُّوحِ مَعَ أَنَّهُ عَالِمٌ بِاللَّهِ  
وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ وَعَلَّمَكَ  
مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ -

حضور علیہ السلام کی شان اس سے بلند ہے کہ آپ  
روح سے ناواقف ہوں حالانکہ آپ اللہ سے واقف  
ہیں رب نے آپ پر احسان جتایا کہ فرمایا کچھ آپ نہ جانتے  
تھے وہ آپ کو بتا دیا۔

تفسیر مدارک یہ ہی آیت وقیل کان السوال  
عَنْ خَلْقِ الرُّوحِ يَعْنِي مَخْلُوقٌ أَمْ كَالِقَوْلِ  
مِنْ أَمْرِ رَبِّي ذَلِيلٌ خَلِقَ الرُّوحَ نَكَانَ جَوَابًا

کہا گیا ہے کہ سوال روح کی پیدائش کے متعلق تھا کہ  
روح مخلوق بھی ہے یا نہیں اور رب کا فرمان میں امر  
ربی روح کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے لہذا یہ جواب ہو گیا

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے  
یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں شیخ  
فرماتے ہیں۔ سپر گونہ جرات کند مومن عارف کہ نفی  
علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفين کند  
دوادہ است اور اسحق سبحانہ، علم ذات و صفات  
خود و فتح کردہ برائے ارفیح مبین از علوم اولین و  
آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت و  
قطرہ ایست از دریا و ذرہ ایست از بیدار۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں روح کا علم ہونے نہ ہونے سے بحث ہی نہیں ہو رہی ہے  
یہاں تو ذکر مخلوقیت روح کا ہے، مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۴۰ وصل ایذا رسانی کفار فقراء صحابہ را میں شیخ  
فرماتے ہیں۔ سپر گونہ جرات کند مومن عارف کہ نفی  
علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفين کند  
دوادہ است اور اسحق سبحانہ، علم ذات و صفات  
خود و فتح کردہ برائے ارفیح مبین از علوم اولین و  
آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت و  
قطرہ ایست از دریا و ذرہ ایست از بیدار۔

تو اس دریا کا ایک قطرہ اور خشک جگہ کا ایک ذرہ ہے۔

تم پر گمان نہ کرنا کہ روح حضور علیہ السلام کو ظاہر نہ تھی۔ کیونکہ جو اپنے کو نہ پہچانے گا۔ وہ اللہ کو کس طرح پہچان سکتا ہے یہ بھی بعید نہیں کہ روح بعض اولیاء و علماء کو ظاہر ہو۔

احیاء العلوم میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ وَلَا تَقْنُ أَنْ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ مَكشُوفًا لِرَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِنَّ مَنْ لَمْ يَعْرِفْ نَفْسَهُ كَيْفَ يَعْرِفُ اللَّهَ سُبْحَانَهُ فَلَا يَبْعَدُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ مَكشُوفًا لِبَعْضِ الْأَوْلِيَاءِ وَالْعُلَمَاءِ۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم روح عطا ہوا بلکہ حضور کے صدقے سے بعض علماء و اولیاء کو بھی ملا۔ بعض لوگوں نے اس کا انکار بھی کیا۔ مگر وہ بلا دلیل ہے۔ نیز جب ثبوت و نفی کے دلائل ہوں تو ثبوت کو اختیار کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ہم قاعدہ اصول کا بیان کر چکے ہیں۔

۱۲) عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَا أَذْنَتْ كَرَهُمْ غَزْوَهُ تَبُوكَ فِي بَعْضِ مَنْ تَقِينِ لَمْ يَغْلُظْ بَهَا زَكَرَكَ شَرِكًا نَكِي۔ حضور علیہ السلام کو ان کی جید سازی کا پتہ نہ لگا اور انہیں جہاد میں نہ جانیکی اجازت دے دی اس آیت میں آپ پر عتاب فرمایا گیا کہ کیوں اجازت دی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا۔ تو اصل حال آپ پر ظاہر ہوتا۔

جواب۔ نہ اس آیت میں آپ پر عتاب ہے اور نہ حضور ان کے فریب سے بے خبر تھے۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے انکی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اجازت دی۔ رب نے فرمایا کہ اے مجرموں کے پردہ پوش! آپ نے ان کو رسوا کیوں نہ کیا؟ عتاب غلطی پر ہوتا ہے یہاں غلطی کون سی ہوئی تھی؟ عَفَا اللَّهُ كَلِمَةً دَعَا بِهِ رَبُّكَ عَتَابًا۔

۱۳) يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسُهَا فَيَوْمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا۔ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے تم کو اس بیان سے کیا تعلق؟

اس آیت سے مخالفین دلیل لاتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہ تھا کہ کب ہوگی۔ لہذا آپ کو علم غیب ملی نہ ہوا۔ جواب صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ علم بھی عطا فرمایا۔ مفسرین نے اس آیت کی چند توجیہیں کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ آیت علم قیامت عطا کرنے سے پہلے کی ہے دوم یہ کہ اس سے مقصود سائلین کو جواب دینے سے روکنا ہے نہ کہ آپ کے علم کی نفی۔ تیسرے یہ کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا آپ اس قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہیں آپ کو دیکھ کر ہی جان لینا چاہیے کہ قیامت قریب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں آپ یہ باتیں بتانے نہیں بھیجے گئے۔

تفسیر صادی یہی آیت -

وَهَذَا آتِلَ إِعْلَامِهِ بِوَقْتِهَا فَلَا يَنَافِي أَنَّهُ عَلَيْهِ  
السَّلَامُ لَمْ يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى  
أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِجَمِيعِ مُغَيَّبَاتِ الدُّنْيَا  
وَالْآخِرَةِ -

یہ آیت حضور علیہ السلام کو قیامت کے وقت کی خبر دینے  
پہلے کی ہے لہذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ  
السلام دنیا سے نکلے یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو  
دینا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔

روح البیان یہی آیت -

فَدُوَّ هَبَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ إِلَى أَنَّ النَّبِيَّ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَعْرِتُ دَقَّتِ السَّاعَةُ  
بِأَعْلَامِ اللَّهِ وَهَذَا يَنَافِي فِي الْحَصْرِ فِي الْآيَةِ

بعض مشائخ ادھر گئے ہیں کہ نبی علیہ السلام قیامت کے  
وقت جانتے تھے اللہ کے بتانے سے اور یہ قول اس  
آیت کے حصر کے خلاف نہیں۔

روح البیان میں یہی آیت پارہ ۹ زیر آیت یَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَفِيٌّ عَنْهَا مِمَّنْ هِيَ  
یہ بھی ہے کہ دنیا کی کل عمر ۷۰ ہزار سال ہے۔ یہ روایت صحیحہ ثابت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ  
السلام کو قیامت کا علم ہے۔

کہا گیا ہے کہ فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی  
ان کا سوال کس شمار میں ہے پھر فرمایا کہ آپ اے  
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قیامت کی نشانیوں میں  
سے ہیں۔ کیونکہ آپ آخری نبی ہیں پس ان کو یہ دلیل  
کافی ہے قیامت قریب ہونے پر۔

تفسیر خازن یہی آیت وَقِيلَ مَعْنَاهُ فِيمَا  
إِنْكَارُ سِوَالِهِمْ أَيْ فِيمَا هَذَا السَّوَالُ ثُمَّ  
قَالَ أَنْتَ يَا مُحَمَّدُ مِنْ ذِكْرِهَا أَيْ مِنْ  
عَلَامَتِهَا لِأَنَّكَ الْخَيْرُ الرَّسُولِ فَكَفَاهُمْ ذَلِكَ  
دَلِيلًا عَلَى دُنُوِّهَا -

یا حضور علیہ السلام قیامت کا بہت ہی ذکر فرماتے تھے اور  
اسکے بارے میں سوال کیے جاتے تھے یہاں تک کہ آیت اتری پس  
آیت تعجب ہے آپ کے زیادہ ذکر قیامت فرمانے پر۔

تفسیر مدارک یہی آیت اَوْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَزَلْ يُرَكُّ السَّاعَةَ وَيَسْأَلُ  
عَنْهَا حَتَّى نَزَلَتْ فَهُوَ تَعَجَّبُ مِنْ كَثْرَةِ ذِكْرِهَا -

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کس قدر ذکر قیامت فرماتے ہیں۔

یا فیما کفار کے سوال کا انکار ہے یعنی یہ سوال کس شمار میں  
ہے پھر فرمایا کہ آپ اس قیامت کی نشانیوں میں

مدارک یہی آیت اَوْ فِيمَا إِنْكَارُ لِسِوَالِهِمْ  
عَنْهَا أَيْ فِيمَا هَذَا السَّوَالُ ثُمَّ قَالَ أَنْتَ

مِنْ ذِكْرِهَا وَأَنْتَ الْخَيْرُ الْأَنْبِيَاءِ بِعَلَامَةٍ مِنْ  
عَلَامَاتِهَا فَلَا مَعْنَى لِسَوَالِهِمْ عَنْهَا -

سے ہیں کیونکہ آپ آخری نبی ہیں۔ قیامت کی علامتیں سے ایک  
علامت میں اب انکے قیامت کے پوچھنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا قیامت کے متعلق پوچھنا لغو ہے آپ خود اس کی علامت میں وہ

کیوں پوچھتے ہیں۔ مدارک یہی آیت۔

قِيلَ فِيمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا مُتَّصِلٌ بِالسَّوَالِ  
أَيُّ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسُهَا  
ذِكْرُ لَوْ أَنَّ أَنْتَ مِنْ ذِكْرِهَا لَمْ  
أَسْتَأْنَفْ فَقَالَ إِلَى سَرِّكَ -

اور کہا گیا ہے کہ فیما أنت سوال سے ملا ہوا ہے  
یعنی کفار آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کا قیام کب  
ہوگا؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ کو اس کا علم کہاں سے  
آیا پھر رب تعالیٰ نے اپنی بات شروع کی اِلَى سَرِّكَ

اب اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار نے پوچھا کہ آپ کو یہ علم کہاں سے ہے۔ رب نے فرمایا کہ اللہ کی

طرف سے تو یہ آیت علم قیامت کا ثبوت ہے۔ مدارک یہی آیت۔

یعنی آپ اس لیے نہیں بھیجے گئے کہ ان کو قیامت  
کے وقت کی خبر دیں۔

إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَّنْ يَخْشَاهَا أَيُّ لَمْ تَبْعَثْ  
لِنَعْلَمِهِمْ بِوَقْتِ السَّاعَةِ إِنَّمَا أَنْتَ الْخَيْرُ -

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر آپ قیامت کی خبر دے دیں تو آپ نبی میں درجہ نہیں

محض بیہودہ ہے کیونکہ قیامت کی خبر دینا نبوت کے فرائض میں سے نہیں۔ نبی کے لئے تبلیغ احکام  
ضروری ہے، مدارج النبوة جلد دوم صفحہ ۴۴ وصل ایذا رسالی کفار نقرار صحابہ را میں ہے۔

یعنی بعض علماء نے روح کی طرح حضور کو قیامت کا علم بھی مانا۔  
تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسکو خوب تحقیق کر  
رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے

”و بعض علماء علم ساعۃ نیز مثل این معنی گفتند“  
(۱۴) یَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا  
عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ -

مخالفین اس آیت کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم نہیں۔ اس کے دو  
جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں دیا۔ اس میں تو یہ ہے کہ  
اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ دینے کی نفی نہیں۔ دوم یہ کہ یہ علم قیامت دینے سے قبل کی آیت ہے۔

جس پر ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام  
دنیا سے منتقل نہ ہوئے یہاں تک کہ رب نے

تفسیر صادی یہی آیت وَالَّذِي يَجِبُ  
الْإِيمَانُ بِهِ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَنْتَقِلْ



مِنَ الدُّنْيَا حَتَّىٰ أَعْلَمَهُ اللهُ بِجَمِيعِ الْمُعْتَبَاتِ  
الَّتِي تَحْصُلُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَهُوَ يَعْلَمُهَا  
كَمَا هِيَ عَيْنَ يَقِينٍ لَمَا دَرَدَ مِنْ فِعْتِ  
لِي الدُّنْيَا فَا نَظَرُ فِيهَا كَمَا أَنْظَرُ إِلَى كَفَى  
هَذِهِ دَرَدَ أَنَّهُ أَطْلَعَ لِي الْجَنَّةَ وَمَا  
فِيهَا وَالنَّارَ وَمَا فِيهَا وَغَيْرَ ذَلِكَ مِمَّا  
تَوَاتَرَتْ الْأَخْبَارُ وَلَكِنْ أَمْرٌ يَكْتُمَانِ بَعْضُهُمَا

آپ کو تمام وہ غائب چیزیں بتادیں جو دنیا اور آخرت  
میں آیا کہ ہمارے سامنے دنیا پیش کی گئی۔ پس ہم اس  
میں اس طرح نظر کر رہے ہیں جیسے اپنے اس ہاتھ میں یہ  
بھی آیا ہے کہ ہم کو حجت اور وہاں کی نعمتوں اور روزخ  
اور وہاں کے عذابوں پر اطلاع دی گئی علاوہ ازیں  
اور متواتر خبریں ہیں لیکن بعض کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔

تفسیر خازن میں اس آیت میں ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔ **يَسْأَلُونَكَ عَنْهَا كَأَنَّكَ خَفِيٌّ بِهَا**  
یہ لوگ آپ سے اس طرح پوچھتے ہیں گویا آپ ان پر بڑے مہربان ہیں۔ اور آپ ان کو بتا ہی دیں گے حالانکہ  
یہ اسرار الہی میں سے ہے ایسا سے چھپا نا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم ہے۔ مگر  
اظہار کی اجازت نہیں۔

**اعترضها** یَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا  
عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ۔

لوگ تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ کہ اس  
کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔

جواب تفسیر صادی یہی آیت انمّا دقت  
السؤال والّا فلم یصرّح نبینا علیہ السلام  
حتى اطلعه الله على جميع المعتبآت  
ومن جملة ما الساعة۔

یعنی اس قیامت پر کوئی مطلع نہیں اور یہ سوال  
کے دقت تھا اور نہ نبی علیہ السلام تشریف نہ لے  
گئے یہاں تک کہ آپ کو اللہ نے تمام غیبوں پر  
مطلع فرمایا۔ جن میں سے قیامت بھی ہے۔

روح البیان یہی آیت۔

وَلَيْسَ مِنْ شَرَطِ الشَّيْءِ أَنْ يَعْلَمَهُ الْعَيْبُ  
بِغَيْرِ تَعْلِيمٍ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى۔

اور نبی کی شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ اللہ کے  
بغیر بتائے غیب جانے۔

اس آیت میں کسی کو علم قیامت دینے کی نفی نہیں لہذا اس سے حضور علیہ السلام کے نہ جاننے پر دلیل  
پکڑنا غلط ہے۔ تفسیر صادی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

المعنى لا يُعَيِّدُ عِلْمَهُ غَيْرُهُ تَعَالَى فَلَا يَسْتَأْجِزُ  
مَعْنَى يَهْدِيهِمْ لِيَسْأَلُواكَ عَنْهَا كَأَنَّكَ خَفِيٌّ بِهَا

مغنی یہ ہیں کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کوئی نہیں

دے سکتا۔ پس یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ نبی  
علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک  
کہ رب تعالیٰ نے ان کو سارے اگلے پھلے واقعات پر  
مطلع فرمایا۔ ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ  
يَخْرُجْ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أُطْلِعَ عَلَى مَا كَانَ  
وَمَا يَكُونُ وَمَا هُوَ كَائِنٌ وَمِنْ جَمَلَتِهِ  
عِلْمُ السَّاعَةِ۔

مخالفین علم قیامت کی نفی کی دلیل میں شروع مشکوٰۃ کی وہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل  
نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا أَخْبَرَنِي عَنِ السَّاعَةِ مجھے قیامت کے متعلق خبر دیجئے تو فرمایا۔  
مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا يَا عَلْمٌ مِنَ السَّائِلِ یعنی اس بارے میں ہم سائل سے زیادہ جانتے والے نہیں  
ہم سے معلوم ہوا کہ آپ کو قیامت کا علم نہیں۔

مگر یہ دلیل بھی محض لغو ہے ڈوڈو سے ایک یہ کہ اس میں حضور علیہ السلام نے اپنے جاننے کی نفی  
نہیں کی بلکہ زیادتی علم کی نفی کی۔ ورنہ فرماتے لَآ اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد  
فرمائی؟ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اے جبریل اس مسئلہ میں میرا اور تمہارا علم برابر ہے کہ مجھ کو  
بھی خبر ہے اور تم کو بھی اس مجمع میں یہ پوچھ کر راز ظاہر کرنا مناسب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جواب سن کر حضرت  
جبریل نے عرض کیا۔ فَأَخْبِرْ عَنْ أَمَامِنَا إِنِّهَا تَقِيَامُ کی نشانیاں ہی بتا دیجئے اس پر حضور علیہ  
السلام نے چند نشانیاں بیان فرمائیں کہ اولادنا فرمان ہوگی اور کہیں لوگ عورت پائیں گے وغیرہ وغیرہ جس  
کو قیامت کا بالکل علم ہی نہ ہو۔ ان سے اس کے نشان پوچھنا کیا معنی؟ نشان اور پتہ تو جاننے والے  
سے پوچھا جاتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قیامت قائم ہونے کا دن بتایا۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے۔

قیامت قائم نہ ہوگی مگر جمعہ کے دن۔

لَا تَهْوُمُ السَّاعَةُ إِلَّا فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

کلمہ کی اور بیچ کی انگلی ملا کر فرمایا۔

ہم اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں۔

(مشکوٰۃ باب خطبہ یوم الجمعہ)

بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ

كَهَاتَيْنِ

یعنی ہمارے زمانہ کے بعد بس قیامت ہی ہے اور اس قدر علامات قیامت ارشاد فرمائیں۔ کہ ایک

بات بھی نہ چھوڑی۔ آج میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ نہ ابھی دجال آیا نہ حضرت

مسح و مہدی نہ آفتاب مغرب سے نکلا۔ ان علامات نے قیامت کو بالکل ظاہر فرمادیا پھر قیامت کا علم نہ ہونے کے کیا معنی؟ پس زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ نہ بتایا کہ فلاں سنہ میں قیامت ہوگی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ پاک میں سنہ مقرر ہی نہ ہوئی تھی۔ سنہ ہجری عہد فاروقی میں مقرر ہوئی کہ ہجرت توزیع الاذل میں ہوئی مگر سنہ ہجری کا آغاز محرم سے ہوتا ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ سال میں جو کوئی بھی اہم واقعہ ہوا اس سے سال منسوب کر دیا۔ سال نیل، سال فتح، سال حدیبیہ وغیرہ۔ تو سنہ ہجری کس طرح بتایا جاسکتا تھا۔ اس دن کے علامات وغیرہ سب بتادیئے اور جزوات اس قدر تفصیلی علامتیں بیان کرے وہ بے علم کس طرح ہو سکتی ہے؟ نیز ہم ثبوت علم غیب میں وہ حدیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قیامت تک کے من و عن واقعات بیان کر دیئے۔ اب کیسے ممکن ہے کہ قیامت کا علم نہ ہو۔ کیونکہ دنیا ختم ہوتے ہی قیامت ہے اور حضور علیہ السلام کو یہ علم ہے کہ کونسا واقعہ کس کے بعد ہوگا تو جو آخری واقعہ ارشاد فرمایا وہ ہی دنیا کی انتہا ہے اور قیامت کی ابتداء دہلی ہوئی چیزوں میں سے ایک کی انتہا کا علم دوسری کے ابتداء کا علم ہوتا ہے۔ اس پر خوب غور کر لیا جاوے۔ نہایت نفیس تحقیق ہے جو حضرت صدر الافاضل مرشد استاذی مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایک تقریر کے دوران میں ارشاد فرمائی۔

اعتراف<sup>۱۶</sup> اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ  
 یُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَ مَا  
 تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا  
 تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاٰتِیْ اٰرْضٍ تَمُوْتُ اَنْ  
 اللّٰہَ عَلِیْمٌ حَبِیْرٌ

اس آیت سے مخالفین کہتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں یہ اللہ کی صفت ہے جو کسی غیر کیلئے ثابت کرے وہ مشرک ہے اسی کو علوم خمسہ کہتے ہیں قیامت کب ہوگی، بارش کب ہوگی، عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی اور کل کیا ہوگا اور کون کہاں مرے گا؟ اس آیت کی تائید میں شروع مشکوٰۃ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے قیامت کے متعلق دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ فِیْ حَمْسٍ لَا یَعْلَمُہُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ یعنی

بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرگی بیشک اللہ جانتے والا بتائیں والا ہے۔

پانچ چیزیں وہ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ پھر یہ ہی آیت تلامذت فرمائی۔ ہم علومِ خمر کے بارے میں نہایت منصفانہ تحقیق کرتے ہیں اور ناظرین سے انصاف کی توقع اور اپنے رب سے تمنا قبول رکھتے ہیں اور اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال پھر اس حدیث کے متعلق محدثین کے اقوال پھر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

تفسیر احمدیہ زیر آیت مذکورہ۔

ذَلِكَ أَنْ تَقُولَ إِنَّ عِلْمَ هَذِهِ الْخَمْسَةِ  
وَأَنْ لَا يَعْلَمَهَا أَحَدٌ إِلَّا اللَّهُ لَكِنَّ يَجُوزُ أَنْ  
يَعْلَمَهَا مَنْ تَشَاءُ مِنْ مَخْبِيئِهِ وَأَدْوِيَاءِهِ  
بِقَرْنِيَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَيْرٌ  
بِمَعْنَى الْخَيْرِ۔

اور تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ ان پانچوں باتوں کو اگرچہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جائز ہے کہ خدا پاک اپنے دیوں اور محبوبوں میں سے جس کو چاہے سکھائے اس قول کے قریب سے کہ اللہ جاننے والا بتانے والا ہے خیر معنی مخیر۔

تفسیر صادی آیت مَاذَا تَكْسِبُ غَدَاكَ ماتحت فرماتے ہیں۔

أَمْ مِنْ حَيْثُ دَاتَهَا دَامًا يَا عَلَامِ اللَّهِ  
لِلْعَبْدِ فَلَا مَانِعَ مِنْهُ كَالْأَنْبِيَاءِ  
وَبَعْضِ الْأَدْوِيَاءِ قَالَ تَعَالَى وَلَا يُحِيطُونَ  
بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ قَالَ تَعَالَى  
فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا  
مَنْ أَرَادَ مِنْ رَسُولٍ فَلَا مَانِعَ  
مِنْ كَوْنِ اللَّهِ يُطْلَعُ بَعْضَ عِبَادِهِ  
الصَّالِحِينَ عَلَى بَعْضِ الْمُغْتَابَاتِ فَتَكُونُ  
مُعْجِزَةً لِلنَّبِيِّ وَكَرَامَةً لِلرُّسُلِ وَلِذَلِكَ  
قَالَ الْعُلَمَاءُ الْحَقُّ أَنَّهُ لَمْ يَخْرُجْ  
نَبِيًّا مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى  
تِلْكَ الْخَمْسِ۔

یعنی ان باتوں کو کوئی اپنے آپ نہیں جانتا لیکن کسی بندے کا اللہ کے بتانے سے جاننا اس سے کوئی مانع نہیں جیسے انبیاء اور بعض ادویاء نے فرمایا کہ یہ لوگ خدا کے علم کو نہیں گھیر سکتے مگر جس قدر رب چاہے اور فرمایا کہ اپنے غیب پر کسی کو ظاہر نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسولوں کے پس اگر خدا تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کو بعض غیبوں پر مطلع فرمادے تو کوئی مانع نہیں پس یہ علم نبی کا معجزہ اور ولی کی کرامت ہوگا اسی لیے علماء نے فرمایا کہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک کہ ان کو ان پانچوں باتوں پر رب نے مطلع فرمادیا۔

تفسیر اس البیان زیر آیت یَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ہے۔

ہم نے بعض ادیاء کو سنا کہ انہوں نے پیٹ کے  
بچہ لڑکی یا لڑکے کی خبر دی اور ہم نے اپنی آنکھوں  
سے وہی دیکھا۔ جس کی انہوں نے خبر دی تھی۔

سَمِعْتُ أَيضًا مِنْ بَعْضِ الْأَدْيَاءِ أَنَّهُ  
أَخْبَرَ مَا فِي الرَّحِمِ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَ  
مَرءٍ مِثَّ بَعِيْنِي مَا أَخْبَرَ۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اور جو غیب کی خبریں انبیاء و ادیاء سے مروی ہیں۔  
پس یہ اللہ کی تعلیم سے ہے یا وحی یا الہام کے  
طریقے سے۔ اور اسی طرح بعض ادیاء نے بارش  
آنے کی خبر دی اور بعض نے رحم کے بچہ لڑکے یا  
لڑکی کی خبر دی تو وہ ہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔

وَمَا رَوَى عَنِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَدْيَاءِ مِنَ الْأَخْبَارِ  
عَنِ الْغُيُوبِ فَيَدْعُلِيمُ اللَّهُ تَعَالَى إِمَّا بِطَرِيقِ  
الْوَحْيِ أَوْ بِطَرِيقِ الْإِلْهَامِ وَاللَّسْفِ وَكَذَلِكَ أَخْبَرَ  
بَعْضُ الْأَدْيَاءِ عَنْ نَزُولِ الْمَطَرِ وَأَخْبَرَ عَمَّا  
فِي الرَّحِمِ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى فَوَقَعَ كَمَا أَخْبَرَ

قیامت کے علم کی تحقیق ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ جو علوم خمسہ میں سے ہے۔

ان تفاسیر کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے علوم خمسہ اپنے حبیب علیہ السلام کو دیکھے  
اور اس آیت میں خیر معنی مخبر ہے۔ اس کے متعلق اور بھی تفاسیر کی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مگر  
اس پر اختصار کرتا ہوں۔ اب رہی مشکوٰۃ شروع کتاب الایمان کی حدیث کہ یہ پانچ چیزیں کوئی نہیں  
جانتا اس کی شرح میں ملاحظہ ہوں امام قرطبی، امام عینی، امام قسطلانی شرح بخاری میں اور ملا علی قاری  
مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الایمان فصل اول میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

پس جو شخص ان پانچوں میں سے کسی چیز کے علم کا  
دعوے کرے حضور علیہ السلام کی طوت بغیر نسبت  
کیسے ہوئے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

فَمَنْ ادَّعَى عِلْمَ شَيْءٍ مِنْهَا غَيْرَ مُسْنَدٍ  
إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كَانَ كَاذِبًا فِي دَعْوَاهُ۔

لمعات میں شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

الْمَلَأُوا يَعْْلَمُ بِدُونِ تَعْلِيمِ اللَّهِ تَعَالَى۔  
مرد یہ ہے کہ ان پانچوں باتوں کو بغیر اللہ کے بنا کوئی نہیں جانتا۔

اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں مراد آست کہ بے تعلیم الہی بحساب  
عقل اینہار انداز امور الغیب اند کہ خبر خدا سے تعالیٰ کسے ال راند اند مگر آنکہ دے تعالیٰ از نزد خود کسے را

بوحی والہام بدنامدہ مراد یہ ہے کہ ان امورِ غیب کو بغیر اللہ کے بتائے ہوئے عقل کے اندازے سے کوئی نہیں جان سکتا۔ کیونکہ ان کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جن کو اللہ اپنی طرف سے بتا دے۔ وحی یا الہام سے۔ امام تطلانی مشرح بخاری کتاب التفسیر سورہ رعد میں فرماتے ہیں۔

کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب ہوگی سوائے اللہ کے اور پسندیدہ رسول کے کیونکہ رب تعالیٰ اس کو اپنے غیب پر مطلع فرماتا ہے اور ان کا تابع ملن ان سے وہ غیب لیتا ہے۔

لَا يَعْلَمُ مَتَى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللَّهُ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا تَتَذَكَّرُ بِهِمْ بِأَنَّهٗمْ  
يُطِيعُوهُ تَعَاوَنًا لَا نِيَابَةَ لَهُمْ  
يَا خُذْهَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ  
وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَأَنْجِبْهُمْ  
إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْإِسْلَامَ  
وَمَا كُنْتُمْ بِأَعْيُنِنَا  
إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ  
الَّذِي يُصَوِّرُ مَا يَشَاءُ  
وَهُوَ عَلِيمٌ ذَكِيمٌ

انجاء الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ باب اشراط الساعة زیر حدیث حَاشَسُ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللَّهُ ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بنتِ خارجیہ کو خبر دی کہ وہ بیٹی سے حاملہ ہیں۔ لہذا صدیق کی وفات کے بعد ام کلثوم بنت صدیق پیدا ہوئیں پس یہ فرست اور ظن ہے خدا تعالیٰ مومن کی فرست کو سچا کر دیتا ہے۔

أَخْبَرَ الصِّدِّيقُ زَوْجَتَهُ بِبِنْتٍ خَارِجَةٍ  
أَتَتْهَا حَامِلَةٌ بِنْتٍ فَوَلَدَتْ يَعْقُوبَ  
وَوَاتِيَهُ أُمُّ كَلثُومٌ بِبِنْتٍ أَبِي بَكْرٍ  
فَرَهَذَا مِنَ الْفِرَاسَةِ وَالظَّنِّ وَيُصَدِّقُ اللَّهُ فِرْسَةَ  
الْمُؤْمِنِينَ

سید شریف عبدالعزیز مسعود تاب الابریز میں فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام پر ان پانچ مذکورہ میں سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں اور حضور پر یہ امور مخفی کیونکر ہو سکتے ہیں حالانکہ آپ کی امت کے ساتھ قطب ان کو جانتے میں پس غوث کا کیا پوچھنا اور پھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کہنا جو ہر چیز کے سبب ہیں اور جن سے ہر چیز ہے۔

هُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ مِنْ شَيْءٍ  
مِنَ الْخَمْسِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْآيَةِ وَكَيْفَ  
يَخْفَى ذَلِكَ وَالْأَقْطَابُ السَّبْعَةُ مِنْ أُمَّتِهِ  
الشَّرِيفَةِ يَعْلَمُونَ نَهَاوَهُمْ دُونَ الْعَوْتِ فَكَيْفَ  
بِالْعَوْتِ فَكَيْفَ يَسْتَدِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ  
الَّذِي هُوَ سَبَبُ كُلِّ شَيْءٍ وَمِنْهُ كُلُّ شَيْءٍ

علامہ جلال الدین سیوطی روض النضر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کا فرمانا إِلَّا هُوَ اس کے معنی یہ ہیں کہ انکو اپنے آپ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن کبھی اللہ

تَوَلَّاهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْآهْوُ مَعْنَاهُ بِأَنَّهُ لَا  
يَعْلَمُهَا أَحَدٌ سِوَا اللَّهِ لَكِنْ قَدْ يَعْلَمُ بِهِ

يَا عَلَامَ اللَّهِ فَإِنَّ نَمَّ مَنْ يَعْلَمُهَا دَقْدُ  
وَجَدْنَا ذَلِكَ يَغْيِرُ وَاحِدٍ كَمَا رَوَيْنَا جَمَاعَةً  
عَلِمُوا مِنِّي يَمُوتُونَ وَاعْلَمُوا مَا فِي الْأَرْحَامِ

کے بتائیسے جان لیتے ہیں کیونکہ یہاں وہ لوگ ہیں جو  
جانتے ہیں ہم نے متعدد کو ایسا پایا جیسے ہم نے ایک جماعت  
کو دیکھا کہ وہ جان لیتے ہیں کہ کب مینگے درجانتے ہیں شکر کے پتھر کو

یہی علامہ جلال الدین سیوطی خصائص شریف میں فرماتے ہیں۔

عُرِي ضَ عَلَيْهِ مَا هُوَ كَأَنَّ فِي أُمَّتِهِ حَتَّى  
تَقُومُ السَّاعَةُ

حضور علیہ السلام پر تمام وہ چیزیں پیش کر دی گئیں  
جو آپ کی امت میں قیامت تک ہونیوالی ہیں۔

علامہ بیجویری شرح قصیدہ بردہ صفحہ ۷۷ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الدُّنْيَا  
إِلَّا بَعْدَ أَنْ أَعْلَمَهُ اللَّهُ بِهَذِهِ الْأُمُورِ الْخَمْسَةِ  
جَمْعُ النَّبَايَةِ فِي عِلْمِ شُنُوَائِي فَرَمَاتِي هِيَ

حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لینگے مگر اسکے بعد کہ  
اللہ نے آپ کو ان پانچوں چیزوں پر اطلاع کا علم بتا دیا۔

قَدْ وَرَدَ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُخْرِجِ النَّبِيَّ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو دنیا سے  
خارج نہ کیا یہاں تک کہ ہر چیز پر مطلع کر دیا۔

یہی علامہ شنوائی اسی جمیع النہایہ میں فرماتے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ لَا يَعْلَمُ هَذَا الْخَمْسَ عِلْمًا  
لَدُنِّيَا ذَاتِيًّا وَلَا وَسِطَةً إِلَّا اللَّهُ فَالْعِلْمُ  
بِهَذَا الصِّفَةِ مِمَّا اخْتَصَّ اللَّهُ بِهِ وَأَمَّا  
بِوَسِطَةٍ فَلَا يَخْتَصُّ بِهِ

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان پانچ باتوں کو ذاتی  
طور پر بلا واسطہ تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا پس  
اس طرح کا علم خدا سے خاص ہے لیکن علم بالواسطہ  
وہ خدا سے خاص نہیں۔

فتوحات دہلیہ شرح اربعین نووی میں فاضل ابن عطیہ فرماتے ہیں۔

الْحَقُّ كَمَا قَالَ جَمْعٌ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يَقْبِضْ نَبِيَّتَنَا  
عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى أَطْلَعَهُ عَلَى كُلِّ مَا أُرَاهُمْ  
عُنْهُ إِلَّا أَنَّهُ أَمْرٌ بِيَكْتُمُ بَعْضُ دَالِ الْإِعْلَامِ بِبَعْضٍ

حق وہ ہی ہے جو ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ نے حضور  
علیہ السلام کو وفات نہ دی یہاں تک کہ پوشیدہ چیزوں پر خبردار کر دیا  
لیکن بعض کے چھپانے اور بعض کے بتانے کا حکم دیا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب لبان محدثین صفحہ ۱۱ میں فرماتے ہیں نقل می کند کہ والد شیخ ابن حجر از فرزند زینت

کبیدہ خاطر حضور شیخ رسید۔ شیخ فرمود کہ از ایشیت تو فرزندے خواہد آمد کہ بعلم خود دنیا را پر کند

نقل ہے کہ شیخ ابن حجر کے والد کا کوئی بچہ نہ جینا تھا۔ مولیٰ دل ہو کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے شیخ نے فرمایا کہ تمہاری پشت سے ایسا فرزند ہو گا کہ اپنے علم سے دنیا کو بھر دے گا۔

یہاں تک تو علوم خمسہ کے نقلی دلائل تھے۔ اسکی عقلی دلیل یہ ہے کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا علم تمام مخلوق سے زیادہ ہے۔ جس کا حوالہ ہم محمد بن الناس سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی کو ان پانچ چیزوں کا علم دیا گیا یا نہیں۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ شکم مادر میں پتھر بننے کا ذکر فرماتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

ثُمَّ يَبْعَثُ اللَّهُ إِلَيْهِ مَلَكًا بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ  
فَيَكْتُبُ عَمَلَهُ وَاجْلَهُ وَرِزْقَهُ وَشَقِيَّتَهُ  
أَوْ سَعِيدَتَهُ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ

یعنی پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ کو چار باتیں بتا کر بھیجتا ہے  
وہ فرشتہ لکھ جاتا ہے اسکا عمل اسکی موت اس کا رزق  
اور یہ کہ نیک نجات ہے یا بد نجات پھر روح پھونکی جاتی ہے۔  
یہ ہی علوم خمسہ ہیں اور تمام موجودہ اور گذشتہ لوگوں کی یہ پانچ باتیں وہ فرشتہ کاتب تقدیر جانتا  
ہے مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

كَتَبَ اللَّهُ مَقَادِيرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ  
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ

اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے سچاس ہزار  
برس پہلے مخلوقات کی تقدیریں لکھ دیں۔

معلوم ہوا کہ لوح محفوظ میں علوم خمسہ ہیں۔ تو وہ ملائکہ جو لوح محفوظ پر مقرر ہیں اسی طرح انبیاء و اولیاء جن کی نظر لوح محفوظ پر رہتی ہے ان کو یہ علوم خمسہ حاصل ہوئے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اولاد آدم کی روحیں سیاہ و سفید رنگ میں دکھادی گئیں کہ سیاہ روحیں تو کافروں کی ہیں اور سفید مسلمانوں کی۔ معراج میں حضور علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ ان کے داہنے جانب سفید اور بائیں جانب سیاہ رنگ کی ارواح ہیں یعنی جنتی و دوزخی لوگ مومنوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور کفار کو ملاحظہ فرما کر ننگین۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الایمان بالقدر میں ہے۔ کہ ایک دن حضور علیہ السلام اپنے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں لیئے ہوئے مجمع صحابہ میں تشریف لائے۔ اور داہنے ہاتھ کی کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اس میں تمام جنتی لوگوں کے نام مع ان کے قبیلے کے ناموں کے ہیں۔ اور دوسری کتاب میں تمام دوزخیوں کے نام مع ان کے قبائل کے ہیں۔ اور آخر میں ان ناموں کا ٹول بھی لگا دیا گیا ہے کہ کل کتنے۔ اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے مناقب



میں فرمایا۔ الظَّاهِرُ مِنَ الْإِشَارَاتِ أَنَّهُمَا حَسِيَانِ وَقَبِيلَ تَمَثِيلٍ۔ اشارہ سے یہ ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ کتابیں دیکھنے میں آرہی تھیں۔ اسی مشکوٰۃ باب عذاب القبر میں ہے کہ جب مردہ نکیرین کے امتحان میں کامیاب یا ناکام ہوتا ہے تو نکیرین کہتے ہیں۔ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا إِيَّاهُمْ تَوَّابًا پہلے ہی سے جانتے تھے کہ تو یہ کہے گا۔ معلوم ہوا کہ نکیرین کو امتحان میت سے پہلے ہی سعادت اور شقاوت کا علم ہوتا ہے۔ امتحان تو فقط پابندی قانون یا معترض کا منہ بند کرنے کو ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی صالح آدمی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ تیرے پاس چند دن کا مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آئیو لا ہے اس سے جھگڑا نہ کر۔ مشکوٰۃ کتاب النکاح فی عشرة النساء معلوم ہوا کہ حور کو بھی خبر ہوتی ہے کہ اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے جنگ بدر میں ایک دن پہلے زمین پر نشان لگا کر فرمایا کہ یہاں فلاں کا ترمر سے گا اور یہاں فلاں۔ موت کی زمین کا علم ہوا مشکوٰۃ کتاب النکاح۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ علوم خمسہ کا علم اللہ نے بعض بندوں کو بھی دیا ہے۔ پھر حضور علیہ السلام کا علم ان سب کے علموں کو محیط تو کس طرح ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ حاصل نہ ہوں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ پانچ علوم عطائی حادث ہو کر خدا کی صفت نہیں۔ ورنہ کسی کو ان میں سے ایک بات کا بھی علم نہ ہوتا۔ عفت الہی میں شرکت نہ تو کلاً جائز نہ بعضاً۔ ان دلائل کے جواب انشاء اللہ مخالف سے نہ بن سکیں گے۔

اعترضوا بما يعلم تاديله الا الله۔ متشابہات آیات کی تادیل رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات آیات کا علم نہ تھا۔

جواب۔ اس آیت میں یہ کہاں فرمایا گیا کہ ہم نے متشابہات کا علم کسی کو دیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ الرَّحْمَنُ - عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ اپنے جیب کو رحمان نے قرآن سکھایا۔ جب رب نے سارا قرآن حضور کو سکھادیا تو متشابہات بھی سکھا دیئے۔ اسی لئے حنفی مذہب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام متشابہات کو جانتے ہیں ورنہ ان کا نازل کرنا بیکار ہوگا۔ شافعیوں کے نزدیک علماء بھی جانتے ہیں وہ وَاللَّسَّ اِسْمُحُونَ فِي الْعِلْمِ پر وقف کرتے ہیں۔ شوافع کے ہاں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ اور مضبوط علماء کے سوا کسی کو نہیں۔

## دوسری فصل

### نفی غیب کی احادیث کے بیان میں

مخالفین نفی غیب کے لیے بہت سی احادیث پیش کرتے ہیں ان سب کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ ان احادیث میں حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے رب نے فلاں چیز کا علم نہ دیا بلکہ کسی میں تو ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ کسی میں ہے مجھے کیا خبر کسی میں ہے کہ فلاں بات حضور علیہ السلام نے نہ بتائی۔ کسی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فلاں سے یہ بات پوچھی۔ اور یہ تمام باتیں علم کی نفی ثابت نہیں کرتیں۔ نہ بتانا یا پوچھنا یا اَللّٰهُ اَعْلَمُ فرمانا اور بہت سی مصلحتوں کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے بہت سی باتیں خدا نے بندوں کو نہ بتائیں۔ سوال کے باوجود مخفی رکھا۔ بہت سی چیزوں کے متعلق پروردگار عالم فرشتوں سے پوچھتا ہے کیا اس کو بھی علم نہیں۔ ایک حدیث صحیح قطعی الدلائل ایسی لاؤ جس میں عطاءئے علم غیب کی نفی ہو مگر انشاء اللہ نہ لاسکیں گے۔ یہ جواب نہایت کافی تھا۔ مگر پھر بھی ان کی مشہور احادیث عرض کر کے جواب عرض کرتا ہوں۔ **وَيَا لَللّٰهِ التَّوْفِیْقِ**؛

**اعتراض** را مشکوٰۃ باب اعلان النکاح کی پہلی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام ایک نکاح میں تشریف لے گئے جہاں انصار کی کچھ بچیاں دن بجا کر جنگ بدر کے مقتولین کے مرثیہ کے گیت گانے لگیں ان میں سے کسی نے یہ مصرع پڑھا۔

**وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ**؛ ہم میں ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ چھوڑ دو۔ وہ ہی گانے جاؤ جو پہلے گارہی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں تھا اگر ہوتا تو آپ ان کو یہ کہنے سے نہ روکتے۔ سچی بات سے کیوں روکا۔ **جواب**:- ادلاً تو غور کرنا چاہیے کہ یہ مصرع خود ان بچیوں نے تو بنایا ہی نہیں۔ کیونکہ بچیوں کو شعر بنانا نہیں آتا۔ اور نہ کسی کا فرد مشرک نے بنایا۔ کیوں کہ وہ حضور علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے تھے لامحالہ یہ کسی صحابی کا شعر ہے۔ بتاؤ وہ شعر بنانے والے صحابی معاذ اللہ مشرک ہیں یا نہیں؟ پھر حضور علیہ السلام نے نہ تو اس شعر بنانے والے کو برا کہا نہ شعر کی مذمت کی۔ بلکہ ان کو گانے سے روکا۔ کیوں روکا؟ چار وجہ سے ادلاً تو یہ کہ اگر کوئی ہمارے سامنے ہماری تعریف کرے۔ تو بطور انکسار کہتے ہیں۔ ارے میاں ایہ باتیں چھوڑو

وہ ہی باتیں کر دے۔ یہ بھی انصار فرمایا۔ دو دم یہ کہ کھیل کود وہ گانے بجانے کے درمیان نعت کے اشعار پڑھنے سے ممانعت فرمائی اس کے لیے ادب چاہیے۔ تیسرے یہ کہ غیب کی نسبت اپنی طرف کرنے کو ناپسند فرمایا۔ چوتھے یہ کہ مرثیہ کے درمیان نعت ہونا ناپسند فرمایا۔ جیسا کہ آج کل نعت خواں کرتے ہیں کہ نعت و مرثیہ کر ملا کر پڑھتے ہیں۔ مرتبہ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

لِكِرَامَتِهِ نَسَبَتْ عِلْمَ الْغَيْبِ إِلَيْهِ لَأَنَّهُ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّمَا يَعْلَمُ الرَّسُولُ مِنَ الْغَيْبِ مَا أَعْلَمَهُ أَوْ لِكِرَامَتِهِ أَنْ يُدْكَرَ فِي أَثْنَاءِ ضَرْبِ الدَّفِّ وَالثَّنَاءِ مَوْثِقَةٌ الْقَتْلَى لِعِلْمِهِ مَنْصِبِهِ عَنِ ذَلِكَ -

منع فرمایا علم کی نسبت اپنی طرف کرنے کو۔ کیونکہ علم غیب منزل کے سوا کوئی نہیں جانتا اور رسول وہ ہی غیب جانتے ہیں جو اللہ بتائے یا یہ ناپسند کیا کہ آپ کا ذکر دن بجانے میں یا مقتولین کے مرثیہ کے درمیان کیا جاوے کہ آپ کا ذکر اس سے اعلیٰ ہے۔

اشعۃ المعانی میں اسی حدیث کے ماتحت ہے

شارحین نے کہا ہے حضور علیہ السلام کا اس کو منع فرمانا اس لیے ہے کہ اس میں علم غیب کی نسبت حضور کی طرف ہے لہذا اگر ناپسند آئی اور بعض نے فرمایا کہ آپ کا ذکر شریف کھیل کود میں مناسب نہیں۔

مگفتہ اند کہ منع آنحضرت ازین قول بہت آں است کہ درو سے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت را نانویش آمد و بعضے گویند کہ بہت آں است کہ ذکر شریف دے در اثنا ہو مناسب نہ باشد۔

**اعتراف** (۱۲) مدینہ پاک میں انصار باغوں میں نرد درخت کی شلخ مارہ درخت میں لگاتے تھے تاکہ پھل زیادہ دے اس فعل سے انصار کو حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس کام کو عربی میں تلیق کہتے ہیں انصار نے تلیق چھوڑ دی۔ حد کی شان پھل گھٹ گئے اس کی شکایت سرکار عالم کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا۔

أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ | اپنے دنیاوی معاملات تم جانتے ہو۔  
معلوم ہوا کہ آپ کو یہ علم نہ تھا کہ تلیق روکنے سے پھل گھٹ جائیگی اور انصار کا علم آپ سے زیادہ ثابت ہوا۔  
جواب: حضور علیہ السلام کا فرمانا أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ اظہار ناراضی ہے کہ جب تم صبر نہیں کرتے تو دنیاوی معاملات تم جانو۔ جیسے ہم کسی سے کوئی بات کہیں اور وہ اس میں کچھ تامل کرے تو کہتے ہیں بھائی تو جان۔ اس سے نفی علم مقصود نہیں۔ شرح شفاء ملا علی قاری بحث معجزات میں فرماتے ہیں۔

وَحَصَّهُ اللَّهُ مِنَ الْإِطْلَاعِ عَلَى جَمِيعِ مَصَالِحِ | اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تمام دینی و دنیاوی

مسلختوں پر مطلع فرمانے سے خاص فرمایا اس پر ایسے اثر  
ہے کہ حضور نے انصار کو درختوں کی تلقیح کرتے ہوئے  
پایا تو فرمایا کہ تم اس کو چھوڑ دیتے تو اچھا تھا انہوں نے  
چھوڑ دیا تو کچھ پھل ہی نہ آیا یا ناقص آیا تو فرمایا کہ اپنے  
دنیاوی معاملات تم جانو۔ شیخ سنوسی نے فرمایا کہ  
آپ نے چاہا تھا کہ ان کو خلافت عادت کام کر کے  
باب توکل تک پہنچادیں۔ انہوں نے نہ مانا تو فرمایا  
کہ تم جانو۔ اگر وہ مان جائے اور در ایک سال نقصان  
برداشت کر لیتے تو اس محنت سے بچ جاتے۔

الدُّنْيَا وَالْدِّينَ وَاسْتَشْكَلَ بَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
وَجَدَ الْأَنْصَارَ يُلْقِحُونَ النَّخْلَ فَقَالَ لَوْ  
تَرَكَمُوهَا فَتَرَكَوهَا فَلَمْ يَخْرُجْ شَيْئًا أَوْ  
خَرَجَ شَيْئًا فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَا  
كُمْ قَالَ الشَّيْخُ السَّنُوسِيُّ أَرَادَ أَنْ يَحْمِلَهُمْ  
عَلَى خَرَقِ الْعَوَائِدِ فِي ذَلِكَ إِلَى بَابِ التَّوَكُّلِ  
وَأَمَّا هُنَاكَ فَلَمْ يَمْتَثِلُوا فَقَالَ أَنْتُمْ أَعْرَفٌ  
بِدُنْيَاكُمْ وَلَوْ أَمْتَثَلُوا وَتَحَمَّلُوا فِي سَنَةِ أَوْ  
سَنَتَيْنِ لَكَفَرُوا أَمْ هَذِهِ الْمُحْتَجَّةُ -

ملا علی تباری اسی شرح شفا جلد دوم صفحہ ۲۳۸ میں فرماتے ہیں۔

اگر وہ حضرات حضور کے فرمان پر ثابت ہوتے تو اس فن میں  
وقت لیجاتے اور ان سے اس تلقیح کی محنت دور ہو جاتی۔

وَلَوْ ثَبِتُوا عَلَى كَلَامِهِ أَفَأَتُوا فِي الْفَنِّ لَقَعَمَ  
عَنْهُمْ كَلْفَةَ الْمَعَالِجَةِ -

فصل الخطاب میں علامہ قیصری سے نقل فرمایا۔

حضور علیہ السلام کے علم سے زمین و آسمان میں ذرہ  
بھر چیز بھی پوشیدہ نہیں اگرچہ آپ فرماتے تھے  
کہ دنیاوی کام تم جانو۔

وَلَا يَغْرُبُ عَنْ عِلْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِثْقَالُ  
ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ مِنْ حَيْثُ مَرَّتْ  
وَأِنْ كَانَ يَقُولُ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ

حضرت یوسف علیہ السلام نے کبھی کاشتکاری نہ کی تھی اور نہ کاشتکاروں کی صحبت حاصل کی۔ مگر  
زمانہ قحط آنے سے پہلے حکم دیا کہ غلہ خوب کاشت کرو۔ اور فرمایا۔

فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُّوْهَا فِي سُنْبُلِهِ

یعنی گیہوں کی حفاظت کا طریقہ سکھایا۔ آج بھی غلہ کو بھوسے میں رکھ کر اس کی حفاظت کرتے ہیں ان کو

کھیتی باڑی کا خفیہ راز کس طرح معلوم ہوا؟ اور فرمایا۔

إِجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ  
عَلَيْمٌ -

مجھ کو زمین کے خزانوں پر مقرر کرو میں اس کا محافظ  
اور ہر کام جاننے والا ہوں۔

یہ ملکی انتظامات وغیرہ کس سے سیکھے؟ تو کیا حضور علیہ السلام کی دانائی اور حضور کا علم حضرت یوسف علیہ السلام سے بھی کم ہے۔ معاذ اللہ۔

**اعتراف** (۳) ترمذی کتاب التفسیر سورہ انعام میں ہے کہ حضرت مسروق عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دیکھا یا کسی شئی کو چھپا یا وہ جھوٹا ہے۔

وَمَنْ ذَعَمَ أَنَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي غَيْدٍ فَقَدْ أَعْظَمَ  
الْفِرْيَةَ عَلَى اللَّهِ۔

اور جو کہے کہ حضور علیہ السلام کل کی بات جانتے ہیں اُس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔

**جواب:** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ تینوں باتیں اپنے ظاہری معنی پر نہیں ہیں آپ کے یہ قول اپنی رائے سے ہیں۔ اس پر کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیات سے استدلال فرماتی ہیں رب تعالیٰ کو دیکھنے کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت پیش فرمائی۔ اور اب تک جمہور اہل اسلام اس کو مانتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو اس کی تحقیق مدارج اور نسیم الریاض وغیرہ میں ہماری کتاب شان حبیب الرحمن سورہ والنجم میں۔ اسی طرح صدیقہ کا فرمانا کہ حضور علیہ السلام نے کوئی چیز نہ چھپائی۔ اس سے مراد احکام شرعیہ تبلیغیہ ہیں۔ درتہ بہت سے امرا الہیہ پر لوگوں کو مطلع نہ فرمایا۔

مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو حضور علیہ السلام سے دو قسم کے علوم ملے۔ ایک وہ جس کی تبلیغ کر دی۔ دوسرے وہ کہ اگر تم کو بتاؤں تو تم میرا گلا کاٹو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امرا الہیہ نامحرم سے چھپائے گئے۔ اسی طرح صدیقہ کا یہ فرمان کہ کل کی بات حضور

علیہ السلام نہیں جانتے تھے۔ اس سے مراد ہے بالذات نہ جاننا اور نہ صدقہ اس حدیث اور قرآنی آیات کی مخالفت لازم آدے گی۔ حضور علیہ السلام نے قیامت کی، دجال کی، امام مہدی کی اور حوض کوثر کی شفا بلکہ امام حسین کی شہادت کی۔ جنگ بدر ہونے سے پیشتر کفار کے قتل کی۔ اور عجب قتل کی خبر دی۔ نیز اگر صدیقہ رضی اللہ عنہما کے فرمان کے ظاہری معنی بھی کیے جاویں تو مخالفین کے بھی تو خلافت ہے کہ وہ بھی بہت سے غیوب کا علم مانتے ہیں اور اس میں بالکل نفی ہے۔ مجھے آج یقین ہے کہ کل خجستہ ہوگا۔ سورج نکلے گا۔ ایلٹ آدے گی۔ یہ بھی تو کل کی بات کا علم ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معراج سیمانی کا بھی انکار فرمایا مگر یہ ہی کہا جاتا ہے کہ واقعہ معراج انکے نکاح میں آنے سے پیشتر کا ہے۔ جواب تک انکے علم میں نہ آیا تھا۔

**اعترض (۴)** صدیق اکبری کا ہارگم ہو گیا۔ جبکہ تلاش کر لیا گیا نہ ملا پھر اونٹ کے نیچے سے برآمد ہوا اگر حضور علیہ السلام کو علم تھا تو لوگوں کو اسی وقت کیوں نہ بتا دیا کہ ہار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ علم نہ تھا۔

**جواب:** اس حدیث سے نہ بتانا معلوم ہوا نہ کہ نہ جاننا اور نہ بتانے میں صدمہ یا حکمتیں ہوتی ہیں حضرات صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب دریافت کیا۔ رب تعالیٰ نے نہ بتایا تو کیا خدائے پاک کو بھی علم نہیں؟ مرضی الہی یہ تھی، کہ صدیق کا ہارگم ہو، مسلمان اس کی تلاش میں یہاں تک جاویں ظہر کا وقت آجادے پانی نہ ملے۔ تب حضور علیہ السلام سے عرض کیا جادو سے کہ اب کیا کریں تب آیت تیمم نازل ہو جس سے حضرت صدیق کی عظمت قیامت تک کے مسلمان معلوم کر لیں کہ ان کی طفیل ہم کو تیمم کا حکم ملا۔ اگر اسی وقت ہار بتا دیا جاتا۔ تو آیت تیمم کیوں نازل ہوتی۔ رب کے کام اسباب سے ہوتے ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ جو آنکھ قیامت تک کے حالات کو مشاہدہ کرے۔ اس سے اونٹ کے نیچے کی چیز کس طرح مخفی رہے۔ شان محبوب علیہ السلام پہچاننے کی خدا تو فریق دے۔

**اعترض (۵)** مشکوٰۃ باب الخوض والشقاء میں ہے۔

خوض پر ہمارے پاس کچھ تو میں اٹنگی جنگو ہم پہچانتے ہیں اور وہ ہم کو پہچانتے ہیں پھر ہمارے اور ان کے درمیان آر کر دی جادو سے گی ہم کہیں گے کہ یہ تو ہمارے لوگ ہیں تو کہا جادو کا آپ نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کیے پس ہم فرمائیں گے دوری ہو دوری ہو اس کو جو میرے بعد دین بدلے۔

لِيُرِدَنَّ عَلَيَّ اَدْوَامٌ اَغْرَفْتُهُمْ وَيَغِيْرُ فُوْسِي  
ثُمَّ يَحَالُ مِيْنِيْ دَبِيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ  
اِنَّهُمْ مِيْنِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِى  
مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ  
سُحْقًا سُوْحَقًا لِمَنْ غِيْرِيْ

بَعْدِي

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو قیامت میں بھی اپنے پرانے اور مومن و کافر کی پہچان نہ ہوگی

کیونکہ آپ مرتدین کو فرمائیں گے کہ یہ میرے صحابہ ہیں اور ملائکہ عرض کریں گے کہ آپ نہیں جانتے۔

**جواب:** حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے اور نہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کہ ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لیے ہوگا۔ ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں

تک آنے ہی کیوں دیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جہنمی کافر سے کہا جادو سے گا۔

عذاب چکھ۔ تو تو عزت کرم والا ہے۔

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ هَذَا رَبِّيَ مِيرَابٌ هِيَ۔

پھر غور کی بات تو یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں  
 اَعْرِضْهُمْ سَمَّانٌ كَوْ سَمَّانٍ هِيَ، کیا اس دن بھول جائیں گے؟ نیز قیامت کے دن مسلمانوں کی چند  
 علامات ہوں گی۔ اعضاء و منوكا پمكنا، چہرہ انورانی ہونا يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهُ وَاَسْوَدُ وُجُوهُ وَا  
 ہاتھ میں نامہ اعمال کا ہونا۔ پیشانی پر سجدہ کا داغ ہونا۔ (دیکھو مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ) اور کفار کی علامت  
 ہوگی ان کے خلاف ہونا۔ اور ان لوگوں کو ملائکہ کا روکنا۔ ان کی ازبندگی کی خاص علامت ہوگی جو آج بیان ہو  
 رہی ہے۔ پھر کیا دجہ ہے کہ اتنی علامات کے ہوتے ہوئے حضور ان کو نہ پہچانیں۔ نیز آج تو حضور علیہ الصلوٰۃ  
 والسلام نے جنتی و جہنمی لوگوں کی خبر دے دی۔ عشرہ مبشرہ کو بشارت دی۔ دو کتا ہیں صحابہ کرام کو دکھادیں  
 جن میں جنتی اور جہنمی لوگوں کے نام ہیں دہاں نہ پہچاننے کے کیا معنی؟ حضور علیہ السلام کو خبر نہیں۔ رب  
 تعالیٰ فرماتا ہے۔ يُعْرِضُ الْمُجْرِمُونَ لِسِيَّاهُمْ نِيزَ فَرَمَاتَا هِيَ سِيَّاهُمْ فِي وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ  
 الشُّجُوْدِ مَعْلُومٌ ہوا کہ قیامت میں نیک و بد لوگوں کی علامات چہرہ پر ہوں گی۔

مشکوٰۃ باب المحض و الشفاء میں ہے کہ جنتی مسلمان جہنمی مسلمانوں کو نکلنے کے لئے جہنم میں جائیں گے  
 اور ان کی پیشانی کے داغ سجدہ دیکھ کر ان کو بل چکنے کے بعد نکالیں گے اور ان سے فرمایا جاوے گا۔

فَمَنْ وَّجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ  
 مِّنْ خَيْرٍ فَاَخْرِجُوْهُ۔  
 جس کے دل میں رائی کے برابر ایمان پاؤ۔ اس کو  
 نکالے جاوے۔

دیکھو جنتی مسلمان دوزخی مسلمان کے دل کے ایمان کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کس کے دل  
 میں کس درجہ کا ایمان ہے۔ دینار کے برابر یا ذرہ کے برابر۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چہرہ دیکھ کر علامات  
 دیکھ کر بھی خبر نہیں ہوتی کہ یہ مسلمان ہیں یا کافر۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

اعتراف ۲، بخاری جلد اول کتاب الجنائز میں حضرت اتم العلاء کی روایت ہے۔

وَاللّٰهُ مَا اَدْرِىْ دَا نَا سَ سُوْلُ اللّٰهِ مَا  
 خَدَا كِي قَسَمٍ مِّنْ نَّهْنِ جَانَا حَالَا لَمْكَةِ مِّنْ اللّٰهِ كَارِ سُوْلٍ  
 کہ میرے ساتھ کیا کیا جاوے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی بھی خبر نہ تھی کہ قیامت میں مجھ سے کیا معاملہ ہوگا۔  
 جواب :- اس جگہ علم کی نفی نہیں۔ بلکہ درایت کی نفی ہے۔ یعنی میں اپنے اکل و قیاس سے نہیں جانتا

کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ اس کا تعلق وحی الہی سے ہے تو اے ام العلاء تم جو عثمان ابن مظعون کے جنتی ہونے کی گواہی محض قیاس سے دے رہی ہو یہ معتبر نہیں۔ اس غیب کی خبروں میں تو انبیاء کرام بھی قیاس نہیں فرماتے۔ درنہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ ہم اولاد آدم کے سرساز ہیں اس روز لو او الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم و آدمیان ہمارے جھنڈے کے نیچے ہونگے ان کی مطابقت کس طرح کی جا دے گی۔

**اعتراف** (۶) بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب حدیث انک میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگی۔ آپ اس میں پریشان تو رہے مگر بغیر وحی آئے ہوئے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تہمت صحیح ہے یا غلط اگر علم غیب ہوتا تو پریشانی کیسی؟ اور اتنے روز تک خاموشی کیوں فرمائی۔

**جواب**۔ اس میں بھی نہ بتانا ثابت ہے نہ کہ نہ جاننا۔ نہ بتانے سے نہ جاننا لازم نہیں آتا۔ خوردب نے بھی بہت روز تک ان کی عصمت کی آیات نہ اتاریں تو کیا رب کو بھی خبر نہ تھی نیز بخاری کی اسی حدیث میں ہے۔

مَا عَلِمْتُ عَلَىٰ أَهْلِي إِلَّا خَيْرًا  
میں اپنی بیوی کی پاکدامنی ہی جانتا ہوں۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ہے، وقت سے پہلے اظہار نہیں اور یہ تو ہو سکتا ہی نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ پر بدگمانی ہوئی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو عتاباً فرمایا۔

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ أَطَقْنَ الْهُمُومُونَ وَاللَّوْمُونَ  
یعنی مسلمان مردوں و عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور فوراً کیوں نہ کہا کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے

پتہ لگا کہ نزول برات سے پہلے ہی مسلمانوں پر نیک گمانی واجب اور بدگمانی حرام تھی اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام آقا سے معصوم ہیں۔ تو آپ بدگمانی ہرگز نہیں فرما سکتے۔ ہاں آپ کا فوراً یہ فرمانا **إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ** آپ پر واجب نہ تھا کیونکہ آپ کے گھر کا معاملہ تھا۔ رہی پریشانی اور اتنا سکوت، یہ کیوں ہوا؟ پریشانی کی وجہ معاملہ لاعلمی نہیں ہے۔ اگر کسی عورت و عظمت دے کو غلط الزام لگا دیا جاوے اور وہ خود جانتا بھی ہو کہ یہ الزام غلط ہے۔ پھر بھی اپنی بدنامی کے اندیشہ پر پریشان ہوتا ہے لوگوں میں اس افواہ کا پھیلنا ہی پریشانی کا باعث ہوا۔ اگر آیات کے نزول کا انتظار نہ فرمایا جاتا۔ اور پہلے ہی سے عصمت کا اظہار فرمایا جاتا تو منافقین

کہتے کہ اپنی اہل خانہ کی حمایت کی۔ اور مسلمانوں کو تہمت کے مسائل نہ معلوم ہوتے اور پھر مقدمات کی تحقیقات کرنے کا طریقہ نہ آتا اور صدیقہ اکبر لے کو صبر کا وہ ثواب نہ ملتا جو اب ملا۔ اس تاخیر میں صدیقہ اکبر



ہیں۔ اور یہ تو مسئلہ عقائد کا ہے کہ نبی کی بیوی بدکار نہیں ہو سکتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ  
لِلْخَبِيثَاتِ -

گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے ہیں اور  
گندے مرد گندی عورتوں کے لئے۔

اس گندی سے مراد گندی زنا ہے۔ یعنی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی۔ ہاں کافرہ ہو سکتی ہے کہ کفر سخت جرم ہے۔ مگر گھنونی چیز نہیں۔ ہر شخص اس سے عار نہیں کرتا اور زنا سے ہر طبیعت نفرت اور عار کرتی ہے اسی لئے ایسا کی بیوی کو کبھی خواب میں احتلام نہیں ہوتا۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الغسل کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر تعجب فرمایا کہ عورت کو بھی احتلام ہوتا ہے۔ اور اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں بھی ہے۔ تو کیا حضور علیہ السلام کو عقیدے کا یہ مسئلہ بھی معلوم نہیں تھا کہ صدیقہ سیدالانبیاء کی زوجہ پاک ہیں ان سے یہ قصور ہو سکتا ہی نہیں۔ نیز رضی الہی یہ مثنیٰ کہ محبوبہ محبوب علیہ السلام کی عصمت کی گواہی ہم براہ راست دین اور قرآن میں یہ آیات اتار کر قیامت تک کے مسلمانوں سے تمام دنیا میں ان کی پاکدامنی کے خطبے پڑھو الین کہ نمازی نمازوں میں ان کی عفت کے گیت گایا کریں اب اگر حضور علیہ السلام خود ہی بیان فرمادیتے تو یہ خبریاں حاصل نہ ہوتیں غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا۔

لطف یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے تہمت لگائی۔ تورب تعالیٰ نے ان کی صفائی خود بیان نہ فرمائی بلکہ ایک شیر خوار بچے کے ذریعہ چاکدامنی سے پاکدامنی ظاہر فرمادی۔ حضرت مریم کو تہمت لگی۔ تو شیر خوار روح اللہ سے ان کی عصمت ظاہر کی۔ مگر محبوب علیہ السلام کی محبوبہ زوجہ کو الزام لگا تو کسی بچہ یا فرشتہ سے عصمت کی گواہی نہ دلوائی گئی۔ بلکہ یہ گواہی خود خالق نے دی اور اس گواہی کو قرآن کا جزد بنایا۔ تاکہ یہ گواہی ایمان کارکن بنے اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت کا پتہ چلے۔

تنبیہ، ایک جہل ہے ایک نسیان ایک ذہول۔ جہل نہ جاننا ہے۔ نسیان جہان کر حافظہ سے نکل جانا۔ ذہول یہ ہے کہ کوئی چیز حافظہ میں ہو مگر ادھر توجہ نہ رہے۔ ایک شخص نے قرآن نہ پڑھا دوسرے نے حفظ کر کے بھلا دیا۔ تیسرا شخص حافظہ کامل ہے۔ اگر کسی دقت کوئی آیت اُس سے پوچھی بتانہ سکا۔ توجہ نہ رہی۔ پہلا تو قرآن سے جاہل۔ دوسرا ناسی، تیسرا ذاہل، نہوا، انبیائے کرام کو بعض دقت



درجات کا سبب تھا۔ لہذا ان کا یہ ردنا حضرت یوسف سے بے خبری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ الحجاۃ ذمیرۃ  
الحقیقۃ منہوی میں ہے۔

عشق لیا نیست این کار نیست • حسن لیا عکس رخسار نیست

خوش بیاید نالہ شب ہائے تو • ذوقہا دارم بیار بہائے تو

بنیامین کو مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک حیلہ سے روک لیا۔ بھائیوں نے اگر قسم  
کھائی اور قافلے والوں کی گواہی پیش کی کہ بنیامین مصر میں شاہی قیدی بنائے گئے مگر فرمایا۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا • کہ تمہارے نفس نے تمہیں حیلہ سکھا دیا۔

یعنی یوسف کو بھی مجھ سے میری اولاد نے ہی جدا کیا اور بنیامین کو بھی، میری اولاد یعنی حضرت

یوسف نے حیلہ ہی سے روکا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل واقعہ کی خبر ہے۔ پھر بظاہر مصر میں یعقوب  
علیہ السلام کے دو فرزندہ گئے تھے ایک تو بنیامین دوسرے یہودا۔ مگر فرماتے ہیں۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا • قریب ہے کہ ان دونوں کو مجھ سے ملائے۔

تین کون تھے؟ تیسرے حضرت یوسف علیہ السلام ہی تو تھے۔ جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام

کو گھر میں بند کر کے بری خواہش ظاہر کرنا چاہی تو اس بند مکان میں یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف

کے پاس پہنچے اور دانت تلے انگلی دبا کر اشارہ کیا کہ ہرگز نہیں۔ اسے فرزند یہ کام تمہارا نہیں ہے کہ تم نبی

کے بیٹے ہو جس کو قرآن فرماتا ہے وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا

أَنْ شِئِي بَوَّهَانَ مِنْ يَبِ • وہ بھی زیننا کا قصد کر بیٹھے اگر رب کی واپس نہ  
دیکھ لیتے۔

یہ بھی خیال رہے کہ برادران یوسف علیہ السلام نے خبر دی کہ ان کو بھیر پٹیا کھا گیا اور آپ کو قیص اور

بھیر پیٹے کی خبر سے ان کا جھوٹا ہونا معلوم ہو گیا تھا کہ بھیر پیٹے نے عرض کیا تھا کہ ہم پر انبیار کا گوشت حرام

ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان سورہ یوسف۔ پھر آپ اپنے فرزند کی تلاش میں جنگل کیوں نہ گئے؟

معلوم ہوا کہ باختر تھے مگر راز دار تھے، جانتے تھے کہ فرزند سے مصر میں ملاقات ہوگی۔ اسی طرح یوسف علیہ

السلام کو بہت سے موقع ملے، مگر والد کو اپنی خبر نہ دی۔ معلوم ہوا کہ حکم کا انتظار تھا کہ نمان سے بیٹھے

ہوتے یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں کی ایک ایک بات کو دیکھ لیں۔ مگر حضور علیہ السلام اپنی طبیعت

ظاہرہ صدیق کی بیٹی حضرت صدیق کے حالات سے بے خبر ہوں۔ مگر جو رب کہ انکو اتنا علم دیتا ہے طاقت



کا وقت آیا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بندے کی شان ہے ابراہیم علیہ السلام تو مرضی الہی پا کر فرزند پر چھڑی لے کر تیار ہو گئے کیا یہ بے گناہ پر ظلم تھا؟ نہیں بلکہ رضائے مولیٰ پر رضا تھی۔ اچھا بتاؤ رب تعالیٰ کو تو خبر تھی کہ گوشت میں زہر ہے۔ اور میرے معونہ والے ان ستر کو شہید کر دیں گے۔ اس نے وحی بھیج کر کیوں نہ روک دیا۔ اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔

## تیسری فصل

### علم غیب کے خلاف عبارات فقہاء کے بیان میں

اعترض (۱) قتادہی قاضی خاں میں ہے۔

کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا تو مرد اور عورت نے کہا کہ سہم نے خدا اور رسول کو گواہ کیا تو لوگوں نے کہا ہے کہ یہ قول کفر ہے کیونکہ اس نے اعتقاد کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام غیب جانتے ہیں حالانکہ آپ تو غیب زندگی میں نہ جانتے تھے چہ جائیکہ موت کے بعد

رَجُلٌ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ شَهِيدٍ فَقَالَ الرَّجُلُ دَ الْمَرْءَةُ خَدَا اور رسول را گواہ کریدم قالوا ايكون كفرا الا انه اعتقد ان رسول الله عليه السلام يعلم الغيب وهو ما كان يعلم ما الغيب حين كان في الحيوة فكيف بعد الموت

اعترض (۲) شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

حنفیوں نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ یہ اعتقاد کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے تھے کفر ہے کیونکہ یہ عقیدہ خدائے پاک کے اس فرمان کے خلاف ہے کہ فرما دو آسمانوں اور زمین کا غیب خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وذكر الحنفية تصریحاً بالتكفير باعتقاد ان النبي عليه السلام يعلم الغيب لِعَادِ وَصِهِ قَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا کفر ہے۔

جواب :- ان دونوں عبارتوں کا اجمالی اور الزامی جواب تو یہ ہے کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام

کو بعض علم غیب مانتے ہیں۔ لہذا وہ بھی کافر ہوتے کیونکہ ان عبارتوں میں کُلُّ یا بعض کا تو ذکر نہیں بلکہ یہ ہے کہ جو بھی حضور کو علم غیب مانے وہ کافر ہے۔ خواہ ایک کامانے یا زیادہ کا۔ تو وہ بھی خیر مناس میں مولوی



فِي كِتَابِ الْعَقَائِدِ أَنَّ مِنْ جُمْلَةِ كَرَامَاتِ  
الْأَوْلِيَاءِ الرِّاطِلَاءِ عَلَى بَعْضِ الْمُغَيَّبَاتِ

ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات میں سے، بعض  
غیبوں پر مطلع ہونا بھی ہے۔

شامی باب المرتدین میں مسند بزاز پر ذکر فرما کر فرمایا۔

حَاصِلُهُ أَنَّ دَعْوَى الْغَيْبِ مَعَارِضَةٌ لِنَقْضِ  
الْقُرْآنِ كَيْفَرُهَا إِلَّا إِذَا اسْتَدْرَكَ صَرِيحًا  
أَوْ دَلَالَةً إِلَى سَبَبِ كُوْحِي أَوْ الْهَامِ -

اس کا خلاصہ یہ ہے دعویٰ علم غیب نص قرآنی کے  
خلاف ہے کہ اس سے کافر ہوگا مگر جبکہ اس کو صریح  
یا دلالت کسی سبب کی طرف نسبت کرے جیسے کہ وحی یا الہام

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق - اور خزائنہ الروات میں ہے۔

وَفِي الْمَضْمُونِ الصَّحِيحِ أَنَّهُ لَا يَكْفُرُ  
لِأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ وَيُعْرَضُ  
عَلَيْهِمُ الْأَشْيَاءُ فَلَا يَكُونُ كُفْرًا -

مضمرات میں ہے صحیح یہ ہے کہ وہ شخص کافر نہ ہوگا  
کیونکہ انبیائے کرام غیب جانتے ہیں اور ان پر چیزیں  
پیش کی جاتی ہیں۔ پس یہ کفر نہ ہوگا۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عقیدہ علم غیب پر فتوے کفر لگانا غلط ہے۔ بلکہ فقہاء کا بھی عقیدہ  
ہے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب دیا گیا۔

ملا علی قاری کی عبارت پوری نقل نہیں کی۔ اصل عبارت یہ ہے جو مطلب واضح کرتی ہے۔

ثُمَّ أَعْلَمَ أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يَعْلَمُوا الْمُغَيَّبَاتِ  
مِنَ الْأَشْيَاءِ إِلَّا مَا أَعْلَمَهُ اللَّهُ وَذَكَرَ  
الْحَنْفِيَّةُ تَصْرِيحًا بِالتَّكْفِيرِ بِالْحُجْجِ

پھر جان کر انبیائے کرام غیب چیزوں کو نہیں جانتے  
سوائے اس کے جو انکو اللہ نے بتاویں اور حنفیوں نے  
کفر کا تصریح کی جو نبی علیہ السلام کو علم غیب بتانے الخ

اب پورا مطلب معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کو علم غیب ذاتی ماننے کو ملا علی قاری کفر فرماتا ہے،  
نہ کہ عطا۔ کیونکہ عطا کو تو مان رہے ہیں اور پھر ان کی عبارتیں ہم ثبوت علم غیب میں پیش کر  
چکے ہیں کہ ملا علی قاری حضور علیہ السلام کو تمام ممالک و دیوبند کا علم مانتے ہیں۔

## چوتھی فصل

علم غیب پر عقلی اعتراضات کے بیان میں

اعتراض ۱۱) علم غیب خدا کی صفت ہے اس میں کسی کو شریک نہ کرنا شرک فی الصفت ہے۔

لہذا حضور علیہ السلام کو علم غیب ماننا شرک ہے۔

**جواب:** غیب جاننا بھی خدا کی نعمت ہے حاضر چیزوں کا جاننا بھی خدا کی صفت ہے۔

عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اسی طرح سنا دیکھنا زہ ہونا سب خدا کی صفات ہیں۔ تو اگر کسی کو حاضر چیز کا علم مانا یا کسی کو سمیع یا بصر یا حی مانا ہر طرح شرک ہوا۔ فرق یہ ہی کیا جاتا ہے کہ ہمارا سنا دیکھنا زندہ رہنا خدا کے دینے سے ہے اور حادث ہے۔ خدا کی یہ صفات ذاتی اور قدیم پھر شرک کیسا؟ اسی طرح علم غیب نبی عطا ہوا اور حادث اور متناہی ہے۔ رب کا علم ذاتی قدیم اور کل معلومات غیر متناہی کا ہے نیز یہ شرک تو تم پر بھی لازم ہے۔ کیونکہ تم حضور علیہ السلام کے لیے علم غیب مانتے ہو بعض ہی کا سہی۔ اور خدا کی صفت میں کلاً و بعضاً ہر طرح شریک کرنا شرک ہے۔ نیز مؤدب، حسین علی صاحب دامن پھر والے جو مولوی رشید احمد صاحب کے خاص شاگرد ہیں۔ اپنی کتاب بلقہ الحیران زیر آیت یَعْلَمُ مُسْتَقَرًّا هَذَا وَمُسْتَوْدَعًا هَا كُلُّ نَفْسٍ مَّبِينٍ میں لکھتے ہیں کہ خدا کو ہر وقت مخلوقات کے اعمال کا علم نہیں ہوتا۔ بلکہ بندے جب اعمال کر لیتے ہیں۔ تب علم ہوتا ہے۔ اب تو علم غیب خدا کی صفت رہی ہی نہیں۔ پھر کسی کو علم غیب ماننا شرک کیوں ہوگا۔

**اعترض (۳)** حضور علیہ السلام کو علم غیب کب حاصل ہوا۔ تم کبھی تو کہتے ہو کہ شب معراج منہ میں نظر چمکایا گیا اس سے علم غیب ملا اور کبھی کہتے ہو کہ خواب میں رب کو دیکھا کہ اس نے اپنا دست قدرت حضور علیہ السلام کے شانہ پر رکھا۔ جس سے تمام علوم حاصل ہوئے۔ کبھی کہتے ہو کہ قرآن تمام چیزوں کا بیان ہے۔ اس کے نزول ختم ہونے سے علم غیب ملا۔ اس میں کونسی بات درست ہے۔ اگر نزول قرآن سے پہلے علم چمکا تھا تو قرآن سے کیا ملا۔ تحصیل حاصل محال ہے۔

**جواب:** حضور علیہ السلام کو نفس علم غیب تو ولادت سے پہلے ہی عطا ہو چکا تھا کیونکہ آپ ولادت سے قبل عالم ارواح میں نبی تھے۔ کُنْتُ نَبِيًّا ذَا اَدَمُ بَيْنَ الطَّيْنِ وَالْمَاءِ اور نبی کہتے ہی اس کو میں جو غیب کی خبر رکھے مگر ماکان دبا کیوں کی تکمیل شب معراج میں ہوئی۔ لیکن یہ تمام علوم شہودی تھے کہ تمام اشیاء کو نظر سے مشاہدہ فرمایا۔ پھر قرآن نے ان ہی دیکھی ہوئی چیزوں کا بیان فرمایا اسی لیے قرآن میں ہے۔ تَبَيَّنَا نَا كَلِمًا شَيْءًا هَرَجِيرًا كَابِيَانٍ اور معراج میں ہوا فَتَجَلَّى لِي كَلِمًا شَيْءًا وَعَرَفْتُ دِكْحَانًا اور ہے بیان کچھ اور۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر ان کو تمام چیزیں دکھادیں۔ بعد میں



ان کے نام بتائے۔ وہ مشابہ تھا اور یہ بیان۔ اگر چیزیں دکھائی نہ گئی تھیں تو ثَمَّ عَرَضَهُمْ وَعَلَى الْمَلَائِكَةِ كَيْفَ مَعْنَى ہوں گے۔ یعنی پھر ان چیزوں کو ملائکہ پر پیش فرمایا لہذا دونوں قول صحیح ہیں کہ معراج میں بھی علم ہوا۔ اور قرآن سے بھی۔ اگر کہا جادے کہ پھر نزول قرآن سے فائدہ کیا سب باتیں تو پہلے ہی سے حضور کو معلوم تھیں۔ بتائی جاتی ہے نامعلوم چیز۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نزول قرآن صرف حضور علیہ السلام کے علم کے لیے نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ہزاروں دیگر فائدے ہوتے ہیں مثلاً یہ کہ کسی آیت کے نزول سے پہلے اس کے احکام جاری نہ ہوں گے۔ اس کی تلاوت وغیرہ نہ ہوگی اگر نزول قرآن حضور علیہ السلام کے علم کے لیے ہے تو بعض سورتیں دو بار کیوں نازل ہوئیں۔

تفسیر مدارک میں ہے۔ فَاتَّخَذَ الْكِتَابَ مَكِّيَّةً وَ قِيلَ مَدَنِيَّةً وَالْأَصَحُّ أَنَّهَا مَكِّيَّةٌ وَمَدَنِيَّةٌ نَزَلَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ نَزَلَتْ بِالْمَدِينَةِ۔  
سورۃ فاتحہ کی ہے اور کہا گیا ہے کہ مدنی ہے۔  
اور صحیح تریہ ہے کہ یہ کی بھی ہے اور مدنی بھی اولاً  
مکہ میں نازل ہوئی پھر مدینہ میں۔

مشکوٰۃ حدیث معراج میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو شب معراج میں پانچ نمازیں اور سورہ بقرہ کی آخری آیات عطا ہوئیں۔ اس حدیث کی مشرح میں ملا علی قاری نے سوال کیا کہ معراج تو مکہ معظمہ میں ہوئی اور سورہ بقرہ مدنی ہے۔ پھر اس کی آخری آیات معراج میں کیسے عطا ہوئیں؟ تو جواب دیتے ہیں۔

حَاصِلُهُ أَنَّهُ مَا دَقَّ تَكَرَّرَ الْوُحْيِ فِيهِ تَعْظِيمًا لَهُ وَاحْتِمًا مَالِ شَانِهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ فِي تِلْكَ اللَّيْلَةِ بِلَا دَاسِطَةِ جِبْرِيلَ۔  
خلاصہ یہ ہے کہ اس میں وحی مکرر ہوئی حضور علیہ السلام کی تعظیم اور آپ کے اہتمام شان کیلئے۔ پس اللہ نے اس رات بغیر واسطہ جبریل وحی فرمادی۔

اسی حدیث کے ماتحت لمعات میں ہے۔

نَزَلَتْ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ بِلَا دَاسِطَةٍ ثُمَّ نَزَلَ بِهَا جِبْرِيلُ فَأَثْبَتَ فِي الْقَصَا حِفْظَ۔  
شب معراج میں یہ آیات بغیر واسطہ کے اتریں پھر ان کو جبریل نے اتارا تو قرآن میں رکھی گئیں۔

بتاؤ کہ دوبار نزول کس لیے ہوا؟ حضور علیہ السلام کو تو پہلے نزول سے علم حاصل ہو چکا تھا۔ نیز ہر سال ماہ رمضان میں جبریل امین حضور علیہ السلام کو سارا قرآن سنانے لگتے۔ مقدمہ نور الانوار تعریف کتاب میں ہے۔  
لِأَنَّهُ كَانَ يَنْزِلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَفْعَةً وَاحِدَةً فِي كُلِّ شَهْرٍ رَمَضَانَ جُمْلَةً بِنَزُولِ كَيْفِ تَحْوَاهَا؛  
بلکہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کو تمام آسمانی کتابوں کا پورا علم تھا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ  
لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ  
وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ۔

یعنی اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارے وہ رسول  
آگئے جو تمہاری بہت سی چھپائی ہوئی کتاب کو ظاہر  
فرماتے ہیں اور بہت سے درگزر فرماتے ہیں۔

اگر حضور علیہ السلام کے علم میں ساری کتب آسمانی نہیں تو ان کا ظاہر فرمانا یا نہ فرمانا کیا معنی حقیقت  
یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اول ہی سے قرآن کے عارف تھے۔ مگر قرآنی احکام نزول سے قبل جاری نہ فرمائے  
اسی لیے بخاری کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے غار حرا میں پہلی بار اگر عرض کیا اِقْرءْ اَوْ  
پڑھئے یہ نہ عرض کیا کہ فلاں آیت پڑھیے اور پڑھو اسی سے کہتے ہیں جو جانتا ہو۔ حضور علیہ السلام نے

فرمایا مَا اَنَا بِفَكْرٍ میں نہیں پڑھنے والا میں تو پڑھانے والا ہوں۔ پڑھ تو پہلے ہی لیا ہے لوح محفوظ میں قرآن ہے اور  
حضور علیہ السلام کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔ آپ ولادت سے پہلے نبی صاحب قرآن ہیں۔ بغیر  
وحی کے نبوت کیسی؟ لہذا ماننا ہوگا کہ قبل ولادت ہی قرآن کے عارف ہیں۔ آج بھی بعض پتھے حافظ پیدا  
ہوتے ہیں حضرت عیسیٰ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اِنَا نَبِيُّ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ مجھے کتاب دی۔ معلوم ہوا  
کہ ابھی سے کتاب کو جانتے ہیں۔ بعض پیغمبروں کے لیے فرمایا اَتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ صَبِيًّا مِمَّنْ  
ہی سے علم و حکمت دی۔ حضور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کر کے امت کی شفاعت کی۔ حالانکہ سجدہ اور  
شفاعت حکم قرآنی ہے۔ حضور غوث پاک نے ماہ رمضان میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ یہ بھی حکم قرآنی ہے۔  
نور الانوار کے خطبہ میں غلق کی بحث میں ہے یعنی اِنَّا نَعْمَلُ بِالْقُرْآنِ كَمَا كَانَ جَبَلٌ لَّهُ مِنْ غَيْرِ تَكْلُفٍ  
معلوم ہوا کہ قرآن پر عمل کرنا حضور علیہ السلام کی پیدائشی عادت ہے ہمیشہ حلیمہ دانی کا اپک پستان پاک  
چوسا۔ دوسرا بھائی کے لیے چھوڑا۔ یہ عدل و انصاف بھی قرآنی حکم ہے۔ اگر ابتداء سے قرآن کے  
عارف نہیں تو یہ عمل کیسے فرما رہے ہیں۔ دیوبندیوں کا ایک مشہور اعتراض یہ بھی ہے کہ تمہاری پین  
آیتوں کے عموم سے لازم آتا ہے کہ حضور کا علم رب کے برابر ہو۔ مگر تم ان آیتوں میں قیامت تک  
کی قید لگاتے ہو مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں نہ تو قیامت کی قید ہے نہ ماکان و ما یكون کا ذکر۔ اور  
ایک دفعہ خاص ہونے سے آئندہ حضور کا دروازہ کھل جاتا ہے دیکھو کتب اصول۔ لہذا ہم ان  
آیتوں میں احکام شرعیہ کی قید لگاتے ہیں یعنی اس سے صرف شرعی احکام مراد ہیں۔ جواب اس کا  
یہ ہے کہ یہاں آیت میں تخصیص نہیں۔ بلکہ عقلی استثناء ہے کیونکہ رب کا علم غیر متناہی ہے مخلوق کا



یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ ہو یا اسی جسم سے ہو جو قبر میں مدفون یا کسی جگہ موجود ہے ان سب معنی کا ثبوت بزرگانِ دین کے لیے قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ہے۔

## پہلا باب

### حاضر و ناظر کے ثبوت میں

اس میں پانچ فصلیں ہیں

### پہلی فصل - آیات قرآنیہ سے ثبوت

(۱) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرًا جَاهِلِيًّا۔

اے نبی کی خبر میں بتانے والے بیشک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سنانا اور اللہ کی طرف اسکے حکم سے بلانا اور چمکانے والا آفتاب۔

شاہد کے معنی گواہ بھی ہو سکتے ہیں اور حاضر و ناظر بھی، گواہ کو شاید اس لیے کہتے ہیں کہ وہ موقع پر حاضر تھا۔ حضور علیہ السلام کو شاید یا تو اس لیے فرمایا گیا کہ آپ دنیا میں عالم غیب کی دیکھ کر گواہی دے رہے ہیں ورنہ سارے انبیاء گواہ تھے یا اس لیے کہ قیامت میں تمام انبیاء کی عینی گواہی دیں گے یہ گواہی بغیر دیکھے ہوئے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح آپ کا مبشر اور نذیر اور داعی الی اللہ ہونا ہے کہ سارے پیغمبروں نے یہ کام کیے مگر سن کر، حضور علیہ السلام نے دیکھ کر۔ اسی لیے معراج صرف حضور کو ہوئی۔ معراج منیر آفتاب کو کہتے ہیں وہ بھی عالم میں ہر جگہ ہوتا ہے گھر گھر میں موجود۔ آپ بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ اس آیت کے ہر کلمہ سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۲) وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الشَّرُّؤُ عَلَيْكُمْ شَهِدَاءَ

اور بات یونہی ہے کہ ہم نے تم کو سب امتوں میں افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان اور گواہ۔

(۳) فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تم کو ان سب گواہ نگہبان بنا کر لائیں۔

ان آیتوں میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن دیگر انبیاء کرام کی امتیں عرض کریں گی کہ ہم تک تیرے پیغمبروں نے تیرے احکام نہ پہنچائے تھے۔ انبیاء کرام عرض کریں گے کہ ہم نے احکام پہنچا دئے تھے اور اپنی گواہی کے لیے امت مصطفیٰ علیہ السلام کو پیش کریں گے ان کی گواہی پر اعتراض ہوگا کہ تم نے ان پیغمبروں کا زمانہ نہ پایا۔ تم بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہو؟ یہ عرض کریں گے کہ ہم سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا تب حضور علیہ السلام کی گواہی لی جاوے گی۔ آپ دو گواہیاں دیں گے ایک تو یہ کہ نبیوں نے تبلیغ کی۔ دوسری یہ کہ یہ میری امت والے قابل گواہی ہیں۔ بس مقدمہ ختم۔ انبیاء کرام کے حق میں ڈگری۔ اگر حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء کی تبلیغ اور آئینہ اپنی امت کے حالات کو خود چشم حق بین سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا تو آپ کی گواہی پر جرح کیوں نہ ہوئی؟ چلیں کہ امت کی گواہی پر جرح ہوئی تھی معلوم ہوا کہ یہ گواہی دیکھی ہوئی تھی اور پہلی سنی ہوئی۔ اس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوا۔ اس آیت کی تحقیق ہم بحث علم غیب میں کر چکے ہیں۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾  
وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔

اس آیت سے تین طرح حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ایک یہ کہ جَاءَكُمْ میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور علیہ السلام تشریف لائے جس سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام ہر مسلمان کے پاس میں اور مسلمان تو عالم میں ہر جگہ ہیں تو حضور علیہ السلام بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ دوم یہ فرمایا گیا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ تمہاری نفسوں میں سے ہیں یعنی ان کا آنا تم میں ایسا ہے جیسے جان کا قالب میں آنا کہ قالب کی رگ رگ اور رونگٹے رونگٹے میں موجود اور ہر ایک سے خبردار رہتی ہے۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر فعل سے خبردار ہیں۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جان  
ہیں مجھ میں لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ منائی ہے!

اگر آیت کے صرف یہ معنی ہوتے کہ وہ تم میں سے ایک انسان ہیں تو مِّنْكُمْ کافی تھا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ کیوں ارشاد ہوا؟ تیسرے یہ کہ فرمایا گیا عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ان پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے جس سے معلوم ہوا کہ ہماری راحت و تکلیف کی ہر وقت حضور کو خبر ہے تب ہی تو ہماری تکلیف سے

قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے ورنہ اگر ہماری خبر ہی نہ ہو تو تکلیف کیسی؟ یہ کلمہ بھی حقیقت میں اَنْفُسِكُمْ کا بیان ہے کہ جس طرح جسم کے کسی عضو کو دکھ ہو تو روح کو تکلیف اسی طرح تم کو دکھ درد ہو تو آقا کو لڑائی اس کرم کے قربان۔ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمادیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

۱۵) وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا وَاللَّهُ وَاسْتَحْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا إِلَهُهُ تَوَّابًا رَّحِيمًا

اس سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں کی بخشش کی سبیل صرف یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت مانگیں۔ اور حضور کرم کریمانہ سے شفاعت فرمادیں۔ اور یہ تو مطلب ہو سکتا نہیں کہ مدینہ پاک میں حاضر ہوں۔ ورنہ پھر ہم فقیر پر دسی گنہگاروں کی مغفرت کی کیا سبیل ہوگی۔ اور مالدار بھی عمر میں ایک دو بار ہی پہنچتے ہیں اور گناہ دن رات کرتے ہیں۔ لہذا تکلیف مَأْتُونَكَ الطَّائِفَاتُ ہوگی لہذا مطلب یہ ہوا کہ وہ تو تمہارے پاس موجود ہیں تم غائب ہو تم بھی حاضر ہو جاؤ کہ ادھر متوجہ ہو جاؤ نہ یار نزدیک تراز من بن است۔ دین عجیب ہیں کہ من از دے درم

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہیں۔

۱۶) وَمَا أَسْرَأْتُمْ سَلَكَ الْكَلْبُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ | اور ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کیلئے پھر فرماتا ہے دَرَّحْمَتِي دَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ | اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور رحمت جہانوں کو محیط۔ لہذا حضور علیہ السلام جہانوں کو محیط، خیال رہے کہ رب کی شان ہے رب العالمین۔ حبیب کی شان ہے رحمة للعالمین معلوم ہوا کہ اللہ جن کا رب ہے۔ حضور علیہ السلام اس کے لیے رحمت۔

۱۷) مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ أَنتَ | اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

یعنی عذاب الہی اس لیے نہیں آتا کہ ان میں آپ موجود ہیں اور عام عذاب تو قیامت تک کسی جگہ بھی نہ آدے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام قیامت تک ہر جگہ موجود ہیں۔ بلکہ روح البیان میں فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر سعید و شقی کے ساتھ رحمتے ہیں۔ اس کا ذکر تیسری فصل میں آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَعْلَمُو أَنَّنِي كُنتُمْ مَرَّسُونَ لِلَّهِ | جان لو کہ تم سب میں رسول اللہ تشریف فرما ہیں  
یہ تمام صحابہ کرام سے خطاب ہے، اور صحابہ کرام تو مختلف جگہ رحمتے تھے معلوم ہوا کہ حضور  
سب جگہ انکے پاس ہیں۔

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلِكُوتِ | اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں۔ ساری  
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ - | بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رب نے تمام عالم بچشم سر ملاحظہ کر دیا۔ حضور علیہ السلام کا درجہ ان سے اعلیٰ ہے لہذا ضروری ہے کہ آپ نے بھی عالم کو مشاہدہ فرمایا ہو۔ اس آیت کی تحقیق بحث علم غیب میں گذر گئی۔

(۹) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ | اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے  
بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ | ان ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔

(۱۰) أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادِ | کیا تم نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے قوم عاد کیا ساٹھ کیا کیا۔  
قوم عاد اور اصحاب فیل کا واقعہ ولادت پاک سے پہلے کا ہے مگر فرمایا جاتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ آتَىٰ  
نَدْيُكَا يَعْنِي دِيكَا هَبْ اَلْمَرْكُومِي كَبْ كَرَانِ كَرِيمِ كِفَارِ كَبَارِ مِي فَرَمَانِ مَبْ -

أَلَمْ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِثْلَ | کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی  
قَرْنٍ - | قومیں ہلاک کر دیں۔

کفار نے اپنے سے پہلے کفار کو ہلاک ہونے نہ دیکھا تھا۔ مگر فرمایا گیا کہ کیا نہ دیکھا انہوں نے تو اس  
کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ان کفار کے اجر طے ہوئے ملک اور تباہ شدہ مکانات کا دیکھنا مراد ہے  
اور چونکہ کفار مکہ اپنے سفروں میں ان مقامات سے گزرتے تھے اس لیے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ  
کر عبرت کیوں نہیں لے پڑتے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو ظاہر میں دنیا کی سیاحت فرمائی اور نہ قوم عاد وغیرہ  
کے اجر طے ہوتے ملکوں کو بظاہر دیکھا۔ اس لیے ماننا ہوگا کہ یہاں نور نبوت سے دیکھنا مراد ہے۔

(۱۱) قرآن کریم جگہ جگہ اذْ قَالَتْ رَبِّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ جِبۡلَآءَ مِثۡلَآءِ اُدۡۤاۡدٍ  
 قَالَ مُوسٰٓى لِقَوۡمِہٖ جِبۡلَآءَ مِثۡلَآءِ اُدۡۤاۡدٍ قَالَ رَبِّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ جِبۡلَآءَ مِثۡلَآءِ اُدۡۤاۡدٍ  
 نکالتے ہیں اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ اس واقعہ کو یاد کرو۔ اور یا وہ چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے سے دکھی بھالی ہو  
 ادھر توجہ نہ ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام گزشتہ واقعات حضور کے دیکھے ہوئے ہیں بلکہ الیٰہ  
 نے لکھا ہے کہ حضرت آدم کے سارے واقعات حضور علیہ السلام مشاہدہ فرما رہے تھے اس کا ذکر آگے آتا  
 ہے، اگر کوئی کہے کہ بنی اسرائیل سے بھی خطاب ہے وَاِذۡ نَجَّیۡنَاکُمۡ مِّنۡ اِلۡ فِرْعَوۡنَ اس وقت کو  
 یاد کرو جبکہ تم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی تھی۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودی اس زمانہ میں کہاں  
 تھے مگر مفسرین یہاں بھی اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ اذْ کَرۡۤیۡمِۡنِ  
 واقعات معلوم تھے۔ کتب تواریخ پڑھی تھیں۔ اس طرت ان کو متوجہ کیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے نہ کسی سے  
 پڑھانے کتب تاریخ کا مطالعہ فرمایا اور نہ کسی مورخ کی صحبت میں ہے، نہ تعلیم یافتہ قوم میں پرورش پائی اب  
 آپ کو بجز نور نبوت علم کا ذریعہ کیا تھا۔

(۱۲) اَلَّذِیۡۤ اٰذٰیۡۤ اِلٰہِۡۤ اٰلِہٖۡۤ اٰوۡۤمِۡنِیۡنِۤ مِّنۡۤ اَنْفُسِہِمۡ  
 مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تخریر الناس صفحہ ۱۱۱ میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اذلی  
 کے معنی قریب تر ہیں۔ تو آیت کے معنی ہوئے نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں  
 سب زیادہ قریب ہم سے ہماری جان اور جان سے بھی قریب نبی علیہ السلام میں اور زیادہ قریب  
 چیز بھی چھپی رہتی ہے۔ اسی زیادتی قرب کی وجہ سے آنکھ سے نظر نہیں آتے۔

تنبیہ :- اس جگہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم مقلد ہو اور مقلد کو آیات یا احادیث سے دلیل  
 لینا جائز نہیں وہ تو قول امام پیش کرے۔ لہذا تم صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ہی پیش کر  
 سکتے ہو اس کا جواب چند طرح سے ہے۔ ایک یہ کہ آپ خود حاضر و ناظر نہ ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں  
 اس بارے میں امام صاحب کا قول پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ تم تقلید کی بحث میں غرض کر چکے ہیں کہ مسئلہ  
 عقائد میں تقلید نہیں ہوتی۔ بلکہ مسائل فقہیہ اجتہادیہ میں ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عقیدہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ  
 صریح آیات و احادیث سے مقلد بھی استدلال کر سکتا ہے۔ ہاں ان سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔

طحاوی میں ہے۔



وَمَا فُهِمَ الْأَحْكَامُ مِنْ تَحْوِ الظَّاهِرِ وَالتَّصِ  
وَالْمُفَسِّرِ فَلَيْسَ مُخْتَصًّا بِهِ (أَيُّ بِالْمُجْتَهِدِ)  
بَلْ يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْعُلَمَاءُ الْأَعْمَةُ -

مسلم الثبوت میں ہے -

وَأَيْضًا شَاعَ وَذَاعَ اِحْتِجَاجُهُمْ سَلْفًا وَ  
خَلْفًا بِالْعُمُومَاتِ مِنْ غَيْرِ تَكْيِيدٍ -

جو احکام ظاہر نص و مفسر سے سمجھے جاویں - وہ  
مجتہد سے خاص نہیں - بلکہ اس پر عام علماء قادی  
ہیں -

نیز عام آیات سے دلیل پکڑنا خلف و سلف میں  
بغیر کسی انکار کے شائع ہے -

قرآن بھی فرماتا ہے فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اگر تم نہ جانتے ہو تو ذکر  
والوں سے پوچھو۔ اجتہادی مسائل ہم نہیں جانتے ان میں آئمہ کی تقلید کرتے ہیں اور صریح آیات کا ترجمہ  
جانتے ہیں اس میں تقلید نہیں۔ چوتھے یہ کہ مسند حاضر و ناظر پر فقہار محدثین اور مفسرین کے اقوال بھی آئندہ  
فصلوں میں آرہے ہیں دیکھو اور غور کرو کہ حاضر و ناظر کا عقیدہ سارے مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

## دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں

اس میں تمام وہ احادیث پیش کی جاویں گی جو مسئلہ علم غیب میں گزر چکی ہیں۔ خصوصاً حدیث نمبر ۷۰  
۷۸ و ۱۹ جن کا مضمون یہ ہے کہ ہم تمام عالم کو مثل کف دست دیکھ رہے ہیں۔ ہم پر ہماری امت اپنی  
صورتوں میں پیش ہوئی اور ہم ان کے نام، ان کے باپ دادوں کے نام، ان کے گھوڑوں کے رنگ جانتے  
ہیں وغیرہ وغیرہ اسی طرح ان کی شرح میں محدثین کے اقوال گزر چکے ہیں وہ پیش کئے جائیں گے خصوصاً  
مرقاۃ، زرقانی وغیرہ کی عبارتیں ان کے علاوہ حسب ذیل احادیث اور بھی پیش کی جاویں گی۔

مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے -

۱۸۱ فَيَقُولُ لَأَنْ مَا كُنْتُ نَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِبُعْدِ | نكيرين ميت سے پوچھتے ہیں کہ تم انکے (محمد رسول اللہ) کے بائیں کیا کہتے

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے یعنی ہذا الرجل کہ می گویند آنحضرت را می خوانند ہذا الرجل سے مراد حضور علیہ السلام  
کی ذات ستورہ صفات ہے اشعۃ اللمعات میں یہی حدیث ہے یا با حضرات شریف سے درعیانے بایں طریق کہ در قبر مشائخ  
و سے علیہ السلام حاضر ساختہ باشند و دریں جا باشد تے است عظیم مشتاق غمزدہ را کہ گرامیدیں وی جان منہدہ و زندہ و گور و زندہ جا  
و دریا قبر میں غلبہ ظہور آپ کی ذات شریف کو حاضر کرتے ہیں اس طرح کہ قبر میں حضور علیہ السلام کا وجود مثالی موجود کہتے ہیں اور اس

جگہ مشتاقانِ عزمہ کو بڑی خوشخبری ہے کہ اگر اس شادی کی امید پر جان دے دیں اور زندہ قبروں میں چلے جائیں تو اس کا موقع ہے۔ حاشیہ مشکوٰۃ میں یہی حدیث ہے۔

قَبِيلٌ يَكْشَفُ لِمَيِّتٍ حَتَّى يَرَى  
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَةٌ  
عَظِيمَةٌ -

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے اور یہ بڑی خوشخبری ہے۔

قسطانی شرح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۹۰ کتاب الجنائز میں ہے۔

قَبِيلٌ يَكْشَفُ لِمَيِّتٍ حَتَّى يَرَى  
النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ بُشْرَةٌ  
عَظِيمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ  
إِنْ صَحَّ -

کہا گیا ہے کہ میت سے حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ نبی علیہ السلام کو دیکھتا ہے اور یہ مسلمان کیلئے بڑی خوشخبری ہے اگر ٹھیک رہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہذا الرجل معہود ذہنی کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتے مردہ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جو تیرے ذہن میں موجود ہیں انہیں تو کیا کہتا تھا؟ مگر یہ درست نہیں کیونکہ ایسا ہوتا تو کافر میت سے سوال نہ ہوتا کیونکہ وہ تو حضور علیہ السلام کے تصور سے خالی الذہن ہے۔ نیز کافراں کے جواب میں یہ نہ کہتا۔ میں نہیں جانتا بلکہ پوچھتا تم کس کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ اس کے لادردی کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضور کو آنکھوں سے دیکھ تو رہا ہے مگر پہچانتا نہیں اور یہ اشارہ خارجی ہے۔ اس حدیث اور عبارتوں سے معلوم ہوا کہ قبر میں میت کو حضور علیہ السلام کا دیدار اگر سوال ہوتا ہے کہ تو اس شمس الصغریٰ بدر الدجی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ کیا کہتا تھا ہذا اشارہ قریب ہے معلوم ہوا کہ دکھا کر قریب کر کے پھر پوچھتے ہیں۔ اسی لئے حضرات صوفیائے کرام اور عشاق موت کی تمنا کرتے ہیں اور قبر کی پہلی رات کو دو لہکے دیدار کی رات کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ

جان تو جاتے ہی جاگی قیامت یہ ہے \* کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا

مولانا اسی فرماتے ہیں :-

آج پھوے نہ سماں گے کفن میں اسی \* جس کے جوہاں تھے ہے اُس گل کی ملاقات کی رات

سم نے اپنے دیوان میں عرض کیا ہے کہ

مرد کی پہلی شب دو لہا کی دید کی شب \* اس شب پہ عید صدقے اس کا جواب کیسا

اسی لیے بزرگان دین کے وصال کے دن کو روزِ عرس کہتے ہیں، عرس کے معنی ہیں شادی کیونکہ عرس یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دہا کے دیدار کا دن ہے۔ اور ایک وقت میں ہزار ہا جگہ ہزاروں مردے دفن ہوتے ہیں۔ تو اگر حضور علیہ السلام حاضر ناظر نہیں ہیں تو ہر جگہ جلوہ گرمی کیسی؟ ثابت ہوا کہ حجاب ہماری نگاہوں پر ہے۔ ملائکہ اس حجاب کو اٹھا دیتے ہیں جیسے کہ دن میں کوئی خیمہ میں بیٹھا ہو اور آفتاب اس کی نگاہ سے غائب ہو کسی نے اس خیمہ کو اوپر سے ہٹا کر سورج دکھا دیا۔

(۲) مشکوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل میں ہے۔

اِسْتَيْقِظْ مَنْ سَوَّلَ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَرَعَا يَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ مَاذَا أَنْزَلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخُرَّائِنِ وَمَاذَا أَنْزَلَ مِنَ الْفَيْتِنِ

ایک شب حضور علیہ السلام گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے فرماتے تھے کہ سبحان اللہ اس رات میں کس قدر خزا اور کس قدر فتنے اتارے گئے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آئندہ ہونے والے فتنوں کو بچشم ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ باب المعجزات میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

نَعَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ زَيْدًا أَوْ جَعْفَرَ وَابْنِ مَرْوَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبْرُهُمْ فَقَالَ أَخَذَ الرَّأْيَةَ زَيْدًا فَأَصِيبَ إِلَى حَتَّى أَخَذَ الرَّأْيَةَ سَيْفٌ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ يَعْنِي خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ حَتَّى نَحَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

حضور علیہ السلام نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی ان کی خبر موت آنی سے پہلے لوگوں کو خبر موت دے دی۔ فرمایا کہ اب جھنڈا ازیں سے لیا اور وہ شہید ہو گئے۔ یہاں تک کہ جھنڈا اللہ کی تلوار خالد ابن ولید نے لیا۔ تا آنکہ کہ اللہ نے ان کو فتح دے دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ موتہ جو مدینہ منورہ سے بہت ہی قریب ہے وہاں جو کچھ ہوا ہے اس کو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں۔

(۴) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات کے بعد باب وفاة النبی علیہ السلام میں ہے۔

وَأَنَا فِي مَقَامِي وَابْنِ مَرْوَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبْرُهُمْ فَقَالَ أَخَذَ الرَّأْيَةَ زَيْدًا فَأَصِيبَ إِلَى حَتَّى أَخَذَ الرَّأْيَةَ سَيْفٌ مِنْ سَيُوفِ اللَّهِ يَعْنِي خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ حَتَّى نَحَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ میں اس کو اسی جگہ سے دیکھ رہا ہوں۔

اپنے صفیں سیدھی رکھو کیونکہ ہم تم کو اپنے پیچھے بھی دیکھتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ باب تسویۃ السفین میں ہے اَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ دَرَائِي۔

۱۶) ترمذی جلد دوم باب العلم باب مَا جَلَّوْا فِي ذَهَابِ الْعِلْمِ فِي هَسَ -

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَتَخَّصَّ بِبَصَرِهِ  
إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ قَالَ هَذَا أَدَانٌ يُحْتَسُّ  
الْعِلْمُ مِنَ النَّاسِ حَتَّى لَا يَقْدِرُوا مِنْهُ  
عَلَى شَيْءٍ -

ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے کہ آپ نے اپنی نظر  
آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا کہ یہ وہ وقت ہے  
جبکہ علم لوگوں سے چھین لیا جاویگا حتیٰ کہ اس پر بالکل  
قابو نہ پائیں گے۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقاة کتاب العلم میں فرماتے ہیں۔

كَوْنَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمَّا نَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ كَوْنَهُ  
يَأْتِي تَابِ أَجَلِهِ فَأَخْبَرَ بِذَلِكَ -

جب حضور علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا تو آپ نے  
آپ کی موت کا قرب ظاہر ہو گیا تو اس کی خبر دے دی۔

۱۷) مشکوٰۃ شروع باب الفتن فصل اول میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ایک پہاڑی پر کھڑے  
ہو کر صحابہ کرام سے پوچھا کہ میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو؟ عرض کیا کہ نہیں فرمایا۔

قَالِي أَسْرَى الْفِتْنِ تَفْعُ خِلَلِ بِيَوْمِكُمْ كَوْنِ الْمَطْرِ  
معلوم ہوا کہ یزیدی و حجازی فتنے جو عرصہ کے بعد ہونے والے تھے انہیں بھی ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی چشم حق بین آئندہ کے واقعات اور دور قریب کے  
حالات اور حوض کوثر جنت و دوزخ وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے طفیل حضور کے خدام  
کو بھی خدائے قدوس یہ قدرت و علم عطا فرماتا ہے۔

۱۸) مشکوٰۃ جلد دوم باب الکرامات میں ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر کا سردار ساریہ کو بنا کر نبی اور نبیجاً  
قَبِيْنًا عَمْرٍو يَخْطُبُ فَجَحَلَّ يُصَيِّغُ بِسَارِيَةٍ  
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں خطبہ پڑھتے ہوئے  
پکارنے لگے کہ اے ساریہ پہاڑ کو لو۔

کچھ عرصہ کے بعد اس لشکر سے قاصد آئے اور انہوں نے بیان کیا کہ ہم کو دشمن نے شکست دے دی تھی کہ ہم نے کسی پکارنے  
والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا کہ ساریہ پہاڑ کو لو۔ تو ہم نے پہاڑ کو اپنی پشت کے پیچھے لیا جتنا لنگو شکست دے دی۔

۱۹) امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ اکبر اور علامہ جلال الدین سیوطی نے جامع کبیر میں حارث ابن نعمان اور  
حارث ابن نعمان رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو نہ کرنے مجھ سے سوال فرمایا

سے مولانا ذکیل احمد سکندر پوری علیہ الرحمۃ نے حیدرآباد سے فقہ اکبر کا نسخہ حاصل کیا۔ اسکی شرح الدرر لا نہر شرح فقہ اکبر لکھی۔ جس میں وہ  
دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل فقہ اکبر یہ ہے۔ اس سے یہ واقعہ لیا گیا۔ ان تمام نسخوں میں نہیں ہے۔ یہ مطبوعہ فقہ اکبر آباد میں موجود ہے۔

کے حادثہ تم نے کس حال میں دن پایا۔ میں نے عرض کیا کہ سچا مومن ہو کر فرمایا کہ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے میں نے عرض کیا۔

میں گویا عرش الہی کو ظاہر دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا جنتیوں کو ایک دوسرے سے جنت میں ملتے ہوئے اور دوزخیوں کو دوزخ میں شور مچاتے دیکھنا ہوں۔

وَكَاثِي أَنْظَرُ إِلَى عَرْشِ رَبِّي بَارِئًا دَكَاثِي  
أَنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْجَنَّةِ يَتَزَادُ رُؤْيَا فِيهَا دَكَاثِي  
أَنْظَرُ إِلَى أَهْلِ النَّارِ يَتَضَاعُونَ فِيهَا۔

اسی قصہ کو مشہور شریف میں نقل کیا ہے۔

ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من ♦ ہست پید ہم چوں بت اس پیش من

یک بیک وامی شناسم خلق را ♦ ہمچو گندم من ز جو در آسیا

کہ بہشتی کہ دزیگانہ کی است ♦ پیش من پید چو مورد و ماہی است

من گویم یا فرد بسدم نفس ♦ لب گزیدش مصطفیٰ یعنی کہ بس

میرے سامنے ۸ بہشت اور ۷ دوزخ ایسے ظاہر ہیں۔ جیسے ہندو کے سامنے بت ہیں ہر ایک مخلوق کو ایسا پہچانتا ہوں جیسے بچے بچے میں جو اور گیہوں۔ کہ جنتی کون ہے اور دوزخی کون۔ میرے سامنے یہ سب مچلی اور چوٹی کی طرح ہیں۔ چپ رہوں یا کچھ اور کہوں۔ حضور نے ان کا منہ پکڑ لیا کہ بس۔ جب اس آفتاب کے ذروں کی نظر کا یہ حال کہ جنت و دوزخ، عرش و فرش، جنتی و دوزخی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو اس آفتاب کو نین کی نظر کا کیا پوچھنا ہے۔

(۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کسوف جماعت صحابہ کو پڑھائی بحالت نماز ہاتھ اٹھایا جیسے کچھ لینا چاہتے ہیں بعد نماز صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں یہ جنبش کیسی تھی۔ فرمایا ہم پر جنت پیش کی گئی چاہا کہ ہم اس کا ایک خوشہ توڑ لیں۔ مگر چھوڑ دیا تاکہ لوگوں کا علم بالغیب قائم رہے۔ اگر یہ توڑ لیتے تو لوگ تا قیامت اس سے کھاتے رہتے اس سے پتہ لگا کہ حضور مدینہ میں کھڑے ہیں ہاتھ اٹھایا تو جنت میں پہنچا جسم مدینہ میں ہے ہاتھ جنت الفردوس کے بلن کے خوشہ پر یہ ہے حاضر و ناظر کے معنی۔ اسی طرح حضور کا ہاتھ مدینہ منورہ سے ہماری ڈوبتی کشتی پر پہنچ کر بیڑا پار کر سکتا ہے۔

## تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء اور علماء امت کے اقوال سے

(۱) در مختار جلد سوم باب الامر تدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔

يَا حَاضِرِيَا نَاطِرٌ لَيْسَ بِكُفْرٍ -

اے حاضر اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے۔

شامی میں اسی کے ماتحت ہے۔

فَإِنَّ الْحُضُورَ بِمَعْنَى الْعِلْمِ شَائِعٌ مَا يَكُونُ  
مِنْ تَجْوِي ثَلَاثَةَ الْإِهْوَاةِ بِعَهُمْ وَالنَّاطِرُ  
بِمَعْنَى الرَّدِيَّةِ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ بَدِي  
فَالْمَعْنَى يَا عَالِمٌ مَنْ رَأَى -

دبازید) کیونکہ حضور بمعنی علم مشہور ہے قرآن میں ہے  
کہ نہیں ہوتا تین کا مشورہ مگر رب ان کا چوتھا ہوتا ہے  
اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے ب فرماتا ہے کیا نہیں جانتا کہ  
اللہ دیکھتا ہے پس اس کے معنی یہ ہو کر اے عالم نے دیکھے والے۔

(۲) در مختار جلد اول باب کیفیت الصلوٰۃ میں ہے۔

وَيَقْصِدُ بِالْفَاطِ الْشَّهْدِ الْاَنْشَاءُ كَاَنَّهُ  
يُحْيِي عَلَى اللَّهِ وَيَسْلِمُ عَلَى نَبِيِّهِ نَفْسِهِ

التحيات کے لفظوں میں خود کہنے کی نیت کرے گویا  
نازی کے تحیت اور خود نبی علیہ السلام کو سلام عرض کر رہا ہے

شامی میں اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

أَيُّ لَا يَقْصِدُ الْاِخْتِيارَ وَالْحِكَايَةَ عَمَّا  
وَقَعَ فِي الْمِعْرَاجِ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ  
سَرِيهِ وَمِنْ الْمَلَكِيَّةِ -

یعنی التحیات میں معراج کے اس کلام کے قصد کی نیت  
نہ کرے جو حضور علیہ السلام اور رب تعالیٰ اور ملائکہ کے  
درمیان ہوا۔

فقہاء کی ان عبارات سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو حاضر ناظر کہنا کفر نہیں ہے اور التحیات میں حضور  
علیہ السلام کو حاضر جہان کو سلام عرض کرے التحیات کے متعلق اور بھی عبارات آتی ہیں مجمع البرکات میں  
شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں "وے علیہ السلام بر احوال و اعمال امت مطلع است بر مقربان و  
خاصان در گاہ خود مفیض و حاضر و ناظر است۔" حضور علیہ السلام امت کے حالات و اعمال پر مطلع ہیں اور  
حاضرین بارگاہ کو فیض پہنچانے والے اور حاضر و ناظر ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنے رسالہ ہر دم مسلی بہ  
سلوک اقرب السبل بالتوجه الی سید الرسل میں فرماتے ہیں۔ باچندین اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علماء امت  
ہست یک کس را درین مسدہ خلافتی نیت کہ آنحضرت علیہ السلام بحقیقت حیات بے شائبہ حجاز و توہم تاویل  
دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر است و مرطالباں حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و  
مرتب (داخل السان) اس اختلاف و مذاہب کے باوجود جو علمائے امت میں ہے اس میں کسی کا اختلاف  
نہیں کہ حضور علیہ السلام حقیقی زندگی سے بغیر تاویل و مجاز کے احتمال کے باقی اور دائم ہیں اور امت

کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلبکار اور حاضرینِ بارگاہ کو فیض رساں اور مرتبی۔  
شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح فتوح القیب صفحہ ۳۳۳ میں فرماتے ہیں: "انا انبیاء علیہم السلام بحیات حقیقی و نبیادی حی و باقی و متصرف اندر ہیں جاسخن نیست۔ انبیاء علیہم السلام دنیاوی حقیقی زندگی سے زندہ اور باقی و عمل درآمد فرمانے والے میں اس میں کوئی کلام نہیں۔"

مرقات باب مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَ الْمَوْتَ کے آخر میں ہے۔

ایسی ادویہ اور اثر ایک آن میں چند جگہ ہو سکتے ہیں اور ان کے بیک وقت چند اجسام ہو سکتے ہیں۔

وَلَا تَبَاعِدْ عَنِ الْاَدْوِيَاءِ حَيْثُ طُوِيَتْ لَمْ يَلْزَمْ جَنِّ  
وَحَصَلَ لَهُمْ اَبْدَانٌ مَكْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ  
وَجَدُوْهَا فِي اَمَاكِنٍ مُّخْتَلِفَةٍ فِي اَيِّ دَاخِلٍ  
شَفَائِيں ہے اِنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ اَحَدًا فَقُلْ  
السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

جب گھر میں کوئی نہ ہو تو تم کہو کہ اے نبی تم پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

اس کے ماتحت تلا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں۔

کیونکہ نبی علیہ السلام کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے۔

اِنَّ مِنْ رُّوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَاضِرٍ فِي  
بُيُوتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ۔

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ مدرج النبوة میں فرماتے ہیں: "ذکر کن اور اردو دفتر دست برد سے علیہ السلام و باش در حال ذکر گویا حاضر است پیش تو در حالت حیات و می بینی تو اور امتادب با جلال و تعظیم و ہیبت و حیا و بدانکہ دے علیہ السلام می بیند و حی ثنود کلام ترا زیر کردے علیہ السلام متصف است بصفات الہیہ و یکے از صفات الہی آن است کہ اَنَا جَلِيسٌ مَعَهُ ذَكَرْتِي" حضور علیہ السلام کو یاد کرو اور درود بھیجو اور حالت ذکر میں ایسے رہو کہ حضور حالت حیات میں تمہارے سامنے ہیں اور تم ان کو دیکھتے ہو ادب اور جلال اور تعظیم اور ہیبت و حیا سے رہو اور جانو کہ حضور علیہ السلام دیکھتے اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الہی سے موصوف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ میں اپنے زاکر کا سبب نشین ہوں۔ امام ابن الحاج مدخل میں اور امام قسطلانی مواہب جلد دوم صفحہ ۳۸۷ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشرف میں فرماتے ہیں۔

وَقَدْ قَالَ عَلَمَاءُنَا لَا فَتْرَةَ بَيْنَ  
بِمَارے علماء نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام

کی زندگی اور وفات میں کوئی فرق نہیں اپنی امت کو دیکھتے ہیں اور ان کے حالات دنیا اور ارادے اور دل کی باتوں کو جانتے ہیں یہ آپ کو بالکل ظاہر ہیں۔ اس میں پوشیدگی نہیں۔

مَوْتِهِ وَحَيَاتِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي مُشَاهَدَاتِهِ كَأَمْتِهِ دَمَعْرِنْتِهِ بِأَحْوَالِهِمْ دَنِيَاتِهِمْ دَعَزَائِمِهِمْ دَخَوَاطِرِهِمْ دَذَلِكَ جَلِي عِنْدَهُ لَأَخْفَاءُ بِهِ۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

امام غزالی نے فرمایا کہ جب تم مسجدوں میں جاؤ تم حضور علیہ السلام کو سلام عرض کرو کیونکہ آپ مسجدوں میں موجود ہیں۔

وَقَالَ الْغَزَالِيُّ سَلِّمْ عَلَيْهِ إِذَا دَخَلْتَ فِي الْمَسْجِدِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْضُرُ فِي الْمَسْجِدِ

نسیم الیاض شرح شفاء قاضی عیاض جلد سوم کے آخر میں ہے۔

انبیائے کرام جسمانی اور ظاہری طور پر بشر کے ساتھ ہیں اور ان کے باطن اور روحانی قوتیں ملکی ہیں اسی لیے وہ زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھتے ہیں اور آسمانوں کی چڑچڑاہٹ سنتے ہیں اور جبریل کی خوشبو پالیتے ہیں جب وہ ان پر اترتے ہیں۔

الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ جِهَةِ الْأَجْسَامِ وَالظَّوَاهِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَاطِنُهُمْ وَقَوَاهُمُ السَّرُّوحَانِيَّةُ مَلَائِكَةٌ وَلِذَا تَرَى مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَ بِهَا تَسْمَعُ أَطْيَبَ السَّمَاوِ وَتَسْمَعُ مَرَاتِحَةَ جِبْرِيلَ إِذَا أَرَادَ التَّرْدُّلَ إِلَيْهِمْ۔

دلائل الخیرات کے خطبہ میں ہے۔

حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ سے دور رہنے والوں اور بعد میں آنے والوں کے درودوں کا آپ کے نزدیک کیا حال ہے تو فرمایا کہ ہم محبت والوں کے درود تو خود سنتے ہیں اور انکو پہچانتے ہیں اور غیر محبتین کا درود ہم پر پیش کر دیا جاتا ہے۔

وَقِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ أَرَأَيْتَ صَلَوَاتِ الْمُصَلِّينَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَمَنْ يَأْتِي بَعْدَكَ مَا خَالَهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ أَسْمَعُ صَلَوَاتِ أَهْلِ مَحَبَّتِي دَاعِرُ فَرِهِمْ وَتَعْرِضُ عَلَيَّ صَلَوَاتُ غَيْرِهِمْ عَرَضًا۔

شفاء قاضی عیاض جلد دوم میں ہے۔

علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں تو کہتا ہوں کہ سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور برکات۔

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ إِذَا دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ أَقُولُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ۔



اسکی تائید بوداؤ ابن ماجہ باب الدعاء عند دخول المسجد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔  
 مدارج النبوة صفحہ ۴۵۰ جلد دوم قسم چہارم وصل حیات اینیار میں ہے۔ "اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ  
 جسد شریف را حالتے و قدرتے بخشیدہ است کہ در ہر مکانے کہ خواہد تشریف بخشد خواہ بعینہ خواہ بمثال  
 خواہ بر آسمان خواہ بر زمین خواہ در قبر یا غیر وے صورتے دارد با وجود ثبوت نسبت خاص بقبر در ہر حال "۔  
 اس کے بعد اگر کہیں کہ رب تعالیٰ نے حضور کے جسم پاک کو ایسی حالت و قدرت بخشی ہے کہ جس مکان میں  
 چاہیں تشریف لے جائیں خواہ بعینہ اس جسم سے خواہ جسم مثالی سے خواہ آسمان پر خواہ قبر میں تو درست  
 ہے۔ قبر سے ہر حال میں خاص نسبت رہتی ہے۔ مصلح الہدایت ترجمہ عوارف المعارف مصنف شیخ  
 شہاب الدین سہروردی صفحہ ۱۶۵ میں ہے۔ "بس باید کہ بندہ چمنان کہ حق سبحانہ را پیوستہ بر جمیع احوال  
 خود ظاہر اوباطن اواقف و مطلع بند رسول اللہ علیہ السلام را نیز ظاہر و باطن حاضر داند۔ تا مطالعہ صورت  
 تعظیم و وقار اوسوارہ بہ محافظت آداب حضرتش دلیل بود و از مخالفت وے سر ادا علانا شرم دارد و  
 بیچ دقیقہ از دقائق آداب صحبت اوفرونہ گزارد۔" بس چاہیے کہ بندہ جس طرح حق تعالیٰ کو ہر حال  
 میں ظاہر و باطن طور پر واقف جانتا ہے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کو بھی ظاہر و باطن حاضر جانے تاکہ  
 آپ کی صورت کا دیکھنا آپ کی ہمیشہ تعظیم و وقار کرنے اور اس بارگاہ کے ادب کی دلیل ہو جاوے اور  
 آپ کی ظاہر و باطن میں مخالفت سے شرم کرے اور حضور علیہ السلام کی صحبت پاک کے ادب کا کوئی  
 دقیقہ نہ چھوڑے۔

فقہاء و علماء امت کے ان اقوال سے حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی واضح ہوا اب ہم آپ کو  
 یہ دکھاتے ہیں کہ نمازی نماز میں حضور علیہ السلام کے متعلق کیا خیال رکھے اس کے متعلق ہم در مختار اور  
 شامی کی عبارتیں تو شروع فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ دیگر بزرگان دین کی اور عبارتیں سنئے اور اپنے  
 ایمان کو تازہ کیجئے۔ اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب التمشید اور مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۳۵ باب  
 پنجم ذکر فضائل آنحضرت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ "و بعضے عرفا گفتہ اند کہ این بخت  
 سر بیان حقیقت محمدیہ است در ذرات موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذرات مصلیان موجود  
 حاضر است پس مصلی را باید کہ ازین معنی آگاہ باشد و ازین شہود غافل نہ بود تا انوار قرب و اسرار معرفت منور  
 و فائز گردد۔ بعض عرفین نے کہا ہے کہ التجیات میں یہ خطاب اس لیے ہے کہ حقیقت محمدیہ موجودات کے

ذره ذرہ میں اور ممکنات کی ہر فرد میں سرایت کیے ہے۔ پس حضور علیہ السلام نمازوں کی ذات میں موجود و حاضر ہیں نمازی کو چاہیے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس شہود سے غافل نہ ہوتا کہ قرب کے نور اور معرفت کے مجیدوں سے کامیاب ہو جاوے۔ اسیاء العلوم جلد اول باب چہارم فصل سوم نماز کی باطنی شرطوں میں امام غزالی فرماتے ہیں۔ دَأْخُضْرِنِي قَلْبِكَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَشَخْصَهُ الْكِرَامِ وَقُلْ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ دَرَحْمَةٌ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ اور اپنے دل میں نبی علیہ السلام کو اور آپ کی ذات پاک کو حاضر بناؤ اور کہو السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ دَرَحْمَةٌ اللَّهُ وَبَرَكَاتُهُ اسی طرح مرقاة باب التثبید میں ہے۔ مسک الختام میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلوی صفحہ ۲۴۳ پر وہ ہی عبارت لکھتے ہیں جو ہم نے ابھی اشعنة اللغات کی التحيات کے بارے میں لکھی کہ نمازی کو چاہیے کہ حضور کو حاضر و ناظر جان کر التحيات میں سلام کرے پھر یہ شعر لکھتے ہیں

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست \* می بینمت عیان و دعای فرستمت  
عشق کی راہ میں دور و قریب کی منزل نہیں ہے \* میں تم کو دیکھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں!  
علامہ شیخ مجد فرماتے ہیں۔ دَخُوْطِبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَاتَهُ اشَارَةً اِلَى اَنَّهُ تَعَالَى يَكْشِفُ لَهُ عَنِ الْمُصَلِّينَ مِنْ اُمَّتِهِ حَتَّى يَكُوْنَ كَالْحَاضِرِ يَشْهَدُ لَهُمْ بِالْحَقْلِ اَعْمَالَهُمْ وَلِيَكُوْنَ تَدَاكُرُ حُضُوْرِهِ سَبَبًا لِيَزِيْدَ الْخُشُوْعَ وَالْخُضُوْعَ۔

مسئلہ حاضر و ناظر پر بعض فقہی مسائل بھی موقوف ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ زوج مشرق میں ہو اور زوجہ مغرب میں اور سچ پیدا ہو۔ اور زوج کہتا ہے کہ بچہ میرا ہے تو بچہ اسی کا ہے کہ شاید یہ ولی اللہ ہو اور کرامت سے اپنی بیوی کے پاس پہنچا ہو۔ دیکھو شاہی جلد دوم باب ثبوت النسب۔ شاہی جلد سوم باب المرتدین مطلب کرامات اولیاء میں ہے۔

اور راستہ طے کرنا بھی اسی کرامت میں سے ہے حضور کے فرمانے کی وجہ کہ میرے بیٹے زمین سمیٹ دی گئی۔

وَطَى الْمَسَافَةَ مِنْهُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
رُؤْيَتْ لِي الْاَرْضُ مِنْ دَيْدَالٍ عَلَيْهِ مَا

قَالُوا فَيَمِينُ كَانَ فِي الْمَشْرِقِ وَتَزَوَّجَ  
امْرَأَةً بِالْمَغْرِبِ فَأَتَتْ بِوَلَدٍ يَأْتِيهَا  
فِي التَّائِرِ خَائِنَةٌ إِنَّ هَذِهِ  
الْمَسْئَلَةَ تَوَيَّدَ الْجَوَانِرُ -

شأن یہ ہے کہ امام و الانصاف ما ذکرہ  
الامام السنفی حین سئل عما یحکمی  
ان الکعبۃ کانت تزدر و احد من الاولیاء  
هل یجوز القول به فقال نقص العادۃ  
على سبیل الکرامۃ لاهل الولایۃ جائز  
عند اهل السنۃ -

اس پر وہ مسئلہ دلالت کرتا ہے جو فقہاء نے کہا کہ  
کوئی شخص مشرق میں ہوا اور مغرب میں رہنے والی عورت  
نکاح کرے پھر وہ عورت پھر جسے تو پھر اس سے ملحق ہوگا اور تائیر  
خائینہ کہ یہ مسئلہ اس کرامت کے جائز ہونے کی تائید کرتا ہے۔

ان بات کی بات وہ ہے جو امام سنفی نے اس وقت  
کہی جبکہ ان سے سوال کیا گیا کہ کہا جاتا ہے کہ  
کعبہ ایک نماز کی زیارت کرنے جاتا ہے کیا یہ کہنا جائز  
ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے لیے خلاف عادت  
کام کرامت کے طریقہ پر اہل سنت کے نزدیک  
جائز ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ منکم بھی اولیاء اللہ کی زیارت کرنے کے لیے عالم میں چکر لگاتا ہے  
تفسیر روح البیاء سورہ اہک کے آخر میں ہے۔

امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضور علیہ السلام کو دنیا میں  
سیر فرمانے کا اپنے صحابہ کرام کی روحوں کے ساتھ امتیاز  
ہے آپ کو بہت سے اولیاء اللہ نے دیکھا ہے۔

انتباه الاولیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔  
اپنی امت کے حال میں نگاہ رکھنا ان کے لیے گناہوں  
سے استغفار کرنا ان سے دفع ہلاکی دعا فرمنا اطاعت  
زمین میں آنا جانا اس میں برکت بڑی اور اپنی امت  
میں کوئی صالح آدمی مر جاوے تو اس کے جنازے سے  
میں جانا یہ چیزیں حضور علیہ السلام کا مشغلہ ہیں جیسے  
کہ اس پر احادیث اور اشارات سے ہیں۔

قَالَ الْإِمَامُ الْغَزَالِيُّ وَالرَّسُولُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
لَهُ الْبَحْيَاءُ فِي طَوَافِ الْعَالَمِ مَعَ أُمَّرٍ وَاجٍ  
الصَّحَابَةُ لَقَدْ مَرَّ الْأَكْثَرُ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ

انتباه الاولیاء فی حیات الاولیاء میں علامہ جلال الدین سیوطی صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔  
النَّظَرُ فِي أَعْمَالِ أُمَّتِهِ وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ  
مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالِدُعَاءُ بِكُشْفِ الْبَلَاءِ عَنْهُمْ  
وَالْتَرَدُّ فِي أَقْطَارِ الْأَرْضِ وَالْبُرُوكَةُ فِيهَا  
وَحُضُورُ جَنَازَتِهِ مِنْ صَالِحِي أُمَّتِهِ فَإِنَّ  
هَذِهِ الْأُمُورَ مِنْ أَشْعَالِهِ كَمَا وَرَدَتْ  
بِذَلِكَ الْحَدِيثِ وَالْآثَارِ -

اس فرامہ المنقذ من الضلال میں فرماتے ہیں برابر باقوہ مشاہیرہ می کنند در بیدارہ ایمان و ملامتہ را



اللَّهُ عَلَيْهِ إِلَى الْآخِرِ مَا جَرَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَشَاءَ  
خَلَقَ إِبْلِيسَ وَمَا جَرَى عَلَيْهِ -

تک کے انکے سائے معاملات جو ان پر گزرتے سب دیکھا  
اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔  
اس سے معلوم ہوا کہ حضور نے عالم ظہور میں جلوہ گری سے پہلے ہر ایک کے ایک ایک حالات کا مشاہدہ فرمایا۔  
یہ ہی صاحب روح البیان کچھ آگے چل کر اسی مقام پر فرماتے ہیں -

قَالَ بَعْضُ الْكَبَائِرِ إِنَّ مَعَ كُلِّ سَعِيدٍ رَفِيقَهُ  
مِنْ رُوحِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ هِيَ الرَّقِيبَةُ الْعَتِيدَةُ  
عَلَيْهِ دَلِمَا تَقْبُضُ الرُّوحُ الْمُحْتَمِدُ عَنِ عَنِّ أَدَمَ  
الَّذِي كَانَ بِهِ دَائِمًا لَا يُضِلُّ وَلَا يَنْسِي جَرَى  
عَلَيْهِ مَا جَرَى مِنْ التَّسْيَانِ وَمَا يَتَّبَعُهُ -

بعض اکابر نے فرمایا کہ ہر سعید کے ساتھ حضور علیہ  
السلام کی روح رہتی ہے اور یہ ہی رقیب عتید سے  
مراد ہے اور جس وقت روح محمدی کی توجہ دائمی حضرت  
آدم سے ہٹ گئی تب ان سے نسیان اور اس کے  
نتائج ہوئے -

ایک حدیث میں ہے کہ جب زانی زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان نکل جاتا ہے -

روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایمان سے مراد توجہ مصطفیٰ ہے یعنی جو مومن کوئی اچھا کام کرتا ہے تو  
حضور کی توجہ کی برکت سے کرتا ہے اور جو گناہ کرتا ہے وہ ان کی بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے - اس سے  
حضور علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا بخوبی ثابت ہوا - امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں

وَإِذَا سَمِعْتُ فَعَنْكَ تَوَلَّيْتُ طَيْبًا  
وَأِذَا أَنْظَرْتُ فَلَا أَدْرِي إِيَّكَ !  
جب میں سنتا ہوں تو آپ ہی کا ذکر سنتا ہوں  
اور جب دیکھتا ہوں تو آپ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا

## چوتھی فصل حاضر ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے

تخذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند کہتے ہیں کہ النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ

مِنْ أَنْفُسِهِمْ كَوَلِّعَدْلًا حَاطَ صَلَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ کے دیکھے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام  
کو اپنی امت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں کیونکہ اولیٰ بمعنی

اقرب ہے - ترجمہ صراط مستقیم مصنف مولوی اسمعیل دہلوی صفحہ ۱۳ میں چوتھی ہدایت حب عشقی کے بیان  
میں کوئلے اور آگ کی مثال دے کر کہتے ہیں - اسی طرح جب اس طالب کے نفس کامل کو رحمانی توجہ  
اور جذب کی موجیں احدیت کے دریاؤں کی تہ میں کھینچ کر لے جاتی ہے تو اَنَا الْحَقُّ اِبْرَائِيمَ نَبِيِّ حَبَّتِي

سَوَى اللَّهِ كَأَوَازِهِ اس سے صادر ہونے لگتا ہے اور یہ حدیث قدسی كُنْتُ سَمِعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا اور ایک اور روایت کی رو سے لِسَانَهُ الَّذِي يَتَكَلَّمُ بِهِ اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ تو خدائی طاقت سے دیکھتا سنتا اور چھوٹا اور بولتا ہے۔ یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنے ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاوے تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے۔ امداد السلوک صفحہ ۱۰ میں مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں۔

مرید بھی یقین سے جاکر شیخ کی مسح ایک جگہ میں قید نہیں ہے مرید جہاں بھی ہو دور ہو یا نزدیک اگرچہ پیر کے جسم سے دور ہے لیکن پیر کی روحانیت دور نہیں جبت بات پختہ ہو گئی تو ہر وقت پیر کی یاد رکھے اور رلی تعلق اس سے ظاہر ہو اور ہر وقت اس سے فائدہ لیتا ہے مرید واقعہ جہات میں پیر کا محتاج ہوتا ہے شیخ کو اپنے دل میں حاضر کر کے زبان حال سے اس سے مانگے پیر کی روح اللہ کے حکم سے نزولِ افکار کی۔ مگر پورا تعلق شرط ہے اور شیخ سے اسی تعلق کی وجہ سے لگی زبان گویا ہو جاتی ہے اور حق تعالیٰ کی طرف لڑھ کھل جاتی ہے اور حق تعالیٰ اس کو صاحب الہام کر دیتا ہے۔

”ہم مرید یقین و اند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ شیخ دور است اما روحانیت اور نور نیست چون اس امر محکم در دہر وقت شیخ را زیاد در دور ربط قلب پیدا آید و ہر دم مستفید بود مرید در حال واقعہ محتاج شیخ بود۔ شیخ را بقلب حاضر آورده بلسان حال سوال کند البتہ روح شیخ باذن اللہ تعالیٰ القاء خواهد کرد مگر ربط تام شرط است و بسبب ربط قلب شیخ را بلسان قلب ناظمی شود و بسوئے حق تعالیٰ راہ مے کشاند و حق تعالیٰ اور محدث می کند۔“

اس عبارت میں حسب ذیل فائدے ہیں :- (۱) پیر کا مریدوں کے پاس حاضر و ناظر ہونا (۲) مرید کا تصور شیخ میں رہنا (۳) پیر کا حاجت روا ہونا (۴) مرید خدا کو چھوڑ کر اپنے پیر سے مانگے (۵) پیر مرید کو افکار کرتا ہے۔ (۶) پیر مرید کا دل جاری کر دیتا ہے۔ جب پیر میں یطاعتیں ہیں تو جو ملائکہ اور انسانوں کے شیخ الشیوخ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ان میں یہ چھ صفات ماننا کیوں شرک ہے؟ اس عبارت نے تو مخالفین کے سارے مذہب پر پانی ہی پھیر دیا واللہ الحمد سب تقویۃ الایمان ختم۔ حفظ الایمان صفحہ ۱۰ میں مولوی



ہونا عطا کیا گیا انسان پڑے گا کہ یہ صفت بھی حضور علیہ السلام کو عطا ہوئی۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ حاضر ناظر ہونا کس کس مخلوق کو عطا ہوا۔ ہم نے اس بحث حاضر ناظر کے مقدمہ میں عرض کر دیا ہے کہ حاضر ناظر ہونے کی تین معنی ہیں ایک جگہ رہ کر تمام عالم کو مثل کف دست کے دیکھنا۔ ایک ان میں عالم کی سیر کر لینا اور صدمہ کو س پر کسی کی مدد کر لینا اس جسم یا جسم مثالی کا منقذ و جگہ موجود ہو جانا۔ یہ صفات بہت سی مخلوقات کو ملی ہیں (۱) روح البیان اور خازن و تفسیر کبیر وغیرہ تفاسیر میں پارہ ۱۱، سورہ انعام۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا  
هِيَ جَعَلَتِ الْأَرْضَ لِمَلِكِ الْمَوْتِ مِثْلَ  
الطَّشْتِ يَتَنَاوَلُ مِنْ حَيْثُ شَاءَ

یعنی ملک الموت کے بیٹے ساری زمین طشت کی طرح کر دی گئی ہے۔ ہے کہ جہاں سے چاہیں۔ لے لیں۔

اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے۔

لَيْسَ عَلَىٰ مَلِكِ الْمَوْتِ صَعُوبَةٌ فِي تَبْصُرِ  
الْأَرْضِ وَإِنْ كَثُرَتْ وَكَانَتْ فِي أَمْكَةٍ مُتَعَدِّدَةٍ

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

مَا مِنْ أَهْلِ بَيْتٍ شَعِرٌ وَلَا مَدِيرٍ إِلَّا  
مَلَكَ الْمَوْتِ يُطِيفُ بِهِمْ يَوْمَ مَرَّتَيْنِ

مشکوٰۃ باب فصل الاذان میں ہے کہ جب اذان اور تکبیر ہوتی ہے تو شیطان ۳۶ میل بھاگ جاتا ہے پھر جہاں یہ ختم ہوئیں کہ پھر موجود اس ناری کی رفتار کا یہ عالم ہے۔

جب ہم سوتے ہیں تو ہماری ایک روح جسم سے نکل کر عالم میں سیر کرتی ہے جسے روح سیرانی کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن پاک میں ہے۔

وَلِيُؤَسِّدَ الْأَخْرَآءَ فِي جَسَدِهِمْ  
ہو کر اس کو اٹھایا وہ ہی روح جو ابھی کہ معظمہ یا مدینہ پاک میں تھی آنا فاجسم میں اگر داخل ہو گئی اور آدمی

بیدار ہو گیا۔ روح البیان زیر آیت۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَكَّلُ بِاللَّيْلِ

فَإِذَا انْتَبَهَ مِنَ النَّوْمِ عَادَتِ الرُّوحُ إِلَىٰ  
جَسَدِهِ بِأَسْرَعٍ مِنَ الْخَطِّ

یعنی جب انسان نیند سے بیدار ہوتا ہے تو روح جسم میں ایک لمحہ سے بھی کم میں لوٹ آتی ہے۔

ہمارا نور نظر ان کی آن میں آسمانوں پر جا کر زمین پر آجاتا ہے ہمارا خیال ان واحد میں تمام عالم کی



سیر کر لیتا ہے۔ بجلی تار ٹیلیفون اور لائٹ سپیکر کی قوت کا یہ عالم ہے کہ آدھے سینکڑ میں زمین کے قطر کو طے کر لیتے ہیں حضرت جبریل کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب آدھے کنویں سے نیچے چلے اور حضرت جبریل سدرہ سے چلے یوسف علیہ السلام ابھی کنویں کی تہ کو نہ پہنچے تھے کہ جبریل سدرہ سے وہاں پہنچ گئے۔ دیکھو تفسیر روح البیان زیر آیت اَنْ يَّجْعَلُوا هِيَ غِيَابَةَ الْجِبْتِ حضرت خلیل نے حلق اسمعیل پر پھری چلائی۔ ابھی پھری روڑ نہ نہ ہوئی تھی کہ جبریل سدرہ سے مع ذنبہ خلیل اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت سلیمان کے وزیر آصف ابن برخیا نے ایک پلک بھپکنے سے پہلے بلقیس کا تخت بین سے لا کر شام میں حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر کر دیا جس کا ثبوت قرآن میں ہے کہ اَنَا اَتَيْتَكَ بِهَا قَبْلَ اَنْ تَبْرَتَنَّ اِلَيْكَ طَرَفُكَ معلوم ہوا کہ آصف کو یہ بھی خبر تھی کہ تخت کہاں ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ پلک بھپکنے سے پہلے میں گئے بھی اور لوٹ بھی آئے اور اتنا ذرا تخت بھی لے آئے۔ رہی یہ بحث کہ حضرت سلیمان میں تخت لانے کی طاقت تھی یا کہ نہیں وہ ہم اسی بحث کے دوسرے باب میں بیان کریں گے انشاء اللہ۔

معراج میں سارے انبیاء نے بیت المقدس میں حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی۔ حضور براق پر تشریف لے گئے۔ اور براق کی رفتار کا یہ عالم کہ حد نظر اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ مگر رفتار انبیاء کا یہ عالم کہ ابھی بیت المقدس میں مقصدی تھے اور ابھی مختلف آسمانوں پر پہنچ گئے حضور فرماتے ہیں کہ سم نے فلاں آسمان پر فلاں معجزہ سے ملاقات کی جس سے معلوم ہوا کہ براق کی یہ برق رفتاری خزاں تھی کہ دو لہا گھوڑے پر سوار ہو کر خزاں ہی جایا کرتے ہیں اور انبیاء کی خدمت گذاری کا وقت تھا۔ ابھی بیت المقدس میں اور ابھی افلاک پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعة اللمعات آخر باب زیارة القبور میں فرمایا کہ ہر پنجشنبہ کے دن مردوں کی روحیں اپنے خویش واقارب کے یہاں جا کر ان سے ایصال ثواب کی تمنا کرتی ہیں۔ اب اگر کسی میت کے خویش واقربا دوسرے ممالک میں بھی رہتے ہوں تو وہاں ہی پہنچیں گی۔

ہماری اس گفتگو سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ سارے عالم پر نگاہ رکھنا ہر جگہ کی آنا فانا سیر کر لینا ایک وقت میں چند جگہ پایا جانا یہ وہ صفات ہیں کہ رب نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں۔ اس سے دو باتیں لازم آئیں ایک تو یہ کہ کسی بندے کو ہر جگہ حاضر دناظر ماننا شرک نہیں کہ شرک کہتے ہیں۔ خدا کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک ماننا۔ یہاں یہ نہیں دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کے خدام میں ہر جگہ

رہنے کی طاقت ہے تو حضور علیہ السلام میں بدرجہ اولیٰ یہ صفت ہے۔

(۲) دنیا میں پانی اور دانہ ہر جگہ موجود نہیں۔ بلکہ خاص خاص جگہ ہے۔ پانی تو کنویں اور تالاب و دریا وغیرہ میں ہے دانہ کھیت یا گھر دن وغیرہ میں۔ مگر ہوا اور دھوپ عالم کے گوشہ گوشہ میں ہے کہ فلاسفہ کے نزدیک خلا محال ہے ہر جگہ ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہوا اور روشنی کی ہر وقت ہر چیز کو ضرورت ہے اور حبیب خدا علیہ السلام کی بھی ہر مخلوق الہی کو ہر وقت ضرورت ہے جیسا کہ ہم روح البیان وغیرہ کے حوالے سے ثابت کر چکے تو لازم ہے کہ حضور علیہ السلام کی ہر جگہ جلوہ گری ہے۔

(۳) حضور علیہ السلام تمام عالم کی اصل ہیں۔ دَكَلَّ الْخَلْقِ مِنْ نُوْمِرِيٍّ اور اصل کا اپنی فرع میں مادہ کا سارے مشتقات میں ایک کا سارے عددوں میں رہنا ضروری ہے۔

ہر ایک ان سے ہے وہ ہر اک میں ہیں وہ ہیں ایک علم حساب کے بنے دو جہاں کی وہ ہی بسا وہ نہیں جو ان سے بنا نہیں!

## دوسرا باب (۲)

### مسئلہ حاضر و ناظر پر اعتراضات کے بیانیہ

اعتراض (۱) ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے علیٰ کُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ! اَبْكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ لِّہَا غیر میں یہ صفت ماننا شرک فی الصفت ہے۔

جواب :- ہر جگہ میں حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدا نے تعانی جگہ اور مکان سے پاک ہے کتب عقائد میں ہے۔ لَا یَجْرِیْ عَلَیْہِ سَرْمَاتٌ وَلَا یَسْتَمِلُ عَلَیْہِ مَکَانٌ۔ خدا پر نہ زمانہ گزرے کیونکہ زمانہ سفلی اجسام پر زمین میں رہ کر گزرتا ہے انہیں کی عمر ہوتی ہے۔ چاند سورج تارے حور و غلمان فرشتے بلکہ آسمان پر عیسیٰ علیہ السلام معراج میں حضور علیہ السلام زمانہ سے علیحدہ ہیں اور نہ کوئی جگہ خدا کو گھیرے خدا تعالیٰ حاضر ہے مگر بغیر جگہ کے اسی لئے ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کو متشابہات سے مانا گیا ہے اور اَبْكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ وغیرہ آیات میں مفسرین فرماتے ہیں عَلِمًا وَقُدْرًا یعنی اللہ کا علم اور اس کی قدرت عالم کو گھیرے ہوئے ہے۔

وہی لامکاں کے مکین ہوئے سرعش تخت نشین ہوئے! وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکان وہ خدا ہے جس کا مکان نہیں خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے۔ ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے اور اگر مان بھی لیا جائے بغرض محال! تو بھی حضور علیہ السلام کی یہ صفت عطائی۔ حادث مخلوق قبضہ الہی میں ہے اور خدا کی یہ صفت ذاتی قدیم غیر مخلوق ہے کسی کے قبضے میں نہیں اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ جیسے کہ حیوۃ سمع بصر وغیرہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۱ میں ہے۔ یہ فخر دو عالم علیہ السلام کو مولود میں حاضر جاننا بھی غیر ثابت ہے اگر باعلام اللہ تعلقے جانتا ہے تو شرک نہیں ورنہ شرک ہے۔ یہ ہی مضمون براہین قاطعہ صفحہ ۲۳ میں ہے مولوی رشید احمد صاحب نے رجسٹری فرمادی کہ غیر خدا کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننا بہ عطا الہی شرک نہیں اگر کوئی کہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ خالقیت و جوب قدم وغیرہ دیگر صفات الہیہ بھی پیغمبروں کو عطائی مان لو اور حضور کو خالق واجب قدیم کہا کر دو اس کا جواب یہ ہے کہ چار صفات قابل عطا نہیں کہ ان پر الوہیت کا مدار ہے، وجوب، قدیم، خلق، نہ مرنا دیگر صفات کی تجلی مخلوقات میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے سمع بصر حیات وغیرہ مگر ان میں بھی بڑا فرق ہوگا رب کی یہ صفات ذاتی، واجب، نہ ٹٹنے والی اور مخلوق کی عطائی، ممکن، فانی سے

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل • خدا بن کے آتا وہ بسدا خدا

آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ لوگ اپنے اپنے قلم پانی میں ڈال رہے تھے۔

اعتراف (۲) قرآن کریم نے فرمایا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَقُولُونَ أَتَدْرَأُونَهُمْ

حضرت مریم کے حاصل کرنے کے لیے:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ اجْتَمَعُوا أَمْرَهُمْ۔

آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کیا آپ مغربی کنارہ میں نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف حکم بھیجا۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْعَرَبِ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ۔

آپ طور کی طرف نہ تھے جبکہ ہم نے حضرت موسیٰ کو آواز دی

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ گذشتہ زمانہ میں جو یہ مذکورہ واقعات ہوئے اس وقت آپ وہاں موجود نہ

تھے سوائے ظاہر ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔

جواب: یہ سوال اس وجہ سے ہے کہ معترض کو حاضر و ناظر کے معنی کی خبر نہیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حاضر و ناظر کی تین صورتیں ہیں ایک جگہ رہ کر سارے عالم کو دیکھنا۔ ان کی آن میں سارے عالم کی سیر کر لینا۔ ایک وقت میں چند جگہ ہونا۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ آپ بائیں جسم پاک دہاں موجود تھے ان میں یہ کہاں ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے اس جسد عنقریب سے دہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا کچھ اور بلکہ آیات مذکورہ بالا کا مطلب ہی یہ ہے کہ اے محبوب علیہ السلام آپ دہاں بہ این جسم موجود نہ تھے لیکن پھر آپ کو ان واقعات کا علم اور مشاہدہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سچے نبی ہیں یہ آیات تو حضور کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کر رہی ہیں۔ تفسیر صادی میں وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ الْاَيْتَةِ كِي تَفْسِيرِ فِي هِيَ -

یعنی یہ فرمانا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ کی جگہ نہ تھے جسمانی لحاظ سے ہے عالم روحانی کی حیثیت سے حضور علیہ السلام ہر رسول کی رسالت اور آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کے جسمانی ظہور تک کے تمام واقعات پر حاضر ہیں۔

وَهَذَا بِالنَّظْرِ إِلَى الْعَالَمِ الْجِسْمَانِيِّ لِأَنَّ مَامَةَ الْحُجَّةِ عَلَى الْخَصْمِ وَأَمَّا بِالنَّظْرِ إِلَى الْعَالَمِ الرَّوحَانِيِّ فَهِيَ حَاضِرٌ مَرَّةً كُلِّ رَسُولٍ وَمَا دَقَّعَ مِنْ لَدُنِ أَدَمَ إِلَى أَنْ ظَهَرَ بِجِسْمِهِ الشَّرِيفِ (تفسیر، ادوی سورۃ قصص)

نیز ہجرت کے دن غار ثور میں صدیق صدق کو لیے ہوئے جلوہ گر میں کہ کفار مکہ دروازہ غار پر آپہنچے حضرت صدیق پریشان ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ | غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہمارے ساتھ تو ہے مگر ان کفار کے ساتھ نہیں لہذا خدا ہر جگہ نہیں کیونکہ کفار بھی تو عالم ہی میں تھے نیز غزوہ احد سے فارغ ہو کر کفار سے خطاب فرمایا۔

اللَّهُ مَعَنَا وَإِلَهُكُمْ كَمَا كُنَّا۔ | اللہ ہمارا مولیٰ ہے تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی سلطنت و حکومت فقط مسلمانوں پر تو ہے کفار پر نہیں۔ مولیٰ بمعنی والی۔ تو جس طرح اللہ دونوں کلاموں میں توجیہ کرے کہ پہلے کلام سے مراد ہے کہ اللہ رحم و کرم سے ہمارے ساتھ ہے اور جبر و قہر سے کفار کے ساتھ اور دوسرے کلام میں مراد ہے کہ مددگار والی ہمارا ہے تمہارا والی تو ہے مگر ناصر اور مدبر ہمارا نہیں اسی طرح الحج آیات میں بھی کہا گیا کہ بطریق ظاہر یہ ہیں کہ حضور نے آپ اس وقت انکے پاس نہ تھے۔

**اعترض (۳)** قرآن کریم فرماتا ہے: **وَهُنَّ أَهْلُ الْمَثَبَاتِ**  
**مَرْدُوًا عَلَى الدِّقَاتِ لَأَذْنَمْنَهُمْ نَحْنُ نَسَاءُ بَهْمُ**  
 اور کچھ مدینہ والے ان کی خوشبوگئی ہے۔ نفاق ان کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر نہیں ورنہ آپ کو منافقین کے اندر زنی رازدوں کی بھی خبر ہوتی حالانکہ آپ ان سے بے خبر تھے۔

**جواب:** اس کا تفسیری جواب ہم بحث علم غیب میں اسی آیت کے ماتحت دے چکے ہیں۔

**اعترض (۴)** بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ زید ابن ارقم نے عبداللہ ابن ابی کی شکایت کی کہ وہ لوگوں سے کہتا ہے **لَا تَنْفِقُوا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ** مسلمانوں کو کچھ خرچ نہ دو۔ عبداللہ ابن ابی نے بارگاہِ الہی میں آکر چھوٹی قدر کھالی کہ میں نے یہ نہ کہا تھا **فَصَدَّقْتَهُمْ وَكَذَّبْتَنِي** حضور علیہ السلام نے ان کو سچا مان لیا اور مجھ کو جھوٹا۔ اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر ہیں۔ تو ابن ابی کی غلط تفسیق کیوں کر نہ، جب آیت کریمہ نازل ہو کر زید ابن ارقم کی تصدیق کی تو یہ سچے ہوئے۔

**جواب:** عبداللہ ابن ابی کی تصدیق فرمادینے سے لازم نہیں کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو شرمنا مقدّمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے۔ ورنہ مدعی علیہ قسم کھا کر قناعت بہت لیکھ کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعا علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ مدعی تھے کہ ابن ابی نے توہین کی اور ابن ابی منکر چونکہ حضرت زید کے پاس گواہی نہ تھی عبداللہ کی قسم پر فیصلہ کر دیا گیا۔ پھر جب قرآن نے زید کی گواہی دی تب اس گواہی سے انکی تصدیق ہوئی۔ قیامت میں گذشتہ کفار اینیاری تبلیغ کا انکار کریں گے اور اینیاری دعویٰ۔ رب العالمین اہمت مصطفیٰ علیہ السلام سے اینیاری کرام کے حق میں گواہی لیکر اینیاری کرام کی تصدیق فرمایا گیا۔ اسی طرح کفار عرض کریں گے **وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا نَشْرِكُ لَيْتَنَّا كُنَّا نَعْلَمُ** ہم مشرک نہ تھے تب انکے نامہ اعمال اور ملائکہ اور ان کے اعضاد سے گواہی لیکر ان کے خلاف فیصلہ ہوگا۔ تو کیا رب کو بھی اصل واقعہ کا پتہ نہ تھا۔ ضرور تھا مگر یہ قانون کی پابندی سے کذب نبی کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی۔ یہ معنی انہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا۔ کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہ عادل ہیں اور کسی مسلمان کو بلا دلیل فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ کبھی دیوبندی کہتے ہیں کہ کیا نبی علیہ السلام گندی جگہ اور دوزخ میں بھی حاضر ہیں۔ ان کو دماغ ماننا بے ادبی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر جگہ حاضر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کی شعاع یا نور نظریات و مشنوں کا ہر جگہ ہونا کہ یہ چیزیں ہر جگہ موجود ہیں۔ مگر گندی سے گندی نہیں ہوتی

بتاؤ تم رب کو ان سب جگہ حاضر مانتے ہو یا نہیں؟ اگر مانتے ہو تو اس کی بے اہلی ہوئی یا نہیں۔ نور انقباط  
گندی جگہ پڑنے سے ناپاک نہیں تو حقیقت محمدیہ جسے ب نور فرمائے اس پر ناپاکی کے اس کام کیوں جاری ہو۔  
اعتراف (۵) ترمذی میں ابن مسعود سے روایت ہے۔

لَا يَلْعَنُنِي أَحَدٌ عَنِ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي شَيْئًا  
قَالَ أَحِبَّ أَنْ أَسْرُجَ أَيْتَكُمْ وَأَنَا سَلِيمٌ التَّعَدُّرِ  
کوئی شخص ہم سے کسی صحابی کی باتیں نہ لگائے ہم  
چاہتے ہیں کہ تم ہمارے پاس صاف دل آیا کریں۔  
الرحضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ہوتے تو خبر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کو ویسے ہی خبر رہتی۔

جواب:- انبیائے کرام کے علم شہوری میں ہر وقت ہر چیز رہتی ہے مگر ہر چیز پر ہر وقت تو بہ  
رہنا ضروری نہیں۔ اس کے متعلق ہم بحث علم غیب میں حاجی امداد اللہ صاحب کی عبارت پیش کر  
چکے ہیں۔ اب حدیث کا مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم کو لوگوں کی باتوں کی طرف توجہ دلا کر کہہ دی کی طرف  
سے ناراض نہ بناؤ۔ ایک بگڑا شمار ہوا ہے دَرُونِي دَأْتُو كُمْ مَجِبًا تَكْتُمُو كُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ  
چھوڑے رہو۔

اعتراف (۶) بیہقی میں ہے مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ  
قَبْرِي سَمِعْتُهُ دَعْوَى صَلَّيْ عَلَيَّ نَائِبًا  
جو شخص ہم پر ہماری قبر کے پاس درود بھیجتا ہے  
تو ہم خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود بھیجتا ہے  
تو ہم تک پہنچایا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دور کی آواز آپ تک نہیں پہنچتی در نہ پہنچائے جانے کی کیا ضرورت ہے۔  
جواب:- اس حدیث میں یہ کہاں ہے کہ درود ہم نہیں سنتے۔ مطلب بالکل ظاہر ہے کہ قریب  
والے کا درود تو صرف خود سنتے ہیں۔ اور دور والے کا درود سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے ہم حاضر  
و ناظر کے ثبوت میں دلائل النجرات کی وہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ اہل محبت کا درود تو ہم بہ نفس نفیس  
خود سن لیتے ہیں۔ اور غیر محبت والوں کا درود پہنچایا جاتا ہے تو دور و قریب سے مراد وہی دوری قریبی  
ہے نہ کہ مسافت کے لحاظ سے۔

گر بے مہنی در مہنی  
گر با مہنی دور مہنی پیش مہنی  
پہنچائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ آپ اس کو سنتے ہی نہیں۔ در نہ ملا کہ بندوں کے اعمال بارگاہ  
الہی میں پیش کرتے ہیں تو کیا رب کو خبر نہیں۔ درود کی پیشی میں بندوں کی عزت ہے کہ درود پاک کی

برکت سے ان کا یہ رتبہ ہوا کہ غلاموں کا نام شہنشاہِ انام کی بارگاہ میں آگیا۔ صُغَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔  
 فقہار فرماتے ہیں کہ نبی کی توہین کرنے والے کی توہین قبول نہیں۔ دیکھو شامی باب المرتدین کیونکہ یہ  
 توہین حق العباد ہے جو توہین سے معاف نہیں ہوتا اگر توہین کی حضور کو خبر نہیں ہوتی تو یہ حق العباد کیونکہ  
 بنی۔ غیبت اسی وقت حق العباد بنتی ہے جب اس کی خبر اس کو ہو جاوے جس کی غیبت کی گئی درجہ حق القدر  
 رہتی ہے۔ دیکھو شرح فقہ اکبر مصنف علاءی قاری۔

کتاب جلال الافہام مصنف ابن قیم شاگرد ابن تیمیہ صفحہ ۳۲ حدیث نمبر ۱۰۸ میں ہے۔  
 لَيْسَ مِنْ عِبَادِ يَعْزَلُ عَلَى الْاَبَاعِي صَوْتُهُ | یعنی کوئی کہیں سے درود شریف پڑھے مجھے اسکی  
 حَيْثُ كَانَ قَلْبًا بَعْدَ قَاتِلِ ذَالٍ وَبَعْدَ ذَاتِي۔ | آواز پہنچتی ہے۔ یہ دستور بعد وفات بھی رہیگا۔

جلال الافہام مطبوعہ ادارہ الطباعۃ المنیر یہ صفحہ ۳۲ انیس الجلیس مصنفہ مولانا جلال الدین سیوطی صفحہ  
 ۲۲۲ میں ہے کہ سفیر علیہ السلام نے فرمایا۔

أَصْحَابِي أَخَوَانِي سَلُّوا عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ كَالثَّنِينَ وَ | یعنی ہر جمعہ و پیر کو مجھ پر درود زیادہ پڑھو میری وفات  
 الْجَمْعَةَ بَعْدَ ذَاتِي قَاتِي قَاتِي أَسْمَعُ صَلَوَاتِكُمْ بِلَا وَاسِطَةٍ | کے بعد کیونکہ میں تمہارا درود بلا واسطہ سنتا ہوں۔  
 اعتراف (۷) فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔

مَنْ قَالَ إِنَّ أَرْوَاحَ الْمُشَاطِحِ حَاضِرَةٌ تَعْلَمُ | جو کہے کہ مشائخ کی روہیں حاضر ہیں جہاں ہوتی ہیں وہ  
 يَكْفُرُ۔ | کافر ہیں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۵۵ میں فرماتے ہیں کہ انبیاء و مرسلین و الوازم الوہیت  
 از علم غیب نشین فریاد بر کس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدرات ثابت کنند یعنی نبی اور پیغمبروں کے  
 لئے خدائی صفات جیسے علم غیب اور ہر جگہ سے ہر شخص کی فریاد سنا اور تمام ممکنات پر قدرت ثابت کرتے  
 ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم غیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہے۔ کسی اور میں ماننا منحرف  
 کفر ہے۔ بزازیہ فقہ کی معتبر کتاب ہے وہ حکم کفر دے رہی ہے۔

جواب:۔ فتاویٰ بزازیہ کی ظاہر عبارت کے زو میں تو مخالفین بھی آتے ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ہم  
 امداد السلوک مصنفہ مولوی رشید احمد صاحب کی عبارت پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے نہایت صفائی  
 سے شیخ کی روح کو مریدین کے پاس حاضر جاننے کی تعلیم دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ بزازیہ کی عبارت

میں یہ تصریح نہیں ہے کہ کس جگہ روح مشائخ کو حاضر جانے پر جگہ یا بعض جگہ اس اطلاق سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی مشائخ کی روح کو ایک جگہ بھی حاضر جانے یا ایک بات کا بھی علم مانے تو کافر ہے اب مخالفین بھی اروح مشائخ کو ان کی قبر یا مقام علیتین برزخ وغیرہ جہاں وہ رہتی ہیں۔ دہاں تو حاضر مانینگے ہی ہیں۔ بس کہیں بھی مانا کفر ہوتا۔ تیسرے اس لیے کہ ہم اس بحث حاضر و ناظر میں شامی کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ یہ حاضر یا ناظر کہنا کافر نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم اشعة اللمعات اور احیاء العلوم بلکہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی دہلوی کی عبارت بیان کر چکے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نمازی اپنے قلب میں حضور علیہ السلام کو حاضر جان کر التَّلَامُ عَلَيَّكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ کہے۔ اب ان اکابر فقہاء پر بزازیہ کا فتویٰ جاری ہو گیا انہیں لہذا ماننا ہو گا کہ بزازیہ میں جس حاضر و ناظر ماننے کو کفر فرمایا جا رہا ہے وہ حاضر و ناظر ہونا ہے جو صفت الہیہ ہے یعنی ذاتی و قدیم، واجب بغیر کسی جگہ میں ہوتے کہ ایسا حاضر ہونا رب کی صفت ہے وہ ہر جگہ ہے مگر کسی جگہ میں نہیں۔ پہلے سوال کے جواب میں ہم فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب ابدعات صفحہ ۹۱ کی عبارت اور بزازیہ کا طالعہ صفحہ ۲۳ کی عبارت نقل کر چکے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ مولوی رشید احمد ذیل احمد صاحبان بھی اس نکتے میں ہم سے متفق ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت بالکل واضح ہے کہ مشائخ و انبیاء کی قدرت، تمام مقدرات الہیہ پر اللہ کی طرف ماننا کفر ہے ورنہ خود شاہ عبدالعزیز صاحب دَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ سَهْرًا حَيْدَا کے ماتحت حضور علیہ السلام کو حاضر ناظر ماننے میں۔ ان کی بحث علم غیب میں اسی آیت مذکورہ کے ماتحت لکھ چکے ہیں۔

**اعترض (۸)** اگر حضور حاضر بھی ہیں اور نور بھی تو چاہیے کہ رات میں کبھی اندھیرا نہ ہو مگر ہر جگہ اندھیرا ہوتا ہے لہذا تو حضور نور نہیں یا نور میں مگر ہر جگہ حاضر نہیں۔

**جواب** اس کے دو ہیں ایک لازمی دوسرا تحقیقی۔ جواب لازمی تو یہ ہے کہ قرآن مجید نور ہے اور ہر گھر میں بھی نیز فرشتے نور بھی ہیں اور ہر انسان کے ساتھ بھی نیز رب تعالیٰ نور بھی ہے اور ہر ایک کے ساتھ بھی مگر پھر بھی رات کو اندھیرا ہوتا ہے لہذا تو فرشتے۔ قرآن۔ نبی تعالیٰ نور نہیں یا ہاں نہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ قرآن۔ فرشتوں کی نورانیت ایمانی ہے اور نور کو دیکھنے کے لئے دیکھنے والے میں بصیرت کا نور چاہیے بعض مقبول لوگ وہ نور اب بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

**اعترض (۹)** بعض مخالفین جب کوئی رات نہ نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ ہم المیہ میں ہر جگہ پہنچ جائیں مگر ملاقات مانتے ہیں۔ اسی طرح آصف ابن برخیا اور ملک الموت اور ملائکہ میں یہ ملاقات تسلیم کرتے ہیں مگر یہ نہیں مانتے کہ دیگر مخلوق کے



کلمات پیغمبروں میں یا حضور علیہ السلام میں جمع ہیں۔ مولوی قاسم صاحب تحذیر الناس میں لکھتے ہیں کہ ہر ما عمل اس میں بسا اوقات غیر نبی نبی سے بڑھ جاتے ہیں جو المذنبین میں مولوی حسین احمد صاحب نے لکھا کہ دیکھو تحت بلقیس لانے کی طاقت حضرت سلیمان میں نہ تھی اور آصف میں تھی درناپ خود ہی کیوں نہ لے آئے اسی طرح ہد ہد نے کہا کہ اَحَطَّتْ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خَيْرًا اے سلیمان میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جس کی خبر آپ کو نہیں نیز ہد ہد کی آنکھ زمین کے اندر کا پانی دیکھ لیتی ہے اسی لئے وہ حضرت سلیمان کی خدمت میں مبتلا تھا کہ جنگل میں زمین کے اندر کا پانی بتائے اور حضرت سلیمان کو اس کی خبر نہ تھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے علم و طاقت سے غیر نبی بلکہ جانور کا علم و طاقت زیادہ ہو سکتا ہے۔

**جواب:** غیر نبی میں نبی سے زیادہ یا کسی اور نبی میں حضور علیہ السلام سے زیادہ کمال ماننا صریح آیت قرآنی اور اس حدیث صحیحہ اور اجماع اُمت کے خلاف ہے خود مخالفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی عبارات ہم پیش کریں گے۔ یہ آٹھواں اعتراض نور اپنے مذہب کو چھوڑنا ہے۔ شفا شریف میں ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے۔ وہ کافر ہے۔ کسی بھی کمال میں کسی کو حضور علیہ السلام سے زیادہ ماننا کفر ہے کوئی غیر نبی نبی سے نہ تو علم میں بڑھ سکتا ہے نہ عمل میں۔ اگر کسی کی عمر ۸ سو سال ہو اور وہ اس تمام مدت میں عبادت ہی کرے اور کہے کہ میری عبادت تو ۸ سو سال کی ہے اور حضور علیہ السلام کی عبادت کل پچیس برس کی۔ لہذا عبادت میں حضور سے میں بڑھ گیا وہ بے دین ہے۔ ان کے ایک سجدے کا جو ثواب ہے وہ ہماری لاکھوں برس کی عبادت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ صرت یہ ہوا کہ اس کی محنت زیادہ ہوئی مگر قرب الہی، درجہ اور ثواب میں نبی سے اس کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ شان نبی تو بہت بلند و بالا ہے۔ شکوہ تاب فضائل الصحابہ میں ہے کہ میرے صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے برابر بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ شمسون بنی اسرائیل نے ایک ہزار ماہ یعنی ۸۳ سال چار ماہ مسلسل عبادت کی۔ مسلمانوں کو اس پر رشک ہوا کہ ہم اس کا درجہ ثواب کیسے پائیں تو آیت کریمہ اَتْرَىٰ لَيْلَةَ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ شب قدر تو ہزار ماہ سے بھی بہتر ہے۔ یعنی اے مسلمانو تم کو ہم ایک شب قدر دیتے ہیں کہ اس شب میں عبادت بنی اسرائیل کی ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے تو حضور علیہ السلام کی ایک ایک ساعت لاکھوں شب قدر سے افضل ہے۔ جن مسجد پاک کے ایک گوشہ میں سید الانبیاء آرام فرما میں یعنی مسجد نبوی دہان کی ایک رکعت پچاس ہزار کے برابر ثواب رکھتی ہے۔ جن کے قریب میں ہماری عبادت ایسی چھوٹی پھلتی ہے تو ان کی عبادت کا کیا پوچھنا ہے۔

اسی طرح یہ کہنا کہ آصف ابن برخیا میں تخت لانے کی طاقت تھی نہ کہ حضرت سلیمان میں محض بیوہ بکلا اس سے

قرآن کریم فرماتا ہے -

ذَقَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا  
إِيَّتِكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَنَّكَ طَرْفُكَ  
اس نے کہا جس کو کتاب کا علم تھا کہ میں اس تخت  
بلقیس کو آپ کے ملک چھکنے سے پہلے حاضر خدمت کر دوں گا  
معلوم ہوا کہ اصف کی یہ قدرت علم کتاب کی وجہ سے تھی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کو اسم اعظم یاد تھا  
جس سے وہ تخت لائے۔ ان کو یہ علم حضرت سلیمان کی برکت سے ملا۔ پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان میں  
یہ قدرت ہو اور ان کے سناؤ سیدنا سلیمان علیہ السلام میں نہ ہو بلکہ یہ کہ پھر آپ خود کیوں نہ لائے وجہ بالکل ظاہر  
ہے کہ کام کرنا خدا کا کام ہے نہ کہ سلاطین کا دبدبہ سلطنت چاہتا ہے کہ خدام سے کام لیا جاوے بلکہ  
اپنے نوکروں سے پانی منگو کر پیتا ہے تو کیا خود اس میں پانی لینے کی طاقت نہیں۔ رب العالمین دنیا کے  
سارے کام فرشتوں سے کرتا ہے کہ بارش برسانا، جہاں نکالنا، پیٹ میں بچہ بنانا سب ملائکہ کے سپرد  
ہے تو کیا خدا میں یہ طاقت نہیں ہے۔ کیا فرشتے خدا سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔

تفسیر روح البیان نے زیر آیت فَصَيَّاكُمْ فِي الشَّهَرِ مِمَّنْ تَأْتِيكُمْ بِرَحْمَتِنَا فرمایا ہے  
کہ حضرت سلیمان کا اصف کو بلقیسی تخت لانے کا حکم دینا اس لئے تھا کہ آپ نے اپنے درجہ سے اتنا نہ چاہا  
یعنی یہ کام خدام کا ہے۔ اسی طرح بدبذ کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جسکی  
آپ کو خبر نہیں۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی آپ کو خبر نہ تھی بدبذ سمجھا کہ شاید اس کی خبر حضرت کو نہ  
ہوگی یہ کہہ دیا لہذا اس سے سند نہیں پکڑی جاسکتی۔

نیز بدبذ نے عرض کیا کہ أَحَطُّتُ بِمَا لَدَيْكَ تَحِطُّ بِهِ میں وہ بات دیکھ کر آیا جو آپ نے نہ دیکھی یعنی اس  
ملک میں آپ بہ این جسم شریف مشاہدہ فرمانے نہ گئے خبر کی نفی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ  
خبر تھی مگر نشا الہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام ایک بدبذ چڑیا کے ذریعہ ہونا کہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کے پاس  
بیٹھنے والے جانوروں کا کام کر دکھاتے ہیں جو دوسرے انسانوں سے نہیں ہو سکتے اگر حضرت سلیمان کو خبر نہ تھی  
تو اصف ابن برخیا بغیر کسی سے پتہ پوچھے من کے شہر بسا میں بلقیس کے گھر کیسے پہنچے اور ان کی آن میں تخت  
کیسے لے آئے؟ معلوم ہوا کہ سارا ملک میں حضرت اصف کے سامنے تھا تو پھر حضرت سلیمان سے کیسے مخفی رہ  
سکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کو باپ کا پتہ معلوم تھا۔ مگر وقت سے پہلے اپنی خبر نہ دی تاکہ قحط سانی پڑے  
اور آپ کی شان دنیا کو معلوم ہو۔ پھر باپ سے ملاقات ہو۔ نسرہ میں کے نیچے کا پانی معلوم کرنا بدبذ کی یہ خدمت

تھی سلاطین ان کاموں کو آپ نہیں کرتے۔ مثنوی شریف میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے موزے اتار کر رکھ دیئے کہ ایک چیل نے چھٹ کر ایک موزہ اٹھایا اور اوپر سے جا کر اٹا کر کے پھینک دیا۔ جس میں سے سانپ نکلا۔ حضور علیہ السلام نے چیل سے دریافت فرمایا کہ تو نے میرا موزہ کیوں اٹھایا؟ عرض کیا کہ جب میں اڑتی ہوئی آپ کے سر مبارک کے مقابل آئی تو آپ کے سر سے آسمان تک وہ نور تھا کہ اس میں آکر جھ پر زمین کے ساتوں طبقے روشن ہو گئے۔ اُس سے میں نے آپ کے موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا تو اس خیال سے اٹھایا کہ شاید آپ بے توجہی میں اس کو پہن لیں اور آپ کو تکلیف پہنچ جاوے مولنا فرماتے ہیں کہ

مادر موزہ بہ بیسّم اندہ ہوا ! \* تیسٹ از من عکس تست اے مصطفیٰ  
پھر حضور نے فرمایا

گرچہ ہر غیبی خدا مارا نمود \* دل دریں لحظہ بحق مشغول بود  
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بار عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آج بہت تیز بارش آئی اور آپ قبرستان میں تھے آپ کے کپڑے کیوں تر نہ ہوئے؟ فرمایا کہ عائشہ تم نے کیا اڑھا ہوا ہے؟ عرض کیا کہ آپ تہ بند شریف فرمایا کہ  
گفت بہراں نمود اے پاک حبیب \* چشم پاکت را خدا باران غیب !  
تیسٹ این باران ازین ابر شما \* مہست باران دیگر دیگر سما !  
اے محبوبہ اس تہ بند شریف کی برکت سے تمہاری آنکھوں سے غیب کے پرورے کھل گئے۔ یہ بارش نور کی تھی نہ کہ پانی کی بارش۔ اس کا بارل اور آسمان ہی دوسرا ہے۔ اے عائشہ یہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتی۔ تم نے ہمارے تہ بند کی برکت سے اس کو دیکھ لیا۔ بد بد کی آنکھ کو یہ طاقت ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر پانی ڈالنے کی برکت سے ملی اور حضرت سلیمان کی صحبت سے۔

اعتراف (۹) اگر حضور علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو مدینہ پاک حاضر ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب :- جب خدا ہر جگہ ہے تو کعبہ جانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر معراج میں حضور علیہ السلام کے عرش پر جانے کا کیا فائدہ تھا؟ جناب مدینہ منورہ دار السلطنت ہے۔ اور خاص سجدی گاہ جیسے کہ برقی طاقت کے لئے پاور ہاؤس بلکہ اویار اللہ کی قبور مختلف پادروں کے قفقے ہیں۔ ان کی بھی زیارت ضروری ہے۔

اعتراف (۱۰) اگر حضور حاضر ناظر ہیں تو تم لوگ نماز کی امامت کیوں کرتے ہو ہر جگہ حضور ہی امام ہونے چاہئیں۔

جواب: کسی آیتہ یا حدیث میں یہ نہیں کہ حضور کی موجودگی میں کوئی امامت نہیں کر سکتا حضرت صدیق اکبر نے حضور کی حیات شریف میں ۷ نمازیں پڑھیں حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضور کی موجودگی میں نماز فجر پڑھائی خود حضور انور نے ان کے پیچھے ایک رکعت پڑھی۔ جناب امامت کے لئے ضروری ہے کہ امام حاضر بھی ہو نظر بھی آئے نماز بھی پڑھائے حضور حاضر ہیں اور تمام جہان کو ملاحظہ فرما رہے ہیں مگر وہ تو نظر نہیں آتے ناظر میں مگر منظور نہیں نیز اب آپ یہ نماز کسی کو نہیں پڑھاتے کہ یہ نماز اسی عالم کی چیز ہے حضور دوسرے عالم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور حضور پر اب نماز فرض نہیں ہم پر فرض ہے فرض والا نفل والے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا۔

## حضور علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنے کی بحث

اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں

### مقدمہ: نبی کی تعریف اور ان کے درجات کے بیان میں

**عقیدہ:** نبی وہ انسان مرد ہیں جن کو اللہ نے احکام شریعی کی تبلیغ کے لیے بھیجا (شرح عقائد) لہذا نبی نہ تو غیر انسان ہو اور نہ عورت۔ قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْ  
 اور ہم نے آپ سے پہلے نہ بھیجا مگر ان مردوں کو  
 جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔  
 إِلَيْهِمْ۔

معلوم ہوا کہ جن فرشتہ، عورت وغیرہ نبی نہیں ہو سکتے۔ عقیدہ نبی ہمیشہ اعلیٰ خاندان اور عالی نسب میں سے ہوتے ہیں اور نہایت عمدہ اخلاق ان کو عطا ہوتے ہیں۔ ذلیل قوم اور ادنیٰ حرکات سے محفوظ (بہار شریعت) بخاری جلد اول کے شروع میں ہے کہ جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس حضور علیہ السلام کا فرمان عالی پہنچا کہ اَسَلِمُكَ اَسَلِمُكَ اَسَلِمُكَ اسلام لے آ سلامت رہے گا۔ تو ہرقل نے یوسفیان کو بلا کر حضور علیہ السلام کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ کَيْفَ نَسَبُ قَيْكُمُ تم میں ان کا خاندان و نسب کیسا ہے؟ یوسفیان نے کہا هُوَ قَيْنَا ذُو نَسَبٍ وہ ہم میں نہایت اعلیٰ خاندان والے ہیں یعنی قریشی

ہاشمی و مطلبی میں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے جواب میں ہرقل نے کہا: كَذَلِكَ الرَّسُولُ تَبِعَتْ فِي قَوْمِهَا  
 ہمیشہ انبیائے کرام عالی قوم و اعلیٰ خاندان میں بھیجے جاتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام  
 عالی خاندان میں تشریف لاتے ہیں۔

تنبیہ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر قوم میں نبی آئے یعنی معاذ اللہ بھنگیوں، چماروں، ہندوؤں  
 بدھ اور حبشی وغیرہ میں ان ہی کی قوم سے آئے۔ لہذا لال گرد، کرشن، گونم بدھ وغیرہ چونکہ نبی تھے اس لیے  
 ان کو بڑا نہ کہو۔ قرآن فرماتا ہے۔ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ بَرِّقَوْمٍ مِّنْ هَادِيٍّ مِّنْ نَّبِيٍّ هُوَ نَبِيٌّ مِّنْ قَوْمٍ  
 حضرت موسیٰ کی والدہ اور حضرت مریم کو وحی ہوئی اور جس کو وحی ہو وہ نبی ہے۔ دَاوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ  
 مَوْسٰى وَغَيْرِهٖ لِهٰذَا يَوْمَ تَمِيْنُ نَبِيٍّ مِّنْ مَّكْرِيْمٍ دُوْنُوْنَ قَوْلٍ غَلَطَ فِيْ اَوَّلِ تَوَا سَ لَيْسَ كَدٰهٖ اَيْتٍ پوری نہیں  
 بیان کی اور ترجمہ بھی درست نہیں کیا۔ آیت یہ ہے۔ اِنَّمَا اَنْتَ مُنذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ تَمَّ وَّر  
 سنانے والے اور ہر قوم کے ہادی ہو۔ یعنی ہر قوم کا ہادی ہونا حضور علیہ السلام کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء  
 خاص خاص قوموں کے نبی ہوتے تھے اور اے محبوب تم ہر قوم کے نبی ہو۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ  
 اس آیت کے یہ ہی معنی ہیں کہ ہر قوم میں ہادی ہوئے تو یہ کہاں ہے کہ ہر قوم میں اس ہی قوم سے  
 ہادی ہوئے۔ ہو سکتا ہے کہ اشرف قوم میں نبی آئے۔ دیگر تو میں بھی ان کے ماتحت رہیں۔ حضور علیہ  
 السلام قریشی ہیں۔ مگر پٹھان، شیخ سید غزنیہ ساری قوموں بلکہ ساری مخلوق کے نبی ہیں نیز لفظ ہادی  
 عام ہے کہ نبی ہو یا غیر نبی۔ تو یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہر قوم میں اس قوم میں سے بعض بعض کے لیے  
 رہبر ہوئے۔ بلکہ ہادیو، کرشن وغیرہ کی ہستی کا بھی شرعی ثبوت نہیں قرآن و حدیث نے ان کی خبر  
 نہ دی۔ صرف بت پرستوں کے ذریعہ ان کا پتہ لگا وہ بھی اس طرح کہ کسی کے چار ہاتھ کسی کے چھ پاؤں  
 کسی کے منہ پر ہاتھی کی سی سونڈ۔ کسی کے چوڑے پر لنگور کی سی دم۔ ان کے نام بھی گھڑے ہوئے  
 اور ان کی صورتیں بھی۔ رب نے عرب کے بت پرستوں کو فرمایا۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ اِلٰهًا سَمِيْعًا وَّ اَبْصٰرًا وَّ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ

یہ تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے گھڑے ہوئے نام ہیں۔

جب ان کے ہونے کا ہی یقین نہیں تو انہیں نبی مان لینا کون سی عقلمندی ہے۔

دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے دل میں القاریا الہام

کیا گیا تھا جسے قرآن نے اَوْحَيْنَا سے تعبیر کیا وحی یعنی الہام بھی آتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے



رحم فرما! اس تو اور تیرے کی حیثیت اور ہے۔

(۱) قرآن کریم فرماتا ہے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ

رسول کے پکارنے کو ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اور ان کے حضور بات چلتا کرتے ہو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ ہمیں تمہارے اعمال برباد نہ ہو جاویں اور تم کو خبر نہ ہو۔

ضبطی اعمال کفر کی وجہ سے ہوتی ہے مدارج جلد اول و عمل از جملہ رعایت حقوق ادیت میں ہے

مخواتید اور ابنام مبارک اور چنانکہ می خوانید بعضے از شما بعض را بلکہ گویند یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا توفیر و توضع یا نبی علیہ السلام کو ان کا نام پاک سے کرنے بلاؤ جیسے بعض بعض کو بلاتے ہیں۔ بلکہ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ توفیر و عزت کے ساتھ۔ تفسیر روح البیان زیر آیت لَا تَجْعَلُوا ہے۔

وَالْمَعْنَى لَا تَجْعَلُوا إِدْعَاءَ كَمَا إِتَاهَا وَتَسْمِيَتِكُمْ لَهُ كَنِدَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا كَمَا سَمِعْتُمْ يَا مُحَمَّدٌ وَيَا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ وَلَكِنْ بَلَقِيهِ الْمُعْظَمُ مِثْلُ يَا نَبِيَّ اللَّهِ وَيَا رَسُولَ اللَّهِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَيَا أَيُّهَا الرَّسُولُ

معنی یہ ہیں کہ حضور علیہ السلام کو پکارنا یا نام لینا ایسا نہ بناؤ جیسا کہ بعض لوگ بعض کو نام سے پکارتے ہیں جیسے یا محمد اور یا ابن عبد اللہ وغیرہ لیکن ان کے عظمت والے القاب سے پکارو جیسے یا نبی اللہ یا رسول اللہ جیسا کہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یا ایہا النبی یا ایہا الرسول

ان آیات قرآنیہ اور اقوال مفسرین و محدثین سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ادب ہر حال میں ملحوظ

رکھا جاوے نہ رہے، کلام میں، ہر او میں۔

(۲) دنیاوی عظمت والوں کو بھی ان کا نام لے کر نہیں پکارا جاتا۔ ماں کو والدہ صاحبہ، باپ کو والد ماجد، بھائی کو بھائی صاحب جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں اگر کوئی اپنی ماں کو باپ کی بیوی یا باپ کو ماں کا شوہر کہے یا اس کا نام لے کر پکارے یا اس کو بھیا وغیرہ کہے۔ تو اگرچہ بات تو سچی ہے مگر بے ادب گستاخ کہا جائیگا کہ برابر ہی کے کلمات سے کیوں یاد کیا۔ حضور علیہ السلام تو خلیفۃ اللہ الاعظم ہیں ان کو نام سے پکارنا یا بھائی وغیرہ کہنا یقیناً حرام ہے۔ گھر میں بہن ماں بیوی بیٹی سب ہی عورتیں ہیں مگر ان کے نام و کام و احکام جدا گانہ جو ماں کو بیوی یا بیوی کو ماں کہہ کر پکارے وہ بے ایمان ہی ہے اور جو ان سب کو ایک نگاہ سے دیکھے وہ مردود ہے ایسے ہی جو نبی کو امتی یا امتی کو نبی کی طرح سمجھے وہ ملعون ہے دیوبندیوں نے نبی کو امتی کا درجہ دیا یا ان کے

پیشوا مولوی اسماعیل نے سید احمد بریلوی کو نبی کے برابر کسی دی دیکھو صراط مستقیم کا خاتمہ معاذ اللہ۔

(۱۳) رب تعالیٰ جس کو کوئی خاص درجہ عطا فرمائے۔ اس کو عام القاب سے بچانا اس کے ان مراتب عابدیہ کا انکار کرنا ہے اگر دنیاوی سلطنت کی طرف سے کسی کو ذاب یا ننان بہادر کا خطاب ملے تو اس کو آدمی یا آدمی کا بچہ یا بھائی وغیرہ کہنا اور ان القاب سے یاد نہ کرنا جرم ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کے عطا کئے ہوئے ان خطابات سے ناراض نہ ہو تو جس ذات عالی کو رب کی طرف سے نبی رسول کا خطاب ملے اس کو ان القاب کے علاوہ بھائی وغیرہ کہنا جرم ہے۔

(۱۴) خود پروردگار عالم نے قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو یا محمد یا احما مومنین کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا ایہا النبی یا ایہا الرسول یا ایہا المرسل یا ایہا المذکور وغیرہ وغیرہ پکارے القاب سے پکارا حالانکہ وہ رب ہے تو ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ ان کو بشر یا بھائی کہہ کر پکاریں۔

(۱۵) قرآن کریم نے کفار مکہ کا یہ طریقہ بنایا ہے کہ وہ انبیاء کو بشر کہتے تھے۔

قَالُوا مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا لَنْ نَاطِعْتُمْ  
بَشَرًا مِّنكُمْ أَنْتُمْ إِذَا الْخَسِرُونَ

کافروں نے نہیں ہو تم مگر ہم جیسے بشر اگر تم نے اپنے جیسے  
بشر کی پیروی کی تو تم نقصان والے ہو وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی بہت سی آیات ہیں اسی طرح مساوات بنانا یا انبیاء کو اسم کی شان گھٹانا طریقہ ابلیسی ہے کہ اس نے کہا  
خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ

مطلب یہ کہ میں ان سے افضل ہوں۔ اسی طرح اب یہ کہنا کہ ہم میں اور پیغمبروں میں کیا فرق ہے۔ ہم  
بھی بشر وہ بھی بشر بلکہ ہم زندہ وہ مرے یہ سب ابلیسی کلام ہے۔

## دوسرا باب

### مسئلہ بشریت پر اعتراضات کے بیان میں

را قرآن فرماتا ہے قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ | اے محبوب فرمادو کہ میں تم جیسا بشر ہوں۔

اس آیت قرآنیہ سے معلوم ہوا کہ حضور بھی ہماری طرح بشر ہیں اگر نہیں ہیں تو آیت معاذ اللہ سھوٹی

ہو جاوے گی۔ جواب۔ اس آیت میں چند طرح غور کرنا لازم ہے ایک یہ کہ فرمایا گیا ہے قُلْ اے محبوب  
آپ فرمادو۔ تو یہ کلمہ فرمانے کی صرف حضور علیہ السلام کو اجازت ہے کہ آپ بطور انکسار و تواضع فرمادیں یہ نہیں کہ



قُولُوا إِنَّمَا هُوَ بَشَرٌ مِّثْلُنَا اے لوگو تم کہا کرو کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر ہیں۔ بلکہ قل میں اس جانب اشارہ ہے کہ بشر وغیرہ کلمات تم کہہ دو ہم تو نہ کہیں گے۔ ہم تو فرمائیں گے: شَاهِدًا ذُو مَبَشَرٍ اذْذَنْبِيَا دَدَاعِيَا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَّ اِحْمَانِيَا اَمَّا تُوْفِرَا مِيْنَ كَيْ يَا اَيْتِهَآ اَلْمَزْمَلُ يَا اَيْتِهَآ اَلْمُكْتَبُ وَغَيْرِهٖ ہم تو اپنی شان بڑھائیں گے آپ انکار یہ فرما سکتے ہیں۔ نیز اس آیت میں کفار سے خطاب ہے چونکہ ہر چیز اپنی غیر جنس سے نفرت کرتی ہے لہذا فرمایا گیا کہ اے کفار تم مجھ سے گھراؤ نہیں میں تمہاری جنس سے ہوں یعنی بشر ہوں۔ شکاری جانوروں کی سی آواز نکال کر شکار کرتا ہے۔ اس سے کفار کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے اگر دیوبندی بھی کفار میں سے ہی ہیں تو ان سے بھی یہ خطاب ہو سکتا ہے ہم مسلمانوں سے فرمایا گیا اَيْتِكُمْ مِّثْلِيْ۔ طوطے کے سامنے آئینہ رکھ کر اور خود آئینہ کے سچے کھڑے ہو کر بولتے ہیں تاکہ طوطا اپنا عکس آئینہ میں دیکھ کر سمجھے کہ یہ میرے جنس کی آواز ہے انیسائے کرام رب کا آئینہ ہیں آواز زبان ان کی ہوتی ہے اور کلام رب کا۔ گفت من آئینہ مشقول دوست۔ یہ عکس کا لحاظ ہے دوسرے اس طرح کہ مِثْلِكُمْ پُر آیت ختم ہوئی بلکہ آگے آ رہا ہے يُوْحٰى اِلٰى + يُوْحٰى اِلٰى كِي قَيْدِ اَيْسِيْ هٖ جِي سٖ ہم کہیں کہ زید و دیگر حیوانات کی طرح حیوان ہے مگر ناطق ہے تو ناطق کی قید نے زید اور دیگر حیوانات میں ذاتی فرق پیدا کر دیا کہ اس قید زید تو اشرف المخلوقات انسان ہوا۔ اور دوسرے حیوانات اور شے اسی طرح وحی کی صفت نے نبی اور امتی میں بہت بڑا فرق بنا دیا۔ حیوان اور انسان میں صرف ایک درجہ کا فرق ہے مگر بشریت اور شان مصطفویٰ میں ۲۷ درجہ فرق ہے دلائل بشر پھر شہید پھر متقی پھر ولی پھر ابدال پھر اوتاد پھر قطب پھر غوث پھر غوث الاعظم پھر تابعی پھر صحابی پھر ہاجر پھر صدیق پھر نبی پھر رحمتہ للعالمین وغیرہ یہ ۲۷ مراتب کا اجمالی ذکر ہے۔ تفصیل دیکھنا ہو تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں ملاحظہ کرو۔ تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام میں شرکت کیسی؟ یہ شرکت تو ایسی بھی نہیں جیسی کہ جنس عالی یا کسی عرض عام کے افراد کو انسان سے ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کہے اللہ ہماری طرح موجود ہے۔ اللہ ہماری طرح سمیع و بصیر ہے کیونکہ کلمہ موجود و علیم ہر جگہ بولا جاتا ہے جس طرح ہماری موجودیت اور رب کی موجودیت میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ ایسے ہی ہماری بشریت اور محبوب علیہ السلام کی بشریت میں کوئی نسبت نہیں۔ مولانا مثنوی میں فرماتے ہیں۔

اے ہزاراں جبریل اندر بشر بہر حق سوئے غریباں یک نظر

حضور علیہ السلام کی بشریت ہزار ہا جبریلی حیثیت سے اعلیٰ ہے۔



بے نشانی حق کے مظہر جو پھر مثل تمہارا کیونکر ہو؟ نیز میں کوئی تمہارا ہم رتبہ نہ کوئی تمہارا ہم پایا  
اس قدر فرق عظیم ہوتے ہوئے مشابہت کے کیا معنی۔

پانچویں اس طرح کہ اس آیت میں ہے بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ نہیں ہے کہ اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ بشر کے معنی  
میں ذوالبشرہ۔ یعنی ظاہری چہرے مہرہ والا۔ بشرہ کہتے ہیں ظاہر کھال کو۔ تو معنی یہ ہونے کہ میں ظاہر رنگ  
ورہ میں تم جیسا معلوم ہوتا ہوں کہ اعضائے بدن دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے  
یُوْحٰی اِلٰی ہِم صابح وحی میں۔ یہ گفتگو بھی فقط ظاہری طور پر ہے۔ درنہ ہمارے ظاہری اعضاء کو حضور  
علیہ السلام کے اعضاء مبارک سے کوئی نسبت نہیں۔ قدرت الہی تو دیکھو کہ منہ کا لعاب شریف کھاری کنوئیں  
میں پڑے پانی کو میٹھا کر دے۔ حدیثیہ کے خشک گوشوں میں پر مجا دے تو پانی پیدا کر دے۔ حضرت جباری کی  
ہانڈی میں پڑ کر شور با اور بوٹیاں بڑا دے۔ آٹھ میں پڑے تو آٹے میں برکت دے۔ صدیق کے پاؤں  
میں پہنچ کر سانپ کے زہر کو زہر کرے۔ عبداللہ ابن قتیب کے ٹوٹے ہوئے پاؤں میں پہنچ کر ہڈی  
کو جوڑ دے۔ حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگے تو کھل الجواہر کا کام دے۔ آج ہزار روپیہ کی دوا بھی  
اس قدر اثر نہیں رکھتی۔ اگر سر پاک سے قدم پاک تک ہر عضو شریف کا برکت دیکھنا ہیں تو ہماری کوتاہی  
شان حبیب الرحمن کا مطالعہ کر دو۔ ہمارے ہر عضو کا سایہ۔ حضور کے کسی عضو کا سایہ نہیں دینے پاک میں  
مشک و عنبر سے بہتر خوشبو۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پچھٹے اس طرح کہ شیخ عبدالحق مدارج النبوة جلد اول، باب سوم وصل ازالہ مشابہات میں فرماتے ہیں و  
در حقیقت متشابہات اند علماء آل رامعانی لائق تادلیات رائفہ کردہ راجح بحق ساختہ اند یہ آیات حقیقت  
میں متشابہات ہیں کہ علماء نے ان کے مناسب معانی اور بہتر تادلیس کر کے حق کی طرف پھیرا ہے۔  
اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح يَسُدُّ اللّٰهُ فَوْقَ اَيْدِيهِمْ يَأْتِيهِمْ تُوْسِعٌ كَيْسُكُوَةٌ وغیرہ آیات جو  
بظاہر شان خداوندی کے خلاف معلوم ہوتی ہیں وہ متشابہات ہیں۔ اس طرح اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وغیرہ وہ آیات  
جو بظاہر شان مصطفوی کے خلاف ہیں تو متشابہات ہیں لہذا ان کے ظاہر سے دل پکڑنا غلط ہے۔

ساتویں اس طرح کہ روزہ وصال کے بارے میں حضور نے فرمایا اَيُّكُمْ مِثْلِيْ تم میں ہم جیسا کون ہے؟  
بیٹھ کر نفل پڑھنے کے بارے میں فرمایا اَلِكَيْتِيْ لَسْتُ كَا حِدٍ مِّنْكُمْ لٰكِنْ تَمَّ تَهْمَارِيْ طرح نہیں صحابہ کرام  
نے بہت موقعوں پر فرمایا اَيُّنَا مِثْلُهُ ہم میں حضور علیہ السلام کی طرح کون ہے؟ احادیث تو فرما رہی ہیں

کہ حضور علیہ السلام ہم جیسے نہیں اور اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جیسے ہی ہیں ان میں مطابقت کرنا ضروری ہے وہ اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آیت میں تاویل کی جاوے۔

آٹھویں اس طرح کہ تفسیر روح البیان سورہ مریم میں کہ بعض کے ماتحت ہے کہ حضور علیہ السلام کی تین صورتیں ہیں۔ صورت بشری۔ صورت حقی۔ صورت ملکی بشریت کا ذکر انبیا آنا بشر حقی کا ذکر ہوا مَن دَرَانِي فَقَدْ سَرَّ الْحَقَّ جِسْنِي نے ہم کو دیکھا حق کو دیکھا صورت ملکی کا ذکر فرمایا اِنِّي مَعَ اللّٰهِ دَقْتُ لَا يَسْعَانِي فِيْهِ مَلَاكٌ مُّقْرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ بعض وقت ہم کو اللہ سے وہ قرب ہوتا ہے کہ نہ اس میں قرب فرشتہ کی گنجائش ہے نہ مرسل نبی کی۔ معراج میں سدرہ پہنچ کر ملاقات جبرئیل ختم ہو گئی۔ مگر حضور علیہ السلام کی بشری طاق کی ابھی ابتداء نہ تھی اس آیت میں محض ایک صورت کا ذکر ہے۔

نویں اس طرح کہ کَبَشْرٌ مِّثْلِكُمْ میں یہ تو فرمایا کہ ہم تم جیسے بشر ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس وصف میں تم جیسے ہیں یعنی جس طرح تم محض بندے ہو۔ نہ خدا نہ خدا کے بیٹے نہ خدا کی صفات سے۔ موصوف اسی طرح میں عبد اللہ ہوں نہ اللہ ہوں نہ ابن اللہ ہوں۔ عیسائیوں نے چند معجزات دیکھ کر عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ دیا۔ تم ہمارے صدی معجزات دیکھ کر یہ نہ کہہنا بلکہ کہنا عبد اللہ ورسولہ۔

تفسیر کبیر شریع پارہ ۱۲ از پر آیت فَقَالَ الْمَلَاةُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَسَدٌ فَوْرٌ میں ہے کہ نبی بشر اس لیے ہوتے ہیں کہ اگر فرشتہ ہوتے تو لوگ ان کے معجزات کو ان کی طاقات پر محمول کر لیتے۔ آپ جب بشر ہو کر یہ معجزات دکھاتے ہیں تو ان کا بال معلوم ہوتا ہے غرض کہ انبیاء کی بشریت ان کا مال ہے لہذا آیت کا مقصود یہ ہوا کہ ہم تم جیسے بشر ہو کر ایسے کمالات دکھاتے ہیں۔ تم تو رکھا دو۔

دسویں اس طرح کہ بہت الفاظ وہ ہیں جو پوچھنے پر اپنے لیے استعمال فرما سکتے ہیں اور وہ ان کا مال ہے مگر دوسرا کوئی ان کی شان میں یہ کہے تو گستاخی ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام نے عرض کیا سَبَّأْنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا يٰوَسَّ عَلِيْہِ السَّلَامُ نے رب سے عرض کیا اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ؛ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا فَعَلْتُمْهَا اِذَا دَا اَنَا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ؛ لیکن کوئی دوسرا اگر ان حضرات کو ظالم یا نفال کہے تو ایمان سے خارج ہوگا۔ اسی طرح بشر کا لفظ بھی ہے۔

اعتراض (۱۲) حضور علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا اَذْكُرْ مَوْاٰخَاكُمْ تم اپنے بھائی کا دہارا، احترام کرو جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمارے بھائی ہیں۔ مگر جبرئیل بھائی ہیں نہ کہ چھوٹے۔

۳) قرآن فرماتا ہے **وَالِی مَدَیْنَ اَخَاهُمْ**  
**شُعَیْبًا وَّالِی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا وَّالِی عَادٍ اَخَاهُمْ**  
 ان آیات میں رب نے انبیائے کرام کو مدین ثمود اور عاد کا  
 بھائی فرمایا معلوم ہوا کہ انبیاء امتیوں کے بھائی ہوتے ہیں۔

**جواب:** حضور علیہ السلام نے اپنے کرم کریمانہ سے بطور تواضع و انکسار فرمایا **اَخَاكُمْ** اس فرمانے سے  
 ہم کو بھائی کہنے کی اجازت کیسے ملی؟ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ میں آپ لوگوں کا خادم ہوں  
 تو رعایا کو حق نہیں کہ بادشاہ کو خادم کہہ کر پکارے۔ اسی طرح رب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شعیب و صالح  
 و ہود علیہم السلام مدین اور ثمود اور عاد قوموں میں سے تھے۔ کسی اور قوم کے نہ تھے یہ بتانے کے لئے **اَخَاهُمْ**  
 فرمایا۔ یہ کہاں فرمایا ہے کہ ان کی قوم والوں کو بھائی کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اور ہم پہلے باب میں  
 ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام کو برابر ہی کے القاب سے پکارنا حرام ہے اور لفظ بھائی برابر ہی کا لفظ ہے۔  
 باپ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ اس کا بیٹا اس کو بھائی کہے۔

**اعتراض (۴):** قرآن کہتا ہے **اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ** مسلمان آپس میں بھائی ہیں اور حضور  
 علیہ السلام بھی مومن ہیں لہذا آپ بھی ہم مسلمانوں کے بھائی ہوئے تو حضور علیہ السلام کو کیوں نہ بھائی کہا  
 جاوے۔

**جواب:** پھر تو خدا کو بھی اپنا بھائی کہو کیونکہ وہ بھی مومن ہے قرآن میں ہے **الْمَلِئْتُ الْقُدُوْسُ السَّلَامُ**  
**الْمُؤْمِنِیْنَ** اور ہر مومن آپس میں بھائی۔ لہذا خدا بھی مسلمانوں کا بھائی معاذ اللہ۔ نیز بھائی کی بیوی بھائی ہوتی  
 ہے اور اُس سے نکاح حلال اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں ان سے نکاح کرنا حرام ہے (قرآن  
 کریم لہذا نبی ہمارے لئے مثل والد ہوئے والد کی بیوی ماں ہے نہ کہ بھائی کی۔ جناب ہم تو مومن ہیں۔  
 اور حضور علیہ السلام عن ایمان۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

**كَالصِّدِّقِ فِي الْعَاسِرِ وَالصِّدِّیقِ لَمْ يَرِیَا**  
 یعنی غار ثور میں صدق بھی تھا صدیق بھی تھے۔

حضور علیہ السلام اور عام سو بیس میں صرف لفظ مومن کا اشتراک ہے جیسے رب اور عام مومنین میں نہ کہ  
 حقیقت مومن میں ہم اور طرح مومن میں اسکی تفصیل ہم جواب میں بیان کر چکے ہیں۔

**اعتراض (۵):** حضور علیہ السلام اولاد آدم میں ہماری طرح کھاتے پیتے سوتے جاگتے اور زندگی گزارتے  
 ہیں بیمار ہوتے ہیں، موت آتی ہے اتنی باتوں میں شرکت ہوتے ہوئے انکو بشر یا اپنا بھائی کیوں کہا جاوے۔  
**جواب:** اس کا فیصلہ مشنوی میں خوب فرمادیا ہے۔

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر  
این نہ دانستند ایشاں از عمی  
ہر دو یک گل خورد و زنبور و نحل  
ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب  
این خورد گرد و پلیدی زین جدا  
واں خورد گرد و سہ نور خدا

کفار نے کہا کہ ہم اور پیغمبر بشر ہیں کیونکہ ہم اور وہ دونوں کھانے سونے میں والبتہ میں اندھوں نے یہ نہ جانا کہ انجام میں بہت بڑا فرق ہے۔ بھڑا اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہے مگر اس سے زہر اور اس سے شہد بنتا ہے۔ دونوں بہر ایک ہی دانہ پانی کھاتے پیتے ہیں۔ مگر ایک سے پانخانہ دوسرے سے مشک بنتا ہے۔ یہ جو کھاتا ہے اس سے پلیدی بنتی ہے نبی کے کھانے سے نور خدا ہوتا ہے۔

یہ سوال تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ میری کتاب قرآن کیساں میں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی روئنائی سے ایک کاغذ پر ایک ہی قلم سے لکھی گئیں۔ ایک ہی قسم کے حروف تہجی سے دونوں نہیں ایک ہی پر میں چھپیں۔ ایک ہی جلد ساز نے جلد باندھی۔ ایک ہی الماری میں رکھی گئیں پھر ان میں فرق ہی کیا ہے مگر کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا کہ ان ظاہری باتوں سے ہماری کتاب قرآن کی طرح ہو گئی۔ تو ہم صاحب قرآن کی مثل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ یہ نہ دیکھا کہ حضور کا کلمہ پڑھا جاتا ہے ان کو معراج ہوئی ان کو نماز میں سلام کرتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام انبیاء و اولیاء ان کے خدام بارگاہ ہیں۔ یہ اوصاف ماورائے سما تو کیا ملائکہ کو بھی نہ ملے۔

مُحَمَّدٌ بَشَرٌ لَّا كَالْبَشَرِ ۖ يَا قُوتُ بِحَجْرٍ لَّا كَالْحِجْرِ

حضور علیہ السلام بشر ہیں عام بشر نہیں یا قوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ اگر حضور کو بشر کہنا حرام ہے تو چاہیے کہ انسان یا عبد کہنا بھی حرام ہو کہ ان سب کے معنی قریب قریب ہیں پھر تم کلمہ میں عَبْدُ لَّا دَرَسُوْهُ کیوں کہتے ہو؟

جواب :- یہ ہے کہ لفظ بشر کفار بہ نیت امانت کہتے تھے اور نبی کو رب نے انسان یا عبد بطور تعظیم فرمایا خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْيَسَانَ اور اسری بِعَبْدَةٍ لَّيْلًا لَّهَذَا لِيُرِيَهُ الْفَاطِمَةَ لِيُرِيَهُ الْفَاطِمَةَ کہنا جائز ہے اور بشر کہنا حرام ہے جیسے رَاعِيْنَا اور اَنْظُرْنَا ہم معنی ہیں۔ مگر رَاعِيْنَا کہنا حرام ہے کہ طریقہ کفار ہے۔



جناب شروع اسلام میں تو یہ حکم تھا کہ حضور علیہ السلام سے کچھ عرض کرنا چاہے۔ وہ پہلے کچھ صدقہ دے  
دے بعد میں عرض کرے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ  
فَقَدْ مَوَّابِينَ يَدْعِي نَجْوَى كُمْ صَدَقَةٌ

یعنی اے ایمان والو! جب تم رسول سے کوئی بات  
آہستہ عرض کرنا چاہو۔ تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو  
سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر عمل بھی کیا کہ ایک دینار خیرات کر کے دس مسائل دریافت کیے  
تفسیر خازن یہ ہی آیت پھر یہ حکم اگرچہ منسوخ ہو گیا۔ مگر محبوب علیہ السلام کی عظمت شان کا پتہ لگ گیا کہ  
تاز میں رب سے ہم کلام ہو تو صرف وضو کر دیکھیں حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنا ہو تو صدقہ کر دو پھر  
بھائی کہنا کہاں رہا؟

## بحث نداء یا رسول اللہ یا نعرہ یا رسول اللہ

حضور علیہ السلام کو دور یا نزدیک سے پکارنا جائز ہے۔ ان کی ظاہری زندگی پاک میں بھی اور بعد وفات  
شریف بھی خواہ ایک ہی شخص عرض کرے یا رسول اللہ یا ایک جماعت مل کر نعرہ رسالت لگائے۔ یا رسول  
اللہ ہر طرح جائز ہے۔ اس بحث کو ہم دو باب میں تقسیم کرتے ہیں۔

### پہلا باب

#### نداء یا رسول اللہ کے ثبوت میں

حضور علیہ السلام کو نداء کرنا قرآن کریم فعل ملائکہ فعل صحابہ اور عمل امت سے ثابت ہے قرآن کریم نے  
بہت مقامات میں حضور علیہ السلام کو نداء فرمائی یا أَيُّهَا النَّبِيُّ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ  
یا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ وغیرہ ان تمام آیات میں حضور علیہ السلام کو پکارا گیا ہے۔ ہاں دیگر انبیاء کرام کو ان کے نام  
سے پکارا یا موسیٰ یا عیسیٰ یا یحییٰ یا ابراہیم یا آدم وغیرہ مگر محبوب علیہ السلام کو پارے پارے نقاب نداء فرمائی  
یا آدم است با پدر انبیاء خطاب یا أَيُّهَا النَّبِيُّ خطاب محمد است

بلکہ قرآن کریم نے عام مسلمانوں کو بھی پکارا یا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمارے محبوب  
علیہ السلام کو پکارو مگر اچھے نقاب سے لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا۔



اس میں حضور علیہ السلام کو پکارنے سے نہیں روکا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے کہ اڑوں کی طرح نہ پکارو۔ قرآن نے فرمایا  
 اَدْعُوهُمْ لَابَاءِكُمْ اِنَّ كَوْلَ الْبٰسِطِ الْاَيْدِي سِوٰى اللّٰهِ اَنْ يَّحْمِلَ السُّلْطٰنَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ  
 زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ کو پکارو۔ مگر ان کو ابن حارثہ کہوا ابن رسول اللہ نہ کہو۔ اسی طرح کفار کو اجازت  
 دی گئی کہ وہ اپنے مددگاروں کو اپنی مدد کیلئے بائیں واڈھوا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِنَّ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ہ  
 مشکوٰۃ کی پہلی حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل نے عرض کیا یا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِي عَنِ الْاِسْلَامِ نَدْبَانِي كَيْ  
 مَشْكُوٰةٖ بَابِ وِفَاةِ النَّبِيِّ فِيْ هِيَ كِهٖ بُوْتِ وِفَاةِ مَلِكِ الْمَوْتِ نَعْرِضُ كَيْا - يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ اَرْسَلْتَنِي  
 اَيْتُكَ نَدْبَانِي كَيْا - ابن ماجہ باب صلوة الحاجہ میں حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت ہے کہ ایک  
 نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوئے ان کو یہ دعا ارشاد ہوئی۔

اے اللہ میں تجھ سے مدد مانگتا ہوں اور تیری طرف حضور علیہ  
 السلام نبی الرحمہ کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں یا محمد صلی اللہ علیہ  
 وسلم میں نے آپ کے فریضے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت  
 تو جس کی تاکہ حاجت پوری ہو اے میرے لیے حضور کی شفا  
 قبول فرما ابواسخنی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ وَاَتُوْجِبُهُ اَيْتُكَ  
 مُحَمَّدٍ نَّبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ قَدْ  
 تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلَى سَرَاتِيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهِ  
 لِتَقْضِيَ اللّٰهُمَّ فَشَقِّعْهُ لِيْ - قَالَ اَبُو  
 اسْحٰقٍ هٰذَا حَدِيْثٌ صٰحِيْحٌ -

یہ دعا قیامت تک کے مسلمانوں کو سکھائی گئی ہے اس میں نذر بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے مدد بھی مانگی ہے۔  
 عالمگیری جلد اول کتاب الحج آداب زیارت قبر نبی علیہ السلام میں ہے ثُمَّ يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ  
 اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّكَ سَرَسُوْلُ اللّٰهِ اے نبی آپ پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں  
 پھر فرماتے ہیں وَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ سَرَسُوْلِ اللّٰهِ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صٰلِحَ رَسُوْلِ  
 اللّٰهِ فِي الْغَايْرِ پھر فرماتے ہیں - يَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظَهِّرَ  
 الْاِسْلَامِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مَكْتَسِمَ الْاَصْنَامِ یعنی صدیق اکبر کو یوں سلام پیش کرے کہ آپ پر سلام  
 ہو اے رسول اللہ کے سچے جانشین۔ آپ پر سلام ہو اے رسول اللہ کے غار کے ساتھی۔ اور حضرت فاروق  
 کو یوں سلام کرے آپ پر سلام ہو اے مسلمانوں کے امیر آپ پر سلام ہو۔ اے سلام کو چمکانے والے  
 آپ پر سلام ہو اے نبیوں کے توڑنے والے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس میں حضور علیہ السلام کو بھی نذر  
 ہے اور حضور کے پہلو میں آرام فرمانے والے حضرت صدیق و فاروق کو بھی۔ اکابر اُمت اور اہل بیت

مشائخ و بزرگان دین اپنی دعاؤں اور وظائف میں یا رسول اللہ کہتے ہیں قصیدہ بروہ میں ہے کہ  
 يَا كَوْمَ الْخَلْقِ مَا لِي مِنْ اَكُوْذِيْهِ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ  
 اے بہترین مخلوق آپ کے سوا میرا کوئی نہیں کہ مصیبت عامہ کے وقت جس کی پناہ لوں

امام زین العابدین فرماتے ہیں اپنے قصیدہ میں کہ

يَا كَرِيْمَةَ الْعَالَمِيْنَ اَذْرِكْ لِيْ دِيْنَ الْعَابِدِيْنَ مَحْبُوْسٌ اَيْدِيْ الظَّالِمِيْنَ فِيْ مَوْكِبِ الْمُرْدِيْمِ  
 اے رحمتہ للعالمین زین العابدین کی مدد کو پہنچو! وہ اس اورھام میں ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے  
 مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ

زہجوری برآمد جان عالم ترجمہ یا نبی اللہ ترسم  
 نہ آخر رحمتہ للعالمین زہجورماں چرا فارغ نشینی ا

جہدنی سے عالم کی جان نکل رہی ہے۔ یا نبی اللہ رحم فرما و رحم فرماؤ۔ کیا آخر آپ رحمتہ للعالمین  
 نہیں ہیں پھر ہم مجرموں سے فارغ کیوں ہو بیٹھے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں کہ

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا اُرْجُو مِنْ صَاكِ وَ اِحْتَجِيْ بِحِمَاكَ

اے پیشواؤں کے پیشوا میں دلی قصد سے آپ کے حضور آیا ہوں آپ کے رضا کا امیدوار ہوں  
 اور اپنے کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ ان اشعار میں حضور کو نذر بھی ہے اور حضور علیہ السلام سے استعانت

بھی اور یہ نذر دور سے بعد وفات شریف ہے۔ تمام مسلمان نماز میں کہتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ  
 اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پکارنا واجب ہے۔

التحیات کے متعلق ہم شامی اور اشعۃ اللمعات کی عبارتیں حاضر و ناظر کی بحث میں پیش کر چکے ہیں وہاں دیکھو  
 یہ گفتگو تھی تنہا۔ یا رسول اللہ کہنے کی۔ اگر بہت لوگ مل کر نعرہ رسالت لگائیں تو بھی جائز ہے کیونکہ  
 جب ہر شخص کو یا رسول اللہ کہنا جائز ہوا تو ایک ساتھ ملکر بھی کہنا جائز ہے چند مباح چیزوں کو ملانے سے مجبوعہ  
 مباح ہی ہوگا جیسے بریانی حلال ہے۔ اس لئے کہ حلال چیزوں کا مجموعہ ہے نیز اس کا ثبوت صراحتاً ہی ہے۔

مسلم آخر جلد دوم باب حدیث البجرۃ میں حضرت برابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ  
 السلام ہجرت فرما کر مدینہ پاکت داخل ہوئے۔

تو عورتیں اور مرد گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور  
بچے اور غلام گلی کوچوں میں متفرق ہو گئے نعرے لگاتے  
پھرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد یا رسول اللہ۔

فَصَعِدَ الرَّجَالُ وَالنِّسَاءُ ذُوقَ الْيَبُوتِ وَ  
تَفَرَّقَ الْغُلَامُ وَالْجَدَّ مَنِ الطَّرْقِ ينادون  
يا محمد يا رسول الله يا محمد يا رسول الله

اس حدیث مسلم سے نعرہ رسالت کا صراحتاً ثبوت ہوا اور معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کرام نعرہ لگایا کرتے  
تھے۔ اسی حدیث ہجرت میں ہے کہ صحابہ کرام نے جلوس بھی نکالا ہے اور حبیب بھی حضور علیہ السلام  
سفر سے واپس مدینہ پاک تشریف لاتے تو اہل مدینہ حضور علیہ السلام کا استقبال کرتے اور جلوس نکالتے دیکھو مشکوٰۃ  
و بخاری وغیرہ جگہ جگہ میں ٹیٹھک یا نشست، جلوس اس کی جمع ہے جیسے جلدہ کی جمع جلود۔ یعنی  
کوڑھ نما ذکر الہی کا جلسہ ہے کرایک ہی جگہ ادا ہوتی ہے اور حج ذکر کا جلوس کہ اس میں گھوم پھر کر ذکر ہوتا ہے  
قرآن سے ثابت ہے کہ تابوت سکینہ کو ملائکہ شکل جلوس لائے۔ بوقت ولادت پاک اور معراج میں فرشتوں  
نے حضور کا جلوس نکالا۔ اور اچھوں کی نقل کرنا بھی باعث ثواب ہے، ہذا یہ مروج جلوس اس اصل کی نقل ہے  
اور باعث ثواب ہے۔

## دوسرا باب

### نداء یا رسول اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اللہ کے سوا ان کو نہ پکارو جو تم کو نفع و نقصان نہ  
پہنچا سکیں۔

اقرآن کریم فرماتا ہے دَلَّا تَدْعُ مِنْ دُونِ  
اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ۔

معلوم ہوا کہ غیر خدا کا پکارنا منع ہے۔

خدا کے سوا ان کو پکارتے ہیں جو ان کے لیے نافع  
و مضر نہیں۔

وَيَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ  
وَلَا يَضُرُّهُمْ۔

ثابت ہوا کہ غیر خدا کو پکارنا بت پرستوں کا کام ہے۔

جواب ۱۔ ان جیسی آیتوں میں جہاں بھی لفظ دعا ہے اس سے مراد بلانا نہیں بلکہ پوجنا دیکھو جلالین اور

دیگر تفاسیر، معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو۔ دوسری آیات اس معنی کی تائید کرتی ہیں رب فرماتا  
ہے وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ تَبْخُلْ لَهُ مَا كَفَرْتُمْ بِهِ عَمَلِكُمْ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ تَبْخُلْ لَهُ مَا كَفَرْتُمْ بِهِ عَمَلِكُمْ

غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنا شرک ہے کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے اگر ان آیات کے یہ معنی نہ کیے جاویں تو ہم نے جو آیات و احادیث اور علماء دین کے اقوال پیش کیے جن میں غیر خدا کو پکارا گیا ہے سب شرک ہوگا۔ پھر زندہ کو پکار دیا مردہ کو، سامنے والے کو پکار دیا دوسرے کو سب ہی شرک ہوگا روزانہ ہم لوگ بھائی بہن دوست آشنا کو پکارتے ہی ہیں۔ تو عالم میں کوئی بھی شرک سے بچا۔ نیز شرک کہنے میں غیر خدا کو خدا کی ذات یا صفات میں شامل کرنا کسی کو آواز دینا پکارنا اس میں کون سی صفت الہی میں داخل کرنا ہے پھر یہ شرک کیوں ہوا؟

۱۳۰ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ اَجْنُوبٍ كُمُ | پس اللہ کو کھڑے بیٹھے اور اپنی گردنوں پر یاد کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اٹھتے بیٹھتے غیر خدا کا نام جینا شرک ہے صرف خدا ہی کا ذکر چاہیے۔

جواب: اس آیت سے ذکر رسول اللہ کو حرام یا شرک سمجھنا نارہنی ہے۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو ہر حال میں ہر طرح خدا کا ذکر کر سکتے ہو۔ یعنی نماز میں تو پابندی تھی کہ بغیر وضو نہ ہو، سجدہ رکوع اور قعدہ میں تلاوت قرآن کریم نہ ہو بلا عذر بیٹھ کر یا لیٹ کر نہ ہو مگر جب نماز سے فارغ ہو چکے تو یہ پابندیاں اٹھ گئیں۔ اب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر طرح خدا کو یاد کر سکتے ہو۔

اس آیت میں چند امور قابل غور ہیں ایک یہ کہ یہ امر فَاذْكُرُوا اللّٰهَ وجوب کے لیے نہیں صرف جواز کے لیے ہے کہ نماز کے علاوہ چاہے خدا کو یاد کرو خواہ غیر خدا کو خواہ بالکل خاموش رہو ہر بات کی اجازت ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ امر وجوب کے لیے بھی ہو تو بھی ذکر غیر اللہ ذکر اللہ کی نقیض نہیں تاکہ ذکر اللہ کے واجب ہونے سے یہ حرام ہو جاوے بلکہ ذکر اللہ کی نقیض عدم ذکر اللہ ہے، تیسرے یہ کہ اگر ذکر اللہ کی نقیض ذکر غیر اللہ مان بھی لی جاوے تب بھی ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض زیادہ سے زیادہ حرام ہوگی نہ کہ شرک۔ مگر خیال رہے کہ حرام یا زنیس ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ عدم فعل کی۔ چوتھے یہ کہ حضور علیہ السلام کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے۔ مَنِ يَطِيعِ { جس نے رسول اللہ کی فرمانبرداری کی اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی۔

جب کلمہ نماز حج درود خطبہ اذان غرض کہ ساری عبادات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر داخل اور ضروری ہے تو نماز سے خارج انکا ذکر اٹھتے بیٹھتے کیوں حرام ہوگا جو شخص ہر حال میں اٹھتے بیٹھتے درود شریف یا کلمہ پڑھے تو حضور کا ذکر کر رہا ہے ثواب کا مستحق ہے۔ پانچویں اس طرح کہ تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ اور سورہ

مناقون اور وہ آیات جن میں کفار یا بتوں کا ذکر ہے ان کا پڑھنا ذکر اللہ ہے یا نہیں ضرور ہے کیونکہ یہ قرآنی آیات ہیں۔ ہر کلمہ پر ثواب ہے اگرچہ ان آیات میں مذکور کفار یا بت ہیں مگر کلام تو اللہ کا ہے۔ کلام الہی کا ذکر تو ذکر اللہ ہو۔ مگر رحمت الہی یا نور الہی محمد رسول اللہ کا ذکر ذکر اللہ نہ ہو یہ کیا انصاف ہے! قرآن میں ہے

قَالَ ذَرُّوْهُ فِرْعَوْنَ نَے کہا قَالَ پڑھنے پر میں ثواب اور لفظ فِرْعَوْنَ پڑھنے پر چاس ثواب کیونکہ ہر حرف کے دس ثواب ہیں تو فرعون کا نام قرآن میں پڑھا گیا چاس نیکیاں ملیں۔ اور محمد رسول اللہ کا نام لیا۔ تو مشرک ہو گیا یہ کیا عقل ہے؛ ساتویں اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام فراق حضرت یوسف میں اٹھتے بیٹھتے حضرت یوسف کے نام کی رٹ فرماتے تھے اور ان کی یاد میں اس قدر روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں اسی طرح حضرت آدم فراق حضرت حوا میں، حضرت امام زین العابدین فراق امام حسین میں اٹھتے بیٹھتے ان کے نام چپا کرتے تھے اور بزبان حال یہ کہتے تھے

حال من در ہجرت والدکم از یعقوب نیست او پس رگم کردہ بود و من پدر گم کردہ ایم  
بتاوان پر یہ حکم شرک جاری ہو گیا یا نہیں اگر نہیں تو آج جو عاشق ہر حال میں اپنے نبی کی یاد کرے  
وہ کیوں مشرک ہو گا؟ ایک تاجردن رات تجارت کا ذکر کرتا رہتا ہے طالب علم دن رات ہر حال میں سبتی  
یاد کرتا ہے وہ بھی غیر خدا کا نام چپ رہا ہے وہ کیوں مشرک نہیں۔

نوٹ: دنیا گر پنجاب میں ہمارا اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اسی مشہد نذر یا رسول اللہ پر مناظرہ  
ہوا۔ ثناء اللہ صاحب نے یہ ہی آیت پیش کی۔ ہم نے صرف تین سوال کیئے ایک یہ کہ قرآن میں امر  
کتنے معنی میں آیا ہے اور یہاں کون سے معنی میں استعمال ہوا؟ دوسرے یہ کہ ایک تقیض کے واجب  
ہونے سے دوسری تقیض حرام ہوگی یا نہیں؟ تیسرے یہ کہ ذکر اللہ کی تقیض کیا ہے؟ ذکر غیر اللہ یا عدم  
ذکر اللہ؟ جس کا جواب یہ دیا کہ آپ نے ان سوالات میں اصول فقہ اور منطق کو دخل دیا ہے یہ دونوں علم  
بدعت ہیں گویا کہ جاہل رہنا سنت ہے پھر ان سے سوال کیا کہ بدعت کی صحیح تعریف ایسی کر دو جس سے  
مخلف میلاد تو حرام رہے اور اخبار المحدث نکالنا سنت ہو یہ سوالات اب تک ان تمام پر قائم ہیں۔ ابھی  
وہ زندہ ہیں کوئی صاحب ان سے جوابات دلوادیں ہم مشکور ہوں گے مگر اب افسوس کہ ثناء اللہ صاحب تو  
بغیر جواب دیئے دنیا سے چلے گئے کاش کوئی ان کے معتقد صاحب جواب دے کر ان کی لوح کو خوش کریں۔  
اعتراف ۱۱، بخاری جلد دوم کتاب الاستیذان بحث مصافحہ باب الاخذ بالیدین میں حضرت ابن مسعود

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو حضور علیہ السلام نے التحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ  
 وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ سکھایا اَلَمْ تَأْتِنَا قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 جب حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو ہم نے التحیات میں یوں پڑھا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ  
 عینی شرح بخاری میں اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں -

فَظَاهِرُهَا أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُولُونَ السَّلَامُ  
 عَلَيْكَ بِكَاتِ الْخُطَابِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ  
 عَلَيْهِ السَّلَامُ نَمَا مَاتَ تَرَكُوا الْخُطَابَ  
 وَذَكَرُواهُ بِلَفْظِ الْغَيْبَةِ فَصَادُوا يَقُولُونَ  
 السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ -

حدیث کے ظاہر ہی معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام حضور  
 کی زندگی پاک میں السلام علیک کان خطاب سے  
 کہتے تھے لیکن جبکہ حضور علیہ السلام کی وفات ہوگئی تو خطاب  
 چھوڑ دیا اور لفظ غائب سے ذکر کیا اور کہنے لگے  
 السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ -

اس حدیث اور شرح کی عبارت سے معلوم ہوا کہ التحیات میں السلام علیک کہنا زندگی پاک مصطفیٰ علیہ  
 السلام میں تھا حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد التحیات میں بھی نذر کو چھوڑ دیا گیا تو جب صحابہ کرام نے  
 التحیات میں سے نذر کو نکال دیا تو جو شخص نماز کے خارج میں یا رسول اللہ وغیرہ کہے تو بالکل ہی شرک ہے  
 جواب ۱۔ بخاری اور عینی کی یہ عبارات تو آپ کے بھی خلاف ہیں کیونکہ آج تک کسی امام مجتہد نے  
 التحیات کے بدلنے کا حکم نہ دیا۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن مسعود کی - اور امام شافعی  
 نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی التحیات اختیار فرمائیں۔ مگر دونوں التحیات میں السَّلَامُ عَلَيْكَ  
 أَيُّهَا النَّبِيُّ ہے غیر مقلد بھی خواہ ثنائی ہوں یا غزونی یہ ہی خطاب والی التحیاء پڑھتے ہیں جس سے  
 معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے اپنے اجتہاد سے التحیات کو بدلا اور حدیث مرفوعہ کے مقابل اجتہاد  
 صحابی قبول نہیں۔ اور ان صحابہ کرام نے بھی اس لیے تبدیل نہ کیا کہ نذر غائب حرام ہے۔ ورنہ  
 زندگی پاک میں دور رہنے والے صحابہ خطاب والی التحیات نہ پڑھتے۔ آخر میں، خیر، مکہ مکرمہ،  
 نجد۔ عراق تمام جگہ نماز ہوتی تھی۔ تو اس میں وہ ہی التحیات پڑھی جاتی تھی۔ نذر غائب برابر ہوتی  
 تھی۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حجاز میں تشریف فرما تھے اور نذر والی التحیات ہر جگہ پڑھی  
 جا رہی تھی نہ حضور علیہ السلام نے منع فرمایا نہ صحابہ کرام نے کچھ شبہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے التحیات  
 سکھاتے وقت یہ نہ فرمایا تھا کہ یہ التحیات صرف ہماری زندگی پاک میں ہے اور ہماری وفات تشریف کے

بعد دوسری پڑھنا۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۷۱ میں ہے لہذا صیغہ خطاب کو بدلنا ضروری نہیں اور اس میں تقلید بعض صحابہ کی ضروری نہیں۔ ورنہ خود حضور علیہ السلام فرماتے کہ بعد میرے انتقال کے خطاب نہ کرنا۔ بہر حال صیغہ خطاب رکھنا اولیٰ ہے۔ اصل تعلیم اسی طرح ہے۔ خلاصہ جواب یہ ہوا کہ بعض صحابہ کا یہ فعل محبت نہیں ورنہ لازم آدے گا کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں شرک ہوتا رہا۔ اور منع نہ فرمایا گیا۔ بعد میں بھی بعض نے بدلانا کہ کل نے۔ بلکہ مرثات باب التہجد اخیر فصل میں ہے۔ دَامَ قَوْلُ ابْنِ مَسْعُودٍ كُنَّا نَقُولُ اِنَّهُ هُوَ اَبِيٌّ عَوَانْتَهُ دَرَّ اَيُّهُ النَّبَخَارِيَّ اَصْحٰهُ فِهَا بَيَّنَّتْ اَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ بَلْ مِنْ فِهِمِ الرَّادِيَّ عَنْهُ دَلْفَطُهَا فَلَمَّا تَبَيَّنَ قُلْنَا سَلَامٌ يَعْنِي عَلَيَّ النَّبِيِّ فَقَوْلُهُ قُلْنَا سَلَامٌ يَحْتَمِلُ اَنَّهُ اَرَادَ بِهِ اِسْتَمْرَدْنَا عَلَيَّ مَا كُنَّا عَلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے التحیات ہرگز نہ بدلی یہ صرف راوی کی فہم ہے نہ کہ اصل واقعہ بعض دہلوی کہتے ہیں کہ کسی نبی یا دلی کو دور سے یہ سمجھ کر پکارنا کہ وہ ہماری آواز سنتے ہیں شرک ہے کیونکہ دور کی آواز سننا تو خدا ہی کی صفت ہے غیر خدا میں یہ طاقت ماننا شرک ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہوتا یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کہنا جائز ہے۔ جیسے ہوا کوندا دیا کرتے ہیں "سن اسے بارصبا" وغیرہ کہ وہاں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہوا سنتی ہے آج کل عام دہلوی یہ ہی عذر پیش کرتے ہیں فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں بھی اسی پر زور دیا ہے۔

جواب : دور سے آواز سننا ہرگز خدا کی صفت نہیں۔ کیونکہ دور سے آواز تو وہ سنے جو پکارنے

والے سے دور ہو۔ رب تعالیٰ تو نہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے خود فرماتا ہے۔

<p>ہم تو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جب میرے بندے آپ میرے بارے میں پوچھیں تو فرما دو کہ قریب ہیں</p> <p>ہم اس تیار سے بمقابلہ تمہارے زیادہ قریب ہیں مگر تم دیکھتے نہیں</p>	<p>نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ وَاِذَا سَاَلْتَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيْبٌ -</p> <p>نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَا تَبْصُرُوْنَ</p>
---	--

لہذا پروردگار تو قریب ہی کی آواز سننا ہے ہر آواز اس سے قریب ہی ہوتی ہے کہ وہ خود قریب ہے اور اگر مان لیا جاوے کہ دور کی آواز سننا اس کی صفت ہے تو قریب کی آواز سننا بھی تو اس کی صفت ہے لہذا کہا جاتا ہے کہ قریب دالے کو بھی سامع سمجھ کر نہ پکارو۔ ورنہ مشرک ہو جاؤ گے سب کو میرا جانو۔ نیز جس طرح دور کی

آواز سنا خدا کی صفت ہے۔ اسی طرح دور کی چیز دیکھنا۔ دور کی خوشبو پالینا بھی تو صفت الہی ہے اور ہم علم غیب اور حاضر و ناظر کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لیے دور و نزدیک یکساں ہیں جب ان کی نظر دور و قریب کو یکساں دیکھ سکتی ہے تو اگر ان کے کان دور و نزدیک کی آواز سن لیں تو کیوں شرک ہوا؟ یہ وصف ان کو بہ عطاء الہی حاصل ہوا۔ اب ہم دکھاتے ہیں کہ دور کی آواز انبیاء و اولیاء سنتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی قیض کی خوشبو پالی اور فرمایا اِنِّیْ لَاجِدُ مِنْ نَّحْلِ یُوسُفَ بِنَاقِیْہِ شَرِکَ ہَوَیَا نَہِیْنِیْ؛ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ پاک سے حضرت ساریہ کو آواز دی جو مقام نہاد میں جنگ کر رہے تھے۔ اور حضرت ساریہ نے وہ آواز سن لی دیکھو مشکوٰۃ باب الکلمات نسل ثالث حضرت فاروق کی آنکھ نے دُور سے دیکھا حضرت ساریہ کے کان نے دور سے سنا۔ تفسیر روح البیان و جلالین و مدارک وغیرہ تفاسیر میں زیر آیت دَاذَنْ فِی النَّاسِ بِالْحَقِّ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر پہاڑ پر کھڑے ہو کر تمام روحوں کو آواز دی کہ اے اللہ کے بندو چلو قیامت تک جو بھی پیدا ہونے والے ہیں۔ سب نے وہ آواز سن لی۔ جس نے بلیک کہہ دیا وہ ضرور حج کرے گا اور جو روح خاموش رہی وہ کبھی حج نہیں کر سکتی کیسے یہاں تو دُور کے علاوہ پیدائش سے پہلے سب نے حضرت خلیل کی آواز سن لی یہ شرک ہوا یا نہیں؟ اسی طرح حضرت خلیل نے بارگاہ رب جلیل میں عرض کیا کہ مولے مجھے دکھا دے کہ تو مردے کس طرح زندہ فرمائے گا تو حکم ہوا کہ چار پرندوں کو فرج کر کے ان کے گوشت چار پہاڑوں میں رکھو ثُمَّ اَدْخُلُوْہُمْ یَا تِیْنِکَ سَجِیًّا پھر انہیں پکار دو ڈرتے ہوئے آئیں گے۔ دیکھو مردہ جانوروں کو پکارا گیا اور وہ دوڑے ہوئے آئے تو کیا اولیاء اللہ ان جانوروں سے بھی کم ہیں؟ آج ایک شخص لندن میں بیٹھ کر بذریعہ ٹیلیفون ہندوستان کے آدمی سے بات کرتا ہے اور یہ سمجھ کر اس کو پکارتا ہے کہ ہندوستان کا آدمی اس آد کے ذریعہ میری بات سنتا ہے یہ پکارنا شرک ہے کہ نہیں؟ تو اگر کسی مسلمان کا عقیدہ یہ ہو کہ قوت نبوت ٹیلیفون کی قوت سے زیادہ ہے اور حضرت انبیاء قوت خدا داد سے ہر ایک کی آواز سنتے ہیں۔ پھر پکارے یا رسول اللہ العیاش تو کیوں شرک ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سفر میں جاتے ہوئے ایک جنگل میں چیونٹی کی آواز دور سے سنی۔ وہ کہتی ہے۔

یَا اَیُّهَا النَّملُ اَدْخُلُوْا مَسٰبِکَکُمْ لِاَیْمِحَطَّ مَکُمْ | اے چیونٹیاؤں اپنے گھروں میں چلی جاؤ تمہیں کپل نہ ڈالیں



سَلِيمًا وَجَنُودًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝  
 سلیمان اور انکا لشکر بے خبری میں۔ (پارہ ۱۹ سورہ نمل)

تفسیر روح البیان وغیرہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ آپ نے تین میل سے چوٹی کی یہ آواز سنی خیال کرو کہ چوٹی کی آواز اور تین میل کا فاصلہ کیسے یہ شرک ہوا کہ نہیں؟ مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ دفن کے بعد میت قبر میں سے باہر والوں کے پاؤں کی آواز سنتی ہے اور زائرین کو دیکھتی اور پہچانتی ہے اسی لیے قبرستان میں جا کر اہل قبور کو سلام کرنا چاہیے اس قدر مٹی کے نیچے ہو کر اتنی آہستہ آواز کو سنا کس قدر دور کی آواز سنا ہے۔ کہو شرک ہوا یا کہ نہیں؟ ہم بحث علم غیب ادبیاء اللہ میں مشکوٰۃ کتاب الدعوات کی حدیث نقل کر چکے ہیں کہ اللہ کا ولی خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ اپنی قوت عطا فرماوے۔ وہ اگر دور سے سن لے تو کیوں شرک ہے؟ مخالفین کے معتمد اور معتبر عالم مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فتاویٰ عبدالحی کتاب العقائد صفحہ ۳۳ میں اس سوال کے جواب میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ لَمْ يَكِدْ وَ لَمْ يَكِدْ وَ لَمْ يَكِدْ حَضْرَةَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ کی شان ہے اور قَوْلُ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ حَضْرَةَ عَلَيْهِ الصَّلَامُ کی صفت ہے ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ چاند آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرتا تھا۔ جبکہ آپ چہل روزہ تھے آپ نے فرمایا کہ مادر مشفقہ نے میرا ہاتھ مضبوط باندھ دیا تھا۔ اس کی اذیت سے مجھ کو رونا آتا تھا۔ اور چاند منع کرتا تھا۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ ان دنوں آپ چہل روزہ (چالیس دن) کے تھے یہ حال کیونکہ معلوم ہوا کہ فرمایا لوح محفوظ پر قلم چلتا تھا اور میں سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا اور فرشتے عرش کے نیچے تسبیح کرتے تھے اور میں ان کی تسبیح کی آواز سنتا تھا۔ حالانکہ شکم مادر میں تھا۔ اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام والدہ ماجدہ کے شکم میں ہی عرش و فرش کی تمام آوازیں سنتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی عورت اپنے نیک شوہر سے لڑے تو جنت سے حور پکار کر اسے سلامت کرتی ہے (مشکوٰۃ باب معاشرۃ النساء) معلوم ہوا کہ گھر کی کوٹھڑی کی جنگ کو حور اتنی دور سے دیکھتی اور سنتی ہے اور پھر اسے علم غیب بھی ہے کہ اس آدمی کا انجام بخیر ہوگا۔ دور بین سے دور کی چیزیں دیکھتے ہیں ریڈیو ٹیلیفون سے دور کی آواز سنتے ہیں۔ تو کیا نبوت ولایت کی طاقت کجی کی طاقت ہے بھی کم ہے معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت میں حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی۔ حالانکہ بلال کو معراج نہ ہوئی تھی اور اپنے گھر ہی میں تھے۔ یہاں نماز تہجد

کے لئے چل پھرے ہوں گے وہاں آہٹ سنی جا رہی تھی اور اگر حضرت بلال بھی جسمِ مثالی جنت میں پہنچے تو حاضر و ناظر کا ثبوت ہوا۔

ان سب باتوں کے متعلق مخالف یہ بھی کہے گا کہ وہ تو خدا نے سنایا تو ان حضرات نے سن لیا۔ پس ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء کو خدا دور کی آوازیں سناتا ہے تو یہ سنتے ہیں خدا تعالیٰ کی یہ صفت ذاتی ان کی عطائی۔ خدا کی یہ صفت قدیم۔ ان حضرات کی حادث۔ خدا کی یہ صفت کسی کے قبضہ میں نہیں ان کی یہ صفت خدا کے قبضہ میں۔ خدا کا سننا بغیر کماں وغیرہ عضو کے۔ ان کا سننا کماں سے اتنے فرق ہوتے ہوئے شرک کیسا؟ اس مدارک کے متعلق اور بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر اسی قدر یہی کفایت ہے بڑے علماں تے عقلاں و لے انتھنے پل اڑو نے ۴ میں سننا دیکھ کے اُس نول پتھر بھی کلر پڑھنے نے

## بحث اولیاء اللہ و انبیاء سے مدوامانگنا

اولیاء اللہ اور انبیاء کے رام سے مدوامانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد و توبہ تعلق ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہ ہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی دلی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

### پہلا باب

#### غیر اللہ سے مدوامانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدوامانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہار و محدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں، قرآن کریم فرماتا ہے۔

دَاعُوْا اِلٰہَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنَّ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ | اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمائیتوں کو بلا لو۔

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کرے اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمائیتوں کو بلا لو۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِمْی اِلٰی اللّٰهِ قَالَ الْخَوٰدِرِیُّوْنَ  
کھا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ  
کے کھا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

دَعَا دُنُوًّا عَلَى الْبَيْتِ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاذُ نُوًّا  
عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدَاوَانِ -

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ -

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے میثاق

کے دن از ریح ابیہار سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لَتَنُؤْمِنَنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ -

کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد کا میثاق کے دن سے حکم ہے۔

دَا سْتَعِيْنُوْا بِاَلصَّبْرِ وَ الصَّلٰوَةِ

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔

وَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ -

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آسمانی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب

تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَيَّدَكَ بِتَصْرٰةٍ وَّ بِالْمُؤْمِنِيْنَ -

فرماتا ہے یا ایہا النبیٰ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ

اَتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ -

فرماتا ہے فَ اَللّٰهُ مَوْلَاہٗ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظٰہِرًا -

فرماتا ہے۔ اِنَّمَا وَّلٰیكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ

الَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوٰةَ وَ هُمْ سٰرِعُوْنَ

فرماتا ہے وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰیاءُ بَعْضٍ ط دوسری جگہ فرماتا ہے نَحْنُ اَوْلٰیاءُ

کہ فی الحیوة الدنیاء فی الاخرة معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔

موسىٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا۔

وَجَعَلْ لِي ذُرِّيًّا مِّنْ أَهْلِ هَرُونَ أَحِبِّي | خدایا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کر دے میری  
اشد ديه أمرى حى۔ | پشت کولان کی مدد سے مضبوط کر دے۔

رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کاسہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بندوں کاسہارا لینا سنتِ انبیاء ہے۔

مشکوٰۃ باب السجود فضلہ میں ربیعہ ابن کعب السلمی سے بروایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا  
سَلُّ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مَرَّافَقَتِكَ فِي الْجَنَّةِ | کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ جنت میں آپ کی  
قَالَ أَوْغَيْرَ ذَلِكَ فَقُلْتُ هُوَ ذَلِكَ قَالَ | ہمراہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگنا ہے میں نے کہا نہ  
فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ۔ | یہی فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کر۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام بھی فرماتے ہیں اَعِنِّي اے ربیعہ تم بھی اس کام میں میری اتنی مدد کر دو کہ زیادہ نوافل پڑھا کر دیکھو بھی غیر اللہ سے طلب مدد ہے۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے۔ "وازاطلاق سوال کہ فرمود سئل و تخصیص نہ کر دو بمطلوبے خاص معلوم ہے شود کہ کار بہم بدست ہمت

و کرامت اوست ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بد ہر

فَإِنَّ مِنْ جُودِكَ الدُّنْيَا وَصَدَّقْتَهَا ۖ وَ مِنْ عِلْمِكَ عِلْمُ اللّٰوْحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریت دنیا و عقبے آرزو داری ۖ بدگامش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن!

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ

سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے۔ جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں۔ کیونکہ دنیا

و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و آخرت

کی خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رعبے اور تین سو سال تک رعبے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کعبہ پاک ہو اور ب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا کعبہ بغیر میرے محبوب کے مدد کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارا دل ان کی نظرِ کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خالق کی بحث میں ہے۔ هُوَ الْجُودُ بِأَنَّكَ تَوْنِيْنِ وَ التَّوَجُّهُ إِلَى خَالِقِهَا يَعْنِي دُونِ جِهَانِ اَدْرُوْنَ كُوْنُش دِيْنَا اَدْرُوْهُوَ خَالِقِ كِيْ طَرَفِ مَتَوَجُّهُ هُوَ جَانَا حَضْرُوْ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَ السَّلَامُ كَا خَالِقِ هُوَ اَدْرُ ظَاهِرِ هُوَ كِه دُونُوْ دُوْ سِدُوْ كُوْ دُوْ هُوَ هِيْ نَجْشُوْ كَا جُوْ سُوْ اِن كَا مَالِكِ هُوَ كَا۔ مَلِكِيْتِ ثَابِتِ هُوْنِيْ۔

شیخ عبدالحق کی ان عبارات نے فیصلہ کر دیا کہ دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو، مال مانگو، جنت مانگو، جہنم سے پناہ مانگو، بلکہ اللہ کو مانگو۔ ایک صدیقی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

محمد از تو سے خواہم خدا را ! خدا یا از تو عشق مصطفیٰ را

یا رسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَوْ اَنْهَمُ اِذْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفِرُوْا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوْ جَدَّ اللّٰهُ تَوَابًا وَ حِيْمًا۔ اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پالیستے۔ مگر کس شان میں تَوَابًا تَرَجِيْمًا تُوْبَةُ قَبُوْلِ فَرْمَانِ دَالَا مِهْرَبَانِ يَعْنِيْ اَبُوْ كِه پَاسِ اَللّٰهُ كُوْ اِن كُوْ خَدَا مِل جَا تَا۔ ع۔ اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعة اللمعات کی طرح مرقاة شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرمایا ہے كِه فَيُعْطِيْ لِيْنِ شَاءَ مَا شَاءَ حَضْرُوْ عَلَيْهِ السَّلَامُ جِس كُوْ جُوْ پَا مِيْنِ دُوْ سُوْ دِيْنِ۔ تَفْسِيْرِ كِيْمِ جِلْدِ سُوْمِ پَارِهٖ ۷ سُوْرَةُ الْاِنْعَامِ زِيْرِ اَيْتِ وَ لَوْ اَشْرَكُوْا الْحَبِيْطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ هُوَ۔

تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں۔ جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کر سکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت و قوت

وَ كَالَّذِيْنَ اَلَيْنَبِيَّآءُ وَ هُمُ الَّذِيْنَ اَعْطَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِّنَ الْعُلُوْمِ وَ الْمَعَارِفِ مَا لَاجِلِهٖ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى النَّصْرِ فِيْ بَوَاطِنِ الْخَلْقِ وَ اَنْوَا حِ هِيْدُوْ اَيْضًا اَعْطَاهُمُ مِّنَ الْقُدْرَةِ وَ الْمَكْنَةِ مَا لَاجِلِهٖ

يَقْدِرُونَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي ظَوَاهِرِ الْخَلْقِ | دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کر سکتے ہیں۔  
اسی تفسیر کبیر پارہ المداذ قال سرتبک للمملکة کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں ٹھنپس جائے تو کہے۔

أَعِينُونِي عِبَادَ اللَّهِ بِرَحْمَتِهِ اللَّهُ ۹ | اے اللہ کے بند میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔  
تفسیر روح البیان سورہ مادہ پارہ ہزیر آیت وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ مِنْ نَسَائِدِهَا كَمَا أَنَّ سَيْحَ صَلَاحِ الدِّينِ  
فرماتے ہیں مجھ کو رب قدرت ہی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گردوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو  
ہلاک کر دوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم صلاح کی دعا کرتے ہیں مینوی شریف میں ہے۔

اولیاء اہست قدرت ازالہ ۶ تیر جنتہ بازگرداند زراہ !

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے ۶ کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کر لیں

اشعة الممعات شرح باب زیارت القبور میں ہے امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوسے در  
حیات استمداد کردہ مے شود بوسے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می  
کنند در قبور خود مانند ستر فہار ایشان در حیات خود یا بیشتر۔ تو مے مے گویند کہ امداد حی قومی نزا است و  
من مے گویم کہ امداد میت قومی تر و اولیاء را تصرف در او ان حاصل است و ان نیست مگر ارواح ایشان را  
و ارواح باقی است ۷ امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے  
بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل در آمد کرتے  
ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ، ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قومی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ  
کی امداد زیادہ قومی۔ اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر انکی روح کو کہیں کہ ارواح باقی ہیں۔ حاشیہ  
مشکوٰۃ باب زیارة القبور میں ہے :-

نبی علیہ السلام دو دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے  
دعا مانگنے کا بہت سے فقہار نے انکار کیا اور مشائخ صوفیہ  
اور بعض فقہار نے اسکو ثابت کیا ہے۔ امام شافعی فرماتے  
ہیں کہ موسیٰ کاظم کی قبر ولایت دعا کیلئے آزمودہ تریاق ہے  
اور امام محمد غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی

وَأَمَّا الْأَسْتِمْدَادُ بِأَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ غَيْرِ النَّبِيِّ  
عَلَيْهِ السَّلَامُ أَوِ الْأَنْبِيَاءِ فَقَدْ أَنْكَرَهُ كَثِيرٌ مِنَ  
الْفُقَهَاءِ وَانْتَبَهَ الْمَشَائِخُ الصُّوفِيَّةُ وَبَعْضُ  
الْفُقَهَاءِ قَالَ الْأَمَامُ الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوسَى الْكَاطِمِ  
تَرِيَاقٌ حَسْبُ لاجابۃ الدعاء وقال الامام

الْغُرِّ الَّتِي مِنْ يَسْمَتْنِي حَيَاتِهِ يَسْتَمِدُّ بَعْدَ وَفَاتِهِ | جاسکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جاسکتی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا رب یا انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبول اولیا اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے۔ علمائے ظاہرین نے انکار کیا صرف اہل کرام و فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین صفحہ ۲۰۲ میں ہے۔ دَانَ اَسْرَادَ عَوْنًا  
فَلْيَقُلْ يَا عِبَادَ اللَّهِ اَعَيْنُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ  
اَعَيْنُونِي يَا عِبَادَ اللَّهِ اَعَيْنُونِي۔  
جب مدد لینا چاہے تو کہہ اے اللہ کے بند میری مدد کرو اے اللہ کے بند میری مدد کرو اے اللہ کے بند میری مدد کرو۔

اس کی شرح الحرز الثمین میں تلامذہ علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةٌ اَحَدِكُمْ بِاَرْضٍ فَلَاةٍ  
فَلْيَسْأَلِهَا عِبَادَ اللَّهِ اِحْبِسُوا۔  
یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بند اسے روک دو۔

عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

المُرَادُ بِهِمُ الْمَلَائِكَةُ اَوْ الْمُسْلِمُونَ مِنْ  
الْحِجْرِ اَوْ مِنْ حِجَالِ الْغَيْبِ السَّمْعُونَ بِاَبْدَالِ  
پھر فرماتے ہیں هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ يَحْتَاجُ  
اِلَيْهِ الْمُسَافِرُونَ وَاتَّهَ فَحَبْرًا۔  
یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا جناب الٰہی الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔  
یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز صفحہ ۲۰۲ پر فرماتے ہیں۔ "باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہی کہ

اعتماد باشد و اور اعوان الٰہی نذند حرام است و اگر التقات محض بجانب حق است و اور ایکے از مظاہر عون الٰہی دانستہ و بکار نمانہ اسبابی و حکمت اد تعالے در آن نموده بغیر استعانت ظاہر نماید و در از عرفان نخواہد بود و در شرح نیز جائز و رواست در ابیاد و اولیا این نوع استعانت تعبیر کردہ اند و در حقیقت این نوع استعانت

بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لا غیر، سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بجز دوسرے کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالے کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں

جائز ہے اور اس کو انبیاء و اولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالے کے غیر سے مانگنا نہیں ہے لیکن اسکی مدد سے ہے تفسیر عزیزی سورہ بقرہ صفحہ ۶۰ میں شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں۔ "افعال غازی

ابنِ راشل بخشیدنِ فرزند و توسیعِ رزق و شفاءِ مریض و امثالِ ذالک را مشرکان نسبت بہ ارواحِ خبیثہ اسنام می نمایند و کافر می شوند۔ از تاثیرِ الہی یا خواصِ مخلوقاتِ اومی و اندازِ اودیدہ و مغایرِ یادعائے صلحہ و بندگانِ اود کہ ہمہ از جنابِ اود درخواستہ انجامِ مطلبِ می کنند می فہند و در ایمانِ ایشان خلل نمی افتد۔ اللہ کے کام جیسے لڑکا دینا رزق بڑھانا بیمار کو اچھا کرنا اور اس کی مثل کو مشرکین خبیثتِ روحوں اور بتوں کی طوت نسبت کرتے ہیں اور کافر ہو جاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکمِ الہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ وہاں یا مغایر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستانِ المحدثین میں شاہ عبدالعزیز صاحبِ شیخ ابوالعباس احمد زرونی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

أَنَا الْمُرِيدُ مَحِي جَامِعٌ لِشَتَاتِهِ \* إِذَا مَا طَلَى جُوسُ الرِّمَانِ بِنَكْبَتِهِ !

وَأَنْ كُنْتُ فِي ضَيْقٍ وَكَرْبٍ وَحَشَاةٍ \* فَتَنَادَيْتُ بِرُذُقِ آبٍ بِسُرْعَةٍ !

میں اپنے مرید کی پرانگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر

تو تنگی یا مصیبت یا وحشت میں ہو تو پکار کر اسے زروق! میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر و روح البیان و خازن میں سورہ یوسف زیر آیت فَلَبِثْتُ فِي السَّجْنِ بَضْعَ سِنِينَ ہے

الْأَسْتِعَانَةُ بِالنَّاسِ فِي دَفْعِ الضَّرْرِ وَالظُّلْمِ جَابِرَةٌ أَوْ خَازِنٌ زِيرَ آيَاتٍ فَأَنسَأَهُ الشَّيْطَانُ بَعْدَ

الْأَسْتِعَانَةِ بِالْمَخْلُوقِ فِي دَفْعِ الضَّرْرِ جَابِرٌ مُصِيبَتٍ دَرَّرَ كَرْنَهُ كَيْ يَسَّ عَلَى مَخْلُوقٍ سَعْدٌ لِيُنَاجِزَ بَعْدَ

در مختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں لکھی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا۔

جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کہ خدا وہ چیز

واپس ملاوے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور

سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو دیدہ کرے

پھر سیدی احمد ابن علوان کو پھر یہ دعا پڑھے اے میرے

آقا بے احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں

آپ کو دفتر اولیاء سے نکال لوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اسکی

گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملاوے گا۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ إِذَا ضَآءَ لَهُ شَيْئٌ وَآرَادَ أَنْ يُرَدَّهُ

اللَّهُ عَلَيْهِ فَيَلْقِفْ عَلَى مَكَانٍ عَالٍ مُسْتَقْبِلَ

الْقِبْلَةِ وَيَقْرَأُ الْفَاتِحَةَ وَيَهْدِي ثَوَابَهَا لِلنَّبِيِّ

عَلَيْهِ السَّلَامُ ثُمَّ يَهْدِي ثَوَابَهَا لِسَيِّدِي أَحْمَدَ

ابْنِ عَلْوَانَ يَقُولُ يَا سَيِّدِي يَا أَحْمَدَ ابْنَ عَلْوَانَ

إِنْ كَمْ تَرَدُّ عَلَيَّ ضَالَّتِي وَالْإِنْرُخْتُكَ مِنْ دِيُونِ

الْأَوْلِيَاءِ فَإِنَّ اللَّهَ يَرُدُّ ضَالَّتَهُ بِلُحْمَتِهِ -



اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گئی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درختار نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرمائی ہے

يَا اَكْرَمَ الثَّقَلَيْنِ يَا كَنُزَ الْوَسْرَى \* بَدَا لِي بِجُودِكَ دَأْسَ ضَنْبِي بِرِضَاكَ  
اَنَا طَامِعٌ بِالْجُودِ مِنْكَ لَمْ يَكُنْ \* لِاِيَّ حَنِيفَةً فِي الْاَنَا مَسْوَالِكَ!

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمائیے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابو حنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بروہ میں ہے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مِنْ الْوُدْبِ \* سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الْحَادِثِ الْعَمْرِ  
اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی نہیں \* جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت

اگر سہ ماہی علماء و فقہاء و مشائخ کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔ نیز بہتہ المناظر الفاترئی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر عصفہ ملاحی قاری صفحہ ۱۱۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

مِنْ اسْتَعَاثَ بِي فِي كُرْبَةٍ كَشِفَتْ عَنْهُ وَ  
مَنْ نَادَانِي بِاسْمِي فِي شِدَّةٍ فَرَجَّتْ  
عَنْهُ وَ مَنْ تَوَسَّلَ بِي اِلَى اللّٰهِ فِي  
حَاجَةٍ قَضِيَتْ۔

یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اسکی حاجت پوری ہوگی

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱-۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھر ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے بر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے

اَيْدِي رُكْنِي صَنِيمٌ وَاَنْتَ دَخِيْرَتِي \* وَاظْلَمَ فِي الدُّنْيَا وَاَنْتَ نَصِيْرَتِي  
وَعَاوَزَ عَلَيَّ حَامِي الْحَمَى وَهُوَ مُنْجِدِي \* اِذَا ضَاعَ فِي الْبَيْدِ اِعْقَالِ بَعِيْرِي

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں دَقْدَ جَبْرَبَ ذَالِكَ مَرَّاسًا اَفْصَحَ یعنی بار بار اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کیسے حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مد مانگو اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اُسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہار و علماء و مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اس میں آیاتِ کَسْتَعِينُ کے ماتحت فرماتے ہیں "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہر ہی اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے" بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے۔ کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا۔ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخط والاباحہ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال :- اشعار اس مضمون کے پڑھنے "یا رسول کبریا فریاد ہے" یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے +

مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ + میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے + کیسے ہیں۔

الجواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور غفلت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع

فرمادے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۵ پر ہے کہ مولوی

رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یاد و پڑھنا کیسا ہے

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْظِرْ حَالَنَا ۝ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْمِعْ قَالَنَا!

اِسْتَنْبِي نِي بِحَسْرَتِي مُعْرِقٌ ۝ خذْ يَدِي سَهْلًا لَّنَا اَشْكَلْنَا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا ہے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِي مِنَ الْوُدْبِيهِ ۝ سِوَالِكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر و رد کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز، زیادہ سے

زیادہ کردہ تنزیہی کہا + قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں سے  
مدد کر اسے کرم احمدی کہ تیرے سوا + تمہیں ہے قاسم سبکس کا کوئی حامی کار  
اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی  
خدا کو بھی بھول گئے + ترجمہ صراط مستقیم اردو خانہ تیسرا اضافہ صفحہ ۱۰۳ پر مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔  
اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مقاصب رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے  
کے مازون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں سے

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں تم اب چاہے ڈباویا تراویا کرسوئل اللہ  
فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اَعْتَبُوا  
يَا عِبَادَ اللَّهِ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں ہے بلکہ  
عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے  
دیا مقرر کیا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگلوں میں کچھ اللہ کے بندے اللہ کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگوں کی  
مدد کریں ان سے مدد مانگا جائز ہے۔ مدعی ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رایہ فیصلہ کہ نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کریں گے۔  
مولوی محمود حسن صاحب اولہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں۔ آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں عبادات ہوں یا  
حیوانات، بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ کہ عدل و مہر آپ کے ذمہ واجب الاء تھا +  
صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا اضافہ صفحہ ۱۰۳ میں مولوی اسماعیل صاحب فرماتے ہیں۔ اور حضرت مفضل رضی اللہ تعالیٰ  
عنه کیلئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے، اور وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقالات ولایت  
بلکہ قطبیت وغوثیت اور بلائیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی  
وساطت سے ہونا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر  
کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے  
دیوبندیوں کے پیروں شد حاجی امداد اللہ صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچ کر بندہ

خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظلم میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو بزخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب و امکان مساوی ہیں۔ کئی کئی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ رضی اللہ عنہم مطبوعہ کتب خانہ ائٹرنل راشڈ کمپنی دیوبند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان غور کر دیکر عباد نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں متصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع ہوئی کہ صدر پاکستان محمد ایوب خان صاحب جب امریکہ کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیوبندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۱۹۶۱ء کو شہید کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں۔ امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام کا زور یہ مسافر کے بازو پر۔ باندھتے ہیں امام حسین لکھے ضامن ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں جب مسافر بخیریت واپس آوے تب اس زور پر فاتحہ امام حسین کے نام کی کی جادو سے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی ملی گئی۔ ان کی فاتحہ بھی کی گئی ان کی تذبذب بھی مانی گئی جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیوبندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب جلد ۱ کتاب العقائد و الکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت و استمداد با عقائد علم و قدرت مستقل ہو وہ شرک ہے اور جو با عقائد علم و قدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے خواہ مستمد نہ ہی ہو یا میت بس فیصلہ ہی فرمایا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے۔ اگرچہ میت ہی سے مانگی جائے یہ ہی تم کہتے ہیں۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شمیم الجیب کے عربی اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شمیم الطیب رکھا جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شمیم الطیب ترجمہ شمیم الجیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۲۵۔

يَا شَفِيحَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِي \* أَنْتَ بِنِي الْإِضْطِرِّ الْمُعْتَمِدِي

دستگیری کیجئے میری نبی \* کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

لَيْسَ لِي مَلْجَأٌ سِوَاكَ أَعْتِ \* مَسْنِي الصُّوْرُ سَيْدِي سُنْدِي

جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ \* فوج کلفت مجھ پر غالب ہوئی!  
 عَشْتِي الدَّهْرُ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ \* كُنْ مَعِيْنَا فَانْتَ لِي مُدِيْدِي  
 ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف \* اے مرے مولیٰ خبر لیجے مرے

نام احمد چوں حصینے شد حصین \* پس چہ باشد ذات آل روح الامین  
 نشر الطیب فی ذکر ابن الحلبیب

## اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لیے قرآن کریم نے  
 حشر نشر اور رب کی الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش  
 پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گمراہ  
 نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو تمہاری ملکیت میں تبوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے  
 ہو، غرض کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں  
 کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لیے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں  
 کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام  
 بادشاہ کی مرضی اس کے منشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ  
 یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر  
 ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور  
 رعایا کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں  
 شفا خانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں کچھری جا کر جج سے دیکھو کہ ذریعہ سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب  
 میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی منشاء کے مطابق ہے  
 کہ اس نے ان کو حکام اسی لیے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے  
 طالب ہوں تو اب باعنی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ  
 میں آگئی تو سمجھو کہ یہ ہی طریقہ سلطنت الہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے

خود ہی پورا فرما دے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لئے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی سفاقت رزق پہنچانا، بارش برسانا، ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا۔ مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ صورت چھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ عرض کردہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاء اللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں ہے۔ بلکہ قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں۔ حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا قَالَ اَنَا رَسُولُ رَبِّكِ كَاهَبَ لَكَ غُلَامًا ذَكِيًّا۔ اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تاکہ تم کو پاک فرزند دوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وَاخْلُقْ لَكُمْ مِنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخْ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قُلْ يَتَوَكَّلْكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي ذُكِّرَكُمْ فِيْهِ فَرَادُكُمْ تَمَّ كَوْمَلِكِ الْمَوْتِ وَفَاتِ دِيْنِكُمْ تَوَقُّرُكُمْ يَكُوْنُ كَيْفَ تَكُوْنُ

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ ہمارے محبوب انکو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں۔

اَغْنَاهُمْ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهِ۔ انکو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیر کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ  
وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا -

آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمائیے اور  
اس سے ان کو پاک فرما دیجئے۔

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔  
وَلَوْ أَنَّهُمْ مَرُّوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ  
وَقَالُوا أَحْسَبْنَا اللَّهَ سَيِّئِينَ اللَّهُ مِنْ  
فَضْلِهِ دَرَسُؤْلُهُ -

اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ  
رسول نے ان کو دیا اور کہتے کہ اللہ ہم کو کافی ہے اب  
ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دین گے۔

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ  
عزت دیتے ہیں مال و اولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصد وہ ہی ہو گا کہ یہ  
حضرات حکومت الہیہ کے حکام میں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے  
وقت ادبیار اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں  
بادشاہ کی رہنمائی اور حکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ  
فَأَسْتَغْفِرُوا اللَّهَ لَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ  
الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ  
تَوَّابًا رَحِيمًا ۝

اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے  
پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے  
محبوب آپ بھی ان کیلئے دعائے مغفرت فرماتے  
تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارت قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضہ پاک پر حاضر  
ہو تو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا قبر میں تین سوال نکیرین کرتے ہیں۔ اول تو مَنْ رَبُّكَ تیرا رب  
کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں  
اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ گوا بھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے  
آقا کو تو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحتہ کہلو الیاء کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے نجات ہوتی۔ قیامت میں  
لوگ تنگ آکر شفیع کو ہی ڈھونڈ لیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے تب  
حساب و کتاب شروع ہو گا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور

علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لیے فرمایا **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہو تو ہم جیسے گنہگار بد عمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مجاہدین وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاتیں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے۔ **وَكَانُوا يُسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ذَا كَعْبٍ مَعْقُومٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ** والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبل بنا فلنؤکینک قبلتہ ترضہا۔ بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے ہی مدنی ہونے سے ہی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرش پر شیطان بلا واسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب مار دیا جاتا ہے۔ اگر مدینہ کے راستے سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہو گا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء و ادبیاء سے مدد مانگنا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاء الہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاً پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر یہ کیوں؟ اسی لیے کہ مخلوق جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد و نجات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دو درجہ ہے۔ اولاً تو اس لیے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جھوٹا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لیے ان کو الزام یا شرک کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ وار مانتے ہیں جیسے علیہ السلام کو عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلثہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان ادبیاء و انبیاء کو محض بندہ ہی مان کر ان کو اس طرح کا حاجت روا مانتے ہیں۔ جیسے اہل دیوبند مالداروں کو مدرسہ کا معادن و مددگار یا طبیب و حاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیار نہ دیا ہے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد و عیہ طلب کرتے ہیں لہذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلاشبہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا



فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کی عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکیم الہی سے ہے مشرک کا سجدہ خلاف حکیم الہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ گنگا کے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر مقاس ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

## دوسرا باب

### استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر محافلین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض (۱) مشکوٰۃ باب الانذار والتحذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا سے فرمایا۔

لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا | میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

جب آپ سے فاطمہ زہرا کی مدد نہ ہو سکی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

جواب: یہ اول تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا

کے مقابل ہو کر تم سے غلاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر نوح یہاں اسی جیسے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی

حضور ہر جگہ مدد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الْأَخْلَافُ يَوْمَئِذٍ لِّبَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ لَّا

الْمُتَّقُونَ پر ہمیں گاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل

المیت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سو میرے نسبت

رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے ہم چونکہ سجدہ تعالیٰ مسلمان ہیں سہاری مدد ضرور فرمائیں گے۔

(۲) اعتراض آیاتك نعبداً وإياتك نستعين ۵ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو

غیر خدا کی استمداد بھی شرک۔

جواب: اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ

کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ

نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا لَه مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ اللّٰهُ هِيَ الَّتِي فِيهَا كُرْسِيُّ رَبِّكَ يُرِيكَ الْمَلٰٓئِكَةَ وَالرُّسُلَ اِنَّ رَبَّكَ لَخَبِيرٌۭ بِمَا تَعْمَلُ  
چیزیں۔ پھر تم حکام کو حکم بھی ملتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے  
مراوے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت، مگر بندوں کے لیے بر عطاء ربّ الہی۔

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق  
یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست بتوں کی  
پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ "کالی مانی تیری دہائی" وغیرہ اس لیے ان دونوں  
کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں  
کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا  
ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لیے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی  
ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دانی کی مدد  
سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی  
گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر غسل اور درزی کی مدد سے  
غسل ملا اور کفن پہنا۔ گورنر کی مدد سے قبر کھدی۔ مسلمانوں کی مدد سے زیر خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت  
کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر تم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس  
آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراف (۳) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ نَفِي نَفِي جَبْہِ كَفٰرٍ لِّمَنْ اٰنَا نَاصِرٌ  
کے سوا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب: یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں۔ بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا ناصر  
و مددگار مان رکھا تھا یعنی بت و سیاطین، ولی اللہ وہ ہے جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء  
و اولیاء۔ وائسراے لندن سے حکومت کرنے کے لیے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خود ساختہ  
حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکام کو انوار خود ساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد  
گھریو ناصرین سے بچو، موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهُ طَغٰی | فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔

آپ نے عرض کیا وَ لَجَعَلْتِي ذَرِيَّةً مِّنْ أَهْلِ  
هَؤُلَاءِ اَنْحَى اَشَدُّ ذِيهِ اَزْرِي -

مولیٰ حضرت مارون کو میرا وزیر بنا دے جس سے  
میرے بازو کو قوت ہو۔

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور کا سہارا کیوں لیا؛ بلکہ منظور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ  
اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء ہے۔

اعتراف (۳) در مختار باب المرتدین بحث کلمات اولیاء میں ہے کہ قول شَيْئًا لِلّٰهِ نَيْلٌ يَكْفُرُهُ  
معلوم ہوا کہ يَا عَبْدَ الْقَادِرِ مِنْ جِيلِ اِنِّي شَيْئًا لِلّٰهِ كَبُنَا كَفْرًا -

جواب: یہاں شیئا اللہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لئے کچھ دو۔ رب تمہارا محتاج  
ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ تیمم کے لئے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے  
فرمایا۔ اَمَّا اِنْ قَصَدَ الْمَعْنَى الصَّحِيحَةَ فَالظَّاهِرُ اَنَّهٗ لَا يَأْسُ بِهٖ يَعْنِي اَنَّ اس سے صحیح معنی کی  
نیت کی کہ اللہ کے لئے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک شیئا اللہ کا یہی مطلب ہے۔

اعتراف (۵) وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے؛ جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے!

جواب۔ وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے؛ جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے

توسل کر نہیں سکتے خدا سے؛ اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراف (۷) خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؛ ہم اس کے بندے ہیں چاہئے کہ اسی سے  
حاجتیں مانگیں (تقویۃ الایمان)

جواب: ہم خدا کے بندے خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے  
دیکھو گذشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم داؤد وادیں یہ کچھ نہ دیں؛ مراد یہ مراد کس آیت خبر کی ہے!

اعتراف (۸) قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔ وہ بتوں سے مدد  
مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب: اور تم بھی مشرک ہوئے اغنیاء، پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر۔ یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریریں  
بیان کر چکے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَلْعَنِ اللّٰهَ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيْرًا -

جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے اس کا مددگار کوئی نہیں ہوتا

مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔

**اعتراف** (۸) شرح فقہ اکبر میں تلامذہ نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ طلب کرتے۔

جواب: یہ وقت امتحان تھا، اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکالنا رب کو ناپسند ہوگا۔ اسی لئے خلیل اللہ نے اُس وقت نہ اسے بھی دعا کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا کی نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا نے رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

**اعتراف** (۹) زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔ کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں۔ لہذا یہ شرک ہے۔

جواب: قرآن میں ہے **وَاَيَّاكَ فَسْتَعِينُ** ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں ہے۔ کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی استمداد بھی مطلقاً شرک ہونی چاہیے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ٹھکانے ہزار برس بعد امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے پانچ کرادیں۔ رب تعالیٰ اجازت فرمایا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر چھ دو پیاروں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔ استمداد کے منکرین کو چاہیے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔ کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔

نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ  
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنَّ لَّا تَشْعُرُونَ  
جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں تازے جا دیں گے مگر یہ بلا وجہ کی زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا

ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں (روح البیان) اسی حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے، جل جہادے، طاعون میں مرے، عورت زچگی کی حالت میں مرے۔ طالب علم مسافر وغیرہ وغیرہ سب شہید ہیں۔ نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں، باقی سب مرے۔ توحی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آدے گا۔ حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔ نیز زندہ اور مرے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم ثبوت استدلال میں کر چکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جائے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

تفسیر سادی آخر سورہ قصص وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ کی تفسیر میں ہے۔

یعنی یہاں لاندع کے معنی ہیں نہ پوجو نہ خدا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ کہو اس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔

فَجَبْتَنِيذِ فَلَيْسَ فِي الْآيَةِ دَلِيلٌ عَلَى مَا زَعَمَهُ الْخَوَاصُّ مِنْ أَنَّ الطَّلِبَ مِنَ الْغَيْرِ حَيًّا وَمَيِّتًا شِرْكٌ فَإِنَّهُ جَهْلٌ مُرَكَّبٌ لِذَلِكَ سَوَالُ الْغَيْرِ مِنْ اجْرَاءِ اللَّهِ النَّفْعَ أَوْ النَّصْرَ عَلَى يَدَيْهِ قَدْ يَكُونُ وَاجِبًا لِأَنَّهُ مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْأَسْبَابِ دَلَالَةٌ تَكْرِ الْأَسْبَابِ إِلَّا جُودًا أَوْ جَهْلًا۔

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ۱۔ غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے۔ ۲۔ اس طلب کا انکار تازی کرتے ہیں۔ ۳۔ لاندع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکانے یا مدد مانگنے کی۔

اعتراف (۱)۔ بندگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ وَأَنْ يَسْتَرْجِعَهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُ مِنْهُمُ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ يَوْمَئِذٍ سے کبھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے؟

جواب۔ یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لیے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح سے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں، بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دکھتی



## پہلا باب

### بدعت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز۔ قرآن کریم فرماتا ہے:-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ  
فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔

نیز فرماتا ہے بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ  
آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔

نیز فرماتا ہے وَرَهْبَانِيَّةً اٰتٰتَدْعُوْا هَا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ۔

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ۔ مرقاة شرح مشکوٰۃ

باب الاعتصام بالكتاب والسنة میں ہے قَالَ النُّوْدِيُّ اَلْبِدْعَةُ كُلُّ شَيْءٍ عَمِلَ عَلَيْهِ غَيْرُ مَثَالٍ سَبَقَ  
بدعت وہ کام ہے جو بغیر گذری مثال کے کیا جاوے۔

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو

دافع سنت ہو۔ بُرے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے حسنہ، سیئہ دوسرے دو

معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد

ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث و اقوال علماء آپس میں

متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں

نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوتی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت

اعتقادی ان بُرے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے، عیسائی

یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔

نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریت، قدریت، مرجیہ، چکر الوہی، غیر مقلد، دیوبندی

عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی

کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں سبیل گدھے

کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارہویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم ثناتی سے اس کا ثبوت

مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوا هُدًى سِرًّا لَّكَ عَمَّا يُشْرِكُونَ وَرَبَّائِنَا الَّذِي نَمُوتُ إِلَيْهِ وَالَّذِي نَحْيَاهُ مِنَّا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ رَبَّنَا بِرَبِّهِمْ أَصْحَابُ الْغُحُورِ  
 اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعتِ حسنہ یعنی تارکِ الدنیا ہو جانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھانے کے ان پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ فَمَا سَرَعُوا حَتَّىٰ سَرَ عَايِبُهُمْ وَكَيْفَ سَأَلُوا عِبَادَ اللَّهِ عَمَّا يَكْفُرُونَ  
 اور باعثِ ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا خیر الامور اور وہاں کھنڈا چاہیے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں مشکوٰۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ مَرْدُودٌ  
 ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔ ہم نے ما کے معنی عقیدے اس لیے کیے کہ دین عقائد ہی کا نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بد اعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر اس کے ماتحت مراتب میں ہے۔

وَالْمَعْنَىٰ أَنَّ مَنْ أَحْدَثَ فِي الْإِسْلَامِ رَأْيًا فَهُوَ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ أَقُولُ فِي وَصْفِ هَذَا الْأَمْرِ إِشَارَةً إِلَىٰ أَنَّ أَمْرَ الْإِسْلَامِ كَمُلِّ

معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین نہیں ہے وہ اس پر رد ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا لام کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا بَلَّغْنِي أَنَّهُ قَدْ أَحْدَثَ فَإِنْ كَانَ أَحْدَثَ فَلَا تُقْرِئَهُ مِنِّي السَّلَامَ مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں:-

يَقُولُ يَكُونُ فِي أُمَّتِي خَسْفٌ وَمَسْخٌ أَوْ قَدَّتْ فِي أَهْلِ الْقَدْرِ

حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسنا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہو گا قدریہ لوگوں میں۔ معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو بدعتی فرمایا۔ درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے وَمُبْتَدِعٌ أَيْ صَاحِبٌ بِدْعَةٍ وَهِيَ إِعْتِقَادٌ خِلَافَ الْمَعْرُوفِ

بدعتی امام کے پیچھے نماز کر وہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام سے



عَنِ الرَّسُولِ -

معروف ہیں -

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور بڑے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اُس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقادیہ واسے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے "جس بدعت میں ایسی شدید وعید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا کہ رد افاضل خوارج کی بدعت ہے۔"

بدعت عملی بہرہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔ مرقات باب الاعضام میں ہے۔

وَفِي الشَّرْحِ إِحْدَاثٌ مَّا كُنْ فِي عَهْدِ  
رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ -

بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ  
حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔

اشعة اللمعات یہی باب بدائعہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا بِنِعْمَةِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ يَتَوَبَّهتُ هِيَ اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کہ کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدین پڑھنا یا کہ لاڈ سپیکر پر ناز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنت خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بذریعہ تکبیر کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تہنریہی یا مکروہ تحریمی یا تراویح ہے۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔

بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث دُکُلْتُ بِسُنَّةِ صَلَاحَةٍ ہے و آنچه موافق اصول و قواعد سنت اوست و قیاس کردہ شدہ است آن را بدعت حسنہ گویند و آنچه مخالف آن باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوئی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔

جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں بُرا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے اور برے کام نہ کرنا گناہ کا موجب۔

مشکوٰۃ باب العلم میں ہے۔ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَ أَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ إِنْ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ مَنْ هُمْ شَيْءٌ وَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وَ مَنْ رَدَّهَا وَ دَرَسَ مِنْ عَمَلٍ بِهَا مِنْ غَيْرِ إِنْ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِ مَنْ هُمْ شَيْءٌ۔

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابوحنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون میں کہ جو شخص کوئی بُری بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنیوالوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اسکو قیامت تک کے سائے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ هَذِهِ أَحَادِيثٌ مِنْ تَوَاعِيدِ الْإِسْلَامِ وَ هُوَ أَنْ كُلُّ مَنْ أَبْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَ مَنْ رَدَّ مِنْ أَتَدَّى بِهِ فِي ذَلِكَ وَ كُلُّ مَنْ أَبْتَدَعَ شَيْئًا مِنَ الْخَيْرِ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ كُلِّ مَنْ يَعْمَلُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بُری بدعت گناہ۔

بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اسکی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔ جو شخص ہمارے اس میں کوئی ایسی نئے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ سَرْدٌ۔

دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔ "وہر اذ چیزے است کہ مخالف و مغیر ان باشد" اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔ اسی مشکوٰۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے۔

مَا أَحَدَثَ تَوْمُيْدَةً إِلَّا مَرَفَعَ مِثْلَهَا مِنْ  
السَّنَةِ فَمَسَّكَ بِسُنَّةٍ خَيْرٍ مِنْ إِحْدَاثِ بَدْعَةٍ

کوئی قوم بدعت نہیں ایجاد کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جائے ہے۔ لہذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کر نیسے بہتر ہے

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ "وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت تو راہد بود" اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے۔ تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والا ہوگا۔

اس حدیث اور اس کی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیدہ یعنی بڑی بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اسکی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اسی جگہ دیکھا جاتا ہے۔

## بدعت کی قسمیں اور ان کے اقسام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیدہ۔ اب یاد رکھنا چاہیے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہے۔ بدعت جائزہ، بدعت مستحبہ، بدعت واجبہ۔ اور بدعت سیدہ دو طرح کی ہے۔ بدعت مکروہہ اور بدعت حرامہ۔ اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبر یہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائزہ ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد صاف کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔

الْبِدْعَةُ إِمَّا وَاجِبَةٌ لِنَتَعَلَّمَ النَّحْوَ وَتَدْرُسُ  
أُصُولَ الْفِقْهِ وَإِمَّا مُحْرَمَةٌ كَمَذْهَبِ الْجَبْرِيَّةِ  
وَإِمَّا مُسْتَحَبَّةٌ كَرِحْدَانِ الرَّوَاطِبِ وَالْمَدَائِرِ  
وَكُلِّ إِحْسَانٍ لَمْ يُعْهَدْ فِي الصِّدْقِ الْأَوَّلِ  
وَكَالْتَرَاوِجِ أَيْ بِالْجَمَاعَةِ الْعَامَّةِ وَ  
إِمَّا مُكْرَهَةٌ كَزُخْرَمَةِ الْمَسْجِدِ وَإِمَّا  
مُبَاحَةٌ كَالْمَصَافِحَةِ عَقِيبَ الصُّبْحِ وَالتَّوَسُّعِ  
بَلَدِيذِ الْمَاجِلِ وَالْمَشَاكِبِ -

شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامت میں ہے۔

أَمْ صَلَاحٍ بِدْعَةٍ مُّحَرَّمَةٍ ذَاكَ  
فَقَدْ تَكُونُ وَاجِبَةً كَنَصَبِ الْإِدْلَةِ وَ  
تَعَلُّمِ النَّحْوِ وَمَنْدُوبَةِ كَالْحَدَاثِ نَحْوِ رِبَاطِ  
وَمَنْدَرَسَةٍ وَكُلِّ إِحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدَقَاتِ  
الْأَدَلِّ مَكْرُوهَةً كَزُخْرَفَةِ الْمَسْجِدِ وَمَبْلَحَةِ  
كَالتَّوَشُّعِ بِلَذِيذِ الْمَأْكَلِ وَالْمَشَارِبِ وَاللِّيَابِ  
كَمَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ -

یعنی حرام بدعت والے کے سچے نماز مکروہ ہے ورنہ  
بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم  
کرنا اور علم سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور  
مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان  
کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت  
اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شہرتوں اور کپڑوں  
میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض  
بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ و اصول فقہ یا قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اسرار لگانا  
یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں میں تعلیم کے درس وغیرہ بنانا۔

### بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنة اور سیدہ کی پہچان تو بتا دی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے  
والی ہو۔ وہ بدعت سیدہ۔ اور جو ایسی نہ ہو۔ وہ بدعت حسنة ہے۔ اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔  
**بدعت جہاترہ**۔ ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔ جیسے  
چند کھانے کھانا وغیرہ۔ اس کا حوالہ مرقاة اور شامی سے گذر گیا۔ ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

**بدعت مستحجہ**۔ وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔ اور اس کو عام مسلمان کا ثواب جانتے ہوں  
یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کارِ  
ثواب جانتے ہیں۔ اس کو کرنے والا ثواب پاویگا۔ اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان  
اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور حدیث  
مرفوعہ میں کہ میری امت لگ رہی پر متفق نہ ہوگی۔  
اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے  
دہی ہے جو نیت کرے۔

مزقات باب الاعتصام میں ہے دَرِيْوِي عَنْ اَبِي  
مَسْعُوْدٍ مَّا رَأَى الْهُمُومِيْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ  
حَسَنٌ دَنِي حَدِيْثٌ مَّرْفُوعٌ وَلَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلٰى الضَّلٰلَةِ  
مَشْكُوَّةٌ كَيْ شَرَعٌ فِيْهِ هِيَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ  
بِالنِّيَّاتِ وَ اِنَّمَا لِاِمْرِئٍ مَّا نَوَى -

در مختار جلد اول بحث مستحبات و ضومیں ہے۔

وَمُسْتَحَبَّاتُهَا وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى وَمَا أَحَبَّهُ السَّلَفُ

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فَإِنَّ التَّبَاتِ تَجْعَلُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ

اسی طرح مرقاة بحث نیت میں بھی ہے۔

مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور  
کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گذشتہ مسلمان اچھا جانتے

کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔

ان احادیث و فقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان  
اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عند اللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے  
کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ بُرا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن  
میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آدیکھا۔ انشاء اللہ۔

**بدعت واجبہ** :- وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس کے چھوڑنے سے دین میں حرج واقع

ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعزاب اور دینی مدارس اور علم نجوم وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گذر چکے۔

**بدعت مکروہہ** :- وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر مؤکدہ چھوٹی تو یہ

بدعت مکروہہ نثر یہی ہے اور اگر سنت مؤکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہہ تحریمی۔ اسکی مثالیں اور حوالے گذر گئے۔

**بدعت حرامہ** :- وہ نیا کام جس سے کوئی واجب چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹانوالی ہو۔

در مختار باب الاذان میں ہے کہ اذان کے بعد سلام کرنا ~~السلام~~ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے۔

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جو ق کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ففیه دلیل علی انہ غیر مکروہہ

لأن المتوارث لا یكون مکروہا وکذا لک تقول فی الاذان یعن یدعی الخطیب فیکون بدعت

حسنہ اذ ما رآه المؤمنون حسنا فهو عند الله حسن اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں

میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت بدعت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

**ایمان** :- مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان محفل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں

اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلاثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

کلمہ :- ہر مسلمان سچ کلمہ یاد کرتا ہے۔ یہ سچ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قردن ثلاثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔

**قرآن** :- قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگانا۔ اس کی سنہری رو پہلی جلد میں تیار کرنا۔ قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قردن ثلاثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

**حدیث** :- حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے، یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ بدس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن، سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرض کہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔ جس کا قردن ثلاثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

**اصول حدیث** :- یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے۔ اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

**فقہ** :- اس پر آج کل دین کا دار و مدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے۔ جس کا قردن ثلاثہ میں ذکر نہیں۔

**اصول فقہ و علم کلام** :- یہ علم بھی بالکل بدعت ہیں۔ ان کے قواعد و ضوابط سب بدعت۔ نماز :- نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت۔ جس کا ثبوت قردن ثلاثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے۔ خود امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ نَعَمْتُ بِالْبِدْعَةِ هَذَا یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

**روزہ** :- روزہ افطار تے وقت زبان سے دعا کرنا۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ الْيَوْمَ اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ اَللّٰهُمَّ بِالْقَوْمِ لَكَ غَدًا اُتَيْتُ بِدَعْتٍ ہے۔

**زکوٰۃ** :- زکوٰۃ میں موجودہ سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے۔ قردن ثلاثہ میں یہ تصور پروا لے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوٰۃ جیسی عبادت ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکہ سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

حج :- ریل گاڑیوں، لاریوں، موٹروں، ہوائی جہازوں کے ذریعے حج کرنا۔ موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعے حج ہوتا تھا۔

**طریقیت :-** طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مگر قبے، چلے، پاس انفاس، تصور شیخ، ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرونِ ثلثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

**چار سلسلے :-** شریعت و طریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔ ان میں سے بعض کے تو نام تک بھی عربی نہیں۔ جیسے چشتی یا نقشبندی، کوئی صحابی، تابعی، حنفی، قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے چکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

**دنیاوی چیزیں :-** آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہو گئی ہیں۔ جن کا خیر القرون میں نام و نشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل، موٹر، ہوائی جہاز، سمندری جہاز، ٹانگر، گھوڑا گاڑی، پھر خط، لفافہ، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، لاڈ اسپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے۔ اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔

بولو، دیوبندی، وہابی، بغیر بدعاتِ حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

**لطیفہ :-** ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کے پھولوں کا سہرا بندھا ہوا

تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضورؐ نے باندھا نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھ لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے۔ حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضورؐ نے ایسے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس نو مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ تم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

## دوسرا باب

### اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات و جوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد۔ اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

**اعتراض (۱)** بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت میں اور تارٹیلیفون، ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ سَرٌّ وَشَخْصٌ ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

**جواب**۔ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء و فقہاء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے كُلُّ مُحَدَّثٍ بِسَدْعَةٍ (مشکوٰۃ باب الاعتصام) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز جم اشعة اللغات اور مرآة کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔ نیز ہم پہلے باب میں مرآة اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انہوں نے عمدہ کھانے، اچھے کپڑے، بدعت جائزہ میں داخل کیے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا لہذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ لپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ حَتَّى اللَّقْمَةِ تَرَفَعَهَا فِي فِي إِمْرَاتِكَ يِهَانُ تَكَ كَبْرُ لِقْمَةٍ اسپی زوجہ کے منہ میں دے دے وہ بھی ثواب۔ لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔ اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھلانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ، وہاں کا نصاب دورہ حدیث،



تتخواہ سے کہ مدد سب سے کا پرٹھانا، امتحان اور تعطیلات کا ہونا، آج قرآن پاک میں اعواب لگانا، قرآن و بخاری چھاپنا، مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر کرایا جاتا ہے۔ بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں رکوع بنانا اس کے تیس سیپارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ان میں سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولویہ حرام میں یا حلال؟ پچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا تصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کیے ہوئے سب کام حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت شرک دین، عبادت اور اب بھی اپنے رب کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ انکی ایسی صحیح تعریف کر دو۔ جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کئے دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکی ہیں اور نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہیے کہ اپنے اس بلے صولے مذہب سے توبہ کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں اللہ الموفق۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو ما سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو انہیں منہ سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو بُرا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا نیز شامی اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز، واجب مستحب مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو کہ یہ بھی حرام ہیں نیز مسائل فقہیہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القردن کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے

چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہاد پر اور اعمال، وظیفے، مراقبے، چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں، چھ کلمے، ایمان مجمل و مفصل، قرآن کے تیس پارے، حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف، یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب، جلسہ دستار بندی، سند لینا، پگڑی بندھوانا، ان چیزوں کا کہیں قرآن و حدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی دہلوی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث سے نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مرد و جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکتا، غرض کہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسماعیل صاحب صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں: "نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعیین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن حکم ہر سخن وقتی و بہر نکتہ مقامی دارد" بہر ہر وقت کے مناسب اشغال اور بہر قرن کے مطابق حال ریاضات مجاہد ہیں۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کے اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں اور جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے۔ کیسے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے، ہانا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ بڑا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

**اعتراف** (۲) مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں یعنی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

۱) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ  
 ۲) الْمُهَدِّدِينَ كَمَا مَشَكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ

تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑ لو۔

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی۔ جس سے

معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

(۲) مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے خَيْرٌ اُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ

میری امت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے پھر وہ جوان کے متصل ہیں پھر

وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھر گواہی اور جو خیانت کریں گے۔ امین نہ ہوں گے۔

الَّذِينَ يَدْعُهُمْ كُفْرًا الَّذِي يَدْعُهُمْ كُفْرًا ثُمَّ يُبَدِّلُ لَكُمْ  
قَوْلًا مَّا يَشْهَدُونَ وَلَا يَسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا  
يُؤْتَمِنُونَ۔

اس سے معلوم ہوا کہ عین زمانہ خیر میں صحابہ کرام کا تابعین کا، تبع تابعین کا اور پھر شر اور خیر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے۔ نیز مشکوٰۃ باب الاعتصام میں ہے۔

میری امت کے بہتر فرقے ہو جائیں گے ایک کے سوا سب جہنمی ہیں۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ ایک کون ہے فرمایا جس پر سچ اور ہمارے صحابہ ہیں۔

(۳) تَفْتَرِقْ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً  
كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ  
يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجابات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ مشکوٰۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

(۴) أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ قَبْلَهُمْ ائْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ | میرے صحابہ تارو کی طرح ہیں تم جہکے چھو ہو بدعت پا لو گے اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہذا ان کے ایجاب کردہ کام بدعت نہیں کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب: یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاة اور اشعة الملعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا حکم دیا پھر تراویح کی جماعت کو دیکھ کر فرمایا۔

نِعْمَتِ الْبِدْعَةِ هَذِهِ۔ یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔

مشکوٰۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابومالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا اے بنی محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سیدہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجابات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت نازلہ بدعت سیدہ کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ



يُعَقَّلُ مُلْحَقٌ بِالْقِيَاسِ وَفِيهَا لَا يُعَقَّلُ فَمُلْحَقٌ بِالسُّنَّةِ صَحَابِي كَافِرَانِ عَقْلِي بَاتُونَ سَعَةَ تَقْيَاسٍ سَعَةَ مُلْحَقٍ  
 اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول و فعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے  
 کیا معنی؟ اشعة الدمعات زیر حدیث فَعَلَيْكُمْ لِسُنَّتِي ہے۔ پس ہر چیز خلفائے راشدین ہر علم کردہ باشد۔  
 اگرچہ باجہاد و قیاس ایشیاں ہر موافق سنت نبوی است اطلاق بدعت برآں نتوان کرد۔ جس چیز کا خلفائے  
 راشدین نے حکم فرمایا ہو اگرچہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے موافق ہے اس پر لفظ بدعت  
 نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہو گیا کہ سنت خلفاء راشدین یعنی لغوی سنت ہے اور سنت  
 شرعی سے ملحق ہے ان کو اربا بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیدہ کو بولتے ہیں۔

(۲) حَيْثُ أُمَّتِي قَرْنِي الْاِخْتِ سَعَةَ تَقْيَاسٍ سَعَةَ مُلْحَقٍ سَعَةَ تَقْيَاسٍ سَعَةَ مُلْحَقٍ  
 یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے یہاں سنت  
 ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے در نہ مذہب جبر یہ اور قدر یہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاوے گا۔

(۳) مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي وَأَصْحَابِي كَالنَّجْوَرِ سَعَةَ تَقْيَاسٍ سَعَةَ مُلْحَقٍ سَعَةَ تَقْيَاسٍ سَعَةَ مُلْحَقٍ  
 باعث بدعت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن  
 اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے مشکوٰۃ  
 باب الاعتصام میں ہے۔

بڑی جماعت کی پیروی کر دو جو جماعت سے علیحدہ رہا  
 وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ شِدَّةِ  
 شِدَّةٍ فِي النَّارِ۔

جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا  
 ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے، بالشت بھر علیحدہ  
 رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی  
 اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے  
 حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔

نیز وارد ہوا۔ مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا  
 فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ  
 شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ عَنْ عُنُقِهِ  
 قرآن کریم میں ہے۔ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ  
 الْمُؤْمِنِينَ نُوَكِّهِ مَا كُوِّنَ وَنُصَلِّهِمْ جَهَنَّمَ

اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد و اعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ

رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہو کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہو گا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کئی عبادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

**ہدایت ضروریہ** :- جو حضرات بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ **الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْإِبَاحَةُ** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے۔ یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کرے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ و اقوال فقہارے سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلائیو لا تو اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ  
إِن تَبَدَّلَ لَكُمْ تَسْأَلُهُمْ إِن تَسْأَلُوا عَنْهَا  
جِئِن يُنزِلَ الْقُرْآنُ تَبَدَّلَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا

اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں  
تو تم کو بری لگیں اور اگر انکو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن  
اتر رہا ہے تو ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انکو معاف کر چکا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لیے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا **وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا دَرَسْتُمْ آءَ ذَلِكُمْ** ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں نیز فرمایا۔ **وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ** تم سے تفصیل وار بیان کر دی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند مجربات ہیں جن کی تفصیل بتا دی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ  
مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ  
فَهُوَ مِمَّا عَفَى عَنْهُ۔

حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور  
حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور  
جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحتہ قرآن میں مذکور ہے دوسرے وہ جنکی حرمت صراحتہ آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؛ شامی جلد اول کتاب اطہارہ بحث تعریف سنت میں ہے۔ **الْمُخْتَارُ أَنْ الْأَصْلَ الْإِبَاحَةُ عِنْدَ الْجَهْلِ مِنَ الْخَفِيَّةِ**



تاریخ میں۔ اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس حج کر کے اور نظم میں پڑھو یا نشر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد شریف کہا جاوے۔ گا۔ محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی منانا۔ اس کے لئے کر کے موقع پر خوشبو لگانا۔ گلاب چھڑکنا۔ شیرینی تقسیم کرنا اور منگہ خوشی کا اظہار جس جائزہ طریقہ سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الہی کے نزول کا سبب ہے۔

(۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدًا مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا إِلَّا ذَلِيلًا وَآخِرِنَا مَعْلُومًا ہوا کہ مادہ آنے کے دن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے عید کا دن بنایا۔ آج بھی انوار کو عیسائی اسی یسے عید مناتے ہیں کہ اس دن دسترخوان اترتا تھا اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اس مادہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے۔ ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مردنیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سننا جائز نہیں۔ اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہے۔ لیکن اگر عورت کسی کو روکے تو سبحان نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر دامن ہاتھ مارے جس سے معلوم ہوا کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ باجہ کھیل کود اور لغویات میں سے ہے ویسے ہی باجہ سے کھیلنا حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے۔ اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں یہ خرابیاں پیدا کر دی گئی ہوں تو ان خرابیوں کو دور کیا جاوے۔ لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کو پڑھنے پڑھنے لگیں تو ان یہودیوں کو مثلاً۔ قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبادت ہے۔

میلاد شریف قرآن و احادیث و اقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے نفل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا (۱) رَبِّ تَعَالَى فَرَمَاتَا هُوَ وَادَّكَرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأُورِحُوا تَشْرِيفَ آدْرَى اللّٰهِ كِي بَرِي نِعْمَتِ هِي مِيلَادِ پاك ميں اسي كا ذكر هِي لِهَذَا مَحْفَلِ مِيلَادِ كَرِنَا سِ آيْتِ پَرِ عَمَلِ هِي۔

(۲) وَأَمَّا نِعْمَتِهِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔ اور حضور علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان بتایا ہے اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے۔ آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔





بکریاں چرانا، ان کا نکاح، ان کی نبوت ملنا، سب کچھ بیان فرمایا۔ یہ ہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النبوة وغیرہ نے فرمایا کہ سارے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبریں دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

دَمْبَشِيرًا اِبْرَسُوْلًا يٰۤاَتٰى مِنْۢ بَعْدِىْ  
اِسْمُهُۥ اَحْمَدُ۔

میں ایسے سول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔

سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں باپ رکھتے ہیں۔ مگر ولادت پاک سے ۷۵ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے۔ ہوگا نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا۔ کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی میلاد شریف ہے۔ صرف اتنا فرق ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجموعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے۔ ہم اپنے مجموعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے۔ فرق ماضی و مستقبل کا ہے بات ایک ہی ہے۔ ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ يَفْضَلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِۦ قَبِذْ لَكَ فَلْيَفْرَحُوْا يَعْنِي اللّٰهُ كَالْفَضْلِ وَرَحْمَتِ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔  
رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔ معلوم ہوا کہ فضل الہی پر خوشی منانا حکم الہی ہے اور حضور علیہ السلام رب کا فضل بھی ہیں اور رحمت بھی۔ لہذا ان کی ولادت پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔

ہر جائز خوشی اس میں داخل۔ لہذا محفل میلاد کرنا دہاں کی زیب و زینت سچ دھج وغیرہ سب باعث ثواب ہیں (۴) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوة وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شب ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازے پر کھڑے ہو کر صلوة و سلام عرض کیا۔ ہاں ازلی راندہ ہوا شیطان رنج و غم میں بھاگا بھاگا پھرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنت ملائکہ بھی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے۔ اور بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فعل۔ اب لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو میلاد پاک کے فکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت پاک اور اپنے اوصاف



قَلَمًا مَاتَ أَبُو كَهْبٍ أَمْرِيهِ بَعْضُ  
أَهْلِيهِ بِشَرِّ هَيْبَةٍ قَالَ لَهُ مَاذَا بَقِيتُ  
قَالَ أَبُو كَهْبٍ لَمْ أَلْقَ بَعْدَكُمْ خَيْرًا  
إِنِّي سَقَيْتُ فِي هَذِهِ بَيْعَاتِي تَوْبَةً -

جب ابولہب مر گیا تو اسکو اسکے بعض گھروالوں نے  
خواب میں برے حال میں دکھا پوچھا کیا گزری ابولہب کو تم  
سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب ہوئی یاں مجھے اس کلمہ کی  
انگلی سے پانی ملتا ہے کیونکہ میں نے تُو بیہ لونڈی کو آزاد کیا تھا

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی تُو بیہ نے اگر اس کو خبر دی کہ آج تیرے  
بھائی عبداللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی  
کو انگلی کے اشارے سے کہا کہ جا تو آزاد ہے۔ یہ سخت کافر تھا۔ جس کی برائی قرآن میں آرہی ہے۔ مگر  
اس خوشی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب دوزخ میں وہ پیسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو  
چوستا ہے۔ پیاس ٹھج جاتی ہے حالانکہ وہ کافر تھا ہم مومن۔ وہ دشمن تھا۔ ہم ان کے بندے بے دام۔  
اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ کی۔ ہم رسول اللہ کی ولادت کی خوشی  
کرتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے سہ  
دوستاں راکجا کئی محروم ہ تو کہ باد شمنان نظر داری  
مدارج النبوة جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر  
فرماتے ہیں۔

”دور میں جا سنا سنت مر اہل مواید کہ در شب میلاد  
آں سرد سرد رکند و بذل اموال نمایند یعنی ابولہب کہ کافر  
بود چون بسرد میلاد آں حضرت و بذل شیر جاریہ دے  
بجست آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلمان کہ مملو است  
بجست و سرد و بذل مال در دے چہ باشد لیکن باید کہ  
از بدعت ہا کہ عوام احدث کرده انداز لغنی و آلات محرمہ  
و منکرات خالی باشد“

اس واقعہ میں مولود والوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور  
علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے  
اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب  
حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے  
کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا ہوگا جو محبت خوشی  
سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیے کہ محفل میلاد  
شریف علوم کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو  
(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء و اولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے  
اور کرتے ہیں۔ جرین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے۔ جس ملک میں بھی



شاہ اربل ہے اور ابن دجینہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اسکوپر از اشرفیہ تذکیریں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت سے ثابت کی ہے اور انکار کیا ہے جو اس کو بدعت سیدہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔

أَتْرَبِي وَصَنَّفَ لَهُ ابْنُ دَحِيَّةَ كِتَابًا فِي الْمَوْلِدِ فَجَاذَهُ بِالْقَبْرِ دِيْنًا وَقَدْ اسْتَحْرَجَ لَهُ الْحَفِظُ ابْنَ حَجْرٍ اَصْلًا مِنَ السُّنَّةِ وَكَذَلِكَ الْحَافِظُ السُّيُوطِيُّ وَرَدَّ عَلَيَّ اِنْكَارَهَا فِي قَوْلِهِ اِنَّ عَمَلِ الْمَوْلِدِ بَدْعَةٌ مَذْمُومَةٌ

تلا علی قاری مورد الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں کہ انزال اهل الاسلام یختلفون فی کل سنة جدیدة ویعتنون بقرآن مولدہ الکریمہ ویظہرو علیہم من بركاتہ کل فضل عظیمہ اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں

لهذا الشهر فی الاسلام فضل \* ومنقبة تفوق علی الشہور

ربیع فی ربیع فی ربیع \* ونور فوق نور (انوار ساطعہ)

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کو اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر ہیتمی، امام سخادی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیر ہم۔ تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن۔ مراد پوری ہونا، مقاصد برآنا حاصل ہوتا ہے۔

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں حضور علیہ السلام کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لیے زیادتی درود شریف اور حضور علیہ السلام کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقع مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلموں میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں۔ حضور علیہ السلام کے حالات طیبہ سنیں۔ اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے تو اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعے سے مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقع ملتا ہے۔ بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاد تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے

بھی اس کا بہت تجربہ کیا۔ اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقع ملتا ہے۔  
 چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جن میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت  
 کی جاوے کیونکہ مقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتی ہے۔ اور جلد یاد ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس  
 میں سنتے سنتے مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کا نسب شریف اولاد پاک، ازواج مطہرات اور ولادت پاک  
 و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلوما  
 ہوتی ہیں۔ رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفائے راشدین کے اسماء تبرا کرنے کو یاد  
 ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں۔ میں نے بہت سے بوڑھوں کو  
 پوچھا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کتنی ہے؟ دماغ کتنے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا  
 تو بہت مفید ہو۔ سنی ہوئی چیز کو نہ لگاؤ۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیر و مرشد حاجی امداؤ اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز  
 اور باعث برکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں "کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف  
 میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں"  
 عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر خود ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ  
 ہو کہ شرک و کفر کی محفل ہے محفل میلاد نہ معلوم کہ اب پیر صاحب پر کیا فتوے لگے گا؟

(۱۱) ہم عرس کی بحث میں عرض کریں گے کہ فقہار کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں  
 ہو سکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جائیں  
 تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کو نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے  
 ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جا  
 سکتا ہے کہ شرعیاً منع نہیں اور مسلمان اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں، نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب  
 ہے مگر حرام کہنے والے اس کی حرمت پر کونسی قطعی الثبوت قطعی الدلالت حدیث یا آیت لائیں گے صرف  
 بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

## دوسرا باب

### میلاد شریف پر اعتراضات و جوابات میں

مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔  
**اعتراض (۱)** محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ لہذا مولود حرام۔

**جواب**۔ میلاد شریف کو بدعت کہنا ناروانی ہے۔ ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد سنت النبیین، سنت انبیاء، سنت ملائکہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنت صحابہ کرام، سنت سلف صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔ پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز بھی ہوتی ہے اور مکروہ و حرام بھی۔ نیز پہلے باب میں تفسیر فرج البیان کے حوالے سے بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ذکر کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔

**اعتراض (۲)** اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مزوں کو مخاطب ملط۔ وارٹھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا۔ غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے۔ لہذا حرام ہے۔

**جواب**۔ اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں۔ عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں۔ اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند بدعت ہوتے ہیں۔ روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تویہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے با وضو بیٹھتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہوتے ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذت بادہ عشقش ز من مست میرس ✦ ذوق این مے نہ شناسی غبلا تانہ چششی

ہائے کجخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں۔ تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفیٰ علیہ السلام کیوں حرام ہوگا۔ بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہو جاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں کیونکہ



دہاں مرد بے واڑھی والے نچے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا ہے کبھی کبھی اس کے بڑے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث و تفسیر پڑھتے ہیں۔ ان میں تمام روایات صحیح ہی نہیں ہوتیں۔ بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں۔ بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین واڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں۔ تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کیے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرمات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی۔ بتاؤ اگر واڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیا قرآن پڑھنا بند کر دگے؟ ہرگز نہیں۔ تو اگر واڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

**اعتراف (۳)** محفل میلاد کی وجہ سے رات کو یہ میں سونا ہوتا ہے۔ جسکی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہذا میلاد حرام۔

**جواب ۱۔** اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو۔ دہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا۔ دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ اگر دیر لگ بھی جاوے۔ تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محض ذکر رسول علیہ السلام کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی و قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں۔ اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخرات میں ہوتی ہے۔ رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے۔ کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح۔ یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک کیوں حرام ہوگی؟ درنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

**اعتراف (۴)** علامہ شامی نے شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں محفل میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والوں کو کافر کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد سخت بُری چیز ہے۔

**جواب ۱۔** شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں۔ کار ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

دَاتِبِمِنْهُ الشَّدْرُ بِقِرَاءَةِ الْمَوْلِدِ | اس سے بھی بُری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا

فِي الْمَنَابِرِ مَعَ إِشْتِهَالِهِ عَلَى الْغَنَاءِ وَاللَّعِبِ | ہے۔ باوجودیکہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود  
 وَ اِيْقَابِ ثَوَابِ ذٰلِكَ اِلَى حَضْرَتِ الْمُصْطَفَا | ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور علیہ السلام کو بدیہ کرنا  
 اسی طرح تفسیرات احمدیہ نے ان گانے کی مجالس کو منع کیا کہ جن میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔  
 اور لوگ اس کو سماع کہہ کر کا ثواب جاتیں تفسیرات احمدیہ نے ان لغویات کی تصریح بھی کر دی ہے دیکھو  
 تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت دَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ - ہم نے بھی پہلے عرض  
 کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں۔ میں نے خود کراچی میں دیکھا کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں  
 اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں۔ ایک بار سہسوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے  
 باپ کی فاتحہ کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گراموفون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ  
 کی روح کو بخشا۔ ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی  
 ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اس کو یہ منع فرما رہے ہیں۔ اگر مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر  
 ہے تو حاجی امداد اللہ صاحب پروردگار بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراف ۵) نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئی ہے۔  
 اسی طرح تقسیم شیرینی کرنا سزا ہے۔

جواب: نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔  
 دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں۔ گذشتہ ابیاتے کرام نے حضور علیہ السلام کی نعت  
 خوانی کی۔ صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور علیہ السلام نے اپنی  
 نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں۔ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت  
 منظوم کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کے لیے مسجد میں منبر بچھا دیتے تھے۔  
 حضرت حسان اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے کہ  
 اَللّٰهُمَّ اَيُّدَا بِيْرُوْحِ الْقُدُسِ اے اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر دو دیکھو مشکوٰۃ شریف جلد دوم  
 باب الشعر، اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے  
 حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجلس مصطفیٰ علیہ السلام میں منبر دیا گیا۔ ابوطالب نے نعت لکھی۔ خزپوتی  
 شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ بردہ کو نالج ہو گیا تھا۔ کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا۔ آخر کار قصیدہ

برودہ شریف لکھا۔ رات کو خواب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں کھڑے ہو کر سنایا۔ شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی۔ نعت شریف سے دین و دنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔ مولانا جامی، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور غوث پاکؒ نے فرمایا کہ سارے ادیب اور علماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں۔ ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔ حدیث و فقہ میں گانے بجانے کی برائیاں ہیں نہ کہ نعت کی۔ جن گیتوں میں محترَب اخلاق مضامین ہوں۔ عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں اس کی پوری تحقیق کے لئے مرقاة شرح مشکوٰۃ باب مَا يُقَالُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ رَحِمَتَابُ الصَّلَاةِ، اور باب الشعرین دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح و بلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں۔ مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے۔ دیوان متنبی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں۔ حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں۔ تو نعتیہ اشعار سیکھنا، یاد کرنا۔ پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ بھی پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

دَمْعَرَانَةٌ شِعْرُهُمْ مَرْدَايَةٌ وَدَرَايَةٌ عِنْدَ  
فُقَهَاءِ الْإِسْلَامِ فَرَضٌ كَفَايَةٌ لِأَنَّهُ تَشَبُّهُ بِهِ  
قَوَاعِدُ الْعَرَبِيَّةِ وَكَلَامُهُمْ دَانَ جَانْفِيهِ الْخَطَاؤُ  
فِي الْمَعَانِي فَلَا يُجُوزُ مِنْ فِيهِ الْخَطَاؤُ فِي الْأَلْفَاظِ

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں توالی کے ماتحت آدے گی۔ ان شاء اللہ۔

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے، خوشی کے موقع پر کھانا کھلانا۔ مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے، حقیقہ، دلیر وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ خوشی کا موقع ہے خاص نکاح کے وقت خرچے تقسیم کرنا بلکہ اس کا ثناء سنت ہے۔ اظہار خوشی کے لیے مسلمان کو ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے۔ دعوت کرتا ہے۔ مدد و خیرات کرتا ہے۔ شیرینی تقسیم کرتا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پر حصے والے سے شیرینی تقسیم کرتے ہیں۔ میں نے مینڈو ضلع علیگڑھ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا۔ مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین ہے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی

کرنا اسی میں داخل ہے اس تقسیم کی اصل قرآن و حدیث سے ملتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَجَّيْتُمْ التَّرْتُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةٌ لِلَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَظْهَرُ ۗ پارہ ۲۸۔ سورۃ مجادلہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی

ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے

حضور علیہ السلام سے دس مثلے پچھے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا اور کھو تفسیر خزائن العرفان و خازن

مدارک اگرچہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ مگر باہت اصلیہ اور استحباب تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارات

اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا۔ مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح

احادیث و قرآن یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے

پہلے کچھ خیرات کرنا کار ثواب ہے کہ ان میں بھی درحقیقت حضور ہی سے کلام کرتا ہے۔ تفسیر فتح العزیز صفحہ

۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی کہ یہی در شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر

ابن الخطاب سورۃ بقرہ باستحوائق آل در مدت دوازده سال خوانده فارغ شد و روزے ختم شترے را کہ کشتہ

طعام وافر پنختہ یا ران حضرت پیغمبر را خورانید۔ یہی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت

کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقرہ بارہ سال کی مدت میں اس کے روزہ اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب

فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کار خیر سے

فارغ ہو کر تقسیم شیرینی و طعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اہم کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل

قرابت کے یہاں جادو تو نمالی نہ جادو کچھ لے کر جادو تھا ددا و تھجوا ایک دوسرے کو بدیہ در محبت بڑھے گی۔

فقہا فرماتے ہیں کہ جب دینار محبوب یعنی مدینہ پاک میں جادوے تو وہاں کے فقہار کو صدقہ دے کہ وہ اجیران

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟

حق بفرماید چہ آوردی مرا! اندران مہلت کہ من داوم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ لا خیر فی الشرف اسراف میں

بھلائی نہیں۔ فوراً جواب دیا کسرت فی الخیر بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

**اعتراض (۶)** محفل میلاد کے لیے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا کر نفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

**جواب:** مجلس وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان و محفل نکاح و عقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے بولویہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح و وعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لیے مجمع کرنا حلال۔ تو جناب تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لیے بھی مجمع کرنا حلال ہے۔ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے۔ لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہیے وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

**اعتراض (۷)** کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ وقت مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

**جواب:** خوشی کی یادگار منانا بھی سنت ہے۔ اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ اس کو شرک کہنا انتہاء درجہ کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا **ذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ** یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں۔ جیسے غرق فرعون من دسوا می کا نزول وغیرہ (خزائن عرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالیٰ اپنے بندوں کو نعمت دے۔ ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے۔

سُئِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيهِ وِلْدَاتٌ  
وَفِيهِ اُنزُلَ عَلَيَّ وَخِي

حضور علیہ السلام سے دو شنبہ کے روزے کے بارے  
میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے  
اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔

ثابت ہوا کہ دو شنبہ کا روزہ اس لیے سنت ہے کہ یہ دن حضور علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار منانا سنت ہے اس کے لیے دن مقرر کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا مالی جیسے صدقہ اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ، مشکوٰۃ یہی باب فضل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں۔ سبب پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی ہم اس کے شکر یہ میں روزہ رکھتے



دن ہے لہذا جمعہ سیدالایام ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔ منگل کے دن فصد نہ لو کہ یہ خون کا دن ہے۔ اسی دن ہابیل کا قتل ہوا۔ اسی دن حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔ دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے۔ مگر ان واقعات کی دہرے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگار میں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسمعیل شہید یا دعا مولانا قاسم خود مخالفین مناتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے، تو مدرسہ دیوبند کی تاریخ امتحان مقرر تعطیل کے لئے ماہ رمضان مقرر، دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر، مدرسین کی تنخواہ مقرر، کھانے اور سونے کے لئے وقت مقرر، جماعت کے لئے گھنٹہ اور منٹ مقرر، نکاح ولیمہ اور عقیقہ کے لئے تاریخیں مقرر۔ میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ۔ یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔ اسی لئے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں خاص شادی کے دن بیت کے نیچے۔ دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں۔ پھر ماہ بیع الاذنی میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں۔ سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے۔ کہ وہاں بھی عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے۔ ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو۔ جیسے ہولی۔ دیوالی کے دن اسکی تعظیم کے لئے دیگ پکائے۔ یا مندر میں جا کر صدقہ کرے! اسی لئے مشکوٰۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے بوانہ میں اونٹ فرج کرنے کی منت مانی تو فرمایا۔ کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا، عرض کیا نہیں۔ فرمایا جا اپنی نذر پوری کر۔ یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہو۔ یا اس تعین کو واجب جانے۔ اسی لئے مشکوٰۃ باب صوم النفل میں ہے کہ صرف جمعہ کے روزے سے منع فرمایا۔ کیونکہ اس میں میوڑ سے مشابہت ہے۔ یا اُسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کا دن ہے اُسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں۔ یوں ہی ایک چرچ پیدا

ہو گئی ہے اس لیے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے کہ  
مٹ گئے ملتے ہیں مٹ جائینگے اعدائے + نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا!

## بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔  
نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع سجود کی تسبیح التمجیلات  
وغیرہ کا پڑھنا۔ اور فعلی عبادات چار ہیں۔ قیام، رکوع، سجدہ، بیٹھنا۔ قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا  
ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں۔  
اسی لیے زیادہ کبڑے کے پیچھے تندرست کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قیام نہیں کر سکتا۔ ہر وقت  
رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنی ہیں سات اعضاء کا زمین پر لگنا۔ دونوں پاؤں کے نیچے نزل  
گھٹنے، دونوں ہتھیلیاں، ناک و پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں کسی کی تعظیم کے  
لیئے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا۔ سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تہمت و تعظیم  
کے لیے خدا نے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا۔ اور یعقوب علیہ السلام اور  
ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا قرآن کریم، مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیمی  
بیٹھنے کو ناجائز رکھا۔ مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ  
ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے۔ اور اس کا نسخ حدیث پاک  
سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی  
نیت سے یہ کام کرے۔ لیکن اگر کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لیے جھکا تو اگرچہ  
جھکنا تو پایا گیا۔ مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں تا حد رکوع جھک کر سلام  
کرنا حرام ہے یعنی تعظیمی تا حد رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لیے تھا۔ اور کام تعظیم کے لیے  
تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے نشانی  
جلد پنجم کتاب الکرامین باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

الایمان فی السلاہ الی قریب الشکر

اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ



كَالْحَبِّ ذُرِّي الْمِحْطِ أَنْتَ يَكْرَهُ الْإِنْحَاءُ  
لِلْسُلْطَنِ وَغَيْرِهِ

کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ  
کے سامنے بھگنا کر وہ تحریمی ہے۔

## پہلا باب

### قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔ قیام جائز، قیام فرض، قیام سنت، قیام مستحب۔ قیام مکروہ  
قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کیے دیتے ہیں۔ جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود  
معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیادی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت  
بنانا اور دیگر دنیادی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فَإِذَا أَقْبَضْتَ الصَّلَاةَ فَانْتَشِرْ ذِي الْأَرْصِ  
پھیلنا بغیر کھڑے ہوئے ناممکن ہے۔

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے دَقُّ مَوْلَاهُ قَبْلَ بَيْنِ الشَّرِّ كَيْ سَامَنِي اطاعت  
کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے  
آب زمرم اور وضو کے پچھے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر  
اللہ حاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج  
آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں  
کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جھانکے  
گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو  
جلتے ہیں اور اسکی بات سنتے ہیں۔

دَقِيفٌ كَمَا يَقِفُ فِي الصَّلَاةِ وَيُمَثِّلُ  
صُورَتَهُ الْكِرِيْمَةَ كَأَنَّهُ نَائِمٌ  
فِي لَحْدِهِ عَالِمٌ بِهِ يَسْمَعُ  
كَلَامَهُ۔

اسی طرح مومنین کی قبروں پر ناستح پرٹھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے۔  
عالمگیری کتاب الکرامیۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

يَخْلَعُ كَعَلِيٍّ ثُمَّ يَقِفُ مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ | اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت  
کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

روضہ پاک، آب زمزم، و صنو کا پانی، قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کرانی گئی۔  
دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا  
سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوٰۃ جلد اول کتاب الجہاد باب  
حکم الاسرار اور باب القیام میں ہے کہ جب سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور  
علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ قُمْوْا اِلَى سِتْدِكُمْ اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ یہ قیام تعظیمی تھا۔  
یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے۔  
سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی  
بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔ اور حضرت سعد انصار  
کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرانی گئی۔ جن لوگوں نے الی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے  
تھا۔ وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ كَيْفَ مَرَّ بِكُمْ يَوْمَ الْاَمَلِ الْكَبِيْرِ كَيْفَ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ  
مَوَدَّةٌ مِّنْ اُولٰٓئِكَ لِيُذَكِّرَ الَّذِيْنَ لَمْ يَرْجَوْا سِوَا اللّٰهِ عَذَابَ الَّذِيْ لَمْ يَخْلُقْكُمْ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ ذَكِيْمٌ  
ہونا ہے۔ اشعة اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حکمت درمرامعات توفیر و اکرام سعد دریں مقام وام  
تعظیم و تکریم اور ادریں ہاں باشد کہ اور ابرائے حکم کردن  
طلبیدہ بودند پس اعلان شان ادریں مقام اولی و  
انہب باشد

فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِيَا مَا حَتَّىٰ قَرْيٰنَا  
قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بِيُوْتِ  
اَسْرَ وَاِحِبِهٖ

اشعة اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث قَوْمًا اِلَى سِتْدِكُمْ ہے۔ اجماع

کر وہ اندجماہیر علماء میں حدیث بزرگوار اہل فضل از علم باصلاح یا شرف دنودی گفتہ کہ اس قیام مراہل فضل را وقت قدوم آوردن ایشان مستحب است و احادیث درین باب در دو یافتہ در نہی ازاں صریحاً چیرے صحیح نہ شدہ از قبیہ نقل کردہ کہ مکروہ نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بجمت تعظیم۔ اس حدیث کی وجہ سے جمہور علمائے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نودی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحتہ کوئی حدیث نہیں آئی۔ قبیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آئیوے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکریمیتہ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تَجُوزُ الْحَدْمَةُ بغيرِ اللَّهِ تَعَالَى بِالْقِيَامِ  
وَ اخذَ الْيَدَيْنِ وَالْاِحْتِنَاءِ۔  
غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے  
جھک کر ہر طرح جائز ہے۔

اس جگہ جھکنے سے مراد رکوع سے کم جھکانا ہے۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کرتے۔ در مختار جلد پنجم کتاب الکریمیتہ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

يَجُوزُ مَنْ بَلَ يَسْتَدَبُّ الْقِيَامَ تُعْظِمًا لِلْقَادِمِ  
يَجُوزُ الْقِيَامَ وَلَوْ لِلْقَارِي يَبِيْنِ يَدَيْ الْعَالِمِ  
آئیوے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے  
جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آجودے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وَقِيَامُ قَارِي الْقُرْآنِ لِمَنْ يَعْظِمُ الْاَيُّكُوهُ  
اِذْ كَانَ مِنْ سَلَمَتِي التَّعْظِيمِ۔  
قرآن پڑھنے والے کا آئیوے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو  
جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور کوئی عالم آدمی آگیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے۔ لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لانے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں حضور علیہ السلام امام ہوئے (مشکوٰۃ باب مرض النبی) ان امور سے معلوم ہوا کہ مزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جادئے۔ مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

پس طلحہ ابن عبید اللہ کھڑے ہو گئے اور دوڑتے ہوئے  
آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔

فَقَامَ طَلْحَةُ بْنُ عَبِيدِ اللَّهِ يَهْرًا وُلُّ  
حَتَّى صَافَحَنِي وَهَنَانِي۔

اس جگہ نووی میں ہے۔ فِيهِ اسْتِجَابُ مُصَافِحَةِ الْقَادِمِ وَالْقِيَامُ لَهُ الْكِرَامَةُ وَالنَّهْرُ دَلَّةٌ إِلَى بَقَاءِهِ۔  
اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لیے  
دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جگہ کوئی اپنا پیارا آجا دے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا۔ بلاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوٰۃ  
کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ  
کھٹکھٹایا۔

ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے  
ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگایا اور بوسہ دیا۔

فَقَامَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عُرْيَانًا فَأَعْتَقَهُ وَقَبَّلَهُ۔

مشکوٰۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خانوزن حبت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت  
میں حاضر ہوئیں۔ قَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِيَدَيْهَا فَقَبَّلَهَا وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ ان کے لیے کھڑے ہو جاتے  
اور ان کا ہاتھ پکڑے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے! اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ زہراء رضی اللہ  
تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ  
السلام کو بٹھالیتیں۔ مرقات باب المشی بالجنازة فصل دوم میں ہے۔ فِيهِ إِيمَاءٌ إِلَى نَدْبِ الْقِيَامِ  
لِلتَّعْظِيمِ الْفَضْلِ وَالْكِبْرَاءِ مَعْلُومٌ هُوَا كَفَضْلِهِ كَمَا لِيُقَامَ تَعْظِيمِي جَائِزٌ هُوَا۔ چوتھے جگہ کوئی پیارے کا  
ذکر سے یا کوئی اور خوشی کی خبر سے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے مشکوٰۃ  
کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر نے ایک  
شوخی سنائی۔

تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے  
ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔

فَقَمْتُ إِلَيْهِ وَقُلْتُ يَا بِي أَنْتَ دَائِمِي  
أَنْتَ أَحَقُّ بِهَا۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ  
کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فَعَسَىٰ ذَٰلِكَ قَامَ الْإِمَامَ السُّبْحِيِّ وَجَمِيعِ مَنْ  
 فِي الْمَجْلِسِ فَحَصَلَ أَنْشَ عَظِيمٌ بِذَٰلِكَ الْمَجْلِسِ -  
 تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے  
 اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیٹھا ہو۔ اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے  
 لیے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے  
 تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ پاک سے لگایا (کتب تاریخ،  
 عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

إِذَا دَخَلَ دِقَّتِي عَلَىٰ مُسْلِمٍ فَقَامَ لَهُ طَمَعًا  
 فِي إِسْلَامِهِ فَلَا بَأْسَ -  
 کوئی زمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے  
 اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔

رہا چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔  
 دوسرے دنیا دار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے  
 کھڑا ہونا اس کی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

ذَٰلِكَ قَامَ لَهُ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَتَوَيَّ شَيْئًا جَمًّا ذَكَرْنَا  
 اَدَقَّامَ طَمَعًا لِعِيَانَةِ كِبَرِهِ لَهُ ذَٰلِكَ -  
 اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا  
 اسکی مالداری کے طمع میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرنا چاہتا ہو اسکی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان  
 میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں۔ تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے اپنے لئے  
 قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آویں گے انشاء اللہ۔ یہ تقسیم خیال میں ہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت  
 سلف صالحین سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پیارے  
 کے ذکر پر ہو۔ اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہذا قیام میلاد چند وجہ  
 سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت  
 سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کوئی خوشی ہو سکتی ہے اور خوشی کی خبر پر قیام مسنون ہے، تیسرے نبی کریم سے  
 بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے، وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں  
 صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف صالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک

کے وقت ملائکہ درودِ دولت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لیے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا نفل ملائکہ سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لیے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی۔ چھٹے اس لیے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں مستحب ہے۔ شامی جلد سوم کتاب الوقف۔ وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں۔ لَٰنَ التَّعَامَلُ يُتْرَكُ بِهٖ الْقِيَاسُ لِجَدِّیْثِ مَا رَاَهُ الْمُؤْمِنُونَ حُسْنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ یعنی دیکھی و جنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً ناجائز ہونا چاہیے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا۔ دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑنا لازم ہے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارات الفاسدہ میں ہے۔

وَجَازَ اجَارَةُ الْحَمَامِ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ  
السَّلَامُ دَخَلَ حَمَامَ الْحِجْفَةِ وَلِعُرْفِ  
وَقَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا رَاَهُ الْمُؤْمِنُونَ  
حُسْنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ۔

حمام کا کرارہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام شہرِ حنفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لیے کہ عرف جاری ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ اچھا ہے۔

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے حنفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت بیعت ضعیف ہے۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے۔ لہذا حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہوا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

لَٰنَ النَّاسُ فِي سَائِرِ الْاَمَاصِرِ يُدْفَعُونَ  
اَجْرَتِ الْحَمَامِ فَدَلَّ اِجْمَاعُهُمْ عَلَى اَجْوَادِ اللّٰهِ  
وَإِنْ كَانَ الْقِيَاسُ يَا بَاكَ۔

کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگرچہ یہ خلاف قیاس ہے۔

ثابت ہوا کہ حمام کا کرارہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا۔ اور کرارہ میں نفع واجرت معلوم ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں۔ لہذا یہ جائز

ہے۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں۔ لہذا مستحب ہے۔ ساتویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔  
 ذَرُّوا مِرْدَاةَ وَتَوَقَّرُوا - | اے مسلمانو ہمارے نبی کی مدد کرو اور انکی تعظیم کرو۔

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ  
 شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ درکوع۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے  
 ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔ دیکھو کَلُّوا اَشْرَبُوا میں مطلقاً  
 کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیتو۔ تویریانی، زردہ، قرما سب ہی حلال ہوا توہ خیر القرون  
 میں ہو یا نہ ہو۔ ایسے ہی تَوَقَّرُوا کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جاہز تعظیم کرو۔ خیر القرون سے ثابت  
 ہو یا نہ ہو۔ آٹھویں اس لیے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا  
 مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ - | اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ  
 دل کے تقوے سے ہے۔

روح البیان نے زیت آیت وَتَعَادُوا عَلٰی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَانُوا عَلٰی الْاٰثِمِ وَالْعُدْوَانِ  
 لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ میں۔ انکی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض مہینے  
 بعض دن و مقامات۔ بعض اوقات وغیرہ اسی بیٹے صفا و مردہ، کعبہ معظمہ، ماہ رمضان، شب قدر کی تعظیم  
 کی جاتی ہے۔ اور ذکر و ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اسکی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔  
 ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔ مگر مخالفین کے پاس خدا چاہے۔ تو ایک  
 بھی دلیل حرمت نہیں۔ محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

## دوسرا باب

### قیام میلاد پر اعتراض و جواب میں

اعتراض را چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا۔ لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے  
 حضور کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔ اپنی ایجادات کو اس میں دخل نہ ہو کیا ہم کو بمقابلہ صحابہ  
 کرام حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔  
 جواب ۱۔ بدعت کا جواب تو بار بار دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام

کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند وغیرہ کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہیے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پر جانا۔ ان کے گلوں میں ہار بھول ڈالنا۔ ان کے لئے جلوس نکالنا۔ جھنڈیوں سے راستہ اور جیلہ گاہ کو سجانا۔ کرسیاں لگانا۔ وعظ کے وقت زندہ بار کے نعرے لگانا۔ مسند اور قالین پھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔ نہیں پیش کر سکتے۔ تو فرمائیے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔ لہذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ کوع و سجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔ لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔ اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔ اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ ہر ملک ہر رسم سے

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح و سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح  
مرقاۃ و اشعة اللمعات کے مقدمہ میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ بات پہنتے۔ خوشبو لگاتے اور رعیت و ذقار سے بیٹھتے تھے۔ کیسے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟ نہیں۔ مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے۔ تفسیر روح البیان زیر آیت مَا كَانَ مُحَمَّدًا ابًا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام تھا۔ محمد سلطان۔ اس کا نام لے کر پکارتے تھے۔ ایک روز غسل نہانے میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ ایاز نے عرض کیا کہ حضور کیا تصور ہوا کہ غلام زارے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب و ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است  
کیسے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کیسے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض (۲) اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کر دو۔ اور میلاد شریف میں



اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب :- یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر ذکر کھڑے ہو کر کیا کرے اور میلاد شریف از اول تا آخر کھڑے کھڑے پڑھا کرے تو ہم منع نہیں کریں گے۔ خواہ بروقت کھڑے ہو۔ یا بعض وقت بہ طرح جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے اٹھایا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہوگا۔ اس لیے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ کبھی ادب کھڑے جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ و سلام پڑھ لو۔ تاکہ نیند جاتی رہے اسی لیے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔ تاکہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔ اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر۔ ہر ذکر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز جب التیمات میں اشہدان لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صرفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔ مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کھینچنے سے اسطر پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کر کے کافیہ پری پری وغیرہ پھر حَمْدُ سَقِّ پڑھے ہر ایک ایک انگلی کھوے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران میں یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں۔ اور یہ شائے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہے۔ نیز وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے۔ نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکر میں احتضاب بھی کرتے ہیں اور مل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صد ہا سوالات کیے جاسکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کے اسناد بیان کیا۔ بعض کو تعلیقاً۔ سب کو کیساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراف (۳) لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہذا قیام ناجائز ہے۔

جواب :- یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے۔ اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کا ثواب ہے۔

پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں! اگر کوئی واجب سمجھنے بھی تو اس کا یہ سمجھنا برا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے۔ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ یہ کہ درود نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق حاجی املاؤ اللہ صاحب نے ہفت مسئلہ میں توہم کی ہے۔ رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو دہائی کہتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنَّ قَوْلَ اللّٰهِ كَے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔ ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ ہر سال امتحان لیتے ہیں۔ مسلمان ہرات کو سوتے ہیں۔ ہر دوپہر کو کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی و جوہ کی علامت ہے رہا قیام نہ کہ سنو اولوں کو دہائی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ دہائیوں کی علامت ہو گئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ لیا جنتی ہو گیا (مشکوٰۃ کتاب الایمان) کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گو یوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کیسے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر میں جھوٹے پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہوگی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے (دیکھو دونوں حدیثیں مشکوٰۃ کتاب الفصاح باب قتل اہل الروہ) یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا اَحَبُّ الْاَعْمَالِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَ الْمَسْحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ دُوَامًا یعنی سیدنا علی و عثمان سے محبت رکھنا۔ شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت دَانَ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ، تَوْقِيرُ الْخُفَّيْنِ، تَعْظِيمُ الْقَبْلَتَيْنِ، الصَّلَاةُ عَلَى الْجَنَّازَتَيْنِ، الصَّلَاةُ

خَلْفَ الْأَمَامِينَ، تَرَكَ الْخُرُوجَ عَلَى الْأَمَامِينَ - الْمَسْجُوعَ عَلَى الْخَفِيِّينَ - وَالْقَوْلُ بِالتَّقْدِيرِ يَرِينِ  
 وَالْإِمْسَاكُ عَنِ الشَّهَادَتَيْنِ - وَأَذْوَالُ الْفَرِيقَيْنِ - مَرَاتٍ مُرَدَّةٍ بِأَبِ الْمَسْجُوعِ عَلَى الْخَفِيِّينَ فِي هَذَا  
 سَأَلَ ابْنُ مَلِكٍ عَنْ عَلَامَةِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَالَ إِنَّ تَحِبَّ الشَّيْخِينَ وَلَا تَطْعُنَ  
 الْخَتَنَيْنِ وَتَمَسَّحَ عَلَى الْخَفِيِّينَ - وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا وَالتَّوَضُّعُ مِنَ الْحَوْضِ أَفْضَلُ  
 سَرْعًا لِلْمُعْتَرِ لَةِ حَوْضٍ مِنْهُ وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا  
 لِأَنَّ الْمُعْتَرِ لَةَ لَا يَجِيْزُ دُونَهُ مِنَ الْحَيَاضِ فَتَرُغِمُهُمْ بِالْوَضُوءِ مِنْهَا لِعَيْنِ مُعْتَرِ لَةِ حَوْضٍ مِنْهُ  
 وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا وَرَفَعْتَ بَابَ الْمِيَاهِ فِي هَذَا  
 چمڑے کے موزوں پر مس کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے  
 تھے۔ لہذا انکو سنی کی پہچان قرار دیا۔ اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔ مگر چونکہ اسکے  
 منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔ اور مجلس میلاد میں کیلا بیٹھا  
 رہنا علامت دیوبندی کی ہے۔ مَن تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ لہذا اس سے بچنا چاہیے۔ نیز شامی سے  
 یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔ آج ہندوستان میں  
 ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں۔ مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر  
 اس کو جاری رکھا۔ اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔ فقہاء کے نزدیک زنا بائذھنا اور ہندوؤں کی کسی  
 چوٹی سر پر رکھنا۔ قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضوری نوٹ : یہ سوال ۱۳۱ اکثر دیوبندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس  
 وجہ سے حرام بتاتے ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہوئی کی علامت ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں  
 یہ علامات نہیں ہیں سب جگہ کے لئے یہ ہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہوگا انشاء اللہ۔

اعترض (۴) کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْا كَلِمَةً  
 يَقُولُ مَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَّتِهِ لِذَلِكَ صَحَابَهُ كَرَامٍ حِينَ حَضَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَوَدِي كَيْتَهُ تَوَكَّرْتَهُ شَبَّوْتَهُ  
 تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ ناپسند ہے۔ مشکوٰۃ اسی باب میں ہے۔

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ  
 قِيَامًا فَلْيَسْتَبَوَّءَ مَقْعَدَهُ مِنَ الشَّارِ  
 جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں  
 وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔

مشکوٰۃ باب القیام میں ہے۔

لَا تَقُومُوا مِثْلَ الْقَوْمِ الْآخِرِينَ

عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہو کر دو۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لیے نہ کھڑا ہو۔

میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں۔ پھر تعظیمی قیام کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

جواب۔ ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث

اور اقوال فقہار نقل کیے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لیے قیام چاہنا لوگوں

کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا۔ ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے

دونوں قیام منع ہیں۔ پہلی حدیث کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے۔ "و حاصل آنکہ قیام و ترک قیام

بجسب زمان و احوال و اشخاص مختلف گرد و وازیں جا است کہ گاہے کہوند گاہے نہ کردند" خلاصہ یہ ہے

کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام

نے کبھی تو حضور کے لیے قیام کیا اور کبھی نہ کیا، معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف

آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونیکا ذکر پہلے ہو چکا۔ اور

آپ کا قیام سے کرامت فرماتا تو اضعا و انکسار تھا۔ لہذا اس جگہ ہمیشہ کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً۔

دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعة اللمعات میں ہے۔ "قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت

قیام است اگر دے محبت قیام نہ دار و قیام برائے دے مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام

منہی در حق کسی است کہ نشستہ باشد و ایستادہ باشند پیش دے در قیام تعظیم برائے اہل دنیا بجمت دنیا

ایشان وعید وارد شد و مکروہ است۔ "خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا

ہو تو اسکے لئے مکروہ نہیں ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لیے منع ہے جو کہ خود نو بیٹھا ہو

اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیا داروں کے لیے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔ اسی طرح حاشیہ

مشکوٰۃ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسرار زیر حدیث قَوْمٌ اِلَى سَيِّدِكُمْ مِّنْهُمْ

قَالَ النَّوْزِي فِيهِ الْكِرَامُ الْاَهْلُ

نودی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے

ملنا۔ انکے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے۔ جمہور علمائے

اس سے دلیل کھڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے

الْفَضْلِ وَتَلْقِيهِمْ وَالْقِيَامُ إِلَيْهِمْ وَلِحَبِّهِ بِهِ

الْجَمُّ هُوَ سُرٌّ وَقَالَ الْقَاضِي عِيَاظٌ لَيْسَ هَذَا

مِنَ الْقِيَامِ الْمَنْهِيِّ عَنْهُ وَإِنَّمَا ذَلِكَ فِيمَنْ  
يَقُومُونَ عَلَيْهِ وَهُوَ جَالِسٌ وَيَمْتَسِلُونَ  
لَهُ قِيَامًا طَوِيلًا جُلُوسًا

نہیں۔ ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے  
کھڑے ہوں۔ اور وہ بیٹھا ہو۔ اور لوگ اس کے پیچھے  
رہنے تک کھڑے رہیں۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلہ  
کا قیام ان میں سے نہیں۔ نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سر وقت کھڑے  
ہو جاتے ہیں۔ وہ کیوں جائز ہے؟

## بحث فاتحہ تہجد، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں  
مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور مہینچتا ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و  
حدیث اور اقوال فقہار سے ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز  
جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ باب فضل الصدقہ میں ہے کہ حضرت سعد نے کنواں کھدوا کر فرمایا ھٰذِہ  
کَاۡرِۡمٌ سَعْدِیۡ یٰۤاُمُّ سَعْدٍ کَاۡنُوۡا لَہٗ فِقْہَارٌ نے ایصالِ ثواب کا حکم دیا۔ ہاں بدنی عبادت میں نیابت جائز  
نہیں یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز فرض پڑھ دے تو اس کی نازاوانہ ہوگی۔ ہاں نماز کا ثواب بخشا  
جا سکتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الفتن باب الملائم فصل دوم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے فرمایا  
کَۡمَنْ یُّضَمُّ لِیۡ مِنْکُمْ اَنْ یُّصَلِّیَ فِیۡ مَسْجِدِ الْعِشَارِ رُکْعَتَیۡنِ دَیْقُوۡلُ ھٰذِہٗ لِاَبِیۡ ہُرَیْرَةَ اَسْ  
تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصالِ ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے  
دوسرے یہ کہ زبان سے ایصالِ ثواب کرنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو دے بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ  
برکت کی نیت سے بزرگانِ دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی و  
بدنی کا مجموعہ جیسے زکوٰۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میری طرف سے زکوٰۃ دے  
دو تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحبِ مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کر اسکتا

ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہو جائیگا۔ اسی طرح یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا۔ اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کہ کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آگیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔

دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی جیسے نابالغ بچے سے بدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ہر نفس کے لئے وہ ہی مفید و مضر ہے جو اس خود کر لیا

نیز قرآن میں ہے۔

لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى | انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال ہیں۔ نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم الہییم و موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے

وَاتَّبِعْتُمْ ذُرِّيَّتَهُمْ بِالْإِيمَانِ یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل درجات پائینگے۔ دیکھو حمل و خازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے ان میں کسب و سعی کا ذکر ہے۔ نہ کہ ہبہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرضکہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسوں وغیرہ اسی ایصالِ ثواب کی شاخیں ہیں۔ فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوتِ قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے۔ اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

## پہلا باب فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت دَهْدَا الْكِتَابَ اَنْزَلْنَا مُبَارَكًا مِّنْ هُوَ ہے۔

حضور اعراب سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعائے نواس کی دعا پڑھا پھر فرشتے آئیں کہتے ہیں پھر اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔

وَعَنْ جَمِيْدِ الْأَعْرَابِ قَالَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ  
وَحَمَمَهُ ثُمَّ دَعَا آمَنَ عَلَى دُعَائِهِ اَرْبَعَةَ اَلْفِ  
مَلِكٍ ثُمَّ لَا يَزَالُوْنَ يَدْعُوْنَ لَهُ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ  
وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ اِلَى الْمَسَاءِ اَوْ اِلَى الصُّبْحِ۔

یہ ہی مضمون نووی کی کتاب الاذکار کتاب تلاوت القرآن میں بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصالِ ثواب بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اشعة اللغات باب زیارت القبور میں ہے۔ "و تصدق کردہ شورا میت بعد رفتن اور عالم تا ہفت روزہ میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی اشعة اللغات میں اسی باب میں ہے۔ بعض روایات آدھ است کہ روح میت مے آید خانہ خود رات شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کند از وے یا نہ" جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ اسکی یہ اصل ہے۔ انوار ساطعہ صفحہ ۱۲۵ اور حاشیہ خزائنہ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

نووی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس بن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعائے نواس پڑھواتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد و سعیدہ ابن ابی بابت نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لیے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں۔ اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے وقت مجمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اُس وقت رحمت نازل ہوتی ہے (نووی کتاب الاذکار) لہذا تیجہ چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔





اس سے بیچہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرنا ثابت ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تخریر لئاس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں۔ جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو روزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس تدرکھے کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے، آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اسکی اطلاع نزدی۔ بخشے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہر شاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصحیح اسکے مکاشفہ سے ہو گئی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشنے سے مدد کی بخشش کی امید ہے اور تیج میں جنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

ان تمام عبارات سے فاتحہ اور تیج وغیرہ کے تمام مراسم کا جواز معلوم ہوا۔ فاتحہ میں پنج آیت پڑھنا پھر ایصالِ ثواب کیلئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ تیجہ کے دن قرآن خوانی۔ کلمہ شریف کا ختم۔ کھانا پکا کر نیاز کرنا۔ سب معلوم ہو گیا صرف ایک بات باقی ہے کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔ اس کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیا واڑ میں تو اولاً کھانا نقرہ کو کھلا دیتے ہیں۔ پھر بعد میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور یوپی و پنجاب اور عرب مشرف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ پھر کھلاتے ہیں۔ دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوٰۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملا حظ فرما کر صاحبِ طعام کے لیے دعا فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دے اسی طرح مشکوٰۃ باب آدابِ طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طِیْبًا مُّبَارَکًا فِیْہِ غَیْرُ مَکْفِیٍّ وَلَا مُؤَدِّیٍّ وَلَا مُسْتَغْنَا عَنْہُ رَبَّنَا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں۔ حمد الہی کرنا اور صاحبِ طعام کے لیے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ اس کی بہت سی احادیث آئی ہیں۔ مشکوٰۃ باب المعجزات فضل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرچے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لیے دعائے برکت فرمادیں۔

فَضَّلَهُنَّ ثُمَّ دَعَا لِي فِيْہِنَّ بِالْبَرَکَةِ | آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت کی۔



رحمت ہے کفار کے لیے زحمت۔ دَلَّا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ الْآخْسَارًا اس سے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے۔ نیز جس کے لیے دعا کرنا ہو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہیے۔ جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے لیے دعا ہے۔ اس کو سامنے رکھ دیا۔ اسی طرح سامنے کھانے کو رکھ کر دعا کی تو کون سی خرابی ہے۔ اسی طرح قبر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اللَّهُمَّ هَذَا مِنْ أُمَّتِي مُحَمَّدِي ۝ اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے حضرت خلیل اللہ نے کعبہ کی عمارت سامنے لے کر دعا کی رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا آيَاتِهِ اب بھی عقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے۔ لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصالِ ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ بھی قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو۔ تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیے۔

مادعین کے پیشوا بھی فاتحہ مردوبہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب اللقباہ فی سلاسل ادبیات اللہ میں فرماتے ہیں: "پس وہ مرتبہ درود خواند ختم تمام کفند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخواند و حاجت از خدا سوال نمایند" پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام خواجگانِ چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زبیدۃ المنصارع صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "و شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصالِ ثواب بروح ایشان نزنند و بخوردند مصالغہ نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے و وہ شود اغنیاء اہم خوردن جائز است" دو دو چاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھائیں اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی درشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نصاب ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ نفس ایصالِ ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھنا واجب و فرض اعتقاد کر کے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیبت کذا یہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا

بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے۔ جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب و زبان کے لیے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہو کہ لفظ اس کا مشاراً الیہ اگر درود موجود ہو تو زیادہ استحصار قلب ہو کھانا درود لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ تو جمع بین العبادتین ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ اور گیارہویں حضرت غوث پاک کی۔ دسویں بیسواں، چہلم۔ ششماہی، سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور برصیتی حضرت شاہ بوعلی قلندر اور علو اشب برات دو دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔

پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرمادیا۔ الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقلیہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے۔ آمین۔

## دوسرا باب

### فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں:-

اعتراض (۱) بہت سے فقہانے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لیے کھانا پکانا منع کیا ہے (دیکھو شامی مالگیری) بلکہ برازی نے تو لکھا ہے۔ دَبَعْدَ الْأَسْبُوعِ یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں۔ نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی۔ کہ بعد مردن من رسوم دنیاوی وہم و بستم و چہلم و ششماہی و برصیتی بیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سر روز ماتم کرن جائز نہ داشته۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب:- فقہانے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی

قوم کے طعنہ سے بچنے کے لیے جو میت کے تیجے، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لیے کہ یہ نام و نمود کے لیے ہے اور موت نام و نمود کا وقت نہیں ہے اگر فقرا کو بغرض الصال ثواب فاتحہ کر کے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

وَيُكْرَهُ إِتِّخَاذُ الصِّيَانَةِ مِنْ أَهْلِ الْمَيِّتِ  
لَأَنَّ شُرْعًا فِي الشَّرْءِ كَافِي الشَّرْءِ ذَمًّا -  
یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ  
توخوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم پر۔  
دعوت لینے کے وہ ہی معنی کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ الْأَنْعَالُ كُلُّهَا لِلشَّمْعَةِ وَالزِّيَاةِ  
فَيَحْتَزِرُ عَنْهَا لِأَنَّهَا لَا يَرِيدُ دُونَ بِهَا وَجْهَ اللَّهِ  
یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہذا  
ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔  
صاف معلوم ہوا کہ فخریہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وَأِنْ اتَّخَذَ طَعَامًا لِلْفُقَرَاءِ كَانَ  
حَسَنًا -  
اگر اہل میت نے فقرا کے لیے کھانا پکایا تو اچھا  
ہے۔ یہ فاتحہ کا جواز ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمانا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے  
ہیں۔ رسوم دنیاوی جو تیجہ وغیرہ ہے وہ نہ کریں۔ رسوم دنیا کیا ہے عزتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہو کر  
رونا پینٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں۔ اس  
جگہ ایصالِ ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔ تمہارا یہ کہنا کہ  
میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی۔ اگر یہ حدیث ہو تو ان اجماعی احادیث کا کیا  
مطلب ہو گا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے نیز تم بھی کہتے ہو کہ  
بغیر تاریخ مقرر کیئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے۔ اس خیرات کو کون کھائے گا جو آدمی  
کھائے اس کا دل مردہ ہو جائیگا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ: میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقرا کو کھلایا جاوے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے  
اس پر مستقل رسالہ لکھا۔ جعلی الصوت النہی الدعوت عن الموت۔ بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں۔  
کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کے لیے تشریف لے جاتے تو دہلیاں پان

حقہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے۔ اور خود مہیا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے۔ تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولاً مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں۔ یہ ضرور خیال رہے۔

اعتراف (۲) فاتحہ کے لیے تاریخ مقرر کرنا ناجائز ہے۔ گیارہویں تاریخ یا تیسرا دسواں بیسواں چہلم اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ **وَهُمْ عَنِ اللَّعْنَةِ مَحْرُصُونَ** مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں، بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصالِ ثواب کرو۔ تیسرے دن کا انتظار کیسا؟ نیز تیجہ کے لیے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لیے تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

**جواب :-** مقرر کرنا کیا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں۔ کسی جائز کام کے لیے دن تاریخ مقرر کرنا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے۔ اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وعظ کے لیے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے۔ فرمایا کہ تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب العلم بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا۔ یہ محض آسانی کے لیے ہوتا ہے۔ آج بھی مدارس کے امتحان جلسے، تعطیلات کے عہدہ اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں۔ صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں۔ تو سنیے! گیارہویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوتی کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال یہ تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پلیسہ حضور غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو۔ لہذا جب وہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد نماز مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارہویں شریف ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا نام گیارہویں شریف ہو گیا۔ اب حسن تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پلیسہ ان کے

نام پر خرچ کریں۔ اس کا نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔ پونہ اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارہویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارہویں رات آتی ہے۔ آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا۔ ان کی توبہ قبول ہونا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پارگنا اسمعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ ایوب علیہ السلام کا شفا پانا۔ امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہداء کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آتی۔ وہ گیارہویں تھی۔ لہذا یہ رات متبرک ہے۔ اسی لئے گیارہویں کی فاتحہ اکثر شب گیارہویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا چاہیئے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خود میرا بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارہویں تاریخ کو کچھ مقررہ چیزیں پر فاتحہ پابندی سے کی جاوے تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں مجددہ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں۔ کتاب یازدہ مجلس "میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا کہ عبدالقادر نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا۔ ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں۔ یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کیا کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ علیہ السلام کی محفل ہوتی ہے۔ تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا۔ اس لئے تمام دنیا میں پھیل گیا۔ لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی ہے

تو گھٹانے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے۔ جب بڑھائے تھے اللہ تعالیٰ تیرا  
تیرے کے لئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بھی مصلحت ہے۔ پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز و تکفین  
نہیں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی چھوڑا گیا۔ تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر  
فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے۔  
اللغات عالمگیری کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔





زندوں کی مدد و دی کو بہت جلد پہنچتی ہے اور مردے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کر موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا۔ تو ثناء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہیے تھی۔ مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لیے چہلم مقرر کیا گیا۔ پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا سوواں۔ چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا۔ ماں کے پیٹ میں پچ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھر ہا رہتا ہے ردیکھو مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر، پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آسکتا ہے، پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچکر عقل سچتہ ہوتی ہے۔ اسی لیے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام و ذہنیوں کے لیے چلے یعنی چالیس چالیس روز مشقتیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ وہ طور پر آکر چالیس روز اعتکاف کر دو تب تورات دی گئی۔ **وَإِذْ وَاَعَدْنَا مُوسَىٰ اٰسْرًا بَعِيْنًا لَّيْلَةً**۔ انوار ساطعہ نے بہیقی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ **بِحْتِمْ جِہْلَمْ كَرَاتِ الْاَنْبِيَاءَ لَا يَمُوْكُوْنُ فِيْ تَبْوَمِرِہُمْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً** **وَ لٰكِيْنْ هُمْ يُصَلُّوْنَ بَيِّنِ سِيْدِي اللّٰہِ حَتّٰی يُنْفَخَ فِي الصُّوْمِ** اس حدیث کے معنی زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کیئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ روح قرب الہی میں عبادت کرتی ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاوہ رہتا ہے۔ ممکن ہے کہ اُس کی اصل کچھ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چالیس کے معدوم تغیر و تبدل ہے لہذا مناسب ہوا کہ چالیس دن پر فاتحہ کی جادوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں۔ نتیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں۔ یوپی میں

تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ ہم پہلے باب میں مولوی محمد قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ پانچہزار بار کلمہ پڑھ کر بخشنے سے اس کی مغفرت ہوتی ہے اس میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ تو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوانے کے لئے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کیے گئے ہیں کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہوجاتے ہیں یہ محض شمار کے لئے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گٹھلیاں یا کنکریاں جمع کی جائیں تو اس میں وقت ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے یہاں موت پر لاکھ کنکریاں جمع کرتا پھر اس لئے چنے اختیار کر لیتے کہ اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی بھنے ہوتے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے یا کھڑوں کا دانا بنا دیں گے۔ اس میں بے حرمتی ہے۔ بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجادیں گے۔

اعترض (۳) فاتحہ وغیرہ میں ہنود سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب: کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بڑی باتوں میں مشابہت منع ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی، زنار، ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آب زرمم مکہ معظمہ سے لاتے ہیں ہنود بھی گنگا سے گنگا جل لاتے ہیں۔ ہم بھی منہ سے کھاتے اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے۔ کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا۔ پھر مشابہت کہاں رہی؟ اسکی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو ہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کیے جاویں وہ منع ہیں۔ فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اعترض (۴) اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہیے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کہ لہذا اولہ رگوبر، وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کر دے۔ جب چوہڑا پاخانہ اٹھائے تو فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)

جواب: نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا ان کی خیرات پر تلاوت نہیں کر سکتے

ڈکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ نہ کہ کرایج نکلنے پر کہ وہ نجس اور ناقض وضو ہے۔ اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ تکبیر پر۔

## بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات

### پہلا باب

#### دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے، نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے، دفن کے بعد۔ ان تینوں حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا۔ ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کے پاس ٹیچر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک میں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل سے دیا پھر ہر طرح قرآن وغیرہ پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو ناجائز، حرام، بدعت، شرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی اس جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مشکوٰۃ باب صلوة الجنائزہ فصل ثانی میں ہے۔

إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ | جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کیلئے خالص دعا مانگو۔  
 ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنی کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ف کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتہم شرط ہے۔ اور فَأَخْلِصُوا اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہیے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتہم ماضی ہے اور فَأَخْلِصُوا ہے امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے فَإِذَا أَطَعْتُمْ فَأَنْتَشِرُوا میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان۔ اور إِذْ أَقَمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَأَغْسِلُوا دُجُوهَكُمْ میں نماز کے لئے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ الی سے معلوم ہوا۔ لہذا یہاں بھی وضو ارادہ نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے

قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔  
اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے: "واحتمال دارو کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ الان متعارف است" ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لیے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لیے پڑھتے تھے اور اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

فتح القدر کتاب الجنائز فصل صلوة الجنائزہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوه موتہ کی خبر دی اور اسی شمار میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی فَضَّلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لَهُ وَقَالَ اسْتَغْفِرْ ذَا لَهٗ پس ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کرو۔ دعا کے داؤسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مواہب اللدنیہ جلد دوم القسم الثانی فِيمَا أَخْبَرَ مِنَ الْغُيُوبِ میں یہی واقعہ نقل فرما کر کہا ثَمَّ قَالَ اسْتَغْفِرْ ذَا لَهٗ اسی طرح عبداللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔ منتخب کنز العمال کتاب الجنائز میں ابراہیم حجری کی روایت ہے۔

میں نے ابن ابی ادنیٰ کو دیکھا یہ سبعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔

مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعائی

قَالَ رَوَيْتُ ابْنَ أَبِي أَدْنَىٰ ذَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ مَا تَثَّ ابْنَتُهُ إِلَىٰ أَنْ قَالَ ثُمَّ كَبَّرَ عَلَيْهَا أَرْبَعًا ثُمَّ قَامَ بَعْدَ ذَلِكَ قَدْرَ مَا بَيْنَ التَّكْبِيرِ تَيْنِ وَقَارَأَ عَيْتُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَن يَضَعُ هَكَذَا۔

بیہقی میں ہے وَعَنِ الْمُسْتَضَلِّ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّ عَلِيًّا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بَعْدَ مَا صَلَّى عَلَيْهِ مَدْرُتَهُ الْكَبِيرَىٰ فِيهِ -

بہر تکبیر پر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی

يَقُولُ هَكَذَا كَلِمًا كَبِيرًا إِذَا كَانَ التَّكْبِيرُ الْأَخِيرَ قَالَ

مِثْلَ ذَلِكَ ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ - طرح کے پھر کے اللهم صل على محمد -

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف العظام میں ہے "فاتحہ دو بار اٹھے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمولہ کنانی خلاصۃ الفتح "میت کے بیٹھے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔ اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔

مبسوط شمس الاممہ سرخسی جلد دوم صفحہ ۶۷ باب غسل میت میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

إِنْ سَبَقْتُمُونِي بِالصَّلَاةِ عَلَيَّ فَلَا تَسْبِقُونِي بِاللَّعَاءِ - اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آؤ میرے ساتھ مل کر دعا کرو۔

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل میت میں ابن عمر و عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنف مولانا فتح محمد صاحب بریلوی پوری میں ہے "چوں از نماز فارغ شون مستحب است کہ امام یا صلح دیگر فاتحہ بقرآن مفلحون طرف سر جنازہ و حاتمہ بقرآن آمن الرسول طرف بائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعض حدیث بعد از دفن واقعہ شدہ ہر دو وقت کہ میتس شود مجوز است۔ جب نماز جنازہ سے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صلح آدمی سورہ بقرہ کا شروع رکوع مفلحون تک جنازے کے سر ہانے اور سورہ بقرہ کی آخری آیات آمن الرسول میت کے بائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میتس ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ زاد الاخرت میں نہر فائق شرح کنز الدقائق اور بحر ذخار سے نقل فرمایا

بعد از سلام بخواند اللَّهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ دَلَا تَقْتُلْنَا بَعْدَهُ دَاغِفِرْ لَنَا دَلَّ - سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کر دے اس کے بعد قننہ میں تلبائے کر اور ہماری اور اسکی مغفرت فرما۔

طحاوی میں ہے۔ وَإِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ إِذَا مَاتَ فَخْتَمَ عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفًا قَبْلَ الدَّفْنِ - جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے۔

کشف الغمہ فتاویٰ عالمگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ دَهِيَ بَعْدَ الدَّفْنِ أَدْلَى مِنْهَا قَبْلَهُ تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور عالمگیری



کہ مناسب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا۔ لہذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

## دوسرا باب

### اس دعا پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔  
**اعتراض (۱)** وہ ہی پرانا یا دیکھا ہوا۔ سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے، شرک ہے، بے دینی ہے۔

**جواب**۔ یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول و فعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہار نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جادوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

**اعتراض (۲)** نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

**جواب**۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استسارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعا کے لئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے **اَلدُّعَاُ الدُّعَاءُ** دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اور ولی نے پڑھی تو وہ دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال مبارک و دشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہار شبہ کو ر شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت اور ان دور روز میں لوگ جماعت جماعت آئے ہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق کبر نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق سہ نماز پڑھی۔ اب نا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ نہ پڑھے بلکہ علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب الصلوٰۃ الجنازہ بحث من اتق بالامامت) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ

دوبارہ نماز کیسی ہو رہی ہیں ؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی ہی سے پکا۔

**اعتراض (۳)** چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔  
**جواب:** یہ اعتراض بھی محض لغو ہے اولاً تو اس لیٹے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں۔

اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع در نہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں۔ کیونکہ یہاں تاخیر دفن دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لیٹے کہ دعائیں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل و کفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لیٹے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ انکو تسلی و تشفی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد نماز کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں ؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لیٹے ہے جائز ہے۔ چوتھے اس لیٹے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دو شنبہ کو اور دفن چہار شنبہ کو ہوا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وَهَذِهِ السَّنَةُ بَاقِيَةٌ إِلَى الْآنِ لَمْ يَدْخُلْ  
خَلِيفَةٌ حَتَّى يُوَلَّى غَيْرُكَاءِ۔

یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدر سے جائز ہے کہ خلیفہ بنا کر دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دیا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نقش اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکا گا اگر اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں



کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے بیٹے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس بیٹے کو دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کرے۔ یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شکر ہے کفر ہے معاذ اللہ۔

**اعتراض (۴)** نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لَا يَقُومُ دَاعِيًا لَهُ۔

نماز کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا رہے۔

نماز جنازے کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا رہے۔

زخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔ لَا يَقُومُ

بِالدُّعَاءِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ۔

عالمگیری میں ہے لَا يَدْعُو بَعْدَهَا فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔

وَلَا يَدْعُو اللَّيْلَتِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ

لِأَنَّهُ يُشَبَّهُ الزِّيَادَةَ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ۔

نماز جنازہ کے بعد میت کے بیٹے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کر نیکے مشابہ ہے۔

کشف العطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا؟ نماز کے بعد دعا کے بیٹے کھڑا نہ رہے۔

جامع الرموز میں ہے وَلَا يَقُومُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ

صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشَبَّهُ الزِّيَادَةَ۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ابن حاتم سے مروی ہے۔

إِنَّ الدُّعَاءَ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ مَكْرُوهٌ۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

جامع رموز میں ہے وَلَا يَقُومُ بِالدُّعَاءِ بَعْدَ

صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشَبَّهُ الزِّيَادَةَ۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کے بیٹے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب :- اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس

دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعا میں زیادہ

لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی بیٹے نماز جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔

تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجوہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول و عمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف العظار کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے لَاتُفَعُّ يَسْبَهُ التَّرْيَادَةَ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوں توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو یہ دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوٰۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

دَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةَ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔ | چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔  
یعنی نماز جنازہ میں پہلی تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے۔  
جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ بدائع۔ کفایہ عنایہ میں ہے۔ لَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرِ الرَّابِعَةَ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ۔ ابوبکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیدہ کی عبارت ہے مگر قنیدہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ مقدمہ شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنیدہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں فرماتے ہیں۔ اذ لِنَقْلِ الْأَقْوَالِ الضَّعِيفَةِ فِيهَا كَالنَّقِيَةِ لِتَرْاهِدِ تِي فَلَا يَجُوزُ الْإِفْتَاءُ مِنْ هَذَا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بدل الجواہر میں فرمایا کہ قنیدہ والا معتزلی بدعتی ہے اور اگر قنیدہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں۔ کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا ناجائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرض کہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

## بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دو طرح کے ہیں ایک تو عام مومنین۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم و توقیر و حقیقت اسلام کی تعظیم ہے۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تاکہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جا سکے جائز ہے۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا هجوم رہتا ہے لوگ دہاں بیٹھ کر قرآن خوانی و فاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دو مسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات۔

### پہلا باب

#### مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور میں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا۔ دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنا دینا۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اس کو پختہ کرنا۔ ساقبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سینٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء و مشائخ کے لئے جائز ہے۔

۱۔ قبر کا تقویداً ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چوتھرہ اونچا کر کے اس پر تقویداً بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے۔

۲۔ قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے۔ اور فقہاء و

علماء کی قبروں پر جائز۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابو داؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سر ہانے ایک پتھر نصب فرمایا۔ اور فرمایا کہ اَعْلَمُ بِهَا قَبْرَ اَخِي وَادْفِنُ اِلَيْهِ مِنْ مَّكَاتٍ مِنْ اَهْلِيْ جَمِ اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے۔

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجريد على القبر میں تعلقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں۔ ہم زمانہ عثمان میں اتَّ اَسَدًا نَادِيَةً اَلَّذِي يَثِبُ قَبْرَ عُمَانَ ابْنِ مَطْعُونٍ حَتَّى يَجَادِ مَرَةً۔ ہم میں بڑا کوڑنے والا وہ تھا جو کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا۔

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سر ہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سر ہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے۔ کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سر ہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے بیٹھے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندر دنی جہتہ میں چاروں طرف مٹی سے کھل کر دو در دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن المیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیے۔ دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے ارد گرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔ قَالَ الَّذِيْنَ عَلَبُوا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسٰجِدًا وہ بوسے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔ روح البیان میں اس آیت میں بُنْيَانًا کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوار سے کراچہ شرم مردم پوشیدہ شو یعنی لَا يَعْلَمُ اَحَدٌ تُرَبِّسَهُمْ وَتَكُوْنُ مَحْفُوْطَةً مِنْ تَطَرُّقِ النَّاسِ كَمَا حَفِظَتْ تُرَبَّتْ مَرْسُوْلِ اللّٰهِ بِالْحِطْبَةِ اَعْنٰی

انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بنا دی جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جائیں جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجد کی تفسیر روح البیان میں ہے **يُصَلِّي فِيهِ الْمُسْلِمُونَ وَيَتَبَرَّكُونَ بِمَكَانِهِمْ**۔ لوگ اس میں نہ از پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی دو باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبر اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں۔ جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ **شَرَعَ قَبْلَنَا يَلْزَمُنَا**۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد چکی اینٹوں کی گول دیوار کھجادی۔ پھر وید ابن عبد الملک کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار وارا المصنفة مصنف سید سمود، دسویں فصل فیما يتعلق بالبحرۃ المنیفة ص ۱۹۴ میں ہے **عَنْ عُمَرَ بْنِ دِينَارٍ وَعَبِيدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي سَرِيحَةَ قَالَ لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَائِطٌ كَانَ أَدَلَّ مِنْ بَنِي عَلِيٍّ جِدَارِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ**۔ قَالَ عَبِيدُ اللَّهِ ابْنُ أَبِي ذَيْدٍ كَانَ جِدَارُهُ قَصِيرًا ثُمَّ بَنَاهُ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ الزُّبَيْرِ ثُمَّ قَالَ الْحُسَيْنُ الْبَصْرِيُّ كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَامٌ مُرَاهِقٌ أَدَانَالُ السَّقْفِ بِيَدِي وَكَانَ لِكُلِّ بَيْتٍ حَجْرَةٌ وَكَانَتْ حَجْرَةٌ مِنَ الْكَعْسَةِ مِنْ سَعِيرٍ مَرَبُوطَةٍ فِي خَشَبٍ عَرَّ عَرَّةً۔ ترجمہ وہ ہی جو کہ اوپر بیان ہو چکا۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب ملجأونی ذبوا الشیخی والی بکیر ذی عمر میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وید ابن عبد الملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دیوار گر گئی تو **أَخَذُوا إِنِّي بِنَائِهِمْ** صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے **قَبَدَتْ لَهُمْ قَدَمٌ فَفَزِعُوا وَظَنُوا أَنَّهَُا قَدَمُ الشَّيْخِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى قَالَ لَهُمْ عُرَّةٌ لَأَدَّ اللَّهُ مَا هِيَ قَدَمُ الشَّيْخِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هِيَ إِلَّا قَدَمُ عُمَرَ**

ایک قدم ظاہر ہو گیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔

حضرت عروہ نے کہا کہ اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کا قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ سہ ہجری میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۷۵۵ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نقش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیر لگا کر اس کو بھر دیا پھر ۷۶۵ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جو اب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عمارت سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ مظلوم صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق و فاروقؓ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔

صَفَرَتْ اِمْرَاتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰی قَبْرِہٖ سَنَةً | تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک تکت ڈالے۔

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجادروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن و حدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہار محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ۱، ازیر آیت اِنَّمَا يَخْمَرُ مَسْجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ میں ہے۔

فَبِنَاءِ قُبَابٍ عَلٰی قَبْرِہٖ الْعُلَمَاءِ دَاكِدًا لِّیَاہِ  
وَالصَّلٰحَاءِ اَمْرٌ جَائِزٌ اِذَا كَانَ الْقَصْدُ بِذٰلِكَ  
التَّعْظِیْمِ فِیْ اَعْيُنِ الْعَامَّةِ حَتّٰی لَا یَحْتَقِرُ  
صَاحِبُ هٰذَا الْقَبْرِ۔

علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

مرقات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے۔

قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلٰی قَبْرِہٖ  
الْمَشَاحِجِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْهُورِیْنَ لِیُرُوہُمْ

پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانا جائز فرمایا ہے تاکہ ان کی لوگ زیارت کریں۔

النَّاسُ دَیْسَتْ رِجْوًا یَا بَیْطُوسِ - اور لای بیٹھ کر آرام پائیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔

آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر میں رہ گئے۔ لہذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تاکہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو جائے۔ ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے سبب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔

در آخر زمان بہت نقصان نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و تزویج مشاہد و مقابر مشائخ و عظماء دیدہ چیز یا افزودند تا آنجا ہیبت و شوکت اہل اسلام اہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند و تزویج و اعلام شان این مقامات باعث رعب و اقیار ایشان است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحبات گشتہ۔

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔

کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔

وَقِيلَ لَا تَكْفُرْهُ الْبِنَاءُ إِذَا كَانَ الْمِيْتَتِ  
مِنَ الْمُشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ وَالسَّادَاتِ -

در مختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ لَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہی قول پسندیدہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور مختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لیے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منقول میں قیل علامت ضعف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحاوی علی مرقی الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔

مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تاکہ وہ مٹنے اٹھرنے سے محفوظ رہیں اور قبر کوچ نہ کی جاوے نہ کھنک کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور کہا گیا ہے کہ جائز ہے اور یہ ہی مختار ہے۔

وَقَدْ اِعْتَادَ اَهْلُ الْمِصْرِ وَصَحَّ الْاَحْجَارِ حِفْظًا  
لِلْقُبُورِ عَنِ الْاِنْتِدَاسِ وَالتَّبْسِ وَكَالِ  
بَأْسِ بِهِ وَفِي الدَّمْرِ وَكَالِ يَجْضَمُ وَكَالِ يَطِينُ  
وَلَا يَرْفَعُ عَلَيْهِ بِنَاءٌ وَقِيلَ لَا بَأْسَ بِهِ وَهُوَ الْمُخْتَارُ

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔

وَمِنْ ذَلِكَ قَوْلُ الْأَيْمَةِ أَنَّ الْقَبْرَ  
لَا يُبْنَى وَلَا يُجَصِّسُ مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ  
يَجُوزُ ذَلِكَ قَالَ الْأَوَّلُ مُشْتَدِّدُ الثَّانِي  
مُخَفَّفٌ -

اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہنا کہ قبر پر نہ عمارت  
بنائی جاوے اور نہ اسکو گچ کی جاوے باوجودیکہ امام  
ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے  
پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی

اب تو جسٹری ہو گئی کہ خود امام مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبر  
وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن و حدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک  
سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء و علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند  
وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور  
نہ زیادہ فاتحہ خوانی نہ کچھ استقامت بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو نچتہ دیکھتے ہیں غلٹ  
وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچکر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو  
ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی بعد موت یکساں ادب  
چاہیے۔ اسی طرح عالمگیری کتاب الکرامیت اور اشعة المعات باب الدفن میں ہے کہ والدین کی قبر  
کو چومنا جائز ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی  
میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ  
تو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی۔ اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہذا کم از کم مستحب  
ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارت میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان  
کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیئے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سار کھیں  
تاکہ لوگ ان کو پہچان کر مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیئے کہ علماء و مشائخ کے قبور عام قبروں سے  
ممتاز ہیں تاکہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ میں جیسا کہ  
ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن  
سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہیئے۔ ادب کے سربلک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں  
جو طریقہ بھی ادب کا خلافت اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک پڑیوں



اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کچی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد کے زمانہ میں مسجد نبوی نہایت شاندار روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

در مختار کتاب الکرامیت فضل فی البیع میں ہے۔ وَجَازَتْ تَحْلِيَةَ الْمُصْحَفِ لِمَا نَبِيهِ مِنْ تَعْظِيمِهِ كَمَا فِي نَقْشِ الْمَسْجِدِ اس کے ماتحت شامی میں ہے اُنَى بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ يَعْنِي قُرْآنِ كَرِيمِ كُوچَانْدِي سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب و غیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔

وَمَا رُوِيَ عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ جَرَّدَ الْقُرْآنَ  
كَانَ فِي سُرٍّ مِنْهُمْ دَكَمٌ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلِفُ  
بِاخْتِلَافِ الشَّرْمَانِ وَالْمَكَانِ -

اسی مقام پر شامی میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حماثل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن و اذان و اقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث وفقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خورد زندہ لوگوں کو سچتہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے سچتہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرا دیا۔ تب جواب سلام دیا دیکھو مشکوٰۃ کتاب الرقاق فصل ثانی، اسی مشکوٰۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اِذَا الْمَرْيَاكُ لِلْعَبْدِ فِي مَالِهِ جَعَلَهُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ جَبَّ بِنَدَسِ كَيْ مَالٍ فِي بَيْتِي ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں سچتہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات ادویار اللہ کی قبروں کے سچتہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور سچتہ بناتے ہیں اَنْتُمْ مَيَّنْتُمْ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ كَيْبَعْضِ حَدِيثِیْنَ پْرَايْمَانِ هُوَ اَوْ بَعْضِ كَا اَنْكَارِ - اللہ سمجھو دے۔ چوتھے اس لئے کہ ادویار اللہ کی مقابر کا سچتہ ہونا۔ ان پر عمارت قائم ہونا، تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا

گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جمالیتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں بچتے ہوں تاکہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اسکے حدود معلوم رہیں۔ میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصے میں بچتے قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے بچتے قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفیدہ زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک بچتے قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گیا کیونکہ اس قبرستان کے حدود بچتے قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں بچتے ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسماعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے نکتہ حالت میں ہے اسکی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاوے گا۔ سچان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے گا۔ ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء کو صدر پاکستان ایوب خان نے قائد اعظم کی قبر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس میں ایک لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۰ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۳ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جو اب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑاتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت

کو مبارک باد کے تار دیشے تھے کہ اس نے صحابہ اہل بیت کی قبریں اکھیر میں آج قائمہ اعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور۔ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ بہر حال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

## دوسرا باب

### عمارت قبور پر اعتراضات و جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض میں اول تو یہ کہ مشکوٰۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔

حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر سچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَيِّصَ الْقَبُورَ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ وَأَنْ يُقَعَّدَ عَلَيْهِ۔

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ یكْمَرُ الْإِنْبَاءُ عَلَى الْقَبُورِ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں

قبر کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب:۔ قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی

طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی حدیث میں فرمایا گیا۔ أَنْ يُجَيِّصَ الْقَبُورَ یہ نہ فرمایا گیا۔ عَلَى الْقَبُورِ دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاوے کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہونے

کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ، تکلف یا فخر کے بیٹھے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی دلی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی أَنْ يُجَيِّصَ الْقَبُورَ کے ماتحت ہے لِمَا فِيهِ مِنَ الزِّيَادَةِ وَالتَّكْلِيفِ کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلف ہے۔ جس سے معلوم

ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے أَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی ہیں اول تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔ چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وَكَمْ مِنْ الزِّيَادَةِ عَلَيْهِ لِمَا فِي الْمُسْلِمِ | قبر کو ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے۔

نَهَى رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُجَيِّصَ الْقَبْرَ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ -

کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو بچھنے کو منع فرمایا۔ اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔

در مختار اسی باب میں ہے وَتَكَرَّرَ الزِّيَادَةُ عَلَيْهِ مِنَ التُّرَابِ لِأَنَّهُ بِسُنَّةِ الْبِنَاءِ قَبْرٍ مِثْلُ زِيَارَةٍ كَمَا مَنَعَ بَيْتَهُ كَمَا مَنَعَهُ بِنَاؤُهُ - اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آجاوے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے ارد گرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کی قبروں کے لیے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ دَنًا يَّعْبُدُ اِسْتِدًّا غَضِبَ اللّٰهُ عَلٰى قَوْمٍ اَتَّخَذُوْا قَبُوْرَ اَنْبِيَآءِهِمْ مَسٰجِدًا - اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہ ہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قَالَ الْبَيْضاوِيُّ لَمَّا كَانَتْ الْيَهُودُ وَالنَّصْرِيُّ يَسْجُدُونَ لِقَبُوْرِ الْاَنْبِيَآءِ تَعْظِيْمًا لِّشَانِهِمْ وَيَجْعَلُوْنَهَا قِبْلَةً يَتَوَجَّهُونَ فِي الصَّلَاةِ فَخَوَّاهَا وَاتَّخَذُوْا هَا اَوْ تَانَا لَعْنَهُمْ وَمَنَعَ الْمُسْلِمُونَ عَنْ مِثْلِ ذٰلِكَ -

بیشادی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہو گئی۔ معلوم ہو گیا کہ قبر بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ ہنسنے کے مکانات کو بچھنے کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرا دیئے گئے پانچویں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ یہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لیے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ تو جہیں اس لئے کہیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارت بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروقؓ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنیٰ کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبہ ڈالا جس کو ہم حواء مشکوٰۃ باب البکاء سے نقل کر چکے۔ زوجہ حسن مثنیٰ کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔ اَظْهَرُ أَنَّهٗ لِاجْتِمَاعِ الْاَحْبَابِ لِلذِّكْرِ وَالْقِرَاءَةِ وَحُضُورِ الْاَصْحَابِ بِالْمُعْظَمَةِ اَمَّا حَمَلُ فِعْلِهَا عَلٰی الْعَبْتِ الْمَكْرُوهِ فَعَلِيٌّ لَا يَنْبَغِي لِصَنِيعِ اَهْلِ الْبَيْتِ۔

صاف معلوم ہوا کہ بلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لیے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنفیہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبہ بنایا۔ منقحے شرح موطا امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دَضْرِبَهُ عُمَرُ عَلٰی قَبْرِ زَيْنَبِ بِنْتِ جَحْشٍ وَضَرَبَتْهُ عَائِشَةُ عَلٰی قَبْرِ اَخِيْهَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلٰی قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَرَتَبْنَا كَرِهَهُ لِمَنْ ضَرَبَهُ عَلٰی دَجِّهِ السَّمْعَةِ وَالْمَبَاهَةِ۔

برائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

رُدِيْ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ لَمَاتَ بِالطَّائِفِ صَلَّى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ وَجَعَلَ قَبْرَهُ مُسْتَمًا وَضَرَبَ عَلَيْهِ فُسْطَاطًا۔

یعنی شرح بخاری میں ہے ضَرَبَهُ مُحَمَّدُ ابْنُ الْحَنْفِيَّةِ عَلٰی قَبْرِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔ ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت رد و نہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس رد و نہ پر اعتراض

ظاہر یہ ہے کہ یہ قبہ دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لیے تھا تاکہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں۔ لیکن ان بنی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے اہل بیت کی شان خلاف ہے۔

حضرت عمر نے زینب جحش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمن کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنفیہ (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لیے کہا جو کہ اس کو فخر دیا کے لیے بنائے۔

جبکہ طائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنفیہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر چھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔

نہ کیا۔ لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں کی جا دیں جو کہ ہم نے کہیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنی میں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں۔ جو قبر کا انتظام رکھے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے، حضرت عائشہ صدیقہ مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلو کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوٰۃ باب الدفن، آج تک روضہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔

اعترض (۲) مشکوٰۃ باب الدفن میں ہے۔

ابو میاج اسدی مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھو مگر مشاود اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کر دو۔

رَوَى ابْنُ هَيْبَانَ الْأَسَدِي قَالَ قَالَ لِي عَلِيُّ  
أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
أَنْ لَا تَدْعُ تَمَثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مَشْرُفًا  
إِلَّا سَوَيْتَهُ۔

بخاری، جلد اول کتاب الجنائز باب الجريد علی القبر میں ہے۔

ابن عمر نے عبدالرحمن کی قبر پر قبضہ کر دیکھا پس اپنے فرمایا کہ اے  
لو کہ اسکو علیحدہ کر دو کیونکہ ان پر انکے مثل سایہ کرے ہیں۔

رَوَى ابْنُ عُمَرَ فَسَطَّطَا عَلَى قَبْرِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ  
فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ يَا غُلَامُ فَإِنَّمَا يَطْلُهُ عَمَلُهُ۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے۔

نوٹ ضروری، اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی دہا بیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات

کو گرا کر زمین کے ہموار کر دیا۔

جواب، جن قبروں کو گرا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں نہ کہ  
مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔ اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے  
یہ بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں  
کو حضرت علی نے گرا یا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔

کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام  
کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہذا اس وقت بس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی میں یا آپ

کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ ہاں عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف ص ۶۱ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

أَمَرَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقُبُورِ  
الْمُشْرِكِينَ فَسَيَّسَتْ -  
حضرت علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا ہے  
اکھیر دی گئیں۔

بخاری شریف جلد اول ص ۶۱ میں ایک باب بلذہاب باب هَذَا يُنْبَشُّ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ الْجَاهِلِيَّةِ  
کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیر دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری  
جلد دوم ص ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

أَيُّ دُونَ غَيْرِهَا مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ  
وَأَتَابِعِهِمْ لِيَأْتِيَ ذَلِكَ إِهَانَةٌ لَهُمْ -  
یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی  
قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔  
دوسری جگہ فرماتے ہیں وَفِي الْحَدِيثِ جَوَازُ  
تَصْرِيفِ فِي الْمَقْبَرَةِ الْمَمْلُوكَةِ وَجَوَازُ نَبْشِ  
قُبُورِ النَّاصِرَةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُحَرَّمَةً -  
اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کر دی کہ مشرک  
کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لیے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں  
ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے  
اس لیے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دو اور مسلمان کی قبر کے لیے سنت ہے کہ زمین سے  
ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں  
ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی تو اونچی قبریں اکھیرا دیں اور ان کے فرزند محمد بن حنفیہ ابن عباس رضی اللہ عنہما  
کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھیر سکتے کیونکہ اس میں  
مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سا نہ چھاپنا منع  
ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی  
ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا دیاں پاخانہ کرنا۔ دیاں جو تہ سے چلنا ویسے بھی اس پر  
چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس ہے کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب

جہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یَقْتُلُونَ  
 أَهْلَ الْإِسْلَامِ دِيْتُو كُوْنُ أَهْلَ الْأَصْنَامِ ہر ایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔ حضرت ابن عمر  
 رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی حدیث سے سنا لانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرما بیٹے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کیانی  
 ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لیے قبر بنایا تو منع ہے۔ زائرین کے آرام کے لیے  
 بنایا تو جائز ہے۔ یعنی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

دَهِيَ إِسْأَسْرَةَ إِلَى أَنْ صَهْرَبَ الْفُسْطَاطِ | ادرہ اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لیے خیمہ لگانا  
 لِعَرْضِ صِيحْحٍ كَالْتَسْتَرِ مِنَ الشَّمْسِ مَثَلًا | جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے نہ کہ  
 لِلْأَحْيَاءِ وَلَا لِإِضْلَالِ الْمَيِّتِ جَائِزٌ - میت کو سایہ کرنے کے لیے جائز ہے۔

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لیے سیالکوٹ گیا۔  
 بہت شوق تھا کہ ملا عبد الحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے  
 کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سا تباہ نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات  
 پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبہ دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارت  
 بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت اِذْ يَبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ہے  
 کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آجکل لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں  
 کو گرامیں گے تاکہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرامنے  
 سے بچا لیتے۔

فَاعْلَمْ أَن هَذَا الصَّنِيعَ كُفْرٌ صَرَاحٌ | توجان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس  
 مَاخُودٌ مِنْ قَوْلِ فِرْعَوْنَ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى | قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل  
 وَكَيْدُهُمْ سَرَبَتْهُ أَنِّي أَخَانُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ | کر دوں وہ اپنے خدا کو بلا سے میں خوف کرتا ہوں کہ  
 أَدِيظُهُمْ فِي الْأَرْضِ النَّسَاءُ - تمہارا دین بدل دیگا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو تجدی دہا بیوں سے اپنی  
 قبروں کو کیوں نہ بچایا، معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم و توقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور  
 علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک



شخص کعبہ کو گرا دے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ مبراہ کر دی گئیں تو اگر بندہ کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا اور لیبار اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرا دیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔

## ۱۴۱ بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا، چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا ادیبار علماء صلحاء کی قبور پر جائز عوام مسلمین کی قبور پر ناجائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت ناجائز ہے اور ضرورتاً جائز ہے اور ادیبار اللہ کی قبور پر صاحب مزار کی عظمتِ شان کے اظہار کے لیے بھی جائز ہے ضرورتیں تین ہیں یا تورات میں مروجے کو دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس پر اس لیے چراغ جلانا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات ادیبار اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لیے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلانے یا چند ان تینوں باتوں کا مخالفین انکار کرتے ہیں۔ اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔



أَصْحَابِنَا يَا أَيُّهَا مَا عَتَيْدًا مِنْ دَضْعِ الرَّيْحَانِ وَالْجَيْرِيدِ سَنَةً لِهَذَا الْحَدِيثِ وَقَدْ ذَكَرَ الْبُخَارِيُّ  
أَنَّ يَرْبُودَ بْنَ الْأَنْصَبِيِّ الْقَحْمَانِيَّ أَوْصَى أَنْ يُجْعَلَ فِي قَبْرِهِ جَيْرِيدٌ تَابَ مَعْلُومٌ مَثْرَاكُمْ مَزَارُكُمْ  
ترجمہ اول ژانسانت ہے۔ طحطاوی علی مرقی الفلاح صفحہ ۳۶ میں ہے۔

قَدْ أَقْبَى بَعْضُ الْأَكْثَمَةِ مِنْ مَتَاخِرِي  
أَصْحَابِنَا يَا أَيُّهَا مَا عَتَيْدًا مِنْ دَضْعِ الرَّيْحَانِ  
وَالْجَيْرِيدِ سَنَةً بِهَذَا الْحَدِيثِ۔  
ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی  
دوجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی  
جو عادت ہے وہ سنت ہے۔

ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض علماء اس کو جائز  
کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے  
عالمگیری کتاب الکرامت جلد پنجم باب زیارت القبور میں ہے۔ دَضْعُ الْمَوْسُ وَدِدِ الرَّيْحَانِ حَبْنِ عَلَى الْقُبُورِ  
حَسَنٌ قُبُورٍ پَرِمْپُولِ اِدْرُخُشْبُورِ كَهْنَا اِمْجَاہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے۔

وَيُؤْخَذُ مِنْ ذَلِكَ وَمِنْ الْحَدِيثِ  
شُدْبٌ دَضِعٌ ذَلِكَ لِلِاتِّبَاعِ وَيُقَاسُ  
عَلَيْهِ مَا عَتَيْدًا فِي سَرْمَانِنَا مِنْ دَضِعِ  
أَعْصَانِ الْأَمْسِ وَنَحْوِهِ۔  
شامی میں اسی جگہ ہے۔ دَعْلِيلُهُ بِالتَّخْفِيفِ  
عَنْهَا مَا لَمْ يَيْسَأْ أَيُّ يَخْفُفُ عَنْهَا بِبُرْكَه  
تَسْبِيحُهَا إِذْ هُوَ الْكَمَلُ مِنْ تَسْبِيحِ الْيَابِسِ  
لِمَا فِي الْأَخْضَرِ نَوْعٌ حَيَاةٍ۔  
اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں  
پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے  
قبروں پر اس کی شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی  
قیاس کیا جاوے گا۔ جن کا ہمارے زمانہ میں رواج ہے  
کمی عذاب کی علت ہے اسکا خشک ہونا یعنی انکی  
تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری  
شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے  
کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔

اس حدیث اور محدثین و فقہار کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر  
مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے  
یہ کہ عذاب قبر کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا سے  
کمی ہوتی۔ تو حدیث میں خشک نہ ہونے کیوں قید لگائی جاتی؟ لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی  
النشأ اللہ میت کو قائمہ ہوگا۔ بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کپار رکھنے میں یہ ہی مصلحت ہے۔ کہ بارش

میں اس پر سبز گھاس جھے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تو سہر چیز قبر مومن پر جائز ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیے۔ نہ کہ قبور اولیاء پر۔ ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں۔ جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔ مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لیے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لیے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں۔ دیکھو مسجد کی طرٹ چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کو مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔ اس قاعدے سے لازم آتا ہے کہ صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوت قرآن سے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ شامی جلدہ کتاب الکرامیت باب اللبس میں ہے۔

قَالَ فِي فَتَاوَى الْحَجَّةِ وَتَكَرَّرَ الشُّؤْمُ عَلَى الْقُبُورِ وَلَكِنْ نَحْنُ نَقُولُ الْآنَ إِذَا قَصِدَ بِهِ التَّعْظِيمُ فِي عِيُونِ الْعَامَّةِ كَمَا يَحْتَقِرُ وَأَصَابَ الْقَبْرِ بِلِجَبِ الْمُحْشَوِّهِ وَالْأَدَبِ لِلْعَفْلِيِّينَ وَالْتِهَانِ فَهَذَا جَائِزٌ لَكَاتِ الْأَعْمَالِ بِالنِّيَّاتِ -

یعنی فتاویٰ حجج میں ہے کہ قبروں پر غلاف پر دے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔

شامی کی اس عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔ وہ جائز ہے اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔ اس کو منع نہ فرمایا۔ صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔ جو نہایت قیمتی ہے۔ آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی غلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لیے احترام اولیاء کے لیے ان کی قبور پر بھی غلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ اسورہ توبہ زیم

آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنَ اَمَنَ بِاللّٰهِ هے۔

علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلات اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز کام میں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔

فَسَاءَ الْقَبَاتِ عَلَى قُبُورِ الْعُلَمَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ  
وَوَضَعُ السُّتُورِ وَالْعَمَامِ وَالنِّبَابِ عَلَى قُبُورِهِمْ  
أَمْرٌ جَائِزٌ إِذَا كَانَ الْقَصْدُ بَدَأَ التَّعْظِيمِ فِي أَعْيُنِ  
الْعَامَّةِ حَتَّى لَا يَحْتَقِرُ رِصَابُ هَذَا الْقَبْرِ۔

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃ اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لیے چراغ روشن کرنا جائز

ہے۔ چنانچہ حلیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۲۲۹ میں ہے۔

قبروں پر چراغ لے جلانا عمت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لیے کہ یہ ولی کی قبر ہے تاکہ لوگ اس سے برکت حاصل کر لیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔

إِخْرَاجُ الشُّمُوعِ إِلَى الْقُبُورِ بِدْعَةٌ وَ  
إِنْدَانُ مَالٍ كَذَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَهَذَا أَكْلُهُ  
إِذَا خَلَعَ عَن قَائِدَةٍ وَآمَّا إِذَا كَانَ مَوْضِعَ الْقَبْرِ  
مَسْجِدًا أَوْ عَلَى طَرِيقٍ إِذَا كَانَ هُنَاكَ أَحَدٌ جَالِسًا  
أَوْ كَانَ قَبْرِيٍّ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ أَوْ عَالِمٍ مِّنَ  
الْمُحَقِّقِينَ تَعْظِيمًا لِرُوحِهِ إِعْلَامًا لِلنَّاسِ أَنَّهُ  
وَلِيٌّ لِّيَتَرَ كُوَابِهِ وَيَدْعُو اللَّهَ تَعَالَى عِنْدَهُ  
فَيَسْتَجَابُ لَهُمْ فَهِيَ أَمْرٌ جَائِزٌ۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ میں ہے

اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بتیاں جلانا انکی عظمت کیلئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لیے تیل اور موم سنی کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لیے ان کی قبر کے پاس جلالی جامیں جائز ہے اس سے منع نہ کرنا چاہیے۔

وَكَذَا الْيَقَادُ الْقُنَادِيلِ وَالشُّمُوعِ عِنْدَ قُبُورِ  
الْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَالْإِجْلَالَ لِلْأَوْلِيَاءِ  
فَالْمَقْصِدُ فِيهَا مَقْصِدٌ حَسَنٌ وَتَدَارُ  
الزَّيْتِ وَالشُّمُوعِ لِلْأَوْلِيَاءِ يُوقَدُ عِنْدَ قُبُورِهِمْ  
تَعْظِيمًا لَهُمْ وَحُبَّةً فِيهِمْ جَائِزٌ لَا يَبْغِي  
النَّهْيُ عَنْهُ۔

علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہی مضمون تحریر فرمایا۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہیے کہ اچھا لباس پہننے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لیے کہ اس سے لوگ ملنا لگا کر کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہیے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی دہائیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور حظیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازے کعبہ پر شمع کا قوری چار چار جلائی جاتی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ معظمہ سے کہیں بڑھ کر روشنی پائی۔ یہاں کے بلب تیز اور زیادہ تھے بہت رونق تھی۔ ایک صاحب نے کہا کہ کعبہ بیت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لیے۔ تو مفاہیر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی تھی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا بُرائی ہے؟ آج ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقع پر چراغ لگاتے ہیں یا بجائے چراغ یا لائٹیں کے گیس جلاتے ہیں۔ جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مدارس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ روشنی پر خرچ ہو جاتا ہے۔ ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں دیوبندیوں نے جمعیت العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب میں کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لیے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں سے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

## دوسرا باب

### اس پر اعتراضات و جوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔  
اعتراض (۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا إِنَّ اللَّهَ كَرِيمٌ مُّزْنَانٌ نَّكَسُوا لِحَجَّاسْرَةَ وَالطَّيْنِ رَبُّ نَعَمَ

ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں، مشکوٰۃ باب التصاویم اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

**جواب ۱۔** اس سے مکانات کی دیواروں پر بلا ضرورت تکلفاً پر سے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا بیان ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے اسی حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔ اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضۃ رسول اللہ علیہ السلام پر سبز اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ وہ جائز ہے۔ تو قبور کی چادر بھی جائز۔

**اعترض (۲)** قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا دہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہذا منع ہے اولیاء کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لیے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

**جواب ۲۔** اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فائدہ ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہذا یہ اسراف نہیں۔ رہا کام چلنے کا عذر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتے اس پر داسکت اس پر انکین سمبنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرنے میں چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہوا یا کہ نہیں۔ اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک، سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا تھا۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَهَا لِلنَّاسِ

**اعترض (۳)** مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَايِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَخَذِينَ عَلَيْهَا الْمَسْجِدَ وَالشَّرْحَ۔

یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جھلانے والوں پر۔

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جھلانا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اِخْرَاجُ الشُّعُوبِ إِلَى الْمَقَابِرِ بِيَدَعَةٍ لَا أَصْلَ لَهَا۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے۔ یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

أَمَّا لَوْ نَدَّرْنَا لِرَيْبَاتٍ قَدِ تَدْبِيلُ كَوْنِ صَبْرٍ نَجِ  
الشَّيْخِ أَدْفِي الْمَنَاسِرَةِ كَمَا تَفْعَلُ النِّسَاءُ مِنْ نَدْلِ النَّبِ  
لِسَيِّدِي عَبْدِ الْقَادِرِ وَيُوقَدُ فِي الْمَنَاسِرَةِ  
جِهَةَ الشَّرْقِ فَهُوَ بَاطِلٌ۔

لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے  
لیئے تیل کی نذرمانی جیسے کہ عورتیں حضورِ غوثِ پاک  
کے لیئے تیل کی نذرمانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ  
میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشادِ الطالبین میں لکھا ہے کہ چراغاں کردن بدعت است۔ پیغمبر  
خدا بر شمع افروزان نزد قبر و سجدہ کنندگان لعنت گفتم۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضورِ علیہ السلام نے  
قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنیوالوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاویٰ میں  
صفحہ ۱۰۱ پر ہے۔ داماد تکاب محرمات از روشن کردن چراغها و طبعوس ساختن قبور بدعت شنیعہ اند۔ لیکن  
عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیئہ ہیں۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں  
ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ یہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جبکہ اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے  
جواب: یہ اعتراض حقیقت میں پھلا اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت  
شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر پاندہ  
چراغ جلانا منع ہے کہ یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ فائدہ کل چار بیان کیے۔  
تین تو عام مومنین کی قبروں کے لیئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح ولی مشائخ و علماء کی قبور کے لیئے۔ اس  
حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بیفائدہ ہو۔ چنانچہ حاشیہ مشکوٰۃ  
میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

وَاللَّهِ عَنِ اتِّخَاذِ الشَّرْحِ لِمَا فِيهِ  
مِنْ تَضْيِيعِ الْمَالِ۔

قبروں پر چراغ جلانے سے اسلئے ممانعت ہے کہ اس میں  
مال برباد کرنا ہے۔

اسی طرح مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیقہ نذیہ شرح طلیقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹  
مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

أَيُّ الَّذِينَ يُوقِدُونَ الشَّرْحَ عَلَى  
الْقُبُورِ عَبَثًا مِنْ غَيْرِ فَايْدَةٍ۔

ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ  
عبث چراغ جلاتے ہیں۔







قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کر رہے ہیں وہ فرما رہے ہیں کہ چراغ جلائیے نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت در مختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

وَأَعْلَمُ أَنَّ الشَّرَّ الَّذِي يَقَعُ لِلْأَمْوَاتِ  
مِنَ الْكَثْرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ  
وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرِّهِمْ الْأَذْلِيَاءِ  
تَقَرُّ بِأَيْبِهِمْ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ۔

جاننا چاہیے کہ عوام جو مردوں کی نذر میں مانتے ہیں اور ان سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لیے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لیے وہ بالاجماع باطل ہے۔

اور خود شامی کی عبارت میں بھی ہے۔ لَوْ شَدَّ الرَّاسُ لَمَنْتَ مَانِي۔ پھر اسی شامی کی عبارت میں ہے

فَوَقَّ ضَرِّهِمْ الشَّيْخُ۔ شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ "ضریح گوریا مگنا کے کہ درمیان گور سازند اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ نور قبر کے تعویذ پر چراغ جلانا منع ہے۔ اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلدار بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے چراغ جلاتے ہیں یہ بھی حرام ہے اسکو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔ غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔ اور ان کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنیکی نیت سے۔ خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کے کسی کے نام کے چراغ جلانا۔ عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ۔ بعض جہلدار کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور دہاں چراغاں کرتے ہیں کہ دہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی دہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا دہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو دہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب القلوة بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا بَابُ الْمَسْجِدِ الَّتِي طَرِيقُ الْمَدِينَةِ اس میں بیان فرمایا کہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنا دی گئیں تھیں۔ مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدنا ابن عمر اس مسجد میں نماز پڑھتے تھے بلکہ دہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی

قَلَّمَ يَكُنُ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَمْرٍو يُصَلِّي فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتَوَكَّهُ عَنْ تَسَاوُرِهِ يَهِيَ كَيْفَ تَعْمَلُ بَرَكَتِ  
حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی نمازوں میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے  
ہیں۔ لہذا خواجہ جمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی، ان کی زیارت کرنی۔  
۔ ان کو متبرک سمجھنا کثرت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ ۱۰۔ اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔ نذر لغوی ہے۔ جس کے  
معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو  
حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لیے فرماتے ہیں تَقَرُّ بِأَلْيَتِهِمْ نَذْرٌ شَرَعِي عِبَاد  
ہے وہ غیر اللہ کے لیے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مرض  
اچھا ہو گیا تو میں آپ کے نام کی دیگ پکاؤں گا۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہونا کہ آپ میرے خدا  
میں اس بیمار کے اچھے ہونے پر میں آپ کی یہ عبادت کرؤں گا بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کرؤں گا۔  
اللہ کے لیے اس پر جو ثواب ملے گا۔ آپکو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہو گیا۔  
تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کرؤں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اسی کو شامی نے کتاب الصوم بحت اموات میں  
اس طرح بیان فرمایا۔

بِأَنَّ تَكُونَ صِيغَةُ التَّذْمِيرِ لِلَّهِ تَعَالَى | صِيغَةُ نَذْرِ كَاللَّهِ عِبَادَتِ كَيْفَ هُوَ شَيْخِ كَيْ  
لِلتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ وَيَكُونُ ذِكْرُ الشَّيْخِ مَرَادًا بِهِ فَقَوْلُهُ | قَبْرٍ رُبَّمَا وَاسِعٍ نَقَرًا اس کا مصرف ہوں۔

یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لیے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لیے اس صدقہ کا  
مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے  
لیٹے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف ہوگا۔ نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا  
اِنَّي سَدَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مَحْتَرًا دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔ وَالَّتَيْنِ وَالَّذِي تَوُونَ وَكَلْمًا مَسِينِينَ وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے  
فرمایا اَفْلَحَ دَائِبَهُ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم میں پر احکام قسم  
کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔ مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لیے ہو وہ  
جائز یہ ہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں چراغ کے لیے تیل بھیجوں گا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس نذر کو پورا کر دو۔ مشکوٰۃ باب النذور میں ہے کہ کسی نے نذر ماننی تھی کہ میں بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کروں گا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی دہاں بت وغیرہ نہ ہو تو نذر پوری کر دو۔ کسی نے نذر ماننی تھی کہ بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقرا کی قید لگانا جائز ہے اسی طرح یہ بھی ہے فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخطر والا باحت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔ (رشید احمد)

مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر ماننی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ اُمد سے بجزیت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دت بجاؤں گی یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ مگر صنف لفظ نذر کے دو معنی ہیں لغوی اور شرعی۔ لغوی معنی سے نذر بزرگان دین کے لیے جائز ہے بمعنی نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَلْيَطُوفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ** پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے **يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمِ** ان یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تاکہ کراہت تحریمی و حرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لیے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت و حرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز صاحب وقاضی صاحب تو چراغاں اور مزارات کی چادروں کو حرام فرماتے ہیں مگر شامی چادروں کو اور صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب حدیقہ نذیری چراغاں کو جائز بلکہ مستحب فرماتے ہیں یقیناً ان کا قول زیادہ لائق قبول ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز وقاضی صاحبان علیہما الرحمۃ و رضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضۃ مطہرہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بدعتوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے کیونکہ دہاں غلاب بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ مقام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان رد صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جائے۔

جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ مذکور میں فرماتے ہیں کہ مذکورہ ایسے جا مستعمل پیشو اور معنی شریعی است چہ عرفہ است کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز گویند۔

۱۵۰۰ ہجری میں شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بیشک اس کے استحباب کی دلیل ہے یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار و مشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوٰۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک بڑے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو خواہ فرار نکالے یا کچھ عرصہ بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔ "مراد نفی و ابعاد اہل شرک و فساد است از ساخت عتات این بلدہ طیبہ و خاصیت مذکورہ دروے در جمیع ازمان ہویدا است اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام شرک و مفسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے۔ لہذا علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک و بدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکیہ کی ایجاد ہے۔ امام اجل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۳ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضہ مطہرہ کے ارد گرد لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔

امام سبکی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزیل السکینہ علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی

وَأَمَّا مَعَالِمُ الْحَجْرَةِ الشَّرِيفَةِ الَّتِي تَعَلَّقُ حَوْلَهَا مِنْ قَنَادِيلِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَخَوَّجَهَا فَلَمْ أَقِفْ عَلَى ابْتِدَائِ أَحَدٍ مِنْهُمَا۔

اسی مقام پر فرماتے ہیں وَقَدْ أَلَّفَ الشَّيْخُ تَالِيفًا سَمَّاهُ تَنْزِيلُ السَّكِينَةِ عَلَى قَنَادِيلِ الْمَدِينَةِ وَذَهَبَ فِيهِ إِلَى جَوَازِهَا وَصِحَّتْ وَفِيهَا وَعَدَمُ جَوَازِ صَرْفِ شَيْءٍ مِنْهَا لِجَمَاعَةِ الْمَسْجِدِ۔

الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔

بحث خاتمۃ پنجاب اور یورپی دکھتیا اور میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تلاویح کی



## پہلا باب اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے اہادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے بشکوۃ شریف کتاب الجنائز باب ما یقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اپنے مردوں کو سکھاؤ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دینا وہی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لیے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا کہ اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہو تو عمر بھر کا کرا دھرا سب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئے تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لیے زندوں کو چاہیے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنا میں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو لہذا اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مرد یا جو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مرد چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں لہذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا موتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔

دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الہی سے انس حاصل کرتی ہے

أَمَّا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ فَالْحَدِيثُ لَقِنُوا مَوْتَكُمْ مَحْمُولٌ عَلَى حَقِيقَتِهِ وَقَدْ رَوَى عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ أَمَرَ بِالتَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ فَيَقُولُ يَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ أَذْكَرُ دِينَكَ الَّذِي كُنْتَ عَلَيْهَا۔

شامی میں اسی جگہ ہے۔ وَإِنَّمَا لَا يَنْهَى عَنِ التَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ فِيهِ بَلْ فِيهِ نَفْعٌ فَإِنَّ الْمَيِّتَ يَسْتَأْنِسُ بِالذِّكْرِ عَلَى مَا وَدَّ فِي الْأَنْثَارِ



جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس حدیث اور ان عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعد اس کو کلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ نکیرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ آذان میں کلمہ بھی ہے۔ اس لیے یہ آذان بھی تلقین میت ہے اور مستحب ہے بلکہ آذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکیرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرا دین کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کو تو کیا کہنا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔ دوسرے کا جواب ہوا حَيٌّ عَلٰی الصَّلٰوةِ یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ۔ درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ آذان کہنا سنت ہے جس کو اشعار میں یوں فرمایا ہے

فَرَضُ الصَّلٰوةِ وَفِي اُذُنِ الصَّغِيْرِ وَفِي  
خَلْفِ الْمَسَافِرِ وَالْغِيْلَانِ اِنْ ظَهَرَتْ  
وَزَيْدٌ اَرْبَعٌ ذُوْهُمِةٌ وَذُوْ غَضَبٍ  
وَقَتَّ الْحَرِيْبِيُّ وَالْحَرَبِ الَّذِي دَعَا  
فَاَحْفِظْ لَيْسَتْ مَنِ الَّذِي قَدْ شَرَعَا  
مَسَافِرٌ صَدَّ فِي قَفْرِهِ وَمَنْ صَرَعا

نماز پنجگانہ کے لیے بچہ کے کان میں۔ آگ لگنے کے وقت۔ جبکہ جنگ واقع ہو۔ مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر۔ غصہ والے پر۔ جو مسافر راستہ بھول جاوے۔ اور مرگی والے کے لیے۔ شان میں اسی کے تحت ہے۔ قَدْ لَيْسَتْ اِلَّا اُذَانُ بَغِيْرِ الصَّلٰوةِ كَمَا فِي اِذَانِ الْمَوْلُوْدِ وَالْمَهْمُوْمِ وَالصَّرُوْمِ وَالْغَضَبِيَّانِ وَمَنْ سَاءَ خَلْقُهُ مِنْ اِنْسَانٍ اَوْ بَهِيْمَةٍ وَعِنْدَ مُرَدِّهِمُ الْجَيْشِ وَعِنْدَ الْحَرِيْبِيِّ وَقِيْلَ عِنْدَ اِنْزَالِ الْمِيْتِ الْقَبْرِ قِيَاسًا عَلٰی اَوَّلِ خُرُوْجِهِ لِلسَّنِيَا لِيَكُنْ مَرَدًّا اِبْنُ حَجْرٍ فِي شَرْحِ الْعُبَابِ وَعِنْدَ تَقْوِيْلِ الْغِيْلَانِ اَيْ تَمَرٌ وَالْحَيِّتُ۔

نماز کے سوا چند جگہ آذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں، غمزدہ کے، مرگی والے کے، غصہ والے کے کان میں۔ جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہو اس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت۔ میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس آذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمۃ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ ان شاء اللہ۔

مشکوٰۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اتم بلال کی آذان سے رمضان کی سحری

ختم نہ کر دو۔ وہ تو لوگوں کو جگانے کے لیے اذان دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گوسے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سوتے کو جگانے کے لیے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔

اذان کے سات ناندے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ ناندے عرض کیے دیتے ہیں۔ خود معلوم ہو جائے گا کہ میت کون کون میں سے کون کون سے ناندے حاصل ہوئے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جو بات ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے۔

اِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ لَهْ  
صَرَاطِحَ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّيْدِيْنَ۔

جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوزنگتا ہوتا  
بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو درغلا تا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بھاگتا ہے۔ کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں فیل ہو جاوے۔

اللَّهُمَّ احْفَظْنَا مِنْهُ چنانچہ نوادر الوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

اِنَّ الْمَيِّتَ اِذَا سُئِلَ مِنْ شَرِّكَ  
يُرَى لَهُ الشَّيْطَانُ فَيَسْتَبْرِئُ اِلَى نَفْسِهِ اِنِّي  
اَنَا شَرِّكَ فلهذا دَسَّرَ سَوَالَ التَّنْبِيْتِ  
لَهُ حِيْنَ سُئِلَ۔

یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب  
کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے  
کہ میں تیرا رب ہوں۔ اسی لیے ثابت ہے کہ حضور  
علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے  
لیے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور مہکانے والا کیا  
تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابو نعیم اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے  
روایت فرمائی۔ نَزَلَ اَدَمُ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَنَادَى يَا اَدَا اَذَانِ حضرت آدم  
علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح  
مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت  
عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تاریک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں



ابن عیینہ فرماتے ہیں۔ ذِکْرُ الصَّالِحِينَ تَنْزِيلُ الرَّحْمَةِ اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ غرضکہ ہماری تھوڑی سی جیشِ زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا باعثِ ثواب ہے، شامی بابِ سنن الوضوء میں ہے۔ الْأَصْلُ فِي الْأَشْيَاءِ الْأَيْبَاحَةُ۔ تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی جس کو شریعتِ مطہرہ منع نہ کرے وہ مباح ہے اور جو مباح کام نیت خیر سے کیا جائے وہ مستحب ہے، شروع مشکوٰۃ میں ہے اِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ شامی بحثِ سنن الوضوء میں ہے۔

إِنَّ الْفَرْقَ بَيْنَ الْعَادَةِ وَالْعِبَادَةِ هُوَ  
النِّيَّةُ الْمُتَقَيِّمَةُ لِلِإِخْلَاصِ۔  
عادات اور عبادت میں فرق نیتِ اخلاص سے ہے  
یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ درمختار بحثِ مستحبات الوضوء میں ہے۔

دُمُتَعَبُهُ هُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
كَرَّةٌ دَسَّرَكُهُ أُخْرَى وَمَا حَبَبَهُ السَّلَفُ۔  
مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا  
کبھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا سمجھتے

شامی بحثِ دفن زیر عبارات ولا یجبص ہے۔ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا سَرَّاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ  
عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ان عبارات سے ثابت ہوا کہ  
چونکہ اذانِ قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اسکو بہ نیتِ اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کیلئے کیا جاتا ہے لہذا یہ  
ہے۔ اور چونکہ مسلمان اسکو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے۔ خود یونیندیوں کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ  
رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین بعد دفن ثابت یا نہیں تو جو بت یہ مسئلہ  
عہد صحابہ مختلف فیہا ہے اسکا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی جس پر عمل کرے درست ہے۔ رشید احمد

## دوسرا باب

### اذانِ قبر پر اعتراضاتِ مجاہدات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض لا، قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور مرد بدعتِ حرام لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں  
وہ ہی پرانا سبق۔

جواب :- ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح و تکبیر حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور اس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہار فرماتے ہیں کسج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (مدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہذا یہ سنت سے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو حسن ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کر چکے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرنا قرونِ ثلاثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

الجواب :- قرونِ ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ رشید احمد عفی۔

اسی کتاب میں صفحہ ۸۸ پر ہے کہ کھانا تاریخ معین پر کھلانا بدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا۔ رشید احمد۔

کہتے جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں حرام ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری :- مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلباء سے کرایا جاتا ہے اہل حاجت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کیے جاتے ہیں۔ شاید یہ بدعت اس لیے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراف (۲) شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کیے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا لکن سداً ابنِ مہاجر فی شرح العباب اس اذان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کر دی ہے معلوم ہوا کہ اذان قبر مرد ہے۔

جواب :- اذلا تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے اور امام ابن حجر شافعی اسکی تردید کرتے ہیں تو بناؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر وہ دوم امام ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونیکا انکار کیا یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پرسیح

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقع پر فرمایا وَقَدْ يَسْنَ الْأَذَانَ ان موقولوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا سَرَدًا اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کس چیز کی تردید ہوئی؟ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لیے عقل و ایمان کی ضرورت ہے تیسرے یہ کہ اگر مان بھی ہو کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت یا حرمت ثابت ہو سکتی ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کے لیے دلیل شرعی کی ضرورت ہے، بلا دلیل شرعی کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ شامی بحث مستحبات الوضوء میں ہے۔

دَلَايِلُهُمْ مِنْ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوتٌ  
اَلَكْرَاهَةُ اِذَا لَبَّدَالَهُ مِنْ دَلِيْلِ خَاصٍ -

ترک مستحب سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ  
کراہت کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔

شامی جلد اول بحث مکروہات السنۃ والمندوب میں ہے۔

تَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ لَا يَلْزِمُ مِنْهُ اَنْ يَكُوْنَ  
مَكْرُوْهَاً اَلَا بِنَهْيٍ خَاصٍ لِاَنَّ الْكْرَاهَةَ حُكْمٌ  
شَرْعِيٌّ فَلَا يَبْدُلُهُ مِنْ دَلِيْلِ خَاصٍ -

مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو  
جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت نام شرعی  
ہے اس کے لیے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

آپ تو اذانِ قبر کو حرام فرماتے ہیں۔ فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔  
اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذانِ قبر کو قتل سے بیان کیا اور قیل منعف کی علامت ہے تو جواب یہ کہ فقرہ قیل  
ضعف کے لیے لازم نہیں۔ شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ فَمَنْ عَصَى الْمُحْتَسِبِ بِقِيْلِ لَيْسَ يَلْزِمُهُ الْقَوْلُ  
اسی طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر مع الجنائزہ کے لیے فرمایا قِيْلَ تَحْرِيْمًا وَتَقِيْلَ تَنْزِيْهًا۔ دیکھو یہاں دو قول تھے اور  
دونوں قیل سے نقل کئے۔ عالمگیری کتاب الوضوء بحث مسجد میں ہے وَقِيْلَ هُوَ مَسْجِدٌ اَبَدًا اَذْهَبَ الْاَضَمُّ مِيْلًا صِيْحٌ  
قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل منعف نہیں۔ اور اگر ان جی دیا جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا  
نہ کہ جائز کہنا کیونکہ یہ سنت ہی کا قول ہے ہم بھی اذانِ قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراف (۳) فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جاننا فتح کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذانِ قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہذا حرام ہے  
چنانچہ بحر الرائق میں ہے۔ وَيَكْرَهُ اَنْ يَدْخُلَ الْقَبْرِ مِمَّا لَمْ يُعْهَدْ مِنْ السُّنَّةِ وَالْمُهَوَّدُ مِنْهَا لَيْسَ اِلَّا بِمَنْزِلَةِ  
وَالدُّعَاءِ عِيْدًا هَا قَائِمًا۔ شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لَا يَسْنَ الْأَذَانَ عِنْدَ ادْخَالِ الْمَيِّتِ  
فِي قَبْرِهِ كَمَا هُوَ الْمُعْتَادُ اَلَا اَنْ دَقَّ صَوْرَتَهُ

یعنی میت کو قبر میں آرتے وقت اذان دینا سنت نہیں  
ہے۔ جیسا کہ اسکل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح

حَجَرٍ بَأْتُهُ بِدَعْوَةٍ وَقَالَ مَنْ ظَنَرَ  
أَنَّهُ سَنَّه فَلَمْ يُصِبْ -

فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جائے  
وہ درست نہیں کہتا۔

والبحار میں ہے مِنَ الْبِدَعِ الَّتِي شَاعَبَتْ  
فِي بِلَادِ الْإِهْدَاءِ الْأَذَانَ عَلَى الْقَبْرِ بَعْدَ الدَّفْنِ -

جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان  
میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔

توضیح شرح تنقیح میں محمود لکنوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اَلْأَذَانَ عَلَى الْقَبْرِ لَيْسَ بِشَيْءٍ قَبْرٍ پَرِ اِذَانَ دِينَا  
کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائتہ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت  
نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب :- بحر الرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست  
ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا  
سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر  
وقت دفن بھی ۳۱ میں شامل ہے پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن  
تلقین کرنا جس کو فتاویٰ رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مرد کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر  
بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع میں۔ وہ ہی عبارت بحر الرائق کا مقصود ہے  
ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت  
ہے اور بحر الرائق میں فرما ہے میں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے مولوی  
اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان  
فرماتے ہیں : "وبعدہ بوقت کرہ طواف کند دوران تکبیر بخواند و آغاز از راست کند و بعدہ طرف پایاں رخسار  
نہد" یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کے در و اسمی طرف سے شروع کرے اور  
قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسار رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان  
صفحہ ۶ پر دیتے ہیں یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم و تقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی نعمت  
نسوس شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے ارد گرد پھرنا واسطے پیدا کرنے نسبت  
وحی کے صاحب قبر کیساتھ اور بسنے فیوض کے اس کی نظیر حضرت جابر کے قصبے میں وارد ہوتی ہے جبکہ  
۱۱ کے دائرہ مقروض ہو کر وفات پاگئے اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام

سے عرض کیا کہ بارغ میں تشریف لا کر رعایت کرا دیجئے حضور علیہ السلام بارغ میں رونق افروز ہوئے اور چھوڑ دیا  
 کے انبار لگا کر بڑے انبار کے گرد میں بار پھر سے۔ طاف حولاً عظیمہا بیداراً یہ حضور کا پھر انوار طواف  
 نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے  
 کیسے اگر اذان قبر اس میں منع ہے کہ قبر پر بجز زیارت و دعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے  
 فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہذا بحر الرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں۔ پر ظف بات یہ  
 ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے طواف جائز اور  
 طواف کرنا، قبر پر رخسارہ رکھنا جائز ہے۔ اسی کو تقویۃ الایمان میں مشرک کہا ہے۔ شامی و توشیح وغیرہ کی عبارتوں  
 کا جواب سوال نمبر ۱ کے ماتحت گذر گیا کہ اس میں سنت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا تو شیخ کافر الیسین (مشافہ)  
 اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت فرض جائز اور مستحب۔ اس سے  
 اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہار کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا بدعت  
 مستبرہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ ہر دلیل کو سنت ثابت نہیں ہوتی۔ مولانا اسماعیل صاحب یونینڈ  
 کے پیشرو میں ان کا قول حجت نہیں۔ اور نیز قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہہ ہے۔ ورنہ  
 قرآن کے سپہا سے ادراغ اور بخاری بھی مکروہ ہو گئی۔ کیونکہ یہ سنت سے ثابت نہیں۔ در مختار باب صلوة  
 البیدین مطلب فی تکبیر التشریح میں ہے۔ دَوُّ قَوْلِ النَّاسِ يَوْمَ عَرَفَةَ فِي غَيْرِهَا تَشْدِيدٌ ذَا بَأْسٍ لَوْ اتَّقَيْنَ لَيْسَ بِشَيْءٍ  
 اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔ وَهُوَ تَكْرَاهٌ فِي مَوْضِعِ التَّقِي قَنَّعُوا أَلْوَاعَ الْعِبَادَةِ مِنْ فَرْضِ دَوِّ حَبِ  
 وَصَلَحَتْ ذَبَقِيَّتِ الْإِبَاحَةِ قِيلَ يُسْتَحَبُّ۔ ہدایہ کے ماشریح میں ایسی شئی کے ماتحت فرماتے ہیں۔  
 اِنِّي لَيْسَ بِشَيْءٍ يَتَعَلَّقُ بِهِ الثَّوَابُ وَهُوَ يَصْدُقُ عَلَى الْإِبَاحَةِ اِن عِبَارَات سے معلوم ہوا کہ ایسی شئی

مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔  
**اعتراف** (۴) اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے دفن کے وقت کونسی نماز ہو رہی ہے۔ جس کی اطلاع دینا  
 منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

**جواب**:- یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ  
 اذان کتنی جگہ کہنی چاہیے آخر بچ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کونسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام  
 کے زمانہ میں رمضان کی شب میں دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کیلئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے



لطیفہ :- کاٹھیاواڑ میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یو۔ پی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معانقہ رکھے منا کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معانقہ یا مصافحہ اقل ملاقات کے وقت چاہیے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت یہ کیوں ہوتا ہے یہ مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے ہذا حرام ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ معانقہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوٰۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اسکا باندھا باب المصافحۃ والمعانقۃ اور دہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔ حدیث کی روش بتاتی ہے کہ یہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لیے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔ نیز در مختار جلد پنجم باب الکرامیۃ باب الاستبرار میں ہے اِنِّیْ کَمَا تَجُوْذُنِ الْمَصَافِحَةِ وَ لَوْ بَعْدَ الْعَصْرِ وَ قَوْلُهُمْ اِنَّهُ بِدْعَةٌ اِنِّیْ مُبَاحَةٌ حَسَنَةٌ کَمَا اَفَادَهُ التَّوَدُّیُّ فِیْ اَذْکَارِہَا۔

مصافحہ جائز ہے اگرچہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہاء کا فرمانا کہ مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔

اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔

اِعْلَمَنَّ الْمَصَافِحَةَ مُسْتَحَبَّةً عِنْدَ كُلِّ لِقَآءٍ وَّ اَمَّا مَا اَعْتَادَهُ النَّاسُ مِنَ الْمَصَافِحَةِ بَعْدَ صَلَوةِ الصُّبْحِ فَلَا اَصْلَ لَہٗ فِی الشَّرْعِ عَلٰی هٰذَا الْوَجْهِ وَّلٰكِنْ لَا بَأْسَ بِہٖ وَ تَقْبِيْدُہٗ بِمَا بَعْدَ الصُّبْحِ وَّ الْعَصْرِ عَلٰی عَادَةٍ كَانَتْ فِی رَمٰہِہٖ وَّ اِلَّا فَتَعَقَّبَ الصَّلَوَاتِ كُلِّہَا كَذَا لِكَ۔

ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بنا پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہ ہی حکم ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تسبیح نہ ہوئی یہ ہی کبتا رہا کہ مصافحہ معانقہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔ اول ملاقات کے کہتے ہیں؛ بولنا غائب ہونیکے بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہونیکے دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسٹا غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ وہی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگرچہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر جگہ جگہ سے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے سے



ان کو عرس کہا۔ اس لیے وہ دن روز عرس کہلایا۔ یا اس لیے کہ وہ جمالِ مصطفیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دوہا میں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی مہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا۔ اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور احوال فقہار سے ہے۔ شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے۔

ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

وَدَعَى ابْنُ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأَحَدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ تَفْسِيرُ كَبِيرٍ أَوْ تَفْسِيرُ رَمْثُورٍ فِي هِيَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ يَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ يَا صَبْرَتُمْ فَنَعْمَ سَعْبَتَهُ الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ هَكَذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عربیہ صفحہ ۵۴ میں فرماتے ہیں: دوم آنکہ مہینیت اجتماع مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم در میان حاضران کنند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بود اگر کسی اس طور کند باک نیست بلکہ فائدہ اچھا اموات را حاصل میشود۔ دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں مروج نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ زبدۃ النصارح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہما الرحمۃ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "این طعن مبنی است بر جعل بہ احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ را بیچ کس فرض نہی دانند آری تبرک بقبور و امداد ایشان بایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آن است کہ آل روز ذکر انتقال ایشان می باشد از دارالعمل بدر الثوب والاہر روز کہ این عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔" یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سوا کوئی فرض نہیں جانتا ماہ صالحین کی قبروں سے

برکت لینا اور ایصالِ ثواب اور تلاوتِ قرآن اور تقسیمِ شیرینی و طعام سے ان کی مدد کرنا اجماعِ علماء سے اچھا ہے عوس کا دن اس لیے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں: "اوس پیراں بر سنت پیراں لبسماح و صفائی جاری دارند۔" پیروں کا عوس پیروں کے طریقہ سے قرالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد و اشرف علی صاحبان کے پیر حاجی املاؤ اللہ صاحب اپنے فیصلہ جہتِ مستد میں عوس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں: "فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیروں کی روح مبارک پر ایصالِ ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر حاضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عوس کو جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں: "بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عوس و مولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب مشرف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عوس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا عوس کرتے رہے۔ جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے۔ غرض کہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صاحبان خصوصاً اہل مدینہ عوس پر کار بند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔" عقل بھی چاہتی ہے کہ عوس بزرگانِ عمدہ چیز ہو اولاً تو اس لیے کہ عوس زیارتِ قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارتِ قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارة القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں: ہم نے تم کو زیارتِ قبور سے منع فرمایا تھا۔ اَلَا تَرَوْنَ مَا دُھَابُ مِنْ زيارۃ کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارتِ قبور کا جواز معلوم ہوا خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کیئے ہر طرح جائز ہے۔ دوم ایسے کہ عوس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کے جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی، کلمہ طیبہ، درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہو جاتی ہیں۔ تیسرے اس لیے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات

سے واقفیت ہوتی ہے اور آپس میں محبت بڑھتی ہے۔ چوتھے اس لئے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء و صوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کرے۔ آج کل اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں اس میں بھی گذشتہ فوائد ملحوظ ہیں۔ ہم نے یونہی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں رونق، نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ ان کو ایصالِ ثواب، نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیوض۔ امور خیر بند کر نیکی یہ بڑا گناہ ہے۔

## دوسرا باب

### مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں

اعترض (۱) جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو۔ اس کا عرس کرنے پر تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مر یا بے دین ہو کر مرا۔ پھر کسی مردے کی ولایت کیونکر معلوم ہو سکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب:۔ زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں جو زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن و دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور و کفن، نہ تقسیم میراث، نہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کر د شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کر د شاید کافر ہو کر مرا ہو۔ نیز مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب المشی بالجنائزۃ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا **وَجَبَّتْ** واجب ہو گئی۔ دوسرا جنازہ گزرا۔ جسکی لوگوں نے برائی کی فرمایا **وَجَبَّتْ** واجب ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا **انتم شہداء** اللہ فی الآسراض تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ ہی بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں، حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ

مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی کی حدیث نے تصریح فرمائی۔ مَا سَأَلَ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔ قرآن فرماتا ہے: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ | ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی سقائیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی۔ کہ فرمایا۔ و شہد شہد من بہی اسراٹیل علی مثلہ۔ جب صلح مؤمنین کی گواہی سے ثبوت ثابت کی جا سکتی ہے تو ولایت بدرِ جہادِ اولیٰ ثابت ہو سکتی ہے۔ اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہو سکتا ہے تو کسی شریعی مسئلہ کا ثبوت بدرِ جہادِ اولیٰ ہو گا؟

نوسٹ ضمنِ درسی :- یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا۔ ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہ ہی جواب دیا تھا۔ جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے ایسے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہو جائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے۔ أَنْتُمْ بِمِ اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے۔ میں نے کہا اسی مشکوٰۃ میں اسی جگہ ہے: وَفِي مِرْ وَآيَةِ الْمُؤْمِنُونَ شَهَدَاءُ اللَّهُ فِي الْأَشْرَاحِ ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس میں أَنْتُمْ نہیں۔ نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے اَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وغیرہ اور ہم قرآن سن کر ان کے وقت نہ تھے لہذا ہم ان احکام سے بری ہیں۔ یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے ایسے تھے قرآن و حدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو آگیا مگر جواب نہ آیا۔

**اعتراف** (۲) حدیث شریف میں ہے۔ لَا تَتَّخِذُوا قُبُورِي عِيدًا امیری قبر کو عید نہ بناؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر پر لوگوں کا اجتماع کرنا۔ میل لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلاد ہے اور عرس میں اجتماع ہونا ہے میل لگانا ہے لہذا حرام ہے۔

جواب :- یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہو، تنہا تنہا آیا کر۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مکانات کی زینت و آرائشی ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں۔ یہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو باادب آؤ۔ یہاں آکر شور نہ مچاؤ

کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طواف قافلے بھی جاتے ہیں اَللّٰهُمَّ اَسْرُ زَرْفَاہُ  
بعد نماز پنج گانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں  
بحث عرس میں فرماتے ہیں۔ لَا تَتَّخِذُوا قُبُورِي عِيْدًا اِس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ قبر پر مید لگانا اور  
خوشیاں اور زینت و آراستگی دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا  
منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا وَ هَذَا بَا طِلُّ  
پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر افراد و اجتماعات دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم  
ہماری قبر پر جلد بجا کر و مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

**اعتراف** (۳) عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے، ناچ رنگ ہوتے ہیں، توالی گائی  
جاتی ہے۔ غرض کہ عرس بزرگان صد ما محرمات کا مجموعہ ہے اس لیے یہ حرام ہے۔

**جواب ۱۔** اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے  
اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے اور حلال حلال۔ شامی بحث زیارت قبور کتاب  
الجنائز میں ہے۔ دَلَّاتُ تَرْكُ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا  
مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمُفَاسِدٍ كَاخْتِلَاطِ الرَّجُلِ بِالنِّسَاءِ  
وَعَبْرِهَا كَاَنَّ الْقُرْبَاتِ لَا تَتْرُكُ لِمِثْلِ ذَلِكَ  
بَلْ عَلَى الْاِنْسَانِ فِعْلُهَا وَانْكَاسُ السِّدِّعِ  
قُلْتُ وَيُوَيْدَا مَا مَدَّ مِنْ عَدَمِ تَرْكِ  
اِتِّبَاعِ الْجَنَازَةِ وَاِنْ كَانَ مَعَهَا نِسَاءٌ نَائِحَاتٌ۔

زیارت قبور اس لیے نہ چھوڑے کہ وہاں نا جائز  
کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کینہ کران  
جیسی نا جائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے  
بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارت قبور کرے اور بدعت کو  
روکے۔ اسکی تائید وہ گذشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کیساتھ جانا  
نہ چھوڑے اگرچہ اس کیساتھ زخم کونے والیاں ہوں۔

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں  
نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا، آج بازاروں میں ریل کے  
سفروں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت  
طواف میں منیٰ مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا۔  
دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں۔ اسی طرح  
عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں۔ لیکن انکی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو

بلکہ وہاں جاکر ان عیسیٰ ناجائز رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو حدیث میں قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمائیے کہ روم و شام کی عورتیں تو بصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے تفتہ میں نہ ڈالیے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید یوں فرمائی کہ **الْآفِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمِحْيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ** اس عذر کو رب تے کفر اور فریغہ جہنم بتایا۔ دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان یہ بھی عذر آج دیوبندی محض روکنے کے لیے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدقہ حرام رسمیں ہوتی ہیں جن سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح کو حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے۔ جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امدوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہوگانے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لیے جائز فرمایا اور اہل کو حرام۔ اس کی اسل وہ حدیث ہے جو مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک لونڈی دن بجا رہی تھی۔ صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی۔ عثمان غنی آئے۔ بجاتی رہی مگر جب فاروق اعظم آئے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ تو دن کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور علیہ السلام تے ارشاد فرمایا کہ اسے عمر اتم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دن بجانا شیطانی کام تھا یا کہ نہیں۔ اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر و عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے شیطان نے خوف نہ کیا اور اسمیں خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شرکت کیوں کی؟ اور اگر شیطانی کام نہ تھا تو حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروق کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا۔ اور فاروق اعظم کے آتے ہی شیطانی بن گیا بند ہو گیا۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو۔ ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہوگی۔ جیسے کہ مجلس واعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیہ علیہ میں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لیے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ



کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔  
 شامی جلد پنجم کتاب الکرامیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے اَللّٰهُ لَيْسَتْ مِحْرَمَةً لِّعَيْنِهَا  
 بَلْ يَقْضِي اللّٰهُ مِنْهَا الْاَتْرَافِ اَنْ حَضَرَ تِلْكَ الْاَلَةَ بِعَيْنِهَا اَحِلَّ تَارَةً وَحَرَّمَ اٰخَرٰى وَفِيْهِ  
 دَلِيْلٌ لِّسَادَاتِنَا الصُّوْفِيَّةِ الَّذِيْنَ يَقْضُوْنَ بِسَمْعِ عِيْنِهَا اَمُّوْهُمُ اَعْلَمُ بِهَا فَلَا يَبِيْءُ مِنَ الْمَعْتَرِضِ  
 بِالْاِنْكَارِ كِي لَا يَحْرُمُ بَدَنَهُمْ فَاِنَّهُمْ السَّادَةُ الْاَخْيَارُ تَفْسِيْرَاتِ اَحْمَدِيَّةِ پاره ۲۱ سورہ لقمان زیر آیت وَمِنْ  
 النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ فِيْ اس قَوْلِيْ كِي بِيْتِ تَحْقِيْقِ فَرْمَانِ۔ آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قرالی اہل کے لیے  
 حلال ہے اور نا اہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں وَبِهِ نَاخِذُ لَّا نَأْتِيْهِمْ نَا اَنْتَه نَشَاءُ مِنْ قَوْمٍ كَانُوْا عَارِيْفِيْنَ  
 وَمُحِبِّيْنَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَانُوْا مَعْدُوْرِيْنَ لِعَلْبَةِ الْحَالِ وَيَسْتَكْتَرُوْنَ السَّمَاعَ لِلْغِنَاءِ وَكَانُوْا يَحْسَبُوْنَ  
 ذٰلِكَ عِبَادَةً اَعْظَمَ وَجِهًا اَلْكِبْرِيْئِيْلُ لَهُمْ خَاصَّةٌ اَنْتَهٰى مُلْتَحَصًا مَا حَمِي اَمْلَا اللّٰهُ صَاحِبِ فِصْلِهِ  
 ہفت مشلہ میں بحث سے اس قوالی کے متعلق فرماتے ہیں۔ محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جواز جمع ہوں اور  
 عوارض مانع مرتفع ہو جائیں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فتاویٰ رشیدیہ جلد کتاب المغز  
 والا باحتمہ صفحہ ۶۱ پر فرماتے ہیں۔ بلازمیر راگ کا سنا جائز ہے۔ اگر گانے والا عمل فساد نہ ہو اور مضمون  
 راگ کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لیے شرائط  
 کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نا اہل کیلئے حرام ہے۔ قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکرامیہ میں پچھ  
 بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امر، بے ڈاڑھی کالا دکھانا نہ ہو۔ اور ساز سنی جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نا اہل نہ  
 ہو قوالی کی نیت خالص ہو۔ اجرت لینے کی نہ ہو۔ لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے نہ جمع ہوں۔  
 بغیر غلبہ کے وجد میں کھڑے نہ ہوں۔ اشعار خلاف شرع نہ ہوں۔ اور قوالی کا اہل وہ ہے کہ اس کو وجد  
 کی حالت میں اگر کوئی تلوار مارے تو خبر نہ ہو۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سات روز  
 تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے۔ پھر ایک طرف کھانا ہو اور دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار  
 کرے۔ ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قوالیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوالی سنیں بلکہ  
 ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا کہ وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں  
 اور قوالی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں۔ اس لیے عرض کرنا پڑا کہ خود تو قوالی نہ سنو مگر اویا را اللہ جن سے  
 سماع ثابت ہے ان کو برا نہ کہو۔ قوالی ایک درد کی دوا ہے جس کو درد ہو وہ پیٹے جسکو نہ ہو وہ بچے، حضرت مجدد

الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "کہ نہ اس کا رمی کسم نہ انکار می کسم"۔ میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی بڑائیاں آگئیں۔ لہذا اس کے مقابل خواجہ اجیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب ناسق تھے۔ معاذ اللہ۔ ان کلمات سے دکھ پہنچا۔ مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

**اعترض (۴)** اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جائیے حلال حرام نہیں بن جاتا۔ تو تعزیر داری بت پرستوں کے میلے پھیل تماشے، سینما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجموع حرام نہیں بلکہ ان میں جو بڑے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس دلیمیر میں ناچ رنگ دسترخوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حلالا کر قبول دعوت سنت مگر حرام کام کے ملنے سے حرام ہو گئی۔ اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

**جواب**۔ ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو۔ اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کر دے گا۔ اگر فعل حرام اس طرح جز ہو کر داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو خلط کہتے ہیں۔ تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کر دے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا۔ کپڑے کا جز نہ بنا۔ پانی کا جز بن گیا۔ تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح، سفر، بازار وغیرہ میں محرّمات شامل ہو جاتے ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیر داری میں اسراف باجے ناجائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیر داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیر داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کر بلا معنی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرّمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔ الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرّمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا ہے۔ سر بند شریف میں مجدد الف ثانی صاحب کا عرس بالکل محرّمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم کا عرس کرتے ہیں۔ صرف مجلس و عطا اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے۔ نیز مرد عورت قبول کرنا سنت نہیں، نابالغ بچہ کی دعوت۔ اہل میت کی مردوبہ دعوت اغیار کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح جس دلیمیر میں ناچ رنگ خاص دسترخوان پر ہوا اس کا قبول کرنا منع ہے۔



الْبَحْرَيْنِ إِذَا مَضَىٰ حَقْبًا - رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لیے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کیلئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يَا بُنَيَّ أَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ | اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ  
وَآخِيهِ ذَلَيْتَسَّسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ - لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لیے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لیے سفر ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا - اَذْهَبُوا | بِقَمِيصِي هَذَا نَأْتِيكَوَهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي نَأْتِي بِصَيْرًا  
دوران کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے | عَلِيَّ يُوسُفَ أَوْسَىٰ إِلَيْهِ -  
تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

ملاقات فرزند کے لیے سفر ثابت ہوا۔ فرزند ان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فَأَرْسِلْ مَعَنَا آخَانًا نَكْتَلُ وَآيَاتُهُ | ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلام  
لِحَافِظُونَ - گے اور ان کی ضرورت حفاظت کریں گے۔

روزی حاصل کرنے کے لیے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

إِذْ هَبَّ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ - فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

تبلیغ کے لیے سفر ثابت ہوا۔ مشکوٰۃ کتاب العلم میں ہے۔

مَنْ سَخَّرَ جَنِّيَ طَلَبَ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ | جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

حدیث میں ہے - اَطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِأَلْيَمِينٍ - علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔ کریا میں ہے

طلب کردن علم شد بر تو فرض و اگر واجب است از پیش قطع ارض

علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لیے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لیے سفر ثابت ہوا۔

انگلستان میں ہے

برو اندر جہاں تفرج کن ! پیش ازاں روز کر جہاں بروی

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے۔ سیر کے لیے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ | بگلد سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا

كَانَ عَاقِبَةُ الْمَكْنِيِّينَ -

کیا انجام ہوا۔

جن ملکوں پر غزاب الہی آیا۔ ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزاراتِ اولیاء کی زیارت کے لئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الہی نظر آتی ہے کہ اللہ و اے بعد وفات بھی دنیا پر راجح کرتے ہیں اس سے فوقِ عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے

کراچ کل خلیل الرحمن علیہ السلام اور تید بدوی علیہ الرحمۃ

کی زیارت کیلئے سفر کرنا کارواج ہے میں نے اپنے آئمہ

میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء

نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن

امام غزالی نے اس منع کی تردید کر دی فرق واضح فرمایا

لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ و زائرین کو نفع پہنچانے

میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف و اسرار کے۔

مقدمہ شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں

میں امام ابوحنیفہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان

کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی

تو دور کعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر

اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔

اس سے چند امور ثابت ہوئے۔ زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعیؒ اپنے وطن فلسطین سے

بغداد آتے تھے۔ امام ابوحنیفہ کی قبر کی زیارت کے لئے رضی اللہ عنہ صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے

پاس جا کر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا۔ نیز زیاراتِ روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب التخط والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے "زیارت

وَهَلْ تَنْدَابُ الرَّحَلَةِ لَهَا كَمَا اُعْتِيدَا

مِنْ الرَّحَلَةِ اِلَى مَزَارَةِ حَلِيلِ الرَّحْمٰنِ وَ

زِيَارَةِ السَّيِّدِ الْبَدَوِيِّ لَمَّا اَمَرَ مَنْ صَرَخَ بِهٖ

مِنْ اَيُّمِنَا وَمَنْعَ مِنْهُ بَعْضُ الْاَيُّمَةِ الشَّانِعِيَّةِ

فِي سَاعَةِ صَبْحِ الرَّحَلَةِ بِغَيْرِ الْمَسْجِدِ الثَّلَاثِ

وَمَرَدَةِ الْغُرَى اِلَى يَوْمِ مَوْجِ الْفَرَقِ -

شامی میں اسی جگہ ہے وَ مَا الْاَدْلِيَاءُ فَاَتَمَّ مَنَافِعُهُ

فِي الْقُرْبِ اِلَى اللّٰهِ وَ نَفَعَ الزَّائِرِينَ بِحَسَبِ مَعَارِفِهِمْ وَ اَسْرَارِهِمْ

مقدمہ شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں

اِنِّي لَأَتَبَرَّكُ بِاَبِي حَنِيفَةَ وَ اَجِيْ اِلَى

قَبْرِهٖ فَاِذَا عَرَضَتْ لِي حَاجَةٌ صَلَّيْتُ

رَكَعَتَيْنِ وَ سَأَلْتُ اللّٰهَ عِنْدَ قَبْرِهٖ

فَتَقَضَّ سِرِّيْعًا -

بزرگان کے لئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں۔ اور بعض ناجائز و ذرور  
اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلف ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے  
محال ہے۔ رشید احمد عفی عنہ۔

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو  
منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اسلئے  
کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت و حرمت اسکے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت  
قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے اَلَا تَرَوْنَ زُرَّهَا تَوْسَفْرٍ كَيْفَ حَرَامٍ مَرْكَائِ نَبْرِي  
و دنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو۔

## دوسرا باب

### سفر عرس پر اعتراضات جوابات

اعترض ۱۱ مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لَا تَشُدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلَى ثَلَاثٍ مَسْجِدًا  
مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى وَ مَسْجِدِي هَذَا  
تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف سفر نہ کیا جاوے  
مسجد بیت اللہ۔ مسجد بیت المقدس۔ اور میری مسجد  
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبر  
بھی ان تینوں کے سوا ہے۔

جواب۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ  
مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں  
ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے  
جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز  
کیونکہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کیلئے  
سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور  
پھر زیارتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر

قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہونگے۔ آج تجارت کے لیے، علم دین کے لیے، دنیاوی کاموں کے لیے صدقات کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام بظہر بے گمے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے "و بعضی از علماء گفته اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجد سے دیگر جزا میں مساجد سفر جائز نہ باشد و اما مواضع دیگر غیر مساجد خارج از مفہوم این کلام است۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔" مرقات مشرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے

نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سوار ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لیے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔

اس حدیث کی دوسرے کہ الاخر درودھا ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات میں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کریگا جیسے حضرت ابراہیم و موسیٰ و یحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔

ما تحت ہے۔ فی الشرح المسلم للتواری قال ابو محمد یحییٰ مرشد الرحال الى غیر الثلثة وهو غلط و فی الاحیاء ذهب بعض العلماء الى الاستدلال علی المنع من الرحلة لزیارة کما کتبت و قبور العلماء و الصالحین و ما تبین فی ان الامر لیس کذا لک بل لزیارة ذوات ما مؤثر بہا الخیر الا فرور و ہا انما و در ذہبیا عن الشد بغير الثلثة من المسجد لتمام ثلثها و اما المشاہد فلا تسادونی بل بركة من یأمر نھا علی قدر درجاتهم عند الله هل یمنع ذلك القائل عن شد الرحال بقبور الانبیاء کابراہیم و موسیٰ و یحییٰ و المنع من ذلك فی غایة الاحیاء و اولیاء فی معنائہم فلا یبعد ان یکون ذلك من اعراض الرحلة کما ان زیارة العلماء فی الحیوة۔

اسی مشکوٰۃ کتاب الجہاد فی فضا کر میں ہے۔

لَا تَوَكَّبُ النَّبِيَّ إِلَّا حَاجًا أَوْ مَعْمِرًا أَوْ عَازِيًا  
 فَإِن تَعَثَّ النَّبِيُّ نَارًا أَوْ تَحْتِ النَّارِ بَحْرًا  
 دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا عازی یا عمرہ کرنے والا کیسے  
 کیا سوائے ان تینوں کے اور ان کو سفر دریا حرام ہے  
 غرضکہ حدیث کا وہی مطلب ہے جو کہ ہم نے عرض کر دیا۔ ورنہ دنیا کی زندگی مشکل ہو جاوے گی۔  
 اعتراف (۲) اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ۔ پھر کس چیز کو ڈھونڈنے کے لیے اولیاء کے مزاروں پر  
 سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب: اولیاء اللہ رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں ہی سے ملتی ہے ریل اپنی  
 پوری لائن سے گزرتی ہے مگر اس کو حاصل کرنے کے لیے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے  
 ہو گئے تو ریل گزریگی تو سہی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، توکری، تجارت وغیرہ کیلئے سفر کیوں  
 کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض  
 اور وہ تو ہر جگہ ہے آب و ہوا لینے کے لیے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو، وہاں کی آب و ہوا تو تندرستی  
 کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت  
 خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے هُنَالِكَ  
 دَعَا ذُكْرِيًّا رَتَّبْتُ مَعْلُومًا كَرِيْمًا عَلِيًّا السَّلَامُ نَعْتُهُ مَرِيْمًا كَرِيْمًا كَرِيْمًا كَرِيْمًا كَرِيْمًا  
 کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔  
 اعتراف (۳) جس درخت کے نیچے بیت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اسکو زیارت گاہ بنا لیا تھا۔ حضرت  
 عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنا نا فعل عمر کے خلاف ہے۔

جواب: یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو سرگز نہیں کٹوایا، بلکہ وہ اصل درخت  
 قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت  
 کی زیارت شروع کر دی تھی اس غلطی سے بچانے کے لیے فاروق اعظم نے اس دوسرے درخت کو  
 کٹوایا۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال مبارک  
 تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔ مسلم جلد  
 دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوة المدینہ میں ابن مسیب  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ كَانَ  
 میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے



حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لیے گئے۔ تو اسکی جگہ ہم پر مخفی ہو گئی۔ پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پانہ سکے۔

أَبِي مَيْمَنٍ يَا يَعِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الشَّجَرَةِ قَالَ نَاظِلَقْنَا فِي قَابِلٍ حَاجِبِينَ فَخَفِيَ عَلَيْنَا مَكَانَهَا۔

بخاری میں ہے فَلَمَّا خَرَّ جُنَامِنَ الْعَامِ الْمَقْبَلِ لَسِينَا هَا قَلَمَهُ نَقْدِمُ عَلَيْهِهَا۔

پھر یہ کیونکہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے اصل درخت کٹوایا۔

## بحث۔ کفنی یا الفنی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یاد گیر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مرد کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اس کے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

### پہلا باب کفنی یا الفنی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ و شجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا اذْهَبُوا بِقَبِيصِي هَذَا اَفَالْقَوْمِ عَلَى رَجِهِ اَبِي يَأْتِ بَعِينًا۔ میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکی بار سے ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشا ہے۔ کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جو بیات یاد آجائیں۔

مشکوٰۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر ہم میت سے متصل رکھ دو۔ اس کے ماتحت لمعات

میں ہے هَذَا الْحَدِيثُ أَصْلٌ فِي التَّبْرُكِ  
بِأَثَارِ الصَّالِحِينَ وَبِاسْمِهِمْ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ  
مُرِيدِي الْمَشَائِخِ مِنْ لَبْسِ أَقْبِصِهِمْ فِي الْقَبْرِ

یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور ان کے کپڑوں سے  
برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض  
مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔

اسی حدیث کے ماتحت اشعة اللغات شریف میں ہے ”دریں جا استجاب تبرک است لباس صلیب  
و آثار ایشال بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنین بودہ“ اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے  
لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے  
تھایہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال  
میں فرماتے ہیں: ”چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ابیات و کلمات کہ مناسب معنی عفو  
مغفرت باشد در کاغذے نویسی و با کفن سپراہ کنی۔“ جب انکی وفات کا وقت قریب ہوا تو فرمایا کہ بعضی  
اشعار اور کلمات جو کہ عفو بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا  
شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: ”شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان  
لیکن این را دو طریق است اول اینکه بر سینه مردہ درون کفن یا بالائے کفن گذارند این طریق را فقہار منع  
مے کنند و طریق دوم این است کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقہ بگذارند دوران کاغذ شجرہ را نہند  
قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر  
کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہار منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر  
میں طاقہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوٰۃ باب غسل میت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے  
روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔  
اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب  
الجنائز باب مَنْ أَعَدَّ الْكُفْنَ میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر  
تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور  
علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رو کر نا عادت کر یہ نہیں تم نے کیوں مانگ  
لیا۔ انہوں نے کہا واللہ مَا سَأَلْتَهُ لِأَلَيْسَ بِهَا إِنَّمَا  
سَأَلْتَهُ لِتَكُونَ كَفَنِي قَالَ سَهْلٌ فَكَانَتْ كَفْنُهُ

اللہ کی قسم میں نے پننے کیلئے نہیں لیا ہے میں تو  
اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور درہلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے۔ پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

اِنِّیْ اَلْبَسْتُهَا لِتَلْبَسَ مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ وَاسْتَطَجَعَتْ  
مَعَهَا فِي قَبْرِهَا لِأَخْفَفَ عَنْهَا خَطَاةَ الْقَبْرِ۔  
قمیص تو ایسی پہنائی کہ انکو جنت کا لباس ملے اور انکی  
قبر میں آرام۔ ایسے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لیے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وَخَذْتُ ذَلِكَ الشَّعْرَ وَالْأظْفَارَ فَاَجْعَلُهُ فِي  
فِي دَعْوَى عَيْنِي وَهَٰذَا صِغَةُ التَّجْوُدِ مِثِّي۔  
اور ان مبارک بالوں اور ناخنوں کو لو۔ اور انکو میرے منہ میں  
اور میری آنکھوں پر اور میرے اعضاءِ سجدہ پر رکھ دینا۔

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمن روایت سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیقات منظور ہو تو الحرف الحسن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ تو انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ نَسَبَ هَذَا الدُّعَاءَ وَجَعَلَهُ بَيْنَ صَدْرِ الْمَيِّتِ وَكَفْنِهِ فِي رُتْعَةٍ لَمْ يَنْلَهُ عَذَابُ الْقَبْرِ وَلَا يَرَىٰ مِنْكَرًا وَلَا نَكِيرًا۔  
جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔

فتاویٰ کبریٰ للملکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

اِنَّ هَذَا الدُّعَاءَ لَهُ اَصْلٌ وَاَنَّ الْفَقِيهَةَ ابْنَ عَجِيْلٍ كَانَتْ يَأْمُرُ بِهٖ ثُمَّ اَفْتَىٰ بِجَوَازِ كِتَابَتِهٖ  
فِي سَاعِلَىٰ كِتَابَةِ اللّٰهِ فِي نِعْمِ الزَّكَاةِ۔  
اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجل اس کا حکم دیتے  
تھے اور اس کے کہنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے  
اس قیاس پر کہ زکوٰۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔

وہ دعا یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ؛ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ؛ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ الْحَمْدُ  
 میں ترمذی سے نقل کیا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اُسے  
 مہر لگا کر قیامت کے لیے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لاکر  
 نذر کرے گا کہ عہد دے کہاں میں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ وَعَنْ طَائِفٍ  
 أَنَّهُ أَمَرَ بِهَذَا الْكَلِمَاتِ فَكُتِبَ فِي كَفْنِهِ (الحرف الحسن) حضرت طاووس سے مروی ہے کہ انہوں  
 نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجیز امام کروری کتاب الاستحسان میں ہے۔

ذَكَرَ الْأِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ كُتِبَ عَلَى جَبْهَةِ  
 الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفْنِهِ عَهْدُ نَامَةٍ  
 يُرْجَى أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَيِّتٍ وَيَجْعَلَهُ  
 آمِنًا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔  
 امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے  
 یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت  
 کی بخشش فرماوے اور عذاب قبر سے  
 امن دے۔

در مختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

کُتِبَ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ أَوْ عِمَامَتِهِ أَوْ كَفْنِهِ  
 عَهْدُ نَامَةٍ يُرْجَى أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لِمَيِّتٍ۔  
 میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید  
 ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرماوے۔

در مختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بِسْمِ اللَّهِ  
 الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟  
 اس نے کہا کہ بعد دفن ملا کہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الہی  
 سچ گیا۔ فتاویٰ بزازیہ میں کتاب الجنایات کچھ قبل ہے۔

ذَكَرَ الْأِمَامُ الصَّفَّارُ لَوْ كُتِبَ عَلَى جَبْهَةِ  
 الْمَيِّتِ أَوْ عَلَى عِمَامَتِهِ أَوْ كَفْنِهِ عَهْدُ نَامَةٍ يُرْجَى  
 أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ تَعَالَى لِمَيِّتٍ وَيَجْعَلَهُ آمِنًا مِنْ عَذَابِ  
 الْقَبْرِ قَالَ نَصِيرٌ هَذِهِ رَوَايَةٌ فِي تَجْوِيزِ ذَلِكَ وَ  
 قَدْ رَوَى أَنَّهُ كَانَ مَكْتُوبًا عَلَى أُنْفَادِ أَرَسٍ فِي  
 اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو  
 امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کر دے اور اس کو  
 عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا  
 کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے  
 اور مروی ہے کہ فاروق اعظم کے اصطل کے



میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جاوے۔

## دوسرا باب

### کفنی کھنے پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض (۱) وہ ہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) کھنا بدعت ہے۔ لہذا حرام ہے۔

جواب :- ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ یہ بدعت نہیں۔ اس کی اصل ثابت ہے اور

اگر بدعت بھی ہو۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲) کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مرد بے پڑھا ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کلمہ پڑھے گا۔

جواب :- بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔ جہالت اس عالم میں ہو سکتی ہے وہاں نہیں۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکرامت) حالانکہ بہت جنتی دنیا

میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر دے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔

رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنیکے بعد میت کو کسی دوسرے

میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔ قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال کھے

ہوئے ہی دیئے جائیں گے۔ اور جاہل و عالم سب ہی پڑھیں گے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے

بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے یثے مفید ہے۔

اعتراض (۳) علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التثہد کے کچھ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔ اسی طرح

شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت پھوٹے پھینگی تو اس کے

پیپ و خون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔ اور ان کی بے ادبی ہوگی لہذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام

طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں)

جواب :- اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر

میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے

اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا کہ عہد نامہ قبر میں طاقتور میں رکھ دیا تو جائز۔ اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔ لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔ دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔ اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نَعَمْ نَقَلَ عَنِ بَعْضِ الْمُحَشِّينَ عَنْ سَوَائِدِ الشَّرْحِيِّ أَنَّ مِمَّا يَكْتَبُ عَلَى جَبْهَةِ الْمَيِّتِ بِغَيْرِ مَدَادٍ بِالْأَصْبَعِ الْمُسَبَّحَةِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَعَلَى الصَّدْرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ذَلِكَ بَعْدَ الْغُسْلِ قَوْلَ التَّكْفِينِ۔

بعض محققین نے قواعد الشرحی سے نقل کیا۔ کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنفیہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتی۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کیے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند مشرف اپنی تخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہیے کیا یہاں خونِ دہسپ میں لتھرنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظّم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں اب زمرم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پس خورہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مشانہ میں جاتے ہیں اردو ماں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبیل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حُبْسٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ حَالًا لَكَ دِمَائًا لَكُنْ فِي مِشَابٍ كِي مِشَابِيں

پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر اقیانوس کے یسے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے یسے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی اللہ تعالیٰ کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت کی پیش کر دو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا اجاز ثابت ہو سکتا ہے مگر کرامیت کے یسے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبل ہے نہ کہ یہ قول کرامت کیونکہ بلا دلیل ہے۔

**اعتراض (۴)** عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آویگا۔ نہیں برباد ہو جاوے گا۔ اور اسراف حرام ہے۔

**جواب:** چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بیکار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

**اعتراض (۵)** حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اسے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بیکار ہے۔ نیز پتہ نکا۔ کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن و لباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جا سکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق روزِ خمی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

**جواب:** اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ ہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے سے ہم نے جانا۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی



انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا۔ جس کی دلجوئی منظور تھی۔ دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قبضوں پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو بہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے، بادل ہرزین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جاسکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پایا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

## بحث ۱۹۔ بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر و عشا بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول حنفیہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

### پہلا باب ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن و حدیث و اقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشْتَدَّ ذِكْرًا اللَّهُ اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ۔ کفار مکہ حج سے فارغ ہو کر جمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کیا کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اسکی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاص کر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔  
اور خاموش رہو۔

وَإِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالجہری سنا جا سکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیرہ ہی آیت) مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

حضور علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے تھے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ مُشَكَّوۃ میں اسی جگہ ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَأَلَ مِنْ صَلَوةٍ يَقُولُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلَى لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔

عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَعْمُرُ انْقِضَاءَ صَلَوةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ

یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بوجہ صغریٰ کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرما رہے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اس قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حضرت ابن عباس پتھے تھے اس لیے جماعت میں پابندی سے نہ آتے تھے۔

إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ لَمْ يَحْضُرِ الْجَمَاعَةَ لِأَنَّهُ كَانَ ضَعِيفًا مِّنْ لَّا يُؤَاطِبُ عَلَى ذَلِكَ

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ  
إِنَّ سُرْعَةَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي فَرَأَى مِنْ فَارِغٍ هُوَ كَرَّ بِلَنْدِ آوَاظٍ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ كَرَّ نَحْوَ حُضُورِ عَلَيْهِ السَّلَامِ كَرَّ فِي زَمَانِهِ فِي مَرَجٍ تَحْتَ مُشَكَّوۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اسے بہتر مجمع میں اسکا ذکر فرماتے ہیں یعنی مجمع

فَإِنْ ذَكَرْتَنِي فِي نَفْسِي ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي وَإِنْ ذَكَرْتَنِي فِي مَلَأَةٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَأَةٍ خَيْرٌ مِنْهُمْ۔

ملائکہ میں (جامع صغیر میں ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

سَلَّمَ - الْكَثْرُ فِي الْجَنَازَةِ قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

فرمایا کہ جنازہ میں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ زیادہ کہا کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ از کار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تقی انوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۹۹ میں ہے

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْهَرُ

حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ

الصَّعَابَةِ بِالرَّادِّ كَارِدِ التَّمْلِيلِ وَالْتِسْمِخِ بَعْدَ الصَّلَاةِ

تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۴م زیر آیت رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ

عَنْ أَبِطَالِ سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہے۔

الذِّكْرُ يَرْفَعُ الصَّوْتِ جَائِزٌ بَلْ مُسْتَحَبٌّ إِذَا

بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ یہا

لَمْ يَكُنْ عَنْ رِيَاءٍ يَلِغْتَمُ النَّاسُ بِإِظْهَارِ الدِّينِ

سے نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں

وَوَصُولِ بَرَكَةِ الذِّكْرِ إِلَى السَّمْعِ عَيْنِ فِي الدُّرِّ

سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سے ذکر

وَالْبُيُوتِ وَيُؤْفِقُ الذِّكْرُ مَنْ سَمِعَ صَوْتَهُ وَبَشَّرَهُ

میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک

لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ رَطْبٍ وَيَأْبَسُ سَمِعَ صَوْتَهُ

و تر ذکر کے ایمان کی گواہی دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۶ میں زیر

آیت وَاتَّبَعْنَا أذْوَ سَمْعًا بُوَسْمًا أَيْ رَوَايَاتِ نَقْلِ كِي حَضْرَةِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَعْتِدْنَا أَبُو مُوسَى الشَّعْرِيِّ سَعَى فَرَمَا كَر

آج رات ہم نے تمہاری قرأت قرآن سنی تم کو نوادوسی آواز دی گئی ہے۔ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔

فَقُلْتُ أَمَا وَاللَّهِ لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَسْمَعُ لِحَبْرَتِهِ

میں نے عرض کیا کہ ب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صحابہ

حَسْبُوا وَاللَّهِ لَمَّا يَحْسُنُ الصَّوْتِ -

قرآن سن رہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تو میں بھی آواز بنا کر پڑھتا۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اولاً یہ کہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے

یہ کہ ذکر اللہ تلامذت قرآن عبادت الہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تئنا تھی سہ

حَمَامَةٌ جَزَعْنِي حَوْمَةُ الْجَنْدَلِ السَّجْعِي + فَأَنْتِ بِمَدْرَأِي مِنْ سَعَادٍ وَمُسَمَّحِي!

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جانشین صحابہ

کرام کا امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے کہ ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرماویں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق

اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت

فرمائی تو صدیق نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مِنْ فَاحِشَةٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا حَبِيبَ اللَّهِ حَسْبُ كُوسَانَا مَنْظُورٌ تَحَاس

کرام کا امتحان لینے کے لیے تشریف لے گئے کہ ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرماویں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق

اکبر تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم خوب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت

فرمائی تو صدیق نے عرض کیا کہ اَسْمَعْتُ مِنْ فَاحِشَةٍ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا حَبِيبَ اللَّهِ حَسْبُ كُوسَانَا مَنْظُورٌ تَحَاس

کو میں نے سنا یا یعنی رب کو فاروق اعظم نے عرض کیا کہ اذْقِظْ اَلْوَسْتَانَ وَاطْرُدِ الشَّيْطَانَ سَوْتُونَ كُو  
جگا رہا تھا۔ شیطان کو بھگا رہا تھا۔ سبحان اللہ دونوں جواب مبارک میں کسی پرناڑھنگی نہ فرمائی۔ بلکہ  
فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو۔ اور فاروق تم کچھ لپست کرو۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

مشکوٰۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور  
علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں  
عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یریا کار ہے فرمایا بَلْ مُؤْمِنٌ مِّنْ مِّنِيْبٍ نَّهِيْئِ بَلْ كَرِيْمٌ اَلْمُؤْمِنِيْنَ هُوَ اَلْمُكِّيْرِي  
کتاب الکریمیتہ باب چہارم فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرءۃ القرآن میں ہے۔ قَاضِي عِيْنًا كَجَمْعٍ عَظِيْمٍ يَرْفَعُوْنَ  
اَصْوَاتَهُمْ بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّهْلِيْلِ جَمَلَةً لَا بَأْسَ بِهٖ كَسِي قَاضِي كے پاس بہت بڑی جماعت ہوا اور وہ  
سب مل کر بلند آواز سے سبحان اللہ یا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔

عالمگیری میں اسی جگہ ہے اَلْاَفْضَلُ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ خَارَجَ الصَّلَاةِ اَلْجَهْرُ۔  
نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔

عالمگیری یہی مقام اَمَّا التَّسْبِيْحُ وَالتَّهْلِيْلُ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ وَاِنْ رَفَعَ صَوْتَهُ سُبْحَانَ اللّٰهِ  
یا الہ الا اللہ کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔ شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے  
متصل ہے۔ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ سَفَا وَخَفَا عَلٰی اِسْتِحْبَابِ ذِكْرِ الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ اِلَّا اَنْ  
تَشْوَشَ جَهْرُهُمْ عَلٰی نَائِمٍ اَوْ مُصَلٍّ اَوْ قَائِمٍ شامی میں اسی جگہ ہے فَقَالَ بَعْضُ اَوْلِي الْعِلْمِ  
بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنْ اَلْجَهْرُ اَفْضَلُ لِاِنَّهُ اَكْثَرُ عَمَلًا وَّلِتَعَدِّي نَائِدِيْهِ اِلَى السَّارِعِيْنَ وَيُوَقِّظُ قَلْبَ الْغَائِلِيْنَ  
فَيَجْمَعُ هَمَّهُ اِلَى الذِّكْرِ وَيُصْرِفُ سَمْعَهُ اِلَيْهِ وَيَطْرِدُ النَّوْمَ وَيَدِيدُ النِّشَاطَ۔  
متقدّمین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجد  
میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ انکے  
جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو  
بعض اہل علم نے فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل  
ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ  
سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل  
کو بیدار کرتا ہے انکے خیالات اور انکے کانوں کو فکر الہی  
کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے۔

در مختار باب صلوة العیدین بحث تکبیر تشریحی میں ہے۔

بِقَرَعِيْدِ كَسْ دَنُوْنَ فِيْ عَامِ مُسْلِمَاتُوْنَ كُو بَاَزَارُوْنَ  
وَلَا يَنْعَمُ الْعَامَّةُ مِنَ التَّكْبِيْرِ فِي الْاَسْبَاطِ

فی الْآيَاتِ الْعَشْرِ وَبِهِ نَأْخُذُ۔ | میں نعرہ تکبیر کہنے سے مزد کو اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں  
غالباً اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے یہ اگرچہ بدعت ہے  
مگر فرمایا کہ اس سے منع نہ کرو۔ اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوئی وغیرہ  
کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں  
اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا کہ ہاں امام ابو  
جعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ  
عوام کو اس تکبیر سے باز رکھا جائے کیونکہ وہ پہلے ہی  
کار خیر میں کم رغبت رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں

تَبَلَّ رَأْيِي حَنِيفَةً يَنْبَغِي لِأَهْلِ الْكُوفَةِ  
وَعَيْرِهَا أَنْ يَكْتَبِرُوا أَيَّامَ الْعَشْرِ فِي الْأَسْوَاقِ  
وَالْمَسْجِدِ قَالَ نَعَمْ قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو جَعْفَرٍ  
وَالَّذِي عِنْدِي أَنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ تَمَّعَ  
الْعَامَّةُ عَنْهُ لِقَلَّةِ مَرْغَبَتِهِمْ فِي الْحَيْرِ وَبِهِ  
نَأْخُذُ فَأَقَادَانِ فِعْلُهُ أَوْلَى۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنف امام نووی کتاب الصلوة علی النبی میں ہے یُسْتَحَبُّ لِقَابِرِي الْحَدِيثِ  
وَعَيْرِهِ مِمَّنْ فِي مَعْنَاهُ إِذَا ذَكَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَرْفَعَ صَوْتَهُ بِالصَّلَاةِ  
عَلَيْهِ وَالتَّسْلِيمِ بِهِ وَقَدْ نَصَّ الْعُلَمَاءُ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ عَلَى أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَرْفَعَ  
صَوْتَهُ بِالسَّلَاةِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّسْبِيحِ يَعْنِي حَدِيثِ شَرِيفٍ يُرْفَعُ  
وَالْوَجْهُ غَيْرُ سَمِّ كَوْجَابِيَّةٍ كَسَبِّ حَضْرَتِ كَذَا ذَكَرَ بَلَدٌ آوَاذُ سَمِّ صَلَاةٍ وَسَلَامٍ يُرْفَعُ فِي سَمِّهِمْ  
نَصْرِيحٌ فَرَمَانِيٌّ كَتَبْتِيهِ فِي حَضْرَتِهِمْ عَلَى بَلَدِ آوَاذُ سَمِّ دَرُورٍ يُرْفَعُ۔

ان کے علاوہ اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر کفایت کی  
جاتی ہے۔ محمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ  
فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الخطر والا باہم صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال و جواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر  
بالجہ اور دعا بالجہ اور درود بالجہ خواہ جہر خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں؟ الجواب ذکر جہر خواہ کوئی  
ذکر ہو امام ابو حنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نفل ہے وہاں مکروہ ہے اور صحابین  
دو دیگر فقہار و محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صحابین ہے۔

مصرع مدعی لاکھ پر بھار ہے گواہی تیری  
اب تو کسی دیوبندی دہانی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے  
بلا کر امت جواز پر جسٹری ہو چکی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجبر جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ  
ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت  
لئے آنا، دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوٰۃ وغیرہ) اور ذکر بالجبر میں بمقابلہ  
خفی کے مشقت زیادہ ہے لہذا یہ افضل ہے۔ دوسرے اس لئے کہ مشکوٰۃ کتاب الاذان میں ہے کہ  
جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت پتے، گھاس، جن وانس قیامت  
میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجبر سے بھی اس فائدے کی امید ہے۔ تیسرے اس لئے  
کہ خفی ذکر کا فائدہ صرف ذکر کو ہے مگر ذکر بالجبر کا فائدہ ذکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار  
ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔ اگر نہ بھی کریں تو بھی سنا ثواب  
ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوٰۃ باب الاذان میں ہے کہ آذان کی آواز سے  
شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب اقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض  
کیا تھا اَطْرَدُ الشَّيْطَانَ جن سے معلوم ہوا کہ دیگر اذکار سے بھی شیطان بھاگتا ہے اس لئے ذکر بالجبر میں  
شیطان سے بھی امن ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ذکر بالجبر سے نیند اور کسل و سستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں  
اکثر نیند بھی آجاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریاکاری کے لئے نہ ہو اگر ریا کیلئے  
ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدس  
اسرارہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں

دل میں ہو یا ترمی گوشہ تنہائی ہو پھر تو خلوت میں غیب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے ادبیاء ذکر بالجبر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہوا در لذت تنہائی ہو

برو حضرات حدک کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرتے ہیں اور باقی

حضرات جلوت میں خلوت مگر کلاً وَعَدَّ اللَّهُ الْمُحْسِنُ اللَّهُ تَعَالَى نے سب سے جنت کا وعدہ فرمایا مگر ان کا

یا اختلاف حلت و حرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو حنفی ولے جہر والوں کو طعن کریں نہ جہر والے حنفی والوں کو یہ ساری گفتگو ان دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ نماز میں جہر کی تکمیل سے اللہ عزوجل نے انہیں جمع کیا۔

## دوسرا باب

### ذکر بالجہر پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی۔ ہم اولاً نقلی اعتراضات میں مع جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض داؤد ذکر رَبِّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا  
و خَفِيَّةً وَ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعَدُوِّ وَالْأَصْلِ  
اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر  
سے اور بغیر آواز نکلے صبح و شام۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی دل ہی میں چاہیے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرأت یا مقتدی ہر نماز میں یا التیمات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ پیچھے ورنہ گنہگار ہوگا۔

فَمَنْ أَمَرَنِي صَلَاةَ الْجَهْرِ يَتَّبِعْنِي لَهُ أَنْ  
لَا يَجْهَرَ جَهْرًا شَدِيدًا بَلْ يَقْتَصِرْ عَلَى قَدْرٍ مَا  
يَسْمَعُهُ مَنْ خَلْفَهُ قَالَ فِي الْكُشْفِ لَا يَجْهَرُ  
قَوْلَ حَاجَةِ النَّاسِ وَالْأَفْهَمُ مِيسِيٌّ

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ وَالْمُرَادُ مِنْهُ أَنْ يَقَعُ ذَلِكَ الذِّكْرُ حَيْثُ يَكُونُ مُتَوَسِّطًا

بَيْنَ الْجَهْرِ وَالْخَافَةِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ كِذَّابًا يَعْنِي مَرَادٌ بِهِ هُوَ كِتَابُ اللَّهِ فِي مِيزَانِ ذِكْرِ اللَّهِ  
چاہیے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن ہے

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَعْنِي بِالذِّكْرِ الْقُرْآنَ فِي  
الصَّلَاةِ يُرِيدُ إِقْرَأْ عِزًّا فِي نَفْسِكَ

مقصود یہ ہے کہ دل میں قرأت کرو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل  
آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد  
یہ ہے کہ ذکر محض تو بی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کہ اسکے بغیر ذکر بیکار ہے خازن میں اسی آیت  
کہا گیا ہے کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد  
ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو  
یعنی جبکہ زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے  
فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا  
اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل  
میں لانا ہے۔

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَ  
دَابَّحٌ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا۔

کے ماتحت ہے وَقِيلَ الْمُرَادُ بِالدُّكْرِ فِي النَّفْسِ  
أَنْ يَسْتَحْضِرَ فِي قَلْبِهِ عِظَمَةَ الْمَذْكُورِ جَلَّ جَلَالُهُ  
اسی خازن میں ہے وَإِذَا كَانَ الَّذِي حَسُرُ  
بِاللِّسَانِ عَلَيَّيَا عَنْ ذِكْرِ الْقَلْبِ كَانَ عِدَائِمِ  
الْفَائِدَةِ لِأَنَّ فَايِدَةَ الَّذِي حَسُرُوا الْقَلْبِ  
وَأَسْتَشْعَارُهُ عِظَمَةَ الْمَذْكُورِ جَلَّ جَلَالُهُ

یا اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر ہے یعنی یہ امر استجابی ہے اور استجاب  
بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لیے یہ آیت اس آیت کے بعد  
ہے کہ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعْ لَهُ تُوَدُّونَ آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذکر الہی کبھی بالجہر  
چاہیے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو حنا موشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو۔ اگر  
جہر میں خوف ریا ہے تو سکوت بہتر۔ اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو۔ اور سونے والے  
جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن فکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جہر بہتر ہے۔ روح البیان  
میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں  
زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب  
ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قروے اور دعاؤں  
کو شامل ہے۔

آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف  
ہو یا تازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے

وَأَذْكُرُ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ وَهُوَ الذِّكْرُ بِأَلْفِ  
الْكَلَامِ الْحَقِيقِيِّ فَإِنَّ الْإِخْفَاءَ أَدْخَلَ فِي الْإِخْلَاصِ  
وَأَقْرَبُ مِنَ الْإِجَابَةِ وَهَذَا الذِّكْرُ يَنْعَمُ الْأَذْكَارُ  
كُلُّهَا مِنَ الْقِرَاءَةِ وَالِدُعَاءِ وَغَيْرِهَا۔

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے بِأَنَّ  
الْإِخْفَاءَ أَفْضَلَ حَيْثُ خَافَ الرِّيَاءَ أَوْ نَادَى



الْمُصَلِّونَ أَوِ التَّائِمُونَ وَالْجَهْرُ أَفْضَلُ فِي غَيْرِ ذَلِكَ  
لَا تَلْعَلُ الْعَمَلُ فِيهِ أَكْثَرُ لِأَنَّ فَايِدَاتِهِ تَتَعَدَّى  
إِلَى السَّامِعِينَ وَدَلِيلُهُ يُوقِظُ قَلْبَ الذَّاكِرِ كَجَمْعِ  
هَمَّتِهِ وَيُصْرِفُ سَمْعَهُ إِلَيْهِ -

اعتراف (۲) وَاذْعُوْا أَسْرَابَكُمْ تَضَرُّعًا وَخَفِيَةً  
إِنَّهُ لَا يَكْتُمُ الْمُعْتَدِينَ -

علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں  
عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے  
اور ایسے کہ یہ ذکر کے دل کو سیدار کرتا ہے خیالات کو  
جمع کرتا ہے اور ذکر کی طرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے  
اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کر دیشک حد  
سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے۔

جواب :- اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الہی کا اور  
واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔  
یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے  
ہوئے دعا کرنا کہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چپکے سے  
دعا کرنا اخلاص کی دریا سے دور ہونے کی دلیل ہے  
کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقہ دعا ہے اور یہ  
ہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور  
یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔

أَمْ مَتَّصِرِينَ مَتَدَلِّينَ مُخْفِينَ الدُّعَاءَ  
لِيَكُونَ أَقْرَبَ إِلَى الْإِجَابَةِ لِيَكُونَ الْإِحْفَاءُ  
دَلِيلَ الْإِخْلَاصِ وَالْإِحْتِرَازِ عَنِ التَّرِيَاءِ  
تفسیر خازن یہی آیت دَقِيلَ الْمُرَادِ بِهِ حَقِيقَةَ  
الدُّعَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الدُّعَاءَ هُوَ السُّوَالُ  
وَالطَّلَبُ وَهُوَ تَوَدُّعٌ مِنَ الْعِبَادَةِ -

دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے  
حسن نے فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعا میں  
برابر ہیں۔

تفسیر خازن اسی آیت کے ماتحت ہے وَالْأَدْبُ فِي  
الدُّعَاءِ أَنْ يَكُونَ خَفِيًّا لِهَذَا الْآيَةِ قَالَ الْحَسَنُ  
دَعْوَةُ السِّرِّ وَدَعْوَةُ الْعِلَاقِيَّةِ سَبْعُونَ ضِعْفًا

یابہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی ادعو سے مراد ہر ذکر الہی ہے اور یہ امر استجابی  
ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا  
ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے  
اور اس لیے کہ یہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض

فَدَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنَّ إِخْفَاءَ الطَّاعَاتِ  
وَالْعِبَادَاتِ أَفْضَلُ مِنْ إِظْهَارِهَا لِهَذَا الْآيَةِ  
وَلِيَكُونَ نَهْجًا أَبْعَدَ مِنَ التَّرِيَاءِ وَدَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى

أَنْ إِذَا هَمَّ بِمَا أَتَى لِيَقْتَدِيَ بِالْغَيْرِ وَيَعْمَلْ  
مِثْلَ مَلِكِهِ وَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى أَنْ إِظْهَرْنَا  
الْعِبَادَاتِ الْمُفْرَدَةَ أَفْضَلَ مِنْ إِقْفَاءِ مَا  
اعْتَرَضَ (۳) وَإِذَا سَأَلْتَ عِبَادِي مَنِّي فَاِنِّي  
قَرِيبٌ مَحْتَبٌ دَعْوَةُ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ -

فرماتے ہیں کہ انہارا افضل ہے۔ تاکہ وہ میرے  
بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرما  
ہیں کہ فرضی عبادت کا انہارا اخفا سے بہتر ہے  
اور اے محبوب جب تم سے میرے مجھے پوچھیں  
میں نزدیک من عا قبول کرتا ہوں پکا نیوالے کہ جب پکارے  
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب  
پھر بلند آواز سے پکارنا بے کار ہے۔

جواب ۱۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا جو ذکر بالجہر سمجھ کر کریں کہ  
خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل  
قلب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے  
حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب  
ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ  
اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔

وَسَبَبَ نَزُولِهِ مَا رَدِي أَنْ إِعْرَابِيَا قَالَ  
لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَرَى  
رَبَّنَا فَنُتَابِعُهُ أَمْ بَعِيدٌ فَنَدَائِهِ فَقَالَ  
تَعَالَى -

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے  
موقع پر اتری جبکہ لوگ نعرہ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا مشار تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچ جائیں  
کہ کفار کو خبر نہ ہو چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ  
کسی اونچے تنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے  
تکبیر کہی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جازوں  
پر نرمی کر دو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے تو  
یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے  
حال کے لائق ذکر بالجہر ہے برے خیالات کو دفع کرنے کے لیے

قَالَ أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ لَمَّا تَوَجَّهَ رَسُولُ  
اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى خَيْبَرَ أَشْرَفَ النَّاسُ عَلَى  
وَأَيْدِيهِمْ فَعَوَّأَ صَوَاتِهِمْ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
إِرْجُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ لَاتُؤْمِنُونَ أَصَمُّ وَلَا غَائِبٌ  
روح البیان یہی آیت ہذا باعتبار المشار  
وَالْقَامَاتِ وَاللَّائِقِينَ بِحَالِ الْغَفْلَاتِ جَهْرًا يَلْقَى الْمُحْتَاطِينَ

اعترض (۴) مشکوٰۃ کتاب الاسما باب ثواب التسبیح والتحمید میں ہے۔

فَجَعَلَ النَّاسَ يَجْهَرُونَ بِالتَّكْبِيرِ فَقَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِسْرَبُوا عَلَيَّ  
أَنْفُسِكُمْ أَنْتُمْ لَا تَدْعُونَ أَحَدًا وَلَا غَايِبًا أَنْتُمْ  
تَدْعُونَ سَمِيعًا بَصِيرًا وَهُوَ مَعَكُمْ وَالَّذِي تَدْعُونَ  
أَقْرَبُ إِلَيَّ أَحَدِكُمْ مِنْ عُنُقِ سَرَّاجَتِهِ۔

با آواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع و بصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم بمقابلہ تمہاری ساریوں کی گردنوں کے زیادہ قریب ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجبر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث۔

جواب:۔ اس کا جواب ضمناً سوال ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقع کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بغیر اطلاع خیر میں داخل ہو جاوے تاکہ کفار خیر جنگ کی تیاری نہ کر سکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقع کے خلاف تھا لہذا روک دیا گیا۔ اسی حدیث کی ابتدا اس طرح ہے کُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُونَ الخ ہم ایک سفر میں تھے کہ لوگ با آواز بلند تکبیر کہنے لگے۔ یا یہ کہ مسلمانوں پر آسانی کے لیے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں جو پھر چھیننے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الْجَهْرِ لِلتَّيْبِيرِ  
وَالِإِذَا قِيَ لَا يَكُونُ الْجَهْرُ غَيْرَ مَشْرُوعٍ۔

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت محض آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے۔ اشعة الممعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے دریں اشارت است کہ منع از جہر برائے آسانی و نرمی است نہ از جہت نامشروعیت ذکر جہر و حق آست ذکر جہر مشروع است بے شبہ مگر بجای این را در رسالہ اثبات نمودیم۔ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کیلئے ہے نہ اسلیئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ ذکر جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کسی جہر سے اور ہم اسکا ثبوت سالہ را در میں دیا ہے۔

اعترض (۵) ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریح میں ہے۔

وَإِذَا يَقُولُ ابْنُ مَسْعُودٍ أَخَذَ بِالْأَقْلِ  
لِأَنَّ الْجَهْرَ بِالتَّكْبِيرِ يَدْعُو۔

امام ابوحنیفہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول لیا کہ کو لینے کیلئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

اور بدعت میں کمی بہتر ہے ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے تکبیر تشریح کہنا چاہیے۔ اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لیے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدیہ میں اسی فصل تکبیرات التشریحی میں ہے۔

وَلَا تَجْهَرُ بِالتَّكْبِيرِ خِلَافَ السُّنَّةِ | اور اس لیے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے اور اس کا حکم  
وَالشَّرْعُ دَرَسَ دَيْبَهُ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ هَذِهِ الشَّرَائِطِ | ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔

جواب :- امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریحی کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا اختلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کی اجازت دی۔ کیسے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوة العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

وَالْخِلَافُ فِي الْاَفْضَلِيَّةِ اَمَّا الْكِرَاهَةُ | یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے۔ لیکن  
فَمَنْتَفِيَةٌ عَنِ الطَّرْفَيْنِ - | کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔

اسی شامی میں اسی جگہ ہے التَّكْبِيرُ بِالْجَهْرِ فِي غَيْرِ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ لَا يَسُنُّ اِلَّا بِاسْتِزَاءِ الْعَدُوِّ وَاللُّصُوفِ فَنَاسٌ عَلَيْهِ بَعْضُهُمُ الْحَرِيْقُ وَالْمَخَاوِفُ كُلُّهَا زَادَ الْقَهْرُ سِتَانِي اَوْ غَلَا شَرُّ قَا۔

ایام تشریح کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔ مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں کو اور قستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔

یہ احکام خواص کیلئے ہیں عوام کو تو نہ تکبیر سے رد کو نہ نفل سے۔

در مختار باب العیدین میں ہے وَهَذَا لِلْخَوَاصِّ اَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَسْتَعْوَنَ عَنْ تَكْبِيرِهِ وَلَا يَنْفَلُ اَصْلًا

شامی میں اسی بحث میں ہے كَافِي النَّبِيِّ اَيُّ كَالَيْسَنَّ وَالْاَفْهَمُ ذِكْرُ مَشْرُوعِ غَرْضِكَ ثَابِتٌ هُوَا كَ هَدْيِهِ كِي يَهْتَمُّ بِكُلِّ مَشْرُوعٍ فِيهِ تَكْبِيرٌ تَشْرِيقِيٌّ فِي يَوْمِ التَّشْرِيقِ هُوَا كَ هَدْيِهِ كِي يَهْتَمُّ بِكُلِّ مَشْرُوعٍ فِيهِ تَكْبِيرٌ تَشْرِيقِيٌّ فِي يَوْمِ التَّشْرِيقِ هُوَا كَ هَدْيِهِ كِي يَهْتَمُّ بِكُلِّ مَشْرُوعٍ فِيهِ تَكْبِيرٌ تَشْرِيقِيٌّ فِي يَوْمِ التَّشْرِيقِ

یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں سے نہ کہ جائز ہونے میں۔ نیز تکبیر تشریحی میں یہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ ہم پہلے باب میں عنون کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتویٰ یہ ہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز

ہے۔ اور اگر ان آیات و احادیث کی یہ توجیہیں نہ کی جادیں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔ جیسے اذان۔ بقرعید کے موقع پر تکبیر تشریح تہجد میں تلبیہ، سلسلوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے یہ دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احادیث کی وجہ سے قرآنی آیت میں قید لگانا جائز نہیں لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آگیا لہذا جائز ہے۔ کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

اعتراض (۶) فتاویٰ بزازیہ صفحہ ۳۷۸ میں ہے۔

قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود صحیح روایت کیساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔

عَنْ نَتَّادِي الْقَاضِي أَنَّهُ حَرَّمَ  
لَمَّا صَحَّ عَنْ ابْنِ هُذَيْفَةَ أَنَّهُ أَخْرَجَ  
جَمَاعَةً عَنِ الْمَسْجِدِ يَهْلِكُونَ  
يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ جَهْرًا وَقَالَ لَهُمْ مَا أَسْرَأَكُمْ  
إِلَّا مَبْتَدَأَ عَيْنٍ - شامی جلد صفحہ

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود ان زاکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو دہائی کہا جاتا ہے۔ یہ ہے انقلاب زمانہ، ان کفرین کیا اور کفریہ ان (راہ سنت)

جواب :- اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے اور حرام کے مرتکب کیونکہ تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ قرآن بالجہر ذکر کروں پر فتوے لگاتے ہو نہ انہیں لڑکتے ہو کیا مسجدوں میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے، باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز۔

جواب :- تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاویٰ بزازیہ اور فتاویٰ شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبارت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔ وَأَمَّا سَرَفُ الصَّوْتِ

بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے جیسا کہ اذان خطبہ

بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي الْأَذَانِ وَالنُّطْبَةِ وَ  
الْجُمُعَةِ وَالْحَجِّ وَقَدْ حُزِرَتِ الْمَسْئَلَةُ  
فِي التَّحْقِيقِيَّةِ وَسُئِلَ مَا فِي فِتْنَةِ الْفَقَاءِ عَلَى جِهَةِ الْفِتْرِ  
بَعْدَ اُدْرَاجٍ فِيهِ هُوَ تَأْوِيلُ مَسْئَلَةِ فِتْنَةِ الْفَقَاءِ فِي خَيْرِهَا  
وَاضْعَ طَوْرٍ بِبَيَانٍ كَيْفِيًّا بِأَنَّ فِتْنَةَ الْفَقَاءِ تَأْوِيلُهَا  
فِيهِ هُوَ اسْمٌ مِنْ مَرَادِ الْفَقَاءِ وَهُوَ جَهْرٌ

معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اول کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے ادا کرتے تھے یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور دینی منہر ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ نقصان وہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاویٰ بزازیہ کو بھی دیکھ لو اس حدیث ابن مسعود کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاویٰ میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر کس کو نہ روکو اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تاکہ اسی آیت کے خلاف نہ ہو جو اسے مَنْ أَظْلَمَ مِنْ مَنْعٍ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يَذْكُرَ الْحَمْدَ حضرت ابن مسعود کا یہ عمل تمہارے ان فتاویٰ کے خلاف ہے اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں جس میں یہ بھی ہے۔

أَبِ الْاِخْرَاجِ عَنِ الْمَسْجِدِ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ  
لَا يُعْتَقَدُ فِيهِ الْعِبَادَةُ فِيهِ وَيُعَلِّمُ النَّاسَ بَأْتِ  
بِدْعَةٍ وَالْفِعْلُ جَائِزٌ وَالْجَائِزُ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ  
غَيْرَ جَائِزٍ لِعَرَضٍ يَلْتَقِئُهُ

آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے ہو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے جائز کام کبھی کسی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔

اسی فتاویٰ میں اسی جگہ ہے۔ وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ فَجَائِزٌ كَمَا فِي الْأَذَانِ وَالنُّطْبَةِ وَالْحَجِّ  
مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً تو یہ کہ خدا قریب ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟  
جواب گذر چکا کہ یہ آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سنانے کے لیے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لیے ہے۔  
جیسے اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صلی اللہ علیک وسلم یارسول اللہ  
حریمت سے ثابت نہیں لہذا ناجائز ہے۔ اس کا جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ  
دو غذا و دعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی  
پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے  
یہ کہ بعد نماز جو بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے  
ہیں۔ لہذا ناجائز ہے۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجہر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع و رخصت جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز پڑھ رہا ہو۔ تب جہاں ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ یہاں پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے اور اس وقت سب لوگ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر و عشاء پر حیج کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقرعید کے زمانہ میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ با آواز بلند تین بار تکبیر تشریح کہتے ہیں۔ کہیں ان ذکروں سے نمازی کا دھیان ٹپتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز میں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو یہ منع ہے نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی۔ لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرنا چہرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اسے نماز یوں اسے قرآن یاد کرنا اور اذکار عظیمہ سب خاموش ہو جاؤ۔ جیسا کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اقل کا ہونا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں بکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کیلئے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف میں دعاؤ کا اس قدر شور ہوتا کہ کان پڑھی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہیے ہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا، اذکار کے غلغل کی وجہ سے طواف بند کر دو گے۔

## بحث ۲ اولیاء اللہ کے نام پر جا تو رہا لانا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لیے کچھ عرصہ پہلے بکرے اور مرغے وغیرہ پالتے ہیں۔ اور ان کو ذبح کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو بسم اللہ پڑھ کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء و صلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے پالا گیا ہے اس لیے کہہ دیتے ہیں۔ گیارہویں کا براہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیہ کا

جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلا باب اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبح کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑے یا نذکے سوا کسی اور کا نام لیکر ذبح کرے (مثلاً بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے کہدے یا غوث اور ذبح کرے) تو حرام ہے خیال ہے کہ اس صلت و حرمت میں ذبح کر نیوالے کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبح کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے سچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح خدا کے نام پر ہوا حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا۔ مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا۔ وَمَا أَهْلَ بِهِ لَعَلَّ اللَّهُ وَهُوَ جَانُورٌ حَرَامٌ ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا یہاں پکارنے سے مراد وقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

أَيُّ سُرِقِ الصَّوْتِ لِعَلَّ اللَّهُ بِهِ كَقَوْلِهِمْ  
بِاسْمِ اللَّاتِ وَالْعِزَّى عِنْدَ ذُبْحِهِ۔

یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات والعزى

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ بَانَ ذُبْحِ عَلَى ذُبْحِهِ غَيْرَهُ اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یعنی وہ جانور حرام ہے۔ جس کے ذبح پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس یثے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس کو اس آیت سے اور آیت وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا كُمُ يَدْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔

يَعْنِي مَا ذُكِرَ عَلَى ذُبْحِهِ غَيْرُ اسْمِ اللَّهِ  
وَذَلِكَ أَنَّ الْعَرَبَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوا يَدْكُرُونَ  
أَسْمَاءَ أَصْنَامِهِمْ عِنْدَ الذَّبْحِ فَحَرَّمَ اللَّهُ ذَلِكَ  
بِهَذِهِ الْآيَةِ وَيَقُولُ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا كُمُ  
يَدْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا كُمُ يَدْكُرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔



تفسیر کبیرہ میں آیت دُکَانُوا یَقُولُونَ عِنْدَ اللَّهِ  
بِأَسْمِ اللّٰتِ وَالْعُرٰی فَحَرَّمَ اللَّهُ تَعَالٰی ذٰلِکَ

اہل عرب فرج کے وقت بستے تھے۔ بسم اللات  
والعزی اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے

مَعْنَاهُ مَا ذُبِحَ بِهِ بِاسْمِ غَيْرِ اللَّهِ مِثْلَ  
اللّٰتِ وَالْعُرٰی وَاسْمَاءِ الْاَنْبِیَاءِ

آیت کے معنی یہ ہیں کہ اسکو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا  
ہو اور وہ ہے جو بتوں کیلئے ذبح کیا جاتا تھا۔

تفسیر مدارک میں اسی آیت کے ماتحت ہے، اُنِ ذُبِحَ  
لِلّٰتِ اَمْ فَذَكَرَ عَلَیْهَا غَیْرَ اِسْمِ اللّٰهِ اَنْ  
رُفِعَ بِهٖ الصَّوْتُ لِلصَّنَمِ وَذٰلِکَ قَوْلُ

یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کیلئے ذبح کیا جاوے  
پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے۔ یعنی اس

اَهْلِ الْجَاهِلِیَّةِ بِاَسْمِ اللّٰتِ وَالْعُرٰی۔

پر بت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں  
کا یہ کہنا تھا کہ بسم اللات والعزی۔

تفسیر لباب التاویل میں اس آیت کے ماتحت ہے۔ یَعْنِی مَا ذُبِحَ لِلصَّنَمِ وَالذَّوَابِغِیَّتِ وَ

اَصْلُ الْاِهْلَالِ مَرْفَعُ الصَّوْتِ وَذٰلِکَ اَتَمُّ کَانُوا یُرْفَعُونَ اَصْوَاتَهُمْ بِذِکْرِ الْهَتَمِ اِذَا ذُبِحُوا  
تفسیر علامہ ابوسعود میں ہے اُنِ رُفِعَ بِهٖ الصَّوْتُ عِنْدَ ذُبْحِهِ لِلصَّنَمِ۔ تفسیر حسین میں اسی آیت

کے ماتحت ہے، واضح آواز برادرہ شود بغیر اللہ از برائے غیر خدا بل در وقت زبحہ آن یعنی بنا۔ بتوں  
بکشد۔ ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا اہل میں اہل سے مراد ہے ذبح کے وقت غیر

خدا کا نام پکارنا۔ لہذا جانور کی زندگی میں کسی طرح نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہار کی عبارات  
بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیر احمدیہ میں اسی آیت وَمَا اُهِلَّ بِهِ لِغَیْرِ اللَّهِ کے ماتحت ہے۔

اَمِنْ هَهُنَا عَلِمَ اَنَّ الْبَقْرَةَ الْمُنْذُورَةَ  
لِلذَّابِحِ کَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِی مَرَاثِمِنَا

سَلَالُ طَیْبٍ لِاَنَّهُ لَمْ یُذْکَرْ اِسْمُهُ فِی اللّٰهِ  
وَقَسْتُ الذَّبْحَ وَاِنْ کَانُوا یَسْتَدْرُسُوْنَهَا

اس میں ترکیبوں شریف کے برے کا نام نیکو فرمایا نام لیکر اور اس کتاب کے مصنف مولانا  
احمد حیون علیہ الرحمۃ و بزرگ ہیں جو کہ عرب و عجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے

ہیں۔ شامی باب الذبح میں ہے اِعْلَمُوْا اَنَّ  
ہرانا چاہیے کہ حلفت محرمت کا دار و مدار ذبح

الْمَدَارَ عَلَى الْقَصْدِ عِنْدَ ابْتِدَاءِ الذَّبْحِ کے وقت نیت کا ہے۔

صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔ عالمگیری باب الذبح میں ہے۔

مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةً الْمَجُوسِيَّةَ لِيَبْتِنَ نَارَهُمْ مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جو ان کے آتشکدہ کے لیے

رَأَى كَانِزًا لِهَتِيمِهِ تَوَكَّلَ لِأَنَّهُ سَمِعَ اللَّهَ تَعَالَى وَيَكْفُرُ لِلْمُسْلِمِ كَذَاتِي النَّارِ خَانِيَةً نَائِلَةً عَنِ جَامِعِ الْفَتْحِ

یا کافر کی ان بتوں کیلئے تھی۔ ذبح کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کیلئے

مکروہ ہے اسی طرح تاتار خانہ میں جامع الفناوی سے نقل کیا۔ دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کرتا

ہے بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے، گویا مالک کا پالنا اور ذبح کرنا دونوں فاسد مگر چونکہ بوقت ذبح مسلمان نے

بِسْمِ اللَّهِ كَرِهَ ذَبْحُهَا لَهَا لَمْ يَكُنْ حَرَامًا لِمَا كَانَتْ تَابِتَةً بِذَلِكَ كَرِهَ ذَبْحُهَا لَهَا لَمْ يَكُنْ حَرَامًا لِمَا كَانَتْ تَابِتَةً بِذَلِكَ كَرِهَ ذَبْحُهَا لَهَا لَمْ يَكُنْ حَرَامًا لِمَا كَانَتْ تَابِتَةً بِذَلِكَ

گزارا ہے؛ کہ وہ تو حلال مگر حرام الحمد للہ جنوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعث ثواب

## دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات و جوات

اعتراض (۱) اس آیت مَا أَهْلٌ بِهِ لِنَعْيِ اللَّهِ فِي كَلِمَةِ أَهْلٍ اِبْطَالِ مِنْ شَيْءٍ سے مشتق ہے اور اِبْطَالِ کے معنی لغت

میں ذبح کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت

ذبحہ مردار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سدو کی گائے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو حرام ہے۔

(نوٹ) یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے۔

جواب: اِبْطَالِ کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عربی معنی ہیں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عربی معنی ہی

اس جگہ مراد ہیں صلوات کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عربی معنی ہیں نماز تو اتَيْمُوا الصَّلَاةَ سے نماز فرض

ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت ما اهل کے ماتحت ہے۔

الْأَهْلَالُ مَرْفَعُ الصَّوْتِ هَذَا مَعْنَى | الخ اِبْطَالِ کے معنی ہیں آواز بلند کرنا پکارنا، یہ معنی

الْأَهْلَالِ فِي اللُّغَةِ ثُمَّ قِيلَ لِلْمَحْرَمِ - لغوی ہیں پھر محرم کو کہا گیا الخ

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت ما اهل کے ماتحت ہے۔

أَيُّ مَرْفَعٍ بِهِ الصَّوْتِ هَذَا أَصْلُهُ | یعنی اسکو پکارا گیا ہو یہ اِبْطَالِ کے لغوی معنی ہیں پھر اس

ثُمَّ جَعَلَ عِبَارَةً عَمَّا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ - اہل سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے

اگر یہاں اہلال کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اولاً یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہوگی۔ مفسرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیر ہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر و منشور میں اسی آیت کے ماتحت ہے أَخْرَجَ ابْنُ الْمُنْذَرِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَمَا أَهْلَ الْآيَةِ قَالَ ذُبِحَ وَأَخْرَجَ ابْنُ جَرِيرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَمَا أَهْلَ يَعْنِي مَا أَهْلَ لِلطَّوْأغِيثِ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ مُجَاهِدٍ وَمَا أَهْلَ قَالَ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللَّهِ وَأَخْرَجَ ابْنُ حَاتِمٍ عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ وَمَا أَهْلَ يَقُولُ مَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ - تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے قَالَ الرَّبِيعُ ابْنُ أَنَسٍ يَعْنِي مَا ذُكِرَ عِنْدَ ذُبْحِهَا اسْمُ غَيْرِ اللَّهِ معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام و تابعین کا یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔

جواب :- دوم یہ ہے کہ تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَا كِتَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيُفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ - اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا کُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ کھاؤ اسکو جو نہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ تفسیر فتح البیان میں زیر آیت مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ اور نووی شرح مسلم کتاب الجنّة و نعيمها بَابُ الصَّفَةِ الَّتِي يُعْرَفُ بِهَا فِي الدُّنْيَا أَهْلُ الْجَنَّةِ صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔

الْمُرَادُ أَنْكَارُ مَا خَرَّ مَوْاعِلُ أَنْفُسِهِمْ مِنَ السَّائِبَةِ وَالْبَحِيرَةِ وَالْحَامِ وَالرِّهَالِمِ نَصْرًا حَرَامًا يَنْتَحِرُ نَيْمَهُ - یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانوران کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو سائبہ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان بسم اللہ کہہ کر ذبح کرے تو حلال ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقَالُوا

هَذِهِ الْأَعْمَاءُ وَحَرَمَاتٌ حَيْجَرٌ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ تَشَاءُ بِنِعْمِهِمْ۔ اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے۔ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال میں۔ نیز فرماتا ہے وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَعْمَاءِ خِلاَصَةٌ لِنَاؤُكُمْ مِنْ نَارٍ فَهَبْرًا مَرَّ عَلَىٰ أَسْرَدًا وَإِنَّا لَكٰفِرٌ بَرٌّ جَوَانِ جَانُورُونَ کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام یہ وہ ہی کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقف تھے اور کفار ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی ترمیم فرمادی گئی۔ توجب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پائے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے؟ تیسرے یہ کہ اہل کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھا دے کیلئے جانور مسلمان سے فرج کرایا۔ مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کر دی گئی کہ اولیاء اللہ کے نذر کا پالا ہو جانور حلال ہے چوتھے یہ کہ یہ معنی اعقل کے بھی خلاف ہیں اس لئے کہ جب اہل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اسکی زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیا بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے۔ مَا أَهْلٌ بِهِ لَبِغٌ لِلَّهِ اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے "ما" میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور نیت سے بہر حال حرمت آتی چاہیے، تو زید کا بکرا، عمر کی بھینس، زید کے آم، بکر کے باغ کے چھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ، امام بخاری کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام، اور بخاری ترمذی تو خاص مشرک ہوا۔ کہ انکی نسبت بخارا اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں، جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلاتی سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا۔ اور فلاں کی زوجہ کی گئی تب فلاں کو حلال ہوئی۔ کبھی غیر اللہ کی نسبت سے چیز کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ حیدرآباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستی لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمن خان کا استعمال شدہ قالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خریدا۔ پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں (سہ کار علی پوری) غرض کہ اہل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل و نقل سب ہی کے خلاف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت

نام پر بالابد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اہل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا یا اہل کی حد میں آیا۔ اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح اللہ کا نام پکانا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکارے پھر توبہ کرے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اہل کے معنی لغوی مراد لیے جانیں جب بھی پھل و جہ سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کب فی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی زنجیر ورنہ پھر لپٹے سے کیا فائدہ ہوگا۔ بغیر لپٹے کے بھی یہ معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان جبل نے آیت ما اهل به غیر اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کر جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے بہر حال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

**اعتراف (۲) فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیت غیر ذرا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیت حصوٰ عنوث پاک کو راضی کرنا ہے لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔**

**جواب:** ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولیٰ یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی کرنے کیلئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیدہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادت ہے۔ مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے۔ آگے چھپے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے پھری کی دھار کی آزمائش کے لیے ذبح کرنا یہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر بسم اللہ سے ہو تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لیے ذبح کرنا جیسے کہ شادی و لیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کیلئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کیلئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کیلئے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے کے لیے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو۔ جیسے کہ مہندو لوگ بنوں یا دیوی پر جانور کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے یہ جانور اگر بسم اللہ کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کو توبہ

کی نیت بھینٹ کی ہونے کو ذبح کرنا ہوائے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔  
وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ اور حرام ہے، وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے اس آیت کی تفسیر میں  
سلیمان حمل فرماتے ہیں۔

أَيُّ مَا قُتِلَ بِذُبْحِهِ النُّصُبُ وَكَمْ  
يُذَكَّرُ اسْمُهَا عِنْدَ ذُبْحِهِ بِلِ تَقْصِدَ  
تَعْظِيمُهَا بِذُبْحِهِ فَعَلَى لِبِعْنَى اللّٰهِ فَلَيْسَ  
هَذَا امْتَرًا مَعَ مَا سَبَقَ إِذْ ذَاكَ فِيمَا  
ذُكِرَ عِنْدَ ذُبْحِهِ اسْمُ الصَّنِيمِ وَهَذَا فِيمَا  
قُتِلَ بِذُبْحِهِ تَعْظِيمُ الصَّنِيمِ مِنْ  
غَيْرِ ذِكْرِهِ۔

یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے فحج سے بت  
مقصود ہوں اور ان کے فحج کے وقت بت کا نام نہ  
لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کیلئے کیا گیا ہو پس علی  
بمعنی لام ہے لہذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ  
دلائل ما اہل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا  
جاوے اور اس وہ جانور مراد میں جن کے فحج سے بت  
کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔

سبحان اللہ کیا عمدہ فیصلہ کیا کہ جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ما اہل میں داخل ہے اور جس ذبح  
سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ میں داخل۔ بعض فقہار نے ان دونوں صورتوں کو  
ما اہل سے ثابت کیا ہے معنی مَا ذُبِحَ لِتَعْظِيمِ غَيْرِ اللّٰهِ۔ اسی پر در مختار کی عبارت ہے غرض  
جانوروں کی حرمت میں دو چیزوں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ  
کو راضی کرنے کے لیے جانور کا خون بہانا یا اس معنی کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ تقرب بغیر اللہ ہے اسی کو  
فقہار حرام فرماتے ہیں چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لیے  
حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کو نیا لے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقہار  
پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہوا۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ بعض دیوبندی کہتے ہیں  
کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے  
یا دوسرا جانور کہ تو اس پر فاتحہ کرے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا  
معلوم ہوا کہ غوث پاک کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت  
والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے  
بدلنا۔ اسکی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا

گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ دلیر کے لیے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض لوگ فاتحہ کے لیے نئے برتن استعمال کرتے ہیں اور ان برتنوں کا تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں، جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبح کیوں حرام ہو گیا۔ غرضکہ اہتمام اور بے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت یا فاتحہ کے لیے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کیلئے ہو تو حلال ہے۔ کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اسکی عبادت نہیں **اعترض** (۳) در مختار عالمگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ۔

بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبح کیا۔ تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگرچہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔

ذُبِحَ لِقَدْوَمِ الْأَمِيرِ وَنَحْوِهِ كَوَاجِدٍ  
مِنَ الْعُظْمَاءِ يَحْرُمُ كَأَنَّهُ أَهْلًا بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ  
وَلَوْ ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنوی کے لیے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگرچہ بسم اللہ ہی سے ذبح ہو بہذا کیا رہوں گا جانور میر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لیے ہے اگرچہ ذبح بسم اللہ سے ہو۔ اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گذر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام۔ بھینٹ کے معنی بیان کئے جا چکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لیے جانور ذبح ہو تو اگرچہ دعوت سے رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ در مختار کتاب الذبائح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اور اگر ذبح مہمان کیلئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تاکہ اس میں سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کیلئے ہوگا اور نفع مہمان کیلئے یا دلیر یا تجارت کیلئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ یونہی کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لیے ہے لہذا حرام ہے۔

ذَلَوْلِ الضَّيْفِ كَالْيَحْرَمِ لِأَنَّهُ سُنَّةٌ  
الْخَلِيلِ وَالْكَرَامِ الضَّيْفِ الْكَرَامِ اللَّهُ  
الْفَارِقُ إِنَّهُ إِنْ قَدَّ مَهَالِيَا كُلِّ مِثْمَا كَانَ  
الذَّبْحُ لِلَّهِ وَالْمَنْفَعَةُ لِلضَّيْفِ أَوْ لِلْوَلِيْمَةِ  
أَوْ لِلرَّيْحِ وَإِنْ لَمْ يَقْدَّ مَهَالِيَا كُلِّ مِثْمَا  
بَلْ يَدَّ نَعْمًا لِيُغَيِّرَهُ كَانَ لِلتَّعْظِيمِ غَيْرِ  
اللَّهِ فَاحْرَمَ۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ در مختار میں ہے ذَنِي صَيْدِ الْمُنْيَةِ اِنَّهُ مَيْكُاٌ  
وَلَا يَكْفُرُ لَنَا لَا لِنَسِي الْقَتْلِ بِالْمُسْلِمِ اِنَّهُ  
يَتَقَرَّبُ اِلَى الْاَدَمِيِّ بِهَذَا النَّحْوِ -  
ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذابح کافر نہ ہوگا۔  
کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس  
ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا جرم ہے۔ اس کے حاشیہ رد المختار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیر آیت -

وَمَا اَهْلٌ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ هٖ مَآيِدٌ بَعَثَ عِنْدَ  
اِسْتِقْبَالِ السُّلْطٰنِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِ اَتَى اَهْلُ  
الْبَحَاذِي بِتَحْرِيمِہٖ وَقَالَ الرَّغِيبِيُّ هَذَا غَيْرُ  
مَحْتَرَمٍ لَانَّهُمْ اِنَّمَا يَذْبَحُوْنَہٗ اِسْتِشَارًا  
يَقْدُومِہٖ فَهٗوَ كَذَبِجِ الْعَقِيْقَةِ لَوْلَا ذَاةُ الْمَوْلُوْدِ  
مِثْلُ هَذَا لَا يُوْجِبُ التَّحْرِيمَ كَذَا فِي  
شرح المشارق -  
یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے  
اس سے قرب حاصل کرنے کے لیے اہل بخاری  
اسکی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا  
کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد  
کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ بچہ  
کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور  
کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہوگا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل پر رسم نہیں تو جو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لیے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے اختلاف زمانہ کی وجہ سے ہے۔  
غرض کہ گیارہویں کے جانور کو ذبحہ قدم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

**اعتراف (۴)** گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبح حرام ہے لہذا گیارہویں ماننے والے کا ذبح حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذرانہ میں ہے۔ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا يَجُوزُ اِلَّا مِنْ اِلٰهٍ عِبَادَةٌ وَاَلْعِبَادَةُ لَا تَكُوْنُ لِلْمَخْلُوْقِ -

**جواب ۱۔** اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں نذر عرفی ہے یعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لیے ہے اور اس کا تصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی مشرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔



# بحث ۲۱ ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

ادیبار اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح ان کے بعد ان کے تبرکات، باع و باس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کرنا مستحب ہے احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

## پہلا باب

### بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ** یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرا مگاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانیکا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے۔

حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔

وَعَنْ ذِرَاعٍ ذَكَرَ نَبِيٌّ وَقَدِ عَبْدُ الْقَيْسِ قَالَ لَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ فَجَعَلْنَا نَتْبَأُ دَرَسِيٍّ شَرًّا وَاجِلْنَا فَنُقْبِلُ يَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَلَهُ۔

مشکوٰۃ باب الکبار وعلامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عمال سے روایت ہے **فَيُقْبِلُ يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ** پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔ مشکوٰۃ شریف باب مَا يَقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَكَ الْمَوْتُ بروایت ترمذی دابوداؤد میں ہے۔

حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُثْمَانَ ابْنَ مَلْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ

شفا شریف میں ہے کہ ان ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا  
 الْمَسْبُورُ الَّذِي يَمْسُورُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْحَقَابَةِ  
 ثُمَّ يَضَعُهَا عَلَى رَجُلٍ

جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر  
 حضرت عبد اللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منبر پر رکھتے تھے  
 (چوتھے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے

اسْتَنْبَطَ بَعْضُ النَّبِيِّينَ مِنْ مَشْرِدِ عَيْشَةَ  
 تَقْيِيلَ الْأَسْرَاكِينَ جَوَازَ تَقْيِيلِ كُلِّ مَنْ يَسْتَعِينُ  
 الْعِظْمَةَ مِنْ أَرْجُلِي وَعُيُوبِهِ نُقِلَ عَنِ الْأِمَامِ  
 أَحْمَدَ أَنَّهُ سَأَلَ عَنْ تَقْيِيلِ مَنْبُولِيَّتِي عَلَيْهِ  
 السَّلَامُ وَتَقْيِيلِ تَابِئِهِ فَلَمْ يُرِبْهُ بِأَسَاذٍ نُقِلَ عَنْ  
 ابْنِ أَبِي الصَّنْفِ الثَّمَالِيِّ أَحَدِ عُلَمَاءِ مَدِينَةِ  
 الشَّامِ أَنَّ جَوَازَ تَقْيِيلِ الْمُصْحَفِ دَاجِزٌ  
 الْعَدَائِيَّةِ وَتَبْوَسِ الصَّالِحِينَ مُلْخَصًا

ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان  
 دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے  
 امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان  
 سے کہنے پر پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا قبر  
 انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن  
 ابی الصنف یامانی سے جو کہ مکر کے علماء شامیہ میں  
 سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق  
 بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہیں۔

تو شیخ میں علامہ جمال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اسْتَنْبَطَ بَعْضُ الْعَارِفِينَ مِنْ تَقْيِيلِ النَّجْمِ  
 الْأَسْوَدِ تَقْيِيلَ تَبْوَسِ الصَّالِحِينَ

حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان  
 دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

ان احادیث و محدثین و علماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اور ان کے  
 لباس نعلین، بال وغرض کہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ، قرآن شریف، کتب احادیث کے اوراق کا  
 چومنا جائز اور باعث برکت ہے، بلکہ بزرگان دین کے بال و لباس و جمع تبرکات کی تعظیم کرنا، ان سے  
 رطانی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا۔ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ تَبَايَعْتُمْ بَيْنَكُمْ  
 إِنَّ آيَةَ مَلِكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَ  
 آلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ۔ بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طاہریت کی بادشاہی کی نشانی  
 یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آویگا۔ جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور  
 کچھ بھی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ کی کراٹھائے ہوں گے اس کو فرشتے اس آیت

کی تفسیر میں تفسیر خازن دروح البیان و تفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر دریا تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں، ان کے مکانات شریفیہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اور ان کا عمامہ وغیرہ تھا۔ بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لیے اس کو سامنے رکھتے تھے۔ جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔ بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ ان کی عظمت کو ناطقین انبیاء ہے۔ تفسیر خازن و مدارک دروح البیان و کبیر سورہ یوسف پارہ ۱۲ زیر آیت *فَلَمَّا ذَهَبُوا* یہ کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تاکہ محفوظ رہیں۔ سائے پانی رب نے پیدا کیے ہیں۔ مگر آب زمزم کی تعظیم اس لیے ہے کہ یہ حضرت اسمعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔ مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبت ہوئی تو اسکی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ *وَآتَيْنَا دَاوُدَ وَآمِينَ مَقَامِ اِبْرَاهِيمَ مُصَدِّقًا سَبَّحَكَ بِسْمِ اللَّهِ جَمَادِيَّ* کہ معظّمہ کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔ تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی *لَا اُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ اِنَّكَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ*۔ نیز فرمایا۔ *وَهَذَا الْبَلَدِ الْاَمِينِ*۔ ایوب علیہ السلام سے فرمایا۔ *اِنَّكَ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ*۔ *هٰذَا مَعْتَسِلٌ بِاَرْدُ دُشْرَابٍ*۔ ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا۔ وہ شفا بنا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفا ہے۔ مشکوٰۃ شریع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس حضور علیہ السلام کا جبرہ (چکن) شریف تھا۔ اور مدینہ طیبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں اسی مشکوٰۃ کتاب الاطعمہ باب الاشراف میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک نکال کر پانی پیا۔ انہوں نے برکت کیلئے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔ اسی مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف باسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیچریہودیوں کا عبادت خانہ ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔ حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں گلی فرمادی

اور فرمایا کہ اس بیچہ کو توڑ دو اور اس پانی کو دہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنا لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا لغاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی شریف میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔ اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔ مشکوٰۃ باب السترہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضو فرمایا تو حضرت بلال نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال کی طرف دوڑے۔ جس کو اس غسالہ شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر مل لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمالی چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکرامیت باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنْ تَبَلَّ يَدَ عَالِمٍ اَوْ سُلْطٰنٍ عَادِلٍ  
يَعْلَمُ بِهِ وَعَدْلِهِ لَا بَأْسَ بِهِ -

اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم و عدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکرامیت باب زیارة القبور میں ہے۔

لَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ قَبْرِ وَاَلِدَيْهِ كَذَا فِي الْعَرَابِ | اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکرامیت باب ملاقات الملوک میں ہے۔

اِنَّ التَّقْبِيلَ عَلَى خَمْسَةِ اَرْجِهٖ قُبْلَةُ الرَّحْمَةِ  
كَقُبْلَةِ الْوَالِدِ وَوَلَدِهِ وَقُبْلَةُ النَّجِيَّةِ كَقُبْلَةِ  
الْمُؤْمِنِينَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ وَقُبْلَةُ الشَّفَقَةِ  
كَقُبْلَةِ الْوَالِدِ بِوَالِدَيْهِ وَقُبْلَةُ الْمُوَدَّةِ  
كَقُبْلَةِ الرَّجُلِ اَخَاهُ وَقُبْلَةُ الشُّهُورَةِ كَقُبْلَةِ  
السَّرْحَلِ اِمْرَاَتَهُ وَزَادَ بَعْضُهُمْ قُبْلَةَ الدِّيَانَةِ  
وَهِيَ قُبْلَةُ الْحَجْرِ الْاَسْوَدِ -

بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ کوئی شخص اپنے دوست کو بوسہ دے۔ شہوت کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔

در مختار جلد پنجم کتاب الکرامیت آخر باب الاستبراء بحث حصہ فہم میں ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِيلِ يَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطٰنِ الْعَادِلِ | علم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں۔

اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قَالَ ثُمَّ آذِنَ لَهُ فَقَبَّلَ رَأْسَهُ وَرَجُلَيْهِ  
وَقَالَ لَوْ كُنْتُ امْرَأًا لَخَدَّيْكَ لَأَسْجُدُ لِحَدِّكَ  
لَأَمْرَتِ الْمَرْأَةِ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَ  
قَالَ صَحِيحُ الْأِسْنَادِ -

حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس  
نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور  
حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر ہم کو مسجد کے  
حاکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔  
در مختار نے اسی جگہ بوسہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قَبَّلَتْهُ الدِّيَانَةُ لِلْحَجْرِ الْأَسْوَدِ وَ  
تَقَبَّلَتْهُ عُنْبَةَ الْكَعْبَةِ تَقْبِيلُ الْمُصَافِحِ قَبْلَ  
بِدْعَةٍ لَكِنْ سَمِعْتُ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ  
يَأْخُذُ الْمُصَافِحَ كُلَّ عِدَاةٍ وَيَقْبَلُهُ وَأَمَّا تَقْبِيلُ  
الْحَبْرِ فَجَوَّزَ الشَّافِعِيُّ أَنَّهُ بِدْعَةٌ مَبْأُوحَةٌ  
وَقِيلَ حَسَنَةٌ مُلَخَّصًا -

ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ  
شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض  
لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر رضی اللہ عنہ سے روایت  
ہے کہ آپ صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لیکر چرتے تھے  
اور روٹی کا چومنا اسکو شافعی لوگوں نے جائز فرمایا،  
کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مَوَدَّةً مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مَوْضِعٌ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مَوْضِعٌ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مَوْضِعٌ  
ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔ ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ  
دینا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور  
متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے، یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے  
سرور جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الخط والایمانہ صفحہ ۵۴ پر  
فرماتے ہیں "تعمیر دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے  
حدیث سے ثابت ہے۔" فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اسی قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

## دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

النشأۃ اس کے سوا اور نہ مل سکیں گے۔

اعتراض دا فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیم سجدہ حرام ہو گیا۔ تعظیم ہی رکوع بھی حرام ہو گیا اور جیکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لیے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہو گیا لہذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکرامیت باب الاستبصار بحث مصافحہ میں ہے۔

علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔ سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور مجبوظ میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہا کا ناپاہی کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔

وَتَقْبِيلُ الْأَرْضِ مِنْ يَدَيِ الْعُلَمَاءِ  
وَالْعُظَمَاءِ فَحَرَامٌ لِأَنَّهُ يُشَبَّهُ عِبَادَةَ الْوَالِدَيْنِ  
أَسَى كَمَا تَحْتِ شَامِي مِثْلُ مَا فِي الْأَيَّامِ فِي التَّلَا  
بِالْوَالِدَيْنِ الرَّكُوعُ كَالسُّجُودِ فِي الْمِحْطِ أَيْ  
يَكْرَهُ الْأَيْتَاءَ لِلْمُسْلِمِينَ وَغَيْرِهِمْ وَظَاهِرٌ  
كَلَامِهِمْ عَلَى إِطْلَاقِ السُّجُودِ عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا گیا اور داخل ہونیکا دروازہ چھوٹا رکھا گیا تاکہ اس مہمان سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاد دروازے میں پاؤں داخل کیے تاکہ جھکنا نہ لازم آجاسے دید اعتراض انتہائی ہے اور غلام دیوبندی دہلی اسی کو پیش کرتے ہیں

جواب :- ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر سجدے کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا احکام ہیں اس سے یہ اعتراض خود بخود ہی دفع ہو جاویگا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی، پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو نام کتب فقہ کتاب السلوٰۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی سے چار پائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہے۔ سجدہ تہیتہ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تہیتہ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا یا خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک

ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی توحید لائے شرک کسی نے نہیں پیدایا سجدہ توحید زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا ورنہ تو حضرت

آدم کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود زیر آیت وَقِيلَ لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ میں حضرت

ابو العالیہ سے ایک روایت نقل کی کہ زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ شیطان سے کہو کہ حضرت آدم کی قبر کو سجدہ کرے۔ شیطان بولا کہ جب میں نے آدم علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو ان کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ توحید کو حرام فرمایا۔ لہذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ توحید کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں۔ معترض نے جو در مختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ در مختار میں ہے۔

اِنَّ كَانَ عَلٰی وَجْهِ الْعِبَادَةِ وَالتَّعْظِيْمِ كُفْرًا  
وَ اِنَّ كَانَ عَلٰی وَجْهِ التَّحِيَّةِ لَا ذَمَّ اَثِمًا  
مُرْتَكِبًا لِّلْكِبْرِيَّةِ۔

اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لیے ہو تو کفر ہے اور اگر تحیۃ کے لیے ہو تو کفر نہیں ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

اسی عبارت کے ماتحت شامی نے اسکو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اسکی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یا اگر صدر کوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہار منع فرماتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لیے ہو اور وہ کام تعظیم کے لیے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جو تاسیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنا کہ جھکنا اگر چہ اس میں بھی ہے مگر جو تاسیدھا کرنے یا پاؤں چومنے کے لیے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لیے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہ نہ کی جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار کبریٰ میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کرنا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لیے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔ اعتراض ۲۔ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ

دے کر فرمایا اِنِّي اَعْلَمُ اِنَّكَ حَجْرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ

لَوْلَا اِنِّي مَرَّوَيْتُ مَسْوَلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَبَلْتُكَ۔

پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ نہ چومتا

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگِ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آگیا

مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جواب: مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ بدایہ نذیۃ الہدیہ میں حجرِ اسود کے ماتحت اسی حدیث

کو نقل فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

کو جواب دیا کہ اے امیر المؤمنین حجرِ اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت

کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي اٰدَمَ مِنْ طَهْرٰهُمْ ذُرِّيَّتِهِمْ حَبِيبًا

کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمانہ لیا تو وہ عہد نامہ ایک درق میں لکھ کر اس حجرِ اسود میں رکھا اور یہ

سنگِ اسود قیامت کے دن آویگا کہ اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مؤمنین کی گواہی دے گا۔

لہذا یہ اللہ کا امین اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق نے فرمایا

اے علی جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے معلوم ہوا کہ سنگِ اسود نفع و نقصان پہنچانے

والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگِ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ

تھا کہ آپ اس بوسہ حجرِ اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب

پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر تم کو متوجہ

کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا

اور ہے اور چومنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لَاتَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ

کے لفظ سے بوسہ معین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرمایا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ

بالذات یہ پتھر نفع اور نقصان کا مالک نہیں۔ جیسا کہ اہل عرب بتوں کو سمجھتے تھے اس کا یہ مطلب بھی نہیں

کہ اس پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا اور حضرت



علمی سرفزنی کا بھی رضی اللہ عنہا ہماری تقریر سے رد و انقض اور رد و بیوں دونوں کے  
اعتراض اٹھ گئے۔

تجرب ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تو سنگِ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے  
خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقامِ ابراہیم کو اپنا مصطلع بنا لیتے  
کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ **وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ أَنتَ  
مُصَلِّئٌ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ** بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند  
ہے۔

**اعتراض (۳)** بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں  
خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصلی چونکہ ان کے اصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لیے ان کا چومنا ان  
کی عظمت کو نامنع ہے۔ ہندوستان میں صد ہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا  
پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

**جواب:** تبرکات کے ثبوت کے لیے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں  
کافی ہے اس کے لیے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا  
زنا کے ثبوت کے لیے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لیے دو  
کی گواہی کافی اور رشتہ داروں کے چاند کے لیے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر نکاح، نسب یا دیگر  
اور اوقات کے ثبوت کے لیے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پر دیسی آدمی کسی عورت  
کو ساتھ لے کر مثل زنا، دوشوہرہ رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے  
سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے  
نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی  
کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لیے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ  
فرماتا ہے۔

کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں  
ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔

أَدَلُّمۡ یَسۡبُرُوۡا فِی الْاَرۡضِ فَیَنظُرُوۡا کَیۡفَ  
کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنْ قَبۡلِهِمۡ

اس آیت میں کفار کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لیے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا شفا شریف میں ہے۔ دَمِينِ اِعْظَامِهِ دَالِكَا بَرِهِ اِعْظَامُ جَمِيْعِ اَسْبَابِهِ دَاكِرًا مَشَاهِدًا دَامَلًا ذَرِيَّةً وَمَا كَسَدَتْ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَذْعُرَتْ بِهٖ حَضْرُو عِلِيٍّ السَّلَامُ كِي تَعْظِيْمٍ وَتَوْقِيْرٍ مِّنْ سَعِيْهِ يَهِيْ هُوَ كِهٖ حَضْرُو عِلِيٍّ السَّلَامُ كِي اَسْبَابِ اَنْ كِهٖ مَكَانَاتٍ اَدْرَجْنَ كُو اِسْ جِسْمِ پَاكِ سَعِيْ مِّنْ هُوَ كِيَا هُوَ اَدْرَجْنَ كِهٖ مَتَعَلُقٍ بِهٖ مَشْهُورٌ هُوَ كِهٖ حَضْرُو عِلِيٍّ السَّلَامُ كِي هُوَ اَنْ سَبِّ كِي تَعْظِيْمٍ كِهٖ سَهٗ شَرْحِ شَفَا مِيْنَ مَلَا عَلِيٍّ قَارِي اِسِيْ عِبَارَتِ كِهٖ مَاتَتْ فِرَا تَعِيْ مِيْنَ اِنَّ الْمَرْءَ اَدَّ جَمِيْعًا مَا نَسَبَ اِلَيْهٖ وَ اَذْعُرَتْ بِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِسْ سَعِيْ مَقْصِدِ هُوَ كِهٖ جُوْزِيْ حَضْرُو عِلِيٍّ السَّلَامُ كِي طَرَفِ مَنْسُوْبِ هُوَ مَشْهُورٌ هُوَ اِسْ كِي تَعْظِيْمٍ كِهٖ سَهٗ مَوْلَانَا عِبْدُ الْحَلِيْمِ صَا حِبِّ لِكَهْتُوِيْ نَعِيْ اِسِيْ كِتَابِ نُوْرِ الْاِيْمَانِ مِيْنَ بِهٖ هُوَ عِبَارَتِ شَفَا نَقْلِ فِرَا كِهٖ اَذْعُرَتْ بِهٖ بِرَحْمَتِيْ لِكَهٗ اِنِّيْ دَلُوْكَ اَنْ عَلِيٍّ وَجِهٖ الْاَشْتِهَارِ مِّنْ غَيْرِيْ | اِكْرِيْ بِهٖ نَسْبِ مَحْضِ شَهْرَتِ كِي بِنَا بِرِ هُوَ اَدْرَجْنَ كِهٖ ثُبُوْتِ اَحَادِيْثِ سَعِيْ نَهٗ هُوَ اِسِيْ طَرَحِ مَلَا عَلِيٍّ قَارِي نَعِيْ فِرَا يَا

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک منقطع میں یہ ہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے جن کی لوگ عزت و حرمت کرتے ہوں۔ تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لیے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں عاشقان راہکار با تحقیق ! ہر کجا نام ادست قربانیم !

لطیفہ : ہم دھوراجی کا ٹھہا اور کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو دو غلط کہنے گئے دہان بال مبارک کی زیارت کی جا رہی تھی۔ مسلمان زیارت کر رہے تھے درود پاک کا درود کرتے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرض کہ عجب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لقمے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہو رہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر مجھ ہی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے ان کا جواب نہ دیا۔ بلکہ ان سے پوچھا کہ جناب کا اسم

شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا ہے فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ ادلاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی سو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے مگر منہ ہو گئے کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ تو جسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہنچاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے کہ حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیے کیونکہ حضور کہنا ہمیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا۔ چپ رہ آؤ۔ بولے یہ کیا ہے فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی **اللَّهُمَّ ارْزُقْنَا شَفَاعَتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**۔

آج لے ان کی پناہ آج دو مانگ ان سے : پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا  
اعتراف (۴) نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں یہ تو تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا فوٹو  
ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جواب : یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیے لاہور کا  
چھپا ہوا، قرآن شریف، اس کا کاغذ و روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر  
واجب التعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دو شبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکمی ہے۔

## بحث ۲۲ عبد النبی عبد الرسول نام رکھنا

عبد النبی عبد الرسول عبد المصطفیٰ عبد العلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام  
کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن و حدیث و اقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں  
اس لیے اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض و جواب۔

# پہلا باب

## اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ** اور نکاح کرو اپنیوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں **وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ۔** اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔

اس عبارت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یعنی تمہارے بندے۔

قرآن کریم فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَي أَنفُسِهِمْ** اے محبوب فرما دو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے امید نہ ہو۔ **كَاتَّقَتُوا مِنْ تَرْحُمَةِ اللَّهِ۔**

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرما دو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے۔ یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں

بندہ خود خواند احمد در رشاد : جملہ عالم را بخوان قُلْ يَا عِبَادُ

حضور علیہ السلام نے سائے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پرکھ لو قُلْ يَا عِبَادُ۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ لفظہ مکیہ ترجمہ شائرم اداویہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا** صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا** آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسبر منبر خطبہ میں فرمایا **قَدْ كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ عَبْدًا وَخَادِمًا** میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں لائے رضی اللہ عنہما، تو عرض کیا۔

گفت مادو بندگان کونے تو : کردمش آزادم بر دے تو

عزیز کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔  
صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شجرہ علمی بیان فراتے ہیں۔

ذاتی اُرویہ عنہ شیخنا الشیخ عبد النبی الخلیلی میں اسکو اپنے شیخ عبد الباقی خلیلی سے روایت کرتا ہے  
معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبد النبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن  
صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کا یہ بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں نونکہ  
عبدی نسبت غیر ذرا کی طرف قرآن و حدیث و اقوال فقہار و اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب اولے  
عام طور پر کہتے ہیں۔ عبدی حُر۔ شاعر کہتا ہے: الْوَاهِبُ الْهَامَةُ الرَّهْجَانُ وَعَبْدُهَا

لطیفہ: تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبد النبی نام رکھنے کو مشرک کہا گیا  
تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت  
احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد ابن  
کریم النساء بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد۔ دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب  
کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی۔

## دوسرا باب

### اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعترض (۱) عبد کے معنی ہیں عابد عبادت کریں والا تو عبد النبی کے معنی ہوں گے نبی کی عبادت کریں والا اور  
یہ معنی اصریحی شرکیہ ہیں لہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب: عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاوے گا تو اس کے  
معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم لہذا عبد النبی کے معنی ہوتے  
نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکریمیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

والتسمیۃ باسم یوجب فی کتاب اللہ تعالیٰ | جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے

بَارِئَةٌ كَانَعَلِيَّ وَالرَّشِيدِ وَالْبَدِيعِ لِأَنَّهُ مِنْ  
الْأَسْمَاءِ الْمَشْرُوكَةِ وَيُرَادُ فِي حَقِّ الْعِبَادَةِ مَا كَا  
يُرَادُ فِي حَقِّ اللَّهِ تَعَالَى كَذَا فِي السِّتْرَا جِيَةِ -  
نام رکھنا جائز ہے جیسے کہ علی یار شید اور بدیع کیونکہ  
یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بند سے کیلئے ان کے وہ  
معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لئے مراد نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا  
کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے  
معنے اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنے اسی طرح عبد اللہ کے معنے اللہ کا عابد، عبد الغنی کے معنے  
نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنے ہوں گے مِنْ عِبَادِكُمْ۔

اعتراف ۲۲، مشکوٰۃ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔

لَا يَقُولُونَ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَرَأَيْتِي كَلِمَةً  
عَبِيدُ اللَّهِ وَكُلُّ النِّسَاءِ كُمَّ أَمْوَاءُ اللَّهِ وَ  
لَكِنْ لِيَتَكَلَّمَ غُلَامِي وَجَارِيَتِي -  
تم میں سے کوئی نہ کہے بھائی اور میری بہن تو تم سب  
اللہ کے بند سے جو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ کی  
لوتیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی و جاریتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور  
عبد الغنی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منع ہے۔

جواب :- یہ ممانعت کراہت تشریحی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولیٰ  
ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔

فَإِنْ قِيلَ تَدَقَّلَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الشَّرَاطِ  
السَّاعَةِ أَنْ تَلِدَ الْأُمَّةَ رَبَّتَهَا فَالْجَوَابُ مِنْ جِهَتَيْنِ  
أَحَدُهُمَا أَنَّ الْحَدِيثَ الثَّانِي بِلَيْكِنِ الْجَوَازُ أَنَّ  
النَّهْيَ فِي الْأَوَّلِ لِلْأَدَبِ وَكَرَاهَةِ التَّنْزِيهِ كَاللَّتَّعْرِيمِ -  
اگر کوہا جادے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں  
فرمایا کہ کوئی اپنے رب کو جسے لگے یعنی بند کو ب فرمایا اسکا  
جواب دو طرح ہے ایک کہ تشریحی حدیث بیان جواز کیلئے ہے اور  
پہلی حدیث میں ممانعت کیلئے ہے اور کراہت تشریحی نہ کہ تخریجی

مسلم میں اسی جگہ سے لَا يَقُولُونَ أَحَدُكُمْ لِلْعَيْنِ أَكْرَمُ فَإِنَّ الْأَكْرَمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ - اسی جگہ یہ بھی ہے لَا  
تُسَمُّوُ الْعَيْنَ الْأَكْرَمَ فَإِنَّ الْأَكْرَمَ الْمُسْلِمُ - انکو کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے مشکوٰۃ کتاب الادب باب اللسانی میں  
حکم تو اللہ ہے، اس کا حکم ہے تو تیرا نام ابو الحکم کیوں ہے۔  
مشکوٰۃ میں اسی جگہ سے لَا تَسْمِيَنَّ غُلَامَكَ يَسَارًا  
اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجح اور فلاح نہ

وَلَا رِبَا حَاقًا وَلَا يَجِيحًا وَلَا أَفْلَحَ - | رکھو۔

ان تمام حدیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کہ اہت تشریحی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن اور حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو ب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے۔ کَمَا سَمَّيْنَاكَ فِي صَغِيرِكَ: فَاسْمُ جِجِ اِلٰى سَمَّيْتُكَ۔ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مرقی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اُس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر اس زیادہ میں دیوبندیوں و ہابیوں کو چڑانے کے لیے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو وعدے دین روکنے کی کوشش کریں اس کو ضرور کرنا چاہیئے۔

## بحث ۲۳ اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنی اسقاط کرنیکا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لیے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

### پہلا باب

#### اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا ہے اسقاط کے لغوی معنی میں گرا دینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجیزہ الصراط میں ہے اسقاط آل چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ این قدر کہ میت شود اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمداً سہواً اخطاً رہ جاتے ہیں۔ جبکہ وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور اب بعد موت، ان کی سزا میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مظلوم نے اس سبکیسی کی حالت میں اس میت کی دستگیری کرنے کے لیے کچھ طریقے تجویز فرما

دئے کہ اگر ولی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کرے تو بچا رہ مرنے چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہیں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے۔ اس میں سے نو سال عورت کے لئے اور بارہ سال مرد کے لئے نابالغی کے لئے نکال دو اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہونیکے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئی ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کیں اس لئے زیادہ سے زیادہ انداز لگا لو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں نی نمازہ ۱۲ روپے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کر دو۔ یعنی جو نطرہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی وہ ہی ایک روز سے کی۔ تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً ۱۰ سیر گندم ہوئے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صد ہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار مالدار تو یہ کر سکے مگر غریب سے ناممکن۔ ان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کرے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ دے دے۔ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرما دے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مرد ج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں واپس کر دیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کر دیا سب نمازوں کا فدیہ ادا ہو گیا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ، لکھائی چھپائی کا ہے اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ کی خیرات کا ثواب ملیگا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر سزایا روپیہ سالانہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کر دیا کریں۔ غرض کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے طریقہ صحیح نہ ہونیکے



یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہو گا نہ کہ حرام ہے بلکہ دلیل کسی شے کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبند ہی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب اہل جادے گا۔

نوٹ: یہ ہم نے فدیہ کا جو وزن بیان کیا کہ پھر نازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۵، ۱۰ اور یہ اٹھنی بھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔ اسقاط کے ثبوت میں تین بخشیں کرنا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی جیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

## پہلی فصل - حیدہ شرعی کے جواز میں

شرعی جیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احمدیث صحیحہ احوال فقہار سے اس کا ثبوت ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں مار ڈنگار لے گا لے لے انکو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن مجید نے اسی فقرہ کو نقل فرمایا۔ وَخَذَّ بِنَاكَ ضِعْفًا قَاصِرًا بِسَبِّهِ وَلَا تَحْنُتْ تَمَّ اِسْمُ اِيْمَانِ جھاڑو لے کر مارو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے چالا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔ اس کے لئے بھی ایک جیلہ ہی فرمایا جبکہ مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ انکی آپس میں صلح کرادو۔ حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔ تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدویں۔

مشکوٰۃ، کتاب البیوع باب الربوا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرمے لائے۔ حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔ عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردی خرمے تھے میں نے دو صاع ردی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے لے لیئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔ آئندہ ایسا کرو کہ ردی خرمے پیسوں کے عوض فروخت کر دو اور ان پیسوں کے اچھے خرمے لے لو۔ دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک جیلہ ہے۔ عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحیل۔ اسی طرح الاشبہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے۔

جو حید کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حید اس لئے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا عملال کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیدوں کے جائز ہونے کی دلیل رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو اس سے مارو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ بھی صحیح مذہب ہے جموی شرح اشباہ اور تارخانہ میں جواز حید کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔

كُلُّ حَيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِإِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ أَوْ لِإِدْخَالِ شُبُهَةٍ فِيهِ أَوْ لِتَمْوِيهِ بَاطِلٍ فِيهِ مَكْرٌ وَهَتْةٌ وَ كَلُّ حَيْلَةٍ يَحْتَالُ بِهَا الرَّجُلُ لِيَتَخَلَّصَ بِهَا عَنْ حَرَامٍ أَوْ لِيَتَوَصَّلَ بِهَا إِلَى حَلَالٍ فِيهِ حَسَنَةٌ وَالْأَصْلُ فِي جَوَائِزِ هَذَا النَّوعِ رَأَاهُ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہو گیا حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقع ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹوں گی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان میں صلح کرادیں حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حید ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم پر وحی آئی کہ حضرت سارہ کو حکم دو کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدیں۔ اسی وقت سورتوں کے کان چھیدے گئے۔

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ وَقَعَتْ وَحْشَةٌ بَيْنَ هَجْرَةَ وَسَارَةَ فَخَلَقَتْ سَارَةُ أَنْ ظَفَرَتْ بِهَا فَطَعَتْ عَضْوَامِنَهَا فَأَرْسَلَ اللَّهُ جِبْرِيْلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يُصَلِّمَ بَيْنَهُمَا فَقَالَتْ سَارَةُ مَا حَيْلَةٌ يَمِينِي فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنْ يَا مَرْسَارَةَ أَنْ تَنْقُبِ أذُنِي هَاجِرَةَ فَمِنْ ثَمَّ لِقُوبِ الْأُذُنِ -

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حید شریعی کا جواز معلوم ہوا۔

## دوسری فصل۔ روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ عَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهِ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔ اس سے معلوم

ہو کہ مجبور، بوڑھا یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ ہے تو سب روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتمم بالشان ہے اس لئے نماز کو روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وَالصَّلَاةُ نُظِيْرُ الصَّوْمِ بَلْ اَهْمُّ

فِيهِ فَاَمْرًا نَاهُ بِالْفِدْيَةِ اِحْتِيَا طًا وَّ

رَجَوْنَا الْقَبُولَ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَضَلًا

منار میں ہے ووجوب الفدية في الصلوة للاحتياط

شرح دقايہ میں ہے وندية كل صلوة

كصوم يوم وهو الصحيح۔

شرح ایسا میں ہے ويعتبر فدية كل

صلوة فائت كصوم يوم اى كفدية يوم۔

فتح القدیر میں ہے من مات وعليه قضا

رمضان فادى به اطعم عنه

وليئه لكل يوم مسكينا نصف صاع

من براء وصاعا من تمر او شعير لانه

عجز عن الاداع وكذلك اذا

ادى بالاطعام عن الصلوة۔

نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہذا

ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطا حکم دیا اور رب

تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔ نماز

میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطا ہے۔

ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح

ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔

ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے

پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔

جو شخص مریض اور اس پر رمضان کی قضاء ہے

پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی

ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک

صاع خرے یا جو دیدے کیونکہ میت اب اسے مجبور

ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں

کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔

طحاوی علی مرقی الفلاح میں ہے اعلم انه قد درى النص في الصوم باسقاطه بالفدية انفق

كلمته الشائخ على ان الصلوة كالصوم استحصانا واذا علمت ذلك تعلم مجهل من يقول ان

اسقاط الصلوة لا اصل له ابطال للمتنفق عليه من المذهب۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز اور روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اسکی

تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبد الرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبد اللہ ابن عباس

نقل فرمایا۔ لا یصتی احد عن احد ولا یصوم احد عن

کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے روزہ رکھے لیکن اسکی طرف سے ہر دن

أَحَدٌ وَلَكِنْ يُطْعِمُهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مَدِينٍ مِّنْ مَّخْطِئَةٍ  
 شُكْرًا لِّكُتَابِ الصُّومِ بِأَبِ الْقَضَائِينَ هُوَ قَالَ  
 مَا تَدْعِيهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعِمْهُ  
 عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِينًا -  
 ہر دن کے عوض دو دو گندم (ادھا صلح) خیرات کرے۔  
 جو مہینہ چارے اور اس کے ذمہ ماہ رمضان کے روزے  
 ہوں تو چاہیے کہ اس کی طرف سے ہر دن کے عوض  
 ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔  
 غرضکہ نماز روزے کا فدیہ مال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

## تیسری فصل - مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح  
 میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی۔ فَصَّلَ فِي اسْقَاطِ الصُّومِ وَالصَّلَاةِ یعنی یہ فصل نماز  
 وروزے کے اسقاط میں ہے اس میں فرماتے ہیں وَلَا يَصِحُّ أَنْ يَصُومَ وَلَا أَنْ يُصَلِّيَ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَفِ مَا  
 أَوْصَى بِهِ عَمَّا عَلَيْهِ يَدْفَعُ ذَلِكَ الْمِقْدَارَ لِلْفَقِيرِ فَيَسْقُطُ عَنِ الْمَيْتِ بِقَدْرِهِ ثُمَّ لِيَهْبَهُ الْفَقِيرُ  
 وَهَكَذَا حَتَّى يَسْقُطَ مَا كَانَ عَلَى الْمَيْتِ مِنْ صِيَامٍ وَصَلَاةٍ وَيَجُوزُ إِعْطَاءُ قِيَادَتِهِ صَلَوَاتٍ لِوَجَدِ  
 جُمْلَةً بِحَدِّانِ كَفَّارَةِ الْعَمِينَ - ترجمہ وہ ہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔ درمختار باب تفنن الفرائض  
 میں ہے وَكُلُّهُ يَتْرُكُ مَا لَا يَسْتَقْرِضُ وَارِثُهُ نِصْفُ صَاعٍ مَثَلًا وَيَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْفَقِيرُ  
 لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَثَمَهُ حَتَّى يَتِمَّ اس کا ترجمہ وہ ہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اسکی شرح میں شامی میں  
 اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَالْأَقْرَبُ أَنْ يُحْسَبَ عَلَى الْمَيْتِ وَيَسْتَقْرِضُ  
 بِقَدْرِهِ بِأَنْ يُقَدَّمَ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوْ سَنَةٍ أَوْ  
 بِحَسَبِ مَدَّةِ عُمُرِهِ بَعْدَ اسْقَاطِ ثَمَنِ عَشْرٍ سَنَةٍ  
 لِلذَّكَرِ وَتِسْعٍ سِنِينَ لِلْإُنْثَى لِأَنَّهَا أَقَلُّ مَدَّةً  
 بَلَوْغُهُمَا فَيَجِبُ عَنْ كُلِّ شَهْرٍ نِصْفُ عَزْرَاةٍ  
 فَتَمَّ الْقَدِيرُ بِأَلْمَدَةِ الدَّمِشَقِيِّ مَدَّةً زَمَانًا وَكُلِّ سَنَةٍ  
 شَمْسِيَّةٍ سِتُّ عَزْرَاةٍ فَيَسْتَقْرِضُ قِيمَتَهَا وَيَدْفَعُهَا  
 یعنی اُس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کرے کہ میت پر  
 کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس اندازے سے قرض  
 لے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے اندازے سے  
 لے یا میت کی کل عمر کا اندازہ کرے اور پورے عمر میں بلوغ کی  
 کم از کم مدت جو دو کیلئے بارہ سال ہے اور عورت کیلئے نو سال  
 وضع کرے پھر حساب لے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف  
 عزان ہو گا فتح القدیر دمشقی مد سے اور ہر شمسی سال کا کفارہ

چھ روزہ ہوا پس وارث اسکی قیمت قرض سے اور فقیر کو اسقاط کیلئے بے پھر فقیر اسکو دیر سے اور وارث ہبہ قبول کر کے مہسوب پر قبضہ کرے پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں سے اسی طرح دورہ کرنا ہے تو ہر نفع میں ایک سال کا کفارہ اور ہر کاوارا کے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ <sup>تکلیف</sup> پھر تکلیف لکھ کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔

لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَسْتَوْهَمُهَا مِنْهُ وَيَسْتَلِمُهَا مِنْهُ لِنَيْتَةِ  
الرَّهْبَةِ ثُمَّ يَدْفَعُهَا لِذَلِكَ الْفَقِيرِ وَالْفَقِيرُ وَالْفَقِيرُ  
آخَرَ وَهَكَذَا فَيَسْقُطُ فِي كُلِّ مَرَّةٍ كَفَّارَةٌ سَنَةً  
بَعْدَ ذَلِكَ يَعِيدُ الدَّوْرَ بِكَفَّارَةِ الصِّيَامِ  
ثُمَّ الْأُضْحِيَّةِ ثُمَّ الْأَيْمَانَ لَيْكُنْ لَا يَدْفَعُ فِي  
كَفَّارَةِ الْأَيْمَانَ مِنْ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ  
بِخَلْفٍ فِذِيَةِ الصَّلَاةِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ إِعْطَاؤُ  
فِذِيَةِ صَلَاةٍ لِلْوَاحِدِ۔

یہ بالکل وہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشیاء والنظائر میں ہے۔ اَدَاةُ الْفِذِيَةِ عَنْ صَوْمِ  
اَيِّهِ اَوْ صَلَاتِهِ وَهُوَ فَاقِرٌ يُعْطَى مِنْ مَنُوْنٍ مِنَ الْحِنْطَةِ فَقِيْرًا ثُمَّ يَسْتَوْهَمُهَا ثُمَّ يُعْطِيْهِ وَهَكَذَا اِلَى اَنْ يُتِمَّ  
مَرَاتِي الْفَلَاحِ شَرْحُ نَوْرِ الْاِيْصَاحِ فِيْ هِيَ فَعِيْلَتُهُ لِاَبْرَاوِيْمَةَ الْمَيْتِ عَنْ جَمِيْعِ مَا عَلَيْهِ اَنْ يَدْفَعَ ذَلِكَ  
الْمِقْدَارَ الْيَسِيْرَ بَعْدَ تَقْدِيْرِهِ بِشَيْءٍ مِنْ صِيَامٍ اَوْ صَلَاةٍ اَوْ نَحْوِهِ وَيُعْطِيْهِ لِلْفَقِيْرِ بِقَصْدِ اسْقَاطِ مَا يَرُدُّ  
عَنِ الْمَيْتِ ثُمَّ بَعْدَ قَبْضِهِ يَهْبَةُ الْفَقِيْرِ لِلْوَتِيِّ اَوْ لِلْاَجْنَبِيِّ وَيَقْبِضُهُ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْمَوْهُوبُ لَهُ  
لِلْفَقِيْرِ كَهَيْئَةِ الْاِسْقَاطِ مَتَّبِعُوْهُ عَنِ الْمَيْتِ ثُمَّ يَهْبَةُ الْفَقِيْرِ لِلْوَتِيِّ اِلَى اَنْ قَالَ: وَهَذَا هُوَ الْمُخْلِصُ  
اِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى۔ ترجمہ وہ ہی ہے جو اوپر گزرا۔ عالمگیری میں ہے: اِنْ لَمْ يَتْرُكْ مَا لَا يَسْتَقْرِضُ وَرَثَتُهُ  
نِصْفَ صَاعٍ وَيَدْفَعُ اِلَى مَسْكِيْنٍ ثُمَّ يَتَّصِدُّ مَسْكِيْنٍ عَلَيَّ بَعْضِ وَرَثَتِهِ ثُمَّ يَتَّصِدُّ حَتَّى يُتِمَّ  
اَلْكُلَّ كَذَا فِي الْاِخْلَاصَةِ۔ اسی طرح بحر الرائق۔ عینی شرح کنز الدقائق۔ جامع الرموز۔ معتمد ظہیر یہ شرح مختصر یہ  
فتاویٰ قاضی خان۔ قرائد جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف تمام کی عبارات  
نقل نہیں کیں منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی شید احمد صاحب  
گنگوہی کا فتویٰ بھی ملاحظہ ہو۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۱۰۳ میں ہے: حیلہ اسقاط کا مفلس  
کے واسطے علمائے اہل حق وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلسوس کا ملائوں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے جن تعالیٰ  
نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگر نہیں مفلس کو واسطے بشرط صحت نیت و رشہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو  
ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دینا دیر کا ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اگرچہ اس میں بہت سیر پھیر کی مگر جائز مان لیا لہذا اب کسی دیوبندی کو توحید استقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چلا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا۔ توحید کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہذا لغو ہے۔

## دوسرا باب

### حیلہ استقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

(۱) حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

يُخَدِّعُونَ اللَّهَ وَالدِّينَ اٰمَنُوْا دَمَا  
يَخَدِّعُونَ اِلاّ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور  
نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب: حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کر نیکی شرعی تدبیر

اُردو میں بولتے ہیں "حیلہ رزق بہانہ موت" اور شرعی حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گذر گیا کہ کسی کو فریب دینے کیسے حیلہ کرنا گناہ ہے لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوٰۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوٰۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔

یعنے کا حیلہ کرنا بڑا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس میں فقرا کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔ رحمت حق بہانہ می طلبیدہ رحمت حق بہانہ می طلبیدہ خدائی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدائی رحمت بہانہ چاہتی ہے یہ آیت بخدعون منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لیے آڑ بناتے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیونکہ صدقہ غضب الہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ۔ مشکوٰۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینار خیرات کرے۔ اسی مشکوٰۃ باب الحيض میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرے تو ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر تم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آئندہ نمازوں کا فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرادیں۔

**اعتراض (۲)** نماز و روزہ عبادت بدنی ہے اور فدیہ مال ہے اور مال بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

**جواب:** یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرما رہا ہے دَعَى الَّذِينَ يُطِيقُونَ فِدْيَةَ طَعَامٍ مِّسْكِينٍ جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معادضہ مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوتا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلے التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالت احرام شکار کر لیا۔ اگر پیہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزہ رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرمادیا بس و چشم منظور ہے۔

**اعتراض (۳)** جیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیونکہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ ایسے یہ بند ہونا چاہیے جو اب یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوٰۃ سے مسلمانوں میں بیکاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیونکہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوٰۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جبکہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کرنیوالے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز یہ مسئلہ اسقاط صد ہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

**اعتراض (۴)** کچھ بنی اسرائیلیوں نے جیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الہی آ گیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے کہ **كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِیْنَ** معلوم ہوا کہ جیلہ محنت گناہ ہے اور عذاب الہی کا باعث۔  
**جواب**۔ جیلہ کاحرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائزہ جیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا جیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے جیلہ اب بھی منع ہیں۔

**اعتراض (۵)** قرآن فرماتا ہے۔ **لَیْسَ لِلْإِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعَىٰ** نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کمائے اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی ادلاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرادے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ جیلہ خلاف قرآن ہے۔

**جواب**۔ اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجیہیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی کا مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے یا نہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے۔

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرا یا بھول جائے ۔ فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے!  
یاد رہے کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے اسکے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر یہ توجیہیں نہ کی جاویں



تو بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آدیگی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کیلئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعا ہی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے اسکی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

**ضروری ہدایت**۔ بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو

تو میت کے درنا اسکی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کرتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوٰۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دیا جاتا ہے دَتُوْنِي عَنْهُ أَصْحَابَةُ آتَاهُ مَلَكًا اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر نکیر فرشتے سوالات کے لیئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوة الجنا

میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید۔ جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا، زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرتویا اور بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں، صدیق۔ نابالغ بچہ، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہرات سورہ ملک پڑھنے والا یا مرض موت میں روزانہ سورہ اخلاص پڑھنے والا بعض نے فرمایا کہ نبی سے بھی، اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی دہاں موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور اب جب جمعہ آگیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا۔ گویا یہ عذاب الہی سے میت کو بچانگی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرمادے۔ اب جبکہ آدمی دہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے جس سے میت کو بھی فائدہ ہو اور فاری کو بھی۔ کتاب الاذکار مصنف امام نووی باب ما یقول بعد الدفن میں ہے کہ قَالَ الشَّاهِدُ فِیْهِ یُسْتَعْبَعُ اَنْ یَقْرَأَ عِنْدَهُ شَیْئًا مِنَ الْقُرْآنِ قَالُوا فَاَنْ حَتَمُوا الْقُرْآنَ کُلَّهُ کَانَ حَسَنًا۔ یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے، اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ اگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی انشاء اللہ مگر چاہیے یہ کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگرچہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

ضروری نوسٹ۔ بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے اَدْعَيْتِ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا اِذَا صَلَّى جَلاد کچھ تو جو منع کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کہ کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا ہرگز جائز نہیں قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۴، سورہ انعام زیر آیت وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہوا سکے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیتہ الکرسی اور قل ہو اللہ اور فلق و سورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔

ایک حدیث نقل کی۔ اَيُّمَا عَبْدٍ اَدَامَتْهُ تَرَكَ صَلَاتَهُ فِي جَهَنَّمَ لَوْ تَابَ وَنَدِمَ عَلَى تَرْكِهَا فَلْيُصَلِّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ رُكْعَةً يَقْرَأُ فِي كُلِّ مِّنْهَا الْفَاتِحَةَ وَايَةَ الْكُرْسِيِّ وَالْاِخْلَاصَ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ مَرَّةً لَّا يَجَاسِبُهُ اللهُ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ ذَكَرَ فِي مُخْتَصِرِ الْاِحْيَاءِ۔

صاحب روح البیان اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادوم ہونیکا یہ مطلب ہے۔ کہ وہ تارک الصلوٰۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضا کرنے کا جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضا نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں یہ تو روافض بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ سال بھر تک نماز نہ پڑھو۔ پس جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوٰۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہ الہی سے جواب آیا کہ تم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر مروفہ میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمائیے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مار لو، کسی کو قتل کر دو، کسی کی چوری کر لو اور حج کر آؤ۔ سب

معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادا سے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہو گئی وہ معاف کر دی گئی حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان اس قضا امری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔

## بحث ۲۲ اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ فرما رہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہا میں کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین۔

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

### پہلا باب

#### انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِسْ كُوْسُنْ كِرَ اِپْنِ دُوْنُوْنِ اِنْگُوٹْھِیَ یَا كَلْمَیْ كِی اِنْگُوٹْھِیَ چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی و دینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عاتقہ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوة مسویٰ جلد دوم باب بستم بانگ نماز میں ہے۔

حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے چھپے چھپے جنت میں لے جائیں گے۔

مُرُوْدِیْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
اَنْهُ قَالَ مَنْ سَمِعَ اِسْمِیْ فِی الْاَذَانِ وَوَضَعَ  
اِیْهَا مِیْہِ عَلٰی عَیْنِیْہِ فَاَنَا طَالِبُہِ فِیْ صَفُوْنِ  
الْقِیْمَةِ دَقَائِدًا اِلٰی الْجَنَّةِ۔

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ مائدہ زیر آیت وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلٰی الصَّلٰوةِ الْاٰیْمَةُ ہے۔

وَضَعَفَ تَقْبِيلُ ظَفَرِي إِيهَامِيهِ مَعَ مَسِيئِهِ  
وَالسَّمْعُ عَلَى عَيْنِيهِ عِنْدَ قَوْلِهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ  
لَأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ فِي الْحَدِيثِ الْمَرْفُوعِ لِكُنْتِ  
الْحَدِيثَيْنِ اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْحَدِيثَ الضَّعِيفَ  
يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ فِي التَّرْغِيبِ التَّرْهِيْبِ  
شامی جلد اول باب اذان میں ہے یُسْتَعَبُّ  
أَنْ يُقَالَ عِنْدَ سَمَاعِ الْأُولَى مِنَ الشَّهَادَةِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ دَعِئِدَا  
الثَّانِيَةَ مِنْهَا قَرَّتْ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
ثُمَّ يَقُولُ اللَّهُمَّ مَتِّعْنِي بِالسَّمْعِ وَالْبَصْرِ  
بَعْدَ وَضْعِ ظَفَرِي الْأَبْهَامِيْنَ عَلَى الْعَيْنَيْنِ  
فَأَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَكُونُ قَائِدًا لَهُ إِلَى  
الْجَنَّةِ كَذَاتِي كُنْزِ الْعِبَادِ قَرِهُسْتَانِي وَنَحْوَهُ  
فِي الْقِتَادِي الصُّرْفِيَّةِ وَفِي كِتَابِ الْفِرْدَوْسِ  
مَنْ قَبَّلَ ظَفَرِي إِيهَامِيهِ عِنْدَ سَمَاعِ أَشْهَدُ  
أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللَّهِ فِي الْأَذَانِ أَنَا  
قَائِدُهُ وَدَخِلَهُ فِي صُفُوفِ الْحَنَّةِ وَ  
تَمَامُهُ فِي حَوَاشِي الْبَحْرِ لِلرَّمَلِيِّ

محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں  
کو مع کلمے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے  
کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لیکن  
محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل  
کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے  
اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے -  
صلی اللہ علیک یا رسول اللہ اور دوسری شہادت  
کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بک یا رسول اللہ پھر اپنے  
انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے  
اللہم متعینی بالسمع والبصر تو حضور علیہ السلام  
اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے  
اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کے مثل قنادی  
صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ  
جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان  
میں اشہدان محمد رسول اللہ سن کر تو میں اس کو  
اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے  
جنت کی صفوں میں داخل کروں گا۔ اس کی پوری  
بحث بحر الرائق کے حواشی ربلی میں ہے۔

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، قنادی صوفیہ، کتاب الفردوس  
قبستانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔ مقاصد حسنة فی الاحادیث الدائرة علی السنن  
میں امام سخاوی نے فرمایا۔

دیلی نے فردوس میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ  
سے روایت کی کہ ان سرکار نے جب مؤذن کا

ذَكَرَهُ الدَّيْلَمِيُّ فِي الْفِرْدَوْسِ مِنْ حَدِيثِ  
أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ

لَمَّا سَمِعَ قَوْلَ الْمُؤَدِّنِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا  
رَسُولُ اللَّهِ قَالَ هَذَا قَبْلَ بَاطِنِ الْأَهْلِ الثَّانِيَيْنِ  
السَّبَابِيَيْنِ وَمَسَمَعَ عَيْنِيهِ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي  
فَقَدْ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي وَلَمْ يَصِحَّ -

قول اشہدان محمد رسول اللہ سنا تو یہ ہی فرمایا  
اور اپنی کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصوں کو چوما  
اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام  
نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے  
اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

یہ حدیث پایہ صحت تک پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنف ابو العباس احمد مکرر دار سے نقل  
کیا۔ عَنِ الْخَضِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّهُ قَالَ  
مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ الْمُؤَدِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ  
أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ مَرْحَبًا بِحَبِيبِي وَ  
قُرَّةَ عَيْنِي مُحَمَّدًا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ ثُمَّ يَقْبَلُ  
إِنهَامِيهِ وَيَجْعَلُهُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَزُ مَدًّا أَبَدًا

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بارتیز ہوا چلی۔ جس سے ان کی آنکھ  
میں لنگری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا۔

وَأَنَّهُ لَمَّا سَمِعَ الْمُؤَدِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا  
رَسُولُ اللَّهِ قَالَ ذَلِكَ فَغَرَجَتْ الْخُصَاةُ مِنْ نُورِهِ  
اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام امجد کو فرماتے ہوئے سنا  
امام امجد متقدمین علمائے مصر میں سے ہیں (فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک  
سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وَقَبْلَهُمَا وَمَسَمَعَ بِهِمَا عَيْنِيهِ لَمْ يَزُ مَدًّا أَبَدًا  
پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق و عجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔  
وَقَالَ لِي كُلُّ مَنَّهُمَا مَدًّا فَعَلْتُهُ لَمْ  
تَزُ مَدًّا عَيْنِي -

انہوں نے فرمایا کہ جب سے میں نے یہ عمل کیا ہے  
میری بھی آنکھیں نہ دکھیں۔

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔

قَالَ ابْنُ صَالِحٍ وَانَا مُنْذُ سَمِعْتُهُ  
اسْتَعَلَّمْتَهُ فَلَا تَرُدُّ عَيْنِي وَارْجُوا اَنْ  
عَافِيَتَهُمَا شَادُوْمَ وَاِنِّي اَسْلِمُ مِنَ الْعَصِي  
اِنْشَاءَ اللّٰهِ۔

ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب یہ سنا ہے اس پر  
عمل کیا میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں  
کہ انشاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہیگا اور میں اندھا ہونے  
سے محفوظ رہوں گا۔

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشمدان محمد رسول اللہ سن کر  
یہ کہے مَرَحِبًا بِجَبِيَّتِي وَقَرَّةَ عَيْنِي مُحَمَّدًا ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور اپنے انگوٹھے  
چوم لے اور آنکھوں سے لگائے۔ لَمْ يُعْمِدْ وَلَمْ يَرْمُدْ کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں  
گی۔ غرض کہ اسی مقاصد میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔ شرح نقایہ میں ہے۔

وَأَعْلَمَ أَنَّهُ يُسْتَعْبَدُ أَنْ يُقَالَ عِنْدَ  
الْأَوْلَى مِنَ الشَّهَادَةِ الثَّانِيَةَ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَعِنْدَ الثَّانِيَةِ مِنْهَا  
قَرَّتْ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَعْدَ وَضْعِ  
ظَفَرِي فِي إِبْهَامَيْنِ عَلَى الْعَيْنَيْنِ فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
يَكُونُ لَدُنَّ قَائِدِ الْإِسْلَامِ كَمَا كُنَّا فِي مَوْلَانَا جَمَالِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ قَدَسِ مَرَّةٍ أَوْ ثَلَاثٍ مِنْ فَرَمَاتِهِ فِي  
كُنْزِ الْعِبَادِ  
تَقْبِيلِ الْإِبْهَامَيْنِ وَوَضْعِ هُمَا عَلَى الْعَيْنَيْنِ  
عِنْدَ ذِكْرِ اسْمِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْأَذَانِ  
جَائِزٌ بَلْ مُسْتَعْبَدٌ صَوَّحَ بِهِ مَشَائِخُنَا۔

جاننا چاہیے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت  
کے پہلے کاہن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یا رسول  
اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے  
تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے  
پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے

اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر  
انگوٹھے چومنا اور انگوٹھوں سے لگانا جائز بلکہ  
مستحب اسکی بہرہ مستثنیٰ نے تصریح فرمائی ہے

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ تکمیل مجمع بحار الانوار میں اسی حدیث کو لایصح فرما کر فرماتے ہیں۔

دَرْمُودِي تَجْرِبَةٌ عَنْ كَثِيرِينَ - اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت  
صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قلم مراد آبادی دام اللہم فرماتے  
ہیں کہ ولایت سے انجیل کا ایک بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام ہے (انجیل برنس اس،  
آجکل وہ عام طور پر شائع ہے اور زبان میں اس کے ترجمے کیئے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلامی

احکام سے ملتے جلتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس انور مصطفویٰ کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناسنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفویٰ کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو، جہاں بتایا گیا ہے کہ زبیر بن عوف نے روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔ علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی و علمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب اعانتہ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین، مصری صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثُمَّ يَقْبَلُ إِلَيْهَا مِيَهُ وَيَجْعَلُ هُمَا عَلَى عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمِدْ وَلَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا۔

پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے، آنکھوں سے لگائے  
تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔

مذہب مالکی کی مشہور کتاب کفاية الطالب الرباني لرسالة ابن أبي زيد القيرواني، مصری جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔

عَيْنَيْهِ لَمْ يَعْمِدْ وَلَمْ يَرْمُدْ أَبَدًا۔

اندھا ہوا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی عدوی صفحہ ۷۱ میں فرماتے ہیں۔

لَمْ يَبَيِّنْ مَوْضِعَ التَّقْبِيلِ مِنْ إِبْهَامَيْنِ إِلَّا أَنَّهُ نَقِلَ عَنِ الشَّيْخِ الْعَالِمِ الْمُفْتِي نُوَيْرِ الدِّينِ الْحَرَّاسَانِيِّ قَالَ بَعْضُهُمْ لَقِيْتُهُ وَرَأَيْتُ الْأَذَانَ فَلَمَّا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ قَبَّلَ إِبْهَامَيْنِ نَفْسِهِ وَرَمَسَهُمَا بِالظُّفْرِ يَنْ أَحْفَانَ عَيْنَيْهِ مِنْ الْمَاتِ إِلَى نَاحِيَةِ الصُّدْرِ ثُمَّ فَعَلَ ذَلِكَ عِنْدَ كُلِّ تَشْهِيدٍ مَرَّةً فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ كُنْتُ أَفْعَلُهُ ثُمَّ تَرَكْتُهُ

مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نور الدین حرّاسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشدھان محمد رسول اللہ کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا اور کپٹی کے کونے تک پہنچایا۔ پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے





حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہو تو باعث ثواب ہے بلا دلیل ممانعت منع نہیں کر سکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم کی عبادت سے باعث ثواب ہے۔

## دوسرا باب

### انگوٹھے چومنے پر اعتراضات و جوابات

اعتراض (۱) انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہو سکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا لَا یَصِحُّ فِي الْمَرْفُوعِ مِنْ كَلِّ هَذَا شَيْءٍ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا۔ كُلُّ مَا يُرْوَى فِي هَذَا فَلَا يَصِحُّ سَرَفُهُ یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا لَمْ يَصِحَّ مِنَ الْمَرْفُوعِ مِنْ هَذَا شَيْءٍ ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔

جواب :- اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرما رہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملا علی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت

قُلْتُ وَإِذَا ثَبَّتْ رَفَعَهُ إِلَى الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَيَكْفِي لِلْعَمَلِ بِهِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علمائے نے فرمایا لَمْ يَصِحَّ یعنی یہ تمام احادیث حضور تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔

تیسرے یہ کہ اصول حدیث و اصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہو جاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ در مختار جلد اول باب مستحبات الوضوء میں اعضاء و منکرک و عادات کے متعلق فرماتے ہیں۔ دَقْدَرُ دَرَاهُ ابْنُ حَيَّانَ دَغِيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طُرُقٍ۔ اس حدیث کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے تحت شامی میں فرماتے ہیں۔ اَمَّا يَتَّقِي بَعْضُهَا بَعْضًا فَامْرَأَتِي اِلَى مَرْتَبَةِ الْحَسَنِ يَعْنِي بَعْضُ اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہذا یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی۔ اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہذا حسن ہے۔ چونکہ یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر بھی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ ہی علامہ شامی اسی رد المحتار جلد اول باب اذان میں اذان کے مواقع کے بحث میں فرماتے ہیں۔ عَلَيَّ اَنْتَهُ نِي فِضَائِلِ الْاَعْمَالِ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ كَمَا مَرَّ نِي اَدَلِ كِتَابِ الطَّهَارَةِ فِضَائِلِ اَعْمَالِ فِي ضَعِيفِ حَدِيثِ پَر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب و حرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ ہے کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہذا اس میں حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

دَقْدَرُ دَرَاهُ ابْنُ حَيَّانَ دَغِيْرُهُ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ طُرُقٍ۔  
ابن اَمَامَتُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ اسناداً وَ لَكِنْ  
اَعْتَصَدَ بِشَوَاهِدٍ يَعْمَلُ اَهْلُ الشَّامِ۔

یعنی تلقین میت کی حدیث قوی اسناد نہیں مگر اصل شام کے عمل و دیگر شواہد سے قوی ہو گئی انگوٹھے چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوئی اس سے زیادہ تحقیق نور الانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی

حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفیٰ علیہ السلام کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے مَا رَأَاهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ چھٹے یہ کہ یہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صرفیائے کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ دلی اللہ صاحب ہوامعہ میں ہوامعہ مقدمہ کے دسویں ہامعہ میں فرماتے ہیں اجتہاد اور اختراع اعمال تصرفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہ قرابادین را تصرفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ تلبیب لوگ حکمت کے نسخے

ایجاد کرتے ہیں۔ خود شاہ ولی صاحب نے اپنی کتاب القول الجمیل وغیرہ میں صد ہا عمل تعویذ گنڈے سے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلاں دماغ ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار کے ڈال دو اسقاط نہ ہوگا چشم کارنگا ہوا ڈورا عورت کے جسم سے ناپ کر نوکرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا دروزہ کو مفید ہے وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، گمی ہوئی چیز کے تلاش کرنے کے لیے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے کہ یہ عمل درویشی کے لیے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح قدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوعہ کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں کہ اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہو سکتا۔ تو کرامت کے ثبوت کی کوئی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ انشاء اللہ کرامت کے لیے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ ﷺ ہے۔

الحمد للہ کہ اس اعتراض کے پرچھے اڑ گئے اور حق واضح ہو گیا۔

**اعتراض (۳)** حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

**جواب:** حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لیے صفا و مردہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو نکر مارے آج تم حج میں وہاں کیوں نکر مارتے ہو؟ وہاں اب کونسا شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لیے طواف میں رمل کر کے اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طوافِ قدم میں

رٹل کیوں کرتے ہو؟ اب دماغ کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگرچہ وہ ضرورت، باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی اعتراض (۳) کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کی طرف سے وغیرہ چومنا چاہیے۔

جواب: چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لیے اسی کو چومنے میں منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن در روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورہ اعراف زیر آیت لَهْمَا سَوَاتِهْمَا میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الہی ہوا وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں اور اب جنت تو ہم کو حضور علیہ السلام کے طفیل سے ملے گی لہذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیونکہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اٹھایا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

## بحث جنازہ کے گے بلند آواز سے کلیمہ یا نعت پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے بآواز بلند کلیمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ دوہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منع کرتا ہوگا مگر پنجاب میں اگر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرنا پڑا اس بحث کے بھی دو باب کیے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔

## پہلا باب

### جنازہ کے آگے کلمہ طیب یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیب یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف یا نعت شریف آمینتہ آمینتہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات و احادیث صحیحہ و اقوال فقہا شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے۔

إِنِّي يَذْكُرُونَ دَائِمًا عَلَىٰ الْحَالَاتِ كُلِّهَا قَائِمِينَ وَقَائِدِينَ وَمُضْطَجِعِينَ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ لَا يَخْلُو عَنْ هَذِهِ الْهَيْئَاتِ غَالِبًا

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔

تفسیر ابوالسعود میں اسی کے ماتحت ہے۔ وَالْمُرَادُ تَعْمِيمُ الذِّكْرِ لِلذَّوَاتِ وَتَخْصِيصُ

الْأَحْوَالِ الْمَذْكُورَةِ لَيْسَ لِتَخْصِيصِ الذِّكْرِ بِهَا بَلْ لِإِنَّهَا الْأَحْوَالُ الْمَعْرُودَةُ الَّتِي لَا يَخْلُو عَنْهَا الْإِنْسَانُ تَرْجَمَةٌ قَرِيبٌ قَرِيبٌ وَهِيَ جَوَادِرُ كَمَا كَانَتْ تَفْسِيرُ كَبِيرٍ فِي أَسَى آيَةِ كَمَا تَحْتُ بِهِيَ الْمَرَادُ كَوْنُ الْإِنْسَانِ دَائِمًا الذِّكْرِ لِرَبِّهِ فَإِنَّ الْأَحْوَالَ لَيْسَتْ إِلَّا هَذِهِ الثَّلَاثَةُ ثُمَّ لَمَّا وَصَفَهُمْ بِكُونِهِمْ ذَكْرِينَ فِيهَا كَانَ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَىٰ كَوْنِهِمْ مَوَاطِنِينَ عَلَىٰ الذِّكْرِ غَيْرَ قَائِمِينَ عَنْهُ۔ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزرجکا۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زبیدی نے نصب الرایہ لخریج احادیث

الہدیہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی و اہلسیال میں لکھا ہے عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمْ يَكُنْ يَسْمَعُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَمْشِي خَلْفَ الْجَنَائِزَةِ إِلَّا قَوْلَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُبْدِيًا وَرَاجِعًا كَرِيهٌ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ بَلْ يَجْرِي فِيهِ نَقْلٌ مِنْ مَعْتَبَرَةٍ تَحْذِيرًا لِمَنْ خَلْفَ رُؤُوسِ الْمُحْتَارِ عَلَىٰ رُؤُوسِ الْمُحْتَارِ مَطْبُوعٌ صَفْحَةٌ

۲۳ پر ہے۔ وَكُنْ قَدِ اعْتَادَ النَّاسُ كَثْرَةَ الصَّلَاةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَفَعَ أَصْوَاتَهُمْ بِذَلِكَ وَهُمْ إِنْ مَنَعُوا ابْتِغَاءَ نَفْسِهِمْ وَعَنِ السُّكُوتِ وَالتَّفَكُّرِ فَيُقْعُونَ فِي كَلَامِهِ دَيْبِي وَرَبَّنَا وَقَعَوَانِي عَلَيْهِ وَإِنْ كَانُوا الْمُنْكَرِ إِذَا قَضَىٰ إِلَىٰ مَا هُوَ أَكْبَرُ مِنْكَ أَمَا تَرَكُهُ أَحَبُّ

لَا تَهُ إِسْرِيكَابِ بِأَخْفِ الْمُضْتَرِّتَيْنِ كَمَا هُوَ الْقَاعِدَةُ الشَّرْعِيَّةُ۔ اس آیت اور ان تفاسیر کی عبارات و احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ بہر حال یہ ذکر الہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ کسی موقع پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے، کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام ذکر وں کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جا رہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

اَلَا يَذِكُرُ اللّٰهَ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ | خبر وار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔ اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فَالْمُؤْمِنُونَ كَيْتَانِسُونَ بِالْقُرْآنِ  
وَذَكَرِ اللّٰهَ الَّذِي هُوَ الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ وَ  
يُحِبُّونَ اسْتِمَاعَهَا وَ الْكُفَّارُ يَفْرَحُونَ  
بِالذَّنْبِ وَ يَسْتَبْشِرُونَ بِذِكْرِ غَيْرِ اللّٰهِ

پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے رجو کہ اسم اعظم ہے (مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیر اللہ سے سرور پاتے ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی و فرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ سجد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل و عیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے سواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہذا ہر طرح جائز ہر محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے۔ اَلَّذِي فِي الْجَنَّةِ تَوَلَّى لَوْلَا اَللّٰهُ۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَلَكَةٌ يَطْوُونَ فِي الطُّرُقِ يَلْتَمِسُونَ اَهْلَ التَّكْوِيْنِ قَادًا وَجَدًا وَ اَتَوْا مَا يَذَكُرُونَ

اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الہی کرتے ہوئے پاتے ہیں

اللَّهُ تَنَادَا هَلُمُّوا إِلَىٰ حَاجَتِكُمْ  
قَالَ فَيُحِقُّ لَهُمْ بِأَجْنِهَتِهِمْ۔

تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد  
کی طرف پھران ذکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ

لہذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان  
سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا۔  
خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے۔ مشکوٰۃ اسی باب

میں ہے۔ - إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ  
فَأَمْرُ تَعْوَا تَخَالُوا دَمَارِيَا ضِ الْجَنَّةِ  
قَالَ حَلَقُ الزَّكَاةِ۔

حضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں  
میں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا  
کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الہی ہوتا ہو اجاودے تو میت جنت کے باغ میں  
قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوٰۃ  
میں اسی باب میں ہے کہ الشَّيْطَانُ جَائِمٌ  
عَلَىٰ قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَكَرَ اللَّهُ خَسِنَ

شیطان انسان کے دل پر چمپٹا رہتا ہے جب  
انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہے گی یہاں  
بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالت ثابت کیا گیا  
اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جن میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حدیث مذیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبد الغنی  
ناہلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع  
فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر۔ پھر فرماتے ہیں۔

لَكِنَّ بَعْضَ الْمَشَائِخِ جَوَّزُوا الذِّكْرَ  
الْجَهْرِيَّ دَرَفَعَ الصَّوْتِ بِالتَّعْظِيمِ قَدَّامَ الْجَنَّةِ  
وَحَلَفَهَا لِتَلْقِيَنِ الْمَيِّتِ وَالْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ  
وَتَسْبِيهِ الْغَفْلَةَ وَالظَّلْمَةَ وَمَنْ طَالَتْ صُدَّ  
الْقُلُوبِ وَتَسَوَّهَا يُحِبُّ الدُّنْيَا دَمْرًا يَأْسَرَهَا۔

یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے  
اور سچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ  
اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور  
غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی  
محبت دور ہو۔

لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العمود الحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وَكَانَ سَيِّدِي عَلَى الْخَوَاصِّ رَضِيَ اللَّهُ  
عَنْهُ يَقُولُ إِذَا عَلِمَ مِنَ الْمَأْشِيَةِ مَعَ  
الْجَنَازَةِ أَنَّهُمْ لَا يُتْرَكُونَ اللَّعُونِ الْجَنَازَةَ  
وَيَسْتَعْلُونَ بِأَسْوَاقِ الدُّنْيَا فَيَسْبَغِي أَنْ  
تَأْمُرَهُمْ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ  
اللَّهِ فَإِنَّ ذَلِكَ أَفْضَلُ مِنْ تَرْكِهِ وَلَا  
يَسْبَغِي لِلْفَقِيهِ أَنْ يُنْكَرَ ذَلِكَ إِلَّا بِنَصِيحٍ  
أَوْ إِجْمَاعٍ فَإِنَّ لِلْمُسْلِمِينَ الْإِذْنَ الْعَامَّةَ مِنَ  
الشَّارِعِ يَقُولُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ  
اللَّهِ كُلُّ دَنِيَّةٍ شَأْوَادَ لِلَّهِ الْعَجَبُ مِنْ  
عَنِي قَلْبٌ مَنْ يُنْكَرُ مِثْلَ هَذَا -

حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ  
جب معلوم ہو کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے  
بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات  
میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم  
دیں کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا پڑھنے سے افضل ہے  
اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے  
مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے  
اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے  
مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے حیثیت  
بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے، اس اندھے  
دل سے جو اس کا انکار کرے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عبود المشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَلَا تُمَكِّنُ أَحَدًا مِنْ أَسْوَاقِنَا  
يُنْكَرُ شَيْئًا رُبَّمَا رَدَّهَا الْمُسْلِمُونَ عَلَى جِهَةِ  
الْقُرْبَةِ دَرَدًا حَسَنًا لَا سِيَّمَا مَا كَانَ  
مُعَلَّقًا بِاللَّهِ دَرَسَ سُوْلِيهِ كَقَوْلِ النَّاسِ أَمَّا  
الْجَنَازَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ  
أَوْ قِرْوَةَ أَحَدِ الْقُرْآنِ أَمَّا هَذَا وَنَحْوُ ذَلِكَ  
فَمَنْ حَرَّمَ ذَلِكَ فَهُوَ قَاصِرٌ عَنْ فَرْهِ الشَّرْعِيَّةِ  
پھر فرماتے ہیں۔ وَكَلِمَةُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ الْكَبْرُ الْحَسَنَاتِ فَكَيْفَ  
يَمْنَعُ مِنْهَا وَتَأْمَلْ أَسْوَاقَ غَالِبِ الْخَلْقِ  
أَلَا نَبِيَّ الْجَنَازَةِ تَجِدُهُمْ مَشْغُولِينَ

ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے  
کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے  
ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً  
وہ جو اللہ تعالیٰ ورسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے  
کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازہ  
کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص  
اس کو حرام کہے وہ شریعت کے سمجھنے سے قاصر ہے۔  
یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں  
میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع  
کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب  
حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے



بِحَاكِيَاتِ الدُّنْيَا لَمْ يَعْتَدِرُوا بِالْمَيِّتِ وَقَلْبُهُمْ  
غَافِلٌ عَنْ جَمِيعِ مَا وَقَعَ لَهُ بَلْ سَمِعَتْ  
مِنْهُمْ مَنْ يَضْحَكُ وَإِذَا تَعَارَضَ  
عِنْدَنَا مِثْلُ ذَلِكَ وَكُنْ ذَلِكَ  
لَمْ يَكُنْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَّمَ نَا ذَكَرَ اللَّهُ  
عَزَّ وَجَلَّ بَلْ كُلُّ حَدِيثٍ لَوْ أَدَّى  
مِنْ حَدِيثِ آبَاءِ الدُّنْيَا فِي الْجَنَائِزَةِ  
فَلَوْ سَاحَ كُلُّ مَنْ فِي الْجَنَائِزَةِ لِإِلَهٍ  
إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ فَلَا  
إِعْتِرَاضَ -

ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے  
ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے  
اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو  
بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب  
لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل  
کر کے کر یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کیساتھ پکار کر نہیں  
پڑھا جاتا تھا۔ اسکے ناجائز ہونے کا حکم دینا درست  
نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے  
بلکہ دنیا داروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں  
بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے  
سمبرہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں  
ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً  
اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت  
ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

## دوسرا باب

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشا اللہ اس سے زیادہ نہ ملیں گے۔

اعتراض (۱) جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ عالمگیری جلد اول  
کتاب الجنائزہ فصل فی حمل الجنائزہ میں ہے۔

جنازے کے ساتھ جانبیوں کو خاموش رہنا واجب  
ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے  
اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں۔

وَعَلَى مُتَّبِعِي الْجَنَائِزَةِ الصَّمْتُ وَيَكْرَهُ لَهُمْ رَفْعُ  
الصَّوْتِ بِاللُّغَةِ وَتَسْمِعُ الْقَبْرَانَ فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَذْكَرَ  
اللَّهُ يَذْكَرُ فِي نَفْسِهِ كَذَا فِي تَنْدَائِي قَاضِي خَانِ

قناری سر اجید باب حمل الجنازہ میں ہے۔

وَيَكْرَهُ النَّيَاحَ وَالصَّوْتِ خَلْفَ الْجَنَازَةِ  
وَفِي مَنْزِلِ الْمَيِّتِ رَفَعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ  
وَقِرْءَةِ الْقُرْآنِ وَقَوْلِهِمْ كُلُّ حَيٍّ يَمُوتُ وَ  
فَعُوذُ ذَلِكَ خَلْفَ الْجَنَازَةِ بِيَدْعَاةٍ -

جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔

در مختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے۔ کَمَا كُرِهَ فِيهَا سَرَفُ صَوْتِ  
بِذِكْرِهِ أَوْ قِرْءَةِ الْقُرْآنِ جِيسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قروت کرنا مکروہ ہے۔ اس کے ماتحت  
شامی میں ہے۔ قُلْتُ وَإِذَا كَانَ هَذَا فِي لَدْعَاءِ قِمَاطِنِكَ بِالْغِنَاءِ الْحَادِثِ فِي هَذَا الزَّمَانِ  
بِكَرَمٍ وَمَا فِيهِ اس قدر سختی ہے تو اب اس گمانے کا کیا حال ہے جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔  
ابن منذر نے اشرف میں نقل کیا کہ قَالَ قَيْسُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ كَانَ أَحْتَابُ سَأَلَ سَمُورَةَ سَأَلَ اللَّهَ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِكْرًا هُوَ رَفَعَ الصَّوْتِ عِنْدَ ثَلَاثِ عَشْرَ الْفِتَالِ فِي الْجَنَازَةِ وَفِي الذِّكْرِ  
يعني صحابہ کرام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز کو ناپسند کرتے تھے۔ ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ  
میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ  
تو بہت ہی برا ہے (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب فقہار کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر  
بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کرامت تنزیہی مراد ہے یا تحریمی کرامت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی  
اس کا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر، دوسرے یہ کہ یہ حکم اس زمانے کے لیے تھا یا کہ ہر زمانہ کے لیے  
تیسرے یہ کہ مطلقاً بولنا منع ہے۔ یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا  
ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔ جب یہ چار باتیں طے ہو جائیں تو مسئلہ بالکل واضح ہو  
جائے گا۔ حق یہ ہے کہ جن فقہار نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ ان کی مراد مکروہ تنزیہی  
ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبارت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ  
تجزیہی جیسا کہ سحر الرائق میں غایت سے نقل کیا

قِيلَ تَحْرِيماً وَفِي تَنْزِيهِهَا كَمَا فِي الْبَعْضِ عَنِ الْعَلِيِّ وَفِيهِ  
عَنْهَا وَيَنْبَغِي لِمَنْ تَبِعَ الْجَنَازَةَ أَنْ يُطِيلَ



یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کر لیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سہ  
 وَإِذَا حَمَلْتِ إِلَى الْقُبُورِ جَنَائِرَةً ۖ فَاعْلَمْ بِأَنَّكَ بَعْدَهَا حَمُولٌ  
 جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جایا  
 جائیگا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلاف حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیان بٹے گا۔ اور  
 دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہذا فقہار نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار  
 مصنف امام نووی باب ما یقول الماشی مع الجنائزہ میں ہے وَالْحِكْمَةُ فِيهِ ظَاهِرَةٌ وَهِيَ  
 أَنَّهُ اسْكُنْ لِحَاظِطِهِ ۖ وَاجْمَعْ فِكْرَهُ ۖ فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْجَنَائِرَةِ ۖ وَهُوَ الْمَطْلُوبُ فِي هَذَا الْحَالِ۔  
 مشکوٰۃ باب دفن المیت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے کے لیے  
 گئے وَجَلَسْنَا مَعَهُ كَأَنَّ عَلِيَّ رَوَدَ سِنَا الطَّيْرِ تِيَارِي قَبْرِ مِيں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے  
 جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا  
 ہے تاکہ آواز سے پرندے اڑنے جاویں اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہی  
 مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گتیاں اڑاتے ہیں۔  
 میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلانے میں تو ان کو ذکر الہی میں مشغول کر دینا ان سپودہ  
 باتوں سے بہتر ہے۔ لہذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے  
 ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر  
 رہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عمود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وَإِنَّمَا لَمْ يَكُنِ الْكَلَامُ وَالْقِرَاءَةُ وَالذِّكْرُ  
 أَمَامَ الْجَنَائِرَةِ فِي عَهْدِ السَّلَفِ لِأَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا  
 أَمَاتَ لَهُمْ مَيِّتٌ اسْتَدْرَكُوا كَلِمَةً فِي الْحَزَنِ  
 عَلَيْهِ حَتَّى كَانَ لَا يُعْرَفُ كَرَابَةُ الْمَيِّتِ  
 مِنْ غَيْرِهِ فَكَانُوا لَا يَقْدِرُونَ عَلَى النُّطْقِ  
 الْكَثِيرِ لِمَا هُمْ عَلَيْهِ مِنْ ذِكْرِ الْمَوْتِ بَلْ

گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا  
 ذکر کرنا اس لیے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا  
 تھا تو سارے شریک رنج و غم میں شریک ہو  
 جاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت  
 اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت  
 کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت

نہ رہتی تھی۔ اور ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی تھیں۔  
اگر ہم آج اس سفت کے لوگ پالیں تو ہم  
انکو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کیسے کیا اسکل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان سحیری  
شرح اقتدار کے ماشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں (قَوْلُهُ ذِكْرُهُ لَعْنَةُ فِي الْجَنَائِزَةِ) قَوْلُهُ  
لَعْنَةُ أَي رَفْعُ صَوْتٍ دَلْوٍ يَقْرَأُ أَوْ ذِكْرٍ أَوْ صَلَوةٍ عَلَى النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ  
وَهَذَا بِاعْتِبَارِهِ مَا كَانَ فِي الصَّدْرِ  
الْأَدْلِ وَالْأَقْلَانِ لَا بَأْسَ بِذَلِكَ  
لِأَنَّهُ شِعَارُ الْمَيِّتِ لَأَنْ تَرَكَهُ مَذْرَبَةٌ  
بِهِ دَلْوٌ يَلِ بوجوبِهِ لَمْ يُبْعَدُ  
كَمَا نَقَلَهُ الْمَدَائِعِيُّ -

امام شعرانی نے عہود مشائخ میں فرمایا۔

فِيمَا أَحَدَثَهُ الْمُسْلِمُونَ وَ  
اسْتَعْسَنُوهُ قَوْلَهُمْ أَمَامَ الْجَنَائِزَةِ  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ  
أَوْ سَيَلْتُنَا يَوْمَ الْعَرْضِ عَلَى اللَّهِ  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ -

رَسُولُ اللَّهِ وَنَحْوَ ذَلِكَ فِيمَثَلُ  
هَذَا لَا يَجِبُ أَنْكَارُهُ فِي هَذَا التَّرْمَانِ  
لِأَنَّهُمْ إِنْ كُمْ اسْتَعْلَوْا بِذَلِكَ  
اسْتَعْلَوْا بِحَدِيثِ الدُّنْيَا وَذَلِكَ  
لِأَنَّ قَلْبَهُمْ فَارِغٌ مِنْ ذِكْرِ  
الْمَوْتِ بَدَأَتْ بَعْضَهُمْ يَضَعُكَ

ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں۔  
کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے  
چھوڑنے میں میت کی توہین ہے لہذا اس کو اگر  
ضروری بھی کہا جائے تو بھی بعید نہیں۔ جیسا کہ  
مدالغی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا  
ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے  
ہیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا کہتے ہیں  
کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ  
یہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ یا  
اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں

أَمَّا الْجِنَا سَاءَ دَ يَمَّحُ - اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوتے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔ بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کو جنازے کے آگے سنتے ہوئے اور مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ امام شعرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اس سے بدتر حال آن ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر کنکریوں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہ ہی بہتر تھا۔

لطیفہ :- مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سنانا، لوگوں کے آپس میں منہسی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام، سلام، منہسی، مذاق، وعظ و فتاویٰ تو سب جائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ۔ خدا سمجھ دے۔ نورط ضروری :- شاید کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کرا دل زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اویار اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورتاً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پڑھائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا زمانہ سلف میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کا لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔ عالمگیری کتاب الکرامیت باب آداب المصنف میں ہے۔

سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنة ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں

لَا بَأْسَ لِكِتَابَةِ أَسْمَى السُّورِ وَعَدِّ  
الْآيِ وَهُوَ وَإِنْ كَانَ إِحْدَانًا فَهُوَ بَدْعَةٌ  
حَسَنَةٌ وَكَمْ مِنْ شَيْءٍ كَانَ إِحْدَانًا وَهُوَ

حَسَنٌ ذَكَرْتُمْ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَلَفُ بِاخْتِلَافِ  
الزَّمَانِ وَالْمَكَانِ -  
اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے  
سے بدل جاتی ہے۔

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت  
کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا  
رہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی نماز جنازہ کے لیے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خزانہ  
میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے کا اعلان کرنا اس نیت سے کہ لوگ نماز جنازے یا دفن میں  
شرکت کر لیں جائز ہے۔ چنانچہ در مختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

وَلَا بَأْسَ بِتَقْلِيهِ قَبْلَ دَفْنِهِ وَ  
بِالْإِعْلَامِ بِمَوْتِهِ وَبِإِسْرَافِهِ بِشَعْرِهِ  
أَوْ غَيْرِهِ -  
یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا  
اس کے جنازے کا اعلان کرنا، میت کا مرثیہ  
پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اسکے سوا جائز ہے۔  
اس کی شرح شامی میں ہے۔

إِنِّي إِعْلَامٌ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لِيَقْضُوا  
حَقَّهُ ذَكْرَهُ بَعْضُهُمْ أَنْ يُنَادِيَ  
عَلَيْهِ فِي الْأَقْتَةِ وَالْأَسْوَابِ  
وَالْأَصَاتِ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ  
مَعَهُ تَنْوِيهُ بِذِكْرِهِ -  
یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ بعض کو خبر دیں تاکہ لوگ اس  
میت کے حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا  
ہے یہ کہ گلی کو چوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا  
جاوے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اعلان مکروہ نہیں ہے جبکہ  
اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

جبکہ اعلان جنازہ کے لیے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے  
نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے۔  
اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جن جہر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ  
ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ خاص ہو تو جائز ہے۔ اسی لیے علامہ شامی نے اسی بحث میں تثارخانیہ  
سے نقل کیا۔

وَأَمَّا رَفْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ الْجَنَائِزِ  
فَيَحْتَمِلُ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْهُ النَّوْحُ أَوِ الدُّعَاءُ  
لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال  
ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لئے نماز

لَمْ يَتَّيْتِ بَعْدَ مَا افْتَتَحَ النَّاسُ الصَّلَاةَ  
أَوَّالِ فِئْرَطٍ فِي مَدْحِهِ كَعَاكَةِ الْجَاهِلِيَّةِ  
بِمَا هُوَ يَشْبَهُهُ الْحَالُ وَأَمَّا أَصْلُ الشَّكْرِ عَلَيْهِ  
فَغَيْرُ مَكْرُودٍ -

شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا یا اس کی  
تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت  
کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ  
مکروہ نہیں ہے -

حاصل یہ ہے نامہ بلند آواز کرنا منع ہے اور بافادہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس  
میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کر دیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے مانعت خاص اہل علم  
کو ہے۔ اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جائے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الہی سے  
نزد کو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الہی سے بے رغبت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درختاً  
باب صلوة العیدین میں ہے -

وَلَا يَكْبُرُ فِي طَرِيقِهَا وَلَا يَتَنَقَّلُ قَبْلَهَا  
مُطْلَقًا وَكَذَا لَا يَتَنَقَّلُ بَعْدَهَا  
فِي مُصَلَّاهَا فَإِنَّهُ مَكْرُودٌ  
عِنْدَ الْعَامَّةِ -

عید گاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے  
پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عید گاہ  
میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے  
نزدیک مکروہ ہے -

پھر فرماتے ہیں -

هَذَا لِلْخَوَاصِّ أَمَّا الْعَوَامُ فَلَا يَمْنَعُونَ  
مِنْ تَكْبِيرٍ وَلَا تَنْقِيلِ أَصْلًا بِقِلَّةِ  
رَغْبَتِهِمْ فِي الْخَيْرَاتِ -

یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عوام کو اس  
سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل  
پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کا خیر میں کم ہے -

اس کے ماتحت شامی میں ہے اَمْ لَيْسَ اَدْرَا جَهْرًا فِي التَّكْبِيرِ - یعنی ان کو آہستہ اور بلند آواز  
سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں سجوار شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں  
کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں  
کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی  
خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے یہ تو فرما دیا۔ کہ  
جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔



اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو یہ ممانعت، کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے دوم یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان ہے لہذا فائدے مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

**اعترض (۲)** جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چنیتے جاتے ہیں "رام رام ست ہے" اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہذا یہ منع ہے۔

**جواب:** کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔ اور ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔ کفار بت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔ کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کر آتے ہیں۔ ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔ یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کچھ قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔ تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے۔ اور اچھے کام میں مشابہت بُری نہیں ہوتی۔

**اعترض (۳)** راستہ میں کلمہ طیبہ آواز سے پڑھنا بے ادبی ہے کیونکہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا منع ہے۔

**جواب:** یہ اعتراض محض لغو ہے۔ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھوڑا (روڑی) شامی بحث قرعت عند المیت میں ہے۔ وَفِي الْقُنْيَةِ لِأَبْسٍ بِالْقِرْعَةِ مَرَّ الْبَا آذْ مَا شَبَّهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ الْمَوْضِعُ مَعْدًا لِلنَّجَاسَةِ۔ سواریا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔ قرآن بغل میں لے کر راستے سے گزرنا جائز ہے اور پاخانہ میں لے جانا منع ہے۔ نیز بقر عید کے دن حکم ہے کہ عید گاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریحی کہتا ہوا جاوے۔ در مختار باب صلوة العیدین میں ہے۔ وَيَكْتَبُ جَهْرًا اتِّفَاقًا فِي الطَّهْرِ رُسْتِي فِي بَلَدِ آوَاذِ تَكْبِيرِ كَبْرٍ۔ حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح و تہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔



## دیوبندی عقائد

## اسلامی عقائد

(۱) خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) برابرین قاطعہ مستنفذ مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی جہد المقل مصنفہ محمود حسن صاحب۔

جھوٹ بولنا عیب کے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ بر عیب سے پاک ہے وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے سکنا کہنا بے دینی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کرے۔ کسی دنی جتنی جن فرشتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی (تقویتہ الایمان مصنفہ مولوی اسمعیل صاحب دیوبندی)۔

خدا سے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اسکی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرے کیا مطلب یہ تو کہ نہ چاہے تو جاہل ہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کو بھی علوم غیبیہ عطا کیئے (قرآن کریم)۔

خدا سے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و ماہیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ میں رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی بیخبری میں کفر لکھ دیا (کتب عالم کلام)۔

(۳) خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ ایضاً الحق مصنفہ مولوی اسمعیل صاحب دیوبندی۔

خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا بنانے والا ہے۔ اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم ماننے بے دین ہے۔ (عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکا کفرین تو کیا تعجب ہے۔

(۴) خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا بُرے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے۔ بلغۃ الحیران صفحہ ۵۷ زیر آیت اَلَا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا كُلِّ فِي كِتَابٍ مَّبِیْنٍ۔ مصنفہ مولوی حسین علی صاحب پھر انوار شاگرد مولوی رشید احمد صاحب۔

خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام

(۵) خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور

آخری نبی میں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بردزی، عراقی، مذاہنی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ہی معنی احديث نے بیان فرمائے جو اس معنی کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔

(جیسے کہ قادیانی اور دیوبندی)

کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی دینی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا صحابی کا کچھ جو خیرات کرنا ہمارے صد ہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (حدیث)

رب لغائے بے مثل خالق ہے اور اُس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے (دیکھو رسالہ اقتناع النظیر مصنف مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)

حضور علیہ السلام کو الفاظ عام ہے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نسبت حقارت ہو تو کفر ہے (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے نسبت خود بہ سگت کر دم دین منفعلم زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی است

جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے (دیکھو شفا شریف) حضور

علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصلی نبی ہیں باقی عارضی لہذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجائیں تو بھی خاتمت میں فرق نہ آدیکھا و تحذیر اناس مصنف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)

(۷) اعمال میں بظاہر امتیازی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں (تحذیر اناس مصنف مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند)

(۸) حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ ریکرڈزی مصنف مولوی اسماعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۱۴۴

(۹) حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں برابرین قاطعہ مصنف مولوی خلیل احمد صاحب و تقویۃ الایمان مصنف مولوی اسماعیل صاحب دہلوی)

(۱۰) شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے (برہمین قاطعہ مصنف مولوی خلیل احمد

<p>صاحب، ﴿</p> <p>۱۱) حضور علیہ السلام کا علم بچوں، پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے (حفظ الایمان مصنف مولوی اشرف علی صاحب، ﴿</p>	<p>علیہ السلام تمام مخلوق الہی میں بڑے عالم ہیں ﴿</p> <p>حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادا نہ چیزوں سے تشبیہ دینا یا ان کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے ﴿</p>
<p>۱۱) حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا (برہین قاطعہ مولوی خلیل احمد صاحب،</p>	<p>رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے ﴿</p>
<p>۱۲) ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی اور غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چھارے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنف مولوی اسمعیل صاحب) ﴿</p>	<p>رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجْهًا پھر فرماتا ہے الْعِزَّةُ لِلَّهِ دَلِيلُ الْمُنِيفِينَ نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چھارے ذلیل ہے ﴿</p>
<p>۱۳) نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور سیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مصنف مولوی اسمعیل دہلوی)</p>	<p>جس نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لئے التیمات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرنے میں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا نہ ہو نماز ہو (دیکھو بحث حاضر و ناظر) ﴿</p>
<p>۱۴) میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پلصراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جا رہے ہیں تو میں نے حضور کو گرتے سے روکا بلوغۃ الجحیم، بشرت مصنف مولوی حسین علی صاحب گردو بلوی شہید احمد صاحب ﴿</p>	<p>حضور علیہ السلام کے بعض غلام پلصراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اور پلصراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کی مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں گے رَبِّ سَلِّمْ رَحْمَتِكَ، جو کہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔</p>
<p>۱۵) مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں</p>	<p>حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی</p>

ایک کسب شاگردی سے نکاح کیا۔ اس نکاح سے پہلے ان کے کسی مرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہ آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کسب عورت میرے ہاتھ آدے گی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڑھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے (رسالہ الامداد) مصنفہ مولوی اشرف

علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ

عقائد دیوبندیہ کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہیے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خراجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبر کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرات سب کی اہانت کی گئی اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا تو وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا ہم ان کے غلامان غلام اپنی صدیقہ ماں کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لئے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میر شاگرد صاحبزادہ بلند اقبال عزیز مولوی سید محمود شاہ صاحب سب کا اسرار تھا کہ امکان کذب، امکان نظیر دیوبندیوں کی عبارات کی تو ضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لئے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکہ الارا تحقیق کریں گے جس سے علمائے دیوبند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ تہ چل جائیگا۔ اور مولوی حسین احمد صاحب مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جاوے گی انشاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام

کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں مجہ دکھاتے ہیں کہ خود دیوبندی کس درجہ کے پیرو پرست ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود حسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے کہ

شعر تمہاری تربت انور کو دیکھو طور سے تشبیہ : کھوں ہوں بار بار ارنی مری کبھی بھی نادانی  
مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور جوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے ہوئے  
ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں تو اپنے شیخ کو رب بتایا۔ اسی مرثیہ  
میں فرماتے ہیں کہ

شعر زبان پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعلیٰٰ ہبل شاید : اٹھا دینا سے کوئی بانی اسلام کا ثانی  
اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ثانی کہا گیا  
پھر فرماتے ہیں کہ

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کیسے عجب کیا ہے : شہادت نے تجھ میں قدم بوسی کی گریٹھانی  
اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا۔ پھر فرماتے ہیں کہ  
شعر قبوتیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں : عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی  
مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماثار اللہ ایسے حسین ہیں کہ ان کو یوسف ثانی کا لقب  
دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کو سادہ و باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی  
قابل دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے کہ

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا : اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم !  
اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج  
دیا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے  
دو کام کیے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے  
افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب کے ایک مرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت  
میں اس طرح کلمہ پڑھا لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی منہ

نکلتا تھا پھر بیدار ہو گیا تو درود شریف پڑھا۔ تو یوں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا وَوَسِيَّتِنَا وَمَوْلَانَا اَنْتَ رَزَقْنَا عَلٰی  
بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے  
ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالہ الامداد بابت ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵  
غور کرنا چاہیے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان  
کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے  
نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے یہ بہانا کافی مانا گیا۔ اور اس کو پیر کے متبع سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔  
تذکرۃ الرشید صفحہ ۶۴ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بجاوہ اپنے  
مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اٹھ تو  
اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکاوے۔ اس کے مہمان علماء (یہی دیوبندی) ہیں اس  
کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا (چشم بدور)

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے  
ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا دامنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑ کر  
امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں ان کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید  
احمد صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھو کھما ہی کیوں نہ ہوں تم ایک  
کو کفایت کریں گے۔ اسی صراط مستقیم میں ادلیار کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں: اور ان کو انبیاء کے  
ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیونکہ ان کے درمیان بھی من و نہیہ نبوت  
کا علاقہ ہے۔ اور من و نہیہ انوت کا یعنی ادلیار اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کیسے آج تک کسی مرید  
نے اپنے پیرو مرشد کے لئے ایسی تعلیم نہ کی ہوں گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شرک ہے نہ حکم کفر نہ یہ  
قبر پرست کہلا میں۔ جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے نہ اپنی قابلیت  
دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی و استاذی قبلہ  
عالم حامی دین، ناصر مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلہم  
القدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے درست دشمن کو پہچانیں، دولت ایمان



کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اُس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لیے دعائے حسن خاتمہ کرے۔ مولے تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرماے۔ مسلمانوں کو راہِ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرماوے

آمِن يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ بِجَاهِ حَبِيبِكَ الرَّسُولِ مُحَمَّدٍ وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ نُورِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ أَحْرَمُ الرَّحْمَنِ ۝

ناچیز احمد یار خاں نعیمی اشرفی ادھیانوی بدایونی سرپرست مدرسہ نوشیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان  
۶ ذیقعد روز ایمان افروز دو شنبہ مبارک ۱۳۶۱ھ۔

اس کتاب کو لکھ چکنے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلم کا گرامی نامہ تشریف لاکر باعثِ عزت افزائی ہوا۔ جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب میں لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے بدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جو لوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو بیان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اُس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ اے نبی کی بیویا تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات بے مثل بیویاں ہیں کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اے مسلمانو! تم بہترین اُمت ہو۔ معلوم ہوا کہ اُمتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل اُمت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر انور کی زمین پیمپبل زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ ہے جس کو اُس ذات کریم سے نسبت ہو گئی وہ بے مثل و بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے کہ منسوب الیہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی یرساری بہا ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے

مریم ازیک نسبت عیسیٰ عزیز \* ازہ نسبت حضرت زہرا عزیز  
نور چشمِ مَرَحْمَتِهِ لِلْعَالَمِينَ \* آلِ امامِ اَدَلِّينِ وَاٰخِرِينَ  
بانوٹے آلِ تاجدارِ هَسَلِ اَتَى \* مرتضیٰ مشکل کشا شیرِ خُدا  
مادر آلِ مرکزِ پُرکارِ عِشْقِ \* مادر آلِ قافلہ ساللہ عِشْقِ !

رشتہ آئین حق زنجیرِ پاست ۛ پاس فرمان جناب مصطفیٰ است  
 درند گرد تڑبتش گردیدے ۛ سجدہ بر خاک دے پاشیدے  
 فاطمہ زہرا اس لیے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی، ولی کی بیوی، شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا  
 سبحان اللہ کیا طرز استدلال ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا ہے  
 اللہ کی سر تا بقدم شان میں یہ! ۛ ان سائیں انسان وہ انسان ہیں یہ  
 قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ ایمان یہ کہتا ہے مری جان میں یہ  
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

احمد یار خاں ادبھانوی عفی عنہ

## قہر کبریائے کربین عصمتِ انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور تو میں انبیاء نے لوگوں کو بارگاہِ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دیر کر دیا۔  
 ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے  
 کہ وہ سب حضرات خاکش بدین پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے  
 نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ ادراک جس سے ان عقائدِ باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور  
 ناکرتا ہوں کہ میری عورت و ابرو زبان و قلمِ عظمتِ انبیاء کے لیے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا  
 خوب فرمایا ہے

فَإِنِ ابْنِي دُوَالِدِي دُعِرَ ضَمِي ۛ لِعَرَضِ مُحْسِنٍ مِنْكُمْ دُفَاعٌ

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جبار الحق کے دوسرے  
 ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اس میں ایک مقدمہ اور

دو باب ہیں۔

**مقدمہ:** گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک، کفر، کبار، صغائر، پھر صغائر دو قسم کے بعض وہ جو نہایت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تو لٹا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمدہ اور سہوا۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کلاقت۔ دوسرے نبوت کے بعد، انبیائے کرام شرک، کفر، بد عقیدگی، گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمدہ سہوا ایک ان کے لئے بھی بد عقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں، مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساقِ موش پر لکھا ہوا پایا۔ **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ** اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی کلمہ ہوئی تحریر پڑھنی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ أَنَا فِي الْكِتَابِ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔

نیز فرمایا۔

یعنی مجھے تاحین حیات، نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کر نیوالا بھی ہوں۔

وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا وَبِرَّالْوَالِدَيْنِ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطا کیے انجیل کو بھی جانتے ہیں اور حکمت عملی، تہذیب، اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدسنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا **هَذَا آدَتِي** اسے کافر دیکھا کہ میرا یہ ہو سکتا ہے؛ اور ڈرتا دیکھ کر فرمایا **لَا أَحِبُّ الْإِفْلَاقِينَ** کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بولیں سنا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ **الْعَالَمُ مُتَغَيِّرٌ وَكُلُّ مُتَغَيِّرٍ حَادِثٌ لِهَذَا الْعَالَمِ حَادِثٌ** پھر یوں کہتے ہیں کہ **الْعَالَمُ حَادِثٌ وَلَا شَيْءٌ مِنَ الْحَادِثِ**

بِعَبُودٍ فَالْعَالِمُ لَيْسَ بِمَعْبُودٍ اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا وَتِلْكَ حِجَّتُنَا آتَيْنَا هَا اِمْرًا هَيْمًا عَلٰی قَوْمِهِ۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی مدارج و مواہب، معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر اسطو و فلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا۔ مَا خَلَقْنَا لِهَذَا اِسْمٍ اس لیے پیدا نہیں ہوئے رب نے اسکی تائیدیوں فرمائی کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ خود فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم كُنْتُ نَبِيًّا وَاَدْمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطَّيْنِ ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ تفسیرات احمدیہ میں لَا يَنْالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ کی تفسیر فرماتے ہیں۔ اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَاہُ بِاجْمَاعِ اَنْبِيَاءِ كِرَامِ وَحٰی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام عارن باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا وامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا رہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام، ارادۂ گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیانا خطا صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طوط سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دنائت اور چھوڑنے پر دلالت کریں اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطا یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لیے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ

کوئی بھی گناہِ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت لایُنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کی تفسیر میں ہے لَاخْلَافَ لِأَحَدٍ فِي أَنْ تَبَيَّنَّا عَلَيْهِ السَّلَامَ لَمْ يَزَلْ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً طَرَفَةً عَيْنٍ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهُ كَمَا ذَكَرَهُ أَبُو حَنِيفَةَ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا أَكْتُبُكَ تفسیر میں ہے۔

یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

يَدُلُّ عَلَيْهِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قِيلَ لَهُ هَلْ عَبَدْتَ دُنْنَا قَطُّ قَالَ لَا قِيلَ هَلْ شَرِبْتَ خَمْرًا قَطُّ قَالَ لَا فَمَا نَزَلْتُ أَعْرَفْتُ أَنَّ الَّذِي هُمْ عَلَيْهِ كُفْرٌ۔

## پہلا باب

### عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اجماع امت و دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار بھی کرے گا۔ جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات (۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ | اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں (۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ۔

وَلَا غَوْلِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلِصِينَ۔ | کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا سوا تیرے خاص بندوں کے۔

معلوم ہے کہ انبیاء کے نام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر مہرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان

سے بدتر ہیں (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللهِ مِنْ شَيْءٍ | ہم گروہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شریک کریں۔

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

مَا أَسْرَيْدُ أَنْ أَخَافِكُمْ إِلَى مَا | میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے  
أَنْهَكُمْ۔ | تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت

ہے (۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وَمَا أُبْرِي نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ

رَبِّي یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے

ہیں سوائے نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء میں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس

انہیں فریب دیتے ہی نہیں (۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ اللهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ

وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔ جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام سارے جہان سے افضل ہیں اور جہان

میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لَا يَعْصُونَ اللهَ مَأْمَرُهُمْ كَهِبِ فَرْمَانِي

کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا يَبْنَاءُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو

نہ ملے گا معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَ لَيْكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ | اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن

الْعَالَمِينَ۔ | میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

لیکن نبی سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی

نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

**احادیث** (۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے

قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا لہذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ

السلام کو پیدائش میں چھو بھئی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی دوسوسہ سے بھی محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب النفس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے استلام نہیں ہوتا کہ اس میں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیاں بھی استلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کو جنبائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اُس وقت لا حول پڑھتے ہیں

(۵) مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اُسے ماء زمزم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی فکر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

### اقوال علماء امت: ہمیشہ سے امت مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وسلم کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا سوا

فرقہ طغرینہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوة، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ الْاٰیةِ كِي تَفْسِرَ فِيْهِ بِهٖ كَاْنَ اَهْلُ الْوَصُوْلِيْ  
اِجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنَّ الرَّسُوْلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔

یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے، مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صفات سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم اور بعد بھی چھوٹے کفر

كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ قَبْلَ الْوَحْيِ مَعْصُوْمِيْنَ مِنْ  
الْكِبَاٰرِ وَمِنْ الصَّغَاٰرِ الْمُوْجِبَةِ لِتَفْرِءِ النَّاسِ  
عَنْهُمْ قَبْلَ الْبُعْثِ وَبَعْدَهَا فَضْلًا عَنِ الْكُفْرِ  
تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

انبیائے کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ  
وَبَعْدًا بِالْاِجْمَاعِ وَكَذَا عَنِ تَعْتُدِ  
الْكِبَاٰرِ عِنْدَ الْاِجْمَاعِ۔

غرض کہ امت مومرہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لئے زیادہ عبارات نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

**عقلی دلائل:** عقل بھی پابندی ہے۔ کہ انبیائے کرام کفر و فسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے۔  
 (۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے اور ہم پہلے  
 ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی  
 اغوا سے محفوظ ہیں۔ جب تک یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہر حال انکی فرمانبرداری کی جائے اگر  
 نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہیے رب تعالیٰ فرماتا ہے **إِنْ جَاءَكَ مَفَاسِقٌ يُنَبِّئُكَ  
 فَتَّبِعْنَهَا أَلَّا تَكُونَ مِنَ الْخَالِفِينَ** اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات بلا تحقیق ماننا  
 بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لیے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش  
 اسی لیے وہ حزب اللہ میں سے ہے اگر پیغمبر ایک ان کے لیے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ شیطان  
 گروہ میں سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **أَمْ تَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَافَّةً** اگر نبی کسی وقت  
 گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیک کر رہا ہو تو لازم آوے گا کہ امتی اس گروہی نبی سے افضل ہو  
 اور یہ باطل ہے کوئی امتی ایک ان کے لیے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔  
 (۷) بد عقیدہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے۔

**مَنْ دَخَلَ صَاحِبَ بَدْعَةٍ فَقَدْ آعَانَ عَلَى هَدْمِ الْإِسْلَامِ**  
 جس نے بد عقیدہ کی تعظیم کی اس نے اسلام  
 ڈھانے پر مدد دی۔

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وَتَحَرَّ رُدَّهُ** اگر نبی ایک آن لکھتے ہیں  
 ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہو اور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلے سے ہے رب فرماتا ہے **وَأَن تَسْأَلَهُمْ**



جَاءَ ذَلِكَ الْآيَةُ اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہِ مصطفوی میں حاضر ہو کر ان کے دسید سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بد میں آب کا دامنِ عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بناؤ پھر اچکا دسید کون ہو گا؟ اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی جو سب مجرموں کا دسیدِ مغفرت ہو۔ ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اگر وہ بھی گنہگار ہو تو پھر ترجیحِ بلامرجح کا سوال پیدا ہوگا۔ اور دوسرا تسلسل لازم ہوگا (۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے مونی کا ڈبر بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیورات کا کبس بھی قیمتی۔ دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک و صاف ہوں اسی لیے رب نے فرمایا اللہُ يَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابلِ اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدق گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری نے ادنٹ کے متعلق یہ ہی نو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ ادنٹ، تجارتِ حنت و دوزخِ حشر و نشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے ادنٹ لیا ہے جس کے انعام میں ان ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی ہے

## دوسرا باب

### عصمت انبیاء پر اعتراضات و جوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کیے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی و اجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احاد ہیں وہ سب مردود کوئی بھی قابلِ اعتبار نہیں اگرچہ صحیح ہی ہوں۔ تفسیر کبیر سورۃ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا، پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور قرآنی



غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کر نیکی ہمت کی کہ بولا خَلَقْتَنِي مِنْ تَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاتَّكُ رَجِيمٌ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي اِلَى يَوْمِ الدِّينِ گویا یہ زمین اس کے لیے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اور لاجور کے کورے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا فَسَبَّوْا لَهُ عَزْمًا مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ کہیں فرمایا فَسَبَّوْا لَهُ عَزْمًا مِمَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ لَهَا الشَّيْطَانُ مَغْرَمًا اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے ان سے حنظل ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپکا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لَا تَقْرَبُوا مِمَّا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَنَسُوا حَظِيْرَهُمْ اُولٰٓئِكَ يَكُوْنُوْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّهِِيْنٍ تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رما زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا کیا تھا کہ فرمایا اِنَّا جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً جنت میں تو کچھ روز اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کے ٹرننگ کی تھی کسی کو ٹرننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو روکا کہ اس لیے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ زاری ساری عبادتیں کی تھیں درود ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا اور حقیقت اپنے عشق میں رُلانا تھا حسنت الابرار سیئات المقربین۔

درود کے واسطے پیدا کیا انسان کو • درود طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کہ وہاں

اسے حینال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا • تو تو پروردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منها اور یہاں فرمایا گیا اِهْبِطْ اَمِنْهَا جَمِيْعًا جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لیے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کوڑیاں اولاد کے ساتھ واپس ہمیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کوڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ



آدم و حوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا دیکھو روح البیان و مدارک وغیرہ) اسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ اگر یہ فعل حضرت آدم و حوا کا ہوتا تو لیشْرِكَانَ تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھالینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور علمت سے غیر یقینی و قطعی۔

**اعترض ۳:** رب تعالیٰ فرماتا ہے فَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

**جواب:** یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غوی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا میں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت جب رب نے ان کے بھول جانیکا بار بار اعلان فرمایا تو عسی سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے۔

**اعترض ۴:** ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا هَذَا آرَتِي اور یہ صریحی شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

**جواب ۱:** اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَكِيدَاتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیے تھا۔

**اعترض ۵:** ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا اِنِّي سَقِيمٌ (دُزَن) میں بیمار ہوں خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا بَلْ فَعَلْتَ كَيْدُهُمْ هَذَا اس بڑے بُت نے یہ کام کیا اپنی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا هَذِهِ اُخْتِي یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

**جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں

حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے الا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ  
 بِالْاٰیْمَانِ حین موقوفوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے دہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ ظالم  
 بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقوفوں پر آپ کو خطرہ جان تھا۔ اسلئے  
 یہ فرمایا روح البیان آیت بَلْ فَعَلَهُ كَيْدُوهُمُ لَهٰذَا يَفْعَلُ كُنٰه نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے  
 کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنی مراد لینے گئے ہیں جسے تو یہ کہتے ہیں تو یہ ضرورہ جائز ہے  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائیگی دیکھو ایک شخص  
 نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام  
 کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوٰۃ باب المزاج) حضرت سارہ کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی  
 نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ  
 هٰذَا اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ دَسْعُوْنَ تَعَجَّتْ يٰ مِرْجَانِيْ جے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور  
 بکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ اِنِّيْ سَقِيْمٌ اس کے معنی ہیں میں بیمار ہونے  
 والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَاَنْتُمْ مَيِّتُوْنَ يٰ سَقِيْمٌ سے ولی بیماری یعنی ناراضی  
 ورنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح بَلْ فَعَلَهُ كَيْدُوهُمُ میں کبیر سے رب تعالیٰ  
 مراد ہے اور ہذا سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے  
 معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اُس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا ہی کام ہے  
 وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا فَعَلَهُ شَكُّ کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے  
 کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے  
 یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند  
 عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا۔ وَاَلْقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرٰهِيْمَ رِشْدًا الْاٰیۃ معلوم  
 ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد و ہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے  
 ارشاد فرمایا اِذْ جَاؤْا رَبَّهٗ بِقُلُوْبٍ سَلِيْمٍ اِذْ قَالْ لَا بِيْهٖ زَالِيْمٌ جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامتِ طبعیت  
 دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعترض ۶ :- داؤد علیہ السلام نے پرانی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ







اور انہوں نے زلیخا کا ہتھم کر لیا۔ لیکن اب ان دونوں ہتھوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ہتھم پہ میں ہتھم کے معنی ارادہ زنا میں اور ہتھم بھہا میں اس کے معنی میں قلب کی غیر اختیار شدہ رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیار شدہ پیدا ہوئی جو کہ نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اس کے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں ہتھوں کے ایک ہی معنی ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ دَلَقَدَّا هَتْمًا تَنْبِيہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کر لیا دیکھو مَكْرُوًّا وَّ مَكْرًا لِلَّهِ کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے قَالَ الْاِمَامُ فخر الدین ان یوسف علیہ السلام کان بَرِيئًا مِنْ الْعَمَلِ الْبَاطِلِ وَالْاَهْمِ الْمُحَرَّمِ مِخْيَالِ رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عریز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہ کہا قَالَتْ مَا جَنَّبَا عَنْكَ اِلَّا اَنْ تُسَبِّحَنا جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اسکی منہ جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي بِدَعْوَى كَا اِرَادَه اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی اور اس کی تردید خود عریز مصر نے قمیص مبارک بھٹی ہوئی دیکھ کر کی کہ کہا اِنَّهُ مِنْ كَيْدِ كَثْرٍ اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا اب اگر ہتھم بھہا کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت خیال ہے انشاء اللہ کام آئے گی۔

**اعتراف ۸:**۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جہان سے مار دیا اور فرمایا هَذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ کہ یہ شیطان کا کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

**جواب:**۔ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قبطی نے نہ چھوڑا۔ آپ نے ہٹانے کے لئے چپت لگادی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مگر کیا تو یہ قتل خطا ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطا ئے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے كَانَ هَذَا اَقْبَلَ الذَّنْبِ نِزْوَةً قبطی کا فریب تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ

دونوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسری نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلافِ ادنیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فَخَفَرْنَا لَهُ اور ظَلَمْتُ نَفْسِي سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہذا سے قبطی کا ظلم مراد ہے یعنی یہ ظلم شیطان کا کام ہے۔

**اعتراف ۹**۔ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا وَدَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَا یعنی معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

**جواب** :- یہاں جو کوئی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

مَا ضَلَّ طَائِفٌ مِّنكُمْ وَمَا سَوَّيْنَا لَكُمْ

یہاں ضال کے معنی دارفتہ محبت الہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی

محبت میں سرشار اور دارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام

سے عرض کیا تھَا إِنَّكَ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ یہاں ضال یعنی دارفتگی محبت

میں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے

جس سے گے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اسے محبوب ہدایت دینے والا بلند وبالاد درخت رب نے

تہنیں کو پایا کہ جو عرش فرس ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے ذریعہ تعلق ہدایت دے وہی یعنی ہدایت کا

مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی اس کے بہت سے معنی کیے گئے ہیں۔

**اعتراف ۱۰**۔ رب فرماتا ہے لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ یعنی تاکہ رب تعالیٰ

تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے

یہ دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

**جواب** :- اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ

اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ روح البیان المراد بِالْمَغْفِرَةِ الْإِحْفَظُ وَالْعَصْمَةُ أَرَادَ أَبَدًا۔ كَيْفَ يَكُونُ

الْمَعْنَى يَسْتَحْفِظُكَ وَيَعْصِمُكَ مِنَ الذَّنْبِ الْمَتَّقِدِهِ وَالْمُتَأَخَّرِ وَدوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے

کی خطا میں مراد میں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسا

کہ لک فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ



غَالِبًا عَلَى الْبَشَرِيَّةِ إِذْ لَمْ يَكُنْ حَيِّنِيذٍ لِرُوحِهِ شَيْءٌ يَجْحَبُهُ عَنِ اللَّهِ تَعَالَى فَالْمَعْنَى لَوْلَا التَّثَبُّتُ وَثَوَّةُ النَّبَوَّةِ وَثَوْرُ الْهِدَايَةِ وَآثَرُ نَظَرِ الْعَنَايَةِ لَقَدْ كِدَتْ تَوَكَّنُ -

**اعتراف ۱۲ :-** رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا أَلِكْتُبُ وَلَا الْإِيمَانُ اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

**جواب :-** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ وراست یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا أَلِكْتُبُ الْآيَاتِ يَعْنِي سَمَّ نَآءِ آبٍ پاپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الہی ہے نہ کہ محض اٹکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہو رہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اُس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خود فرماتے ہیں۔ كُنْتُ نَبِيًّا ذَا دَمٍ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ سَمَّ اُس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔ یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے اَيُّ الْاِيْمَانِ بِتَفَاصِيْلٍ مَا فِي تَضَاعِيْفِ الْكِتَابِ۔ پھر فرماتے ہیں۔ لِاِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَفْضَلُ مِنْ يَحْيٰى وَعِيسٰى وَقَدْ اُوْتِيَ كُلُّ الْحِكْمَةِ وَالْعِلْمِ صَبِيًّا

یعنی نبی علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت سچپن ہی میں عطا ہو گئی تھی۔ تو یہ کیوں ممکن ہے کہ آپ سچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

**اعتراف ۱۳ :-** رب فرماتا ہے فَازْرَهُمَا الشَّيْطٰنُ اَوْمٌ وَّحٰوٰ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ كُو شَيْطٰنٍ نَّهٓ مَّحْسَلًا وَاٰ مَعْلُوٰا ہُوَا كُو شَيْطٰنٍ كَا وَاٰ اَنْبِيَآءٍ پُرْجَلٍ جَا تَا هٓ۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

**جواب :-** ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے عمدًا گناہ کبیرہ کرا سکتا ہے اُس نے خود کہا تھا لَا غَوِيَّةَ لِيْمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِيْنَ اِدْرِيْهٰا هٓ فَازْرَهُمَا الشَّيْطٰنُ گمراہی اور چیرنے اور پھسلانا اور چیرنے ہے۔

اعترض ۴۴: یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیے بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بچکا اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رُلانا غر ضکہ جرموں کی انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہونے سے معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب: جمہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا دہم کیا ہے اسی لیے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیائے کرام کا نبوت سے پہلے بد عقیدگی سے پاک ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں رب نے یہ فرمایا ہے **وَيَتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْنَا وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ** یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آلِ یعقوب سے انکی صلبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب نے مسلمانوں سے فرمایا **اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے **وَمَا أُنزِلَ إِلَّا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ وَأَلْمَعُونَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ**، یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحبِ وحی تھے مگر یہ بھی کمزوری بات ہے کیونکہ نہ تو **أُنزِلَ** میں بلا واسطہ وحی آینکا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط ان کے بیٹوں ہی کا لقب ہے، رب فرماتا ہے **تَوَلَّوْا۟ مَا بَا لَللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَّا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ**، الایۃ یہاں **أُنزِلَ عَلَيْنَا** کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط نبی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی ان میں انبیاء آتے رہے۔ رب فرماتا ہے **وَقَطَعْنَا هَمَزَ اثْنِي عَشَرَ أَسْبَاطًا** اَمَّا تَفْسِيرُ رُوحِ الْمَعَانِي فِي اِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ وَمِنْهُ كِي تَفْسِيرٌ فِيْ جِهَةِ فَالَّذِيْ عَلَيْهِ الْاَكْثَرُونَ سُلْفًا وَخَلْفًا اَنَّهُمْ لَمْ يَكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ اَصْلًا فَهَمْ يَنْقُلُ مِنَ الصَّحَابَةِ اِنَّهُ قَالَ بَنِيُوْا عَلَيْهِمْ رُوحِ التَّفْسِيْرِ اَلْبَيَانُ وَغَيْرُهُ نَعْبِي اِنَّ كِي تَبُوْتُ كِي بَهْتُ تَرُوْدِي كِي۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیہ اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوتے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابی ہی تھے حضور فرماتے ہیں **اَصْحَابِيْ كَالنَّجْمِ نِيْزَانُ** کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لیے تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور ان دونوں حضرات نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی لہذا یہ مغفور ہوئے۔ ان کی شان میں گستاخ



عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زینبؓ علیہ السلام کی اہل بیت میں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین ہے۔ رب تعالیٰ عظیم و عظامتہ خاتمہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اس کے پیارے بندے سب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کو بیان کرتے پھر یہ یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زر خرید ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی دل کو ان کے دامن سے منانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زیور و جواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چوتھے سال اپنے غلام باندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات و زمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر احسان فرمایا اور روح البیان وغیرہ یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورۃ عبس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کر دیا دیکھو روح البیان تفسیر سورۃ عبس اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری شان حبیب الرحمن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بلکہ اس بکنے کی جرأت پیدا کر دی۔

وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

# لمعات المصباح علی رکعات التراويح

## پہلا باب

### بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب و احادیث صحیحہ و اقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں (۱) قرآن پاک میں سورہیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی میں نشانی۔ سورۃ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوتی ہے جیسے شہر کو پناہ (سورۃ البلد) اور آیت قدرت الہی کی نشانی ہے اسلئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع کے معنی ہیں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قرآۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اس حصہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح میں رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھ لی جاتیں تھیں اسلئے قرآن کریم کے ۵۵ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہئے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت چاہیں کیا کوئی وہابی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟ (۲) تراویح جمع ترویج کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اسلئے بیٹھنے کا نام ترویج ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کے درمیان میں ایک



ترویح آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا، تین تردیوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک تردیچ ہو اور دوسرے پہلے کوئی تردیچ نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے (۳) ہر دن میں میں رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں، تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان میں رکعت کی تکمیل کے لئے میں رکعت تراویح اور مقرر فرمادیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز پنجگانہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان میں رکعت سے کیا نسبت (۴) احادیث خیال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فرمادیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہو جائیگا اندیشہ ہے جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا تم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ یہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی اسی لئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور میں رکعت تراویح مقرر فرمائی اور باقاعدہ جماعت کا انتظام کیا لہذا صحیح یہ ہے کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے مگر اس کی پابندی جماعت میں رکعت سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت ہی نہیں ہوا لہذا صحابہ کرام کا میں پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّتِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ لِهَذَا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ انشاء اللہ نہ کر سکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں میں رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قَالَ لَنَا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بَعْشَرِينَ رُكْعَةً رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْفَرْقَةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ (۲) ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی فَصَلَّى بِهِنَّ عَشْرِينَ رُكْعَةً بَقِيَّتِي

ہے۔ عَنْ أَبِي الْمُحَسِّنَاتِ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ أَمْرًا رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رُكُوعًا (۴) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں اور بیہقی و عبد بن حمید و بغوی نے روایت کی عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رُكُوعًا سِوَى الْوُتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں رکعت تراویح پڑھتے تھے (۵) بیہقی میں ہے وَعَنْ شَيْخٍ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ أَنَّهُ كَانَ يَوْمَئِذٍ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرَوِيحَاتٍ عَشْرِينَ رُكُوعًا (۶) اسی بیہقی میں ہے وَعَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيِّ أَنَّ عَلِيًّا صَلَّى الْقِرَاءَةَ فِي رَمَضَانَ فَأَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي النَّاسَ عَشْرِينَ رُكُوعًا وَكَانَ عَلِيٌّ يَتَرْتِيبُهُمْ (۷) اسی بیہقی نے باسناد صحیح نقل فرمایا عَنِ السَّائِبِ ابْنِ بَرِيدٍ قَالَ كَانُوا يُعَوِّمُونَ عَلِيَّ عَهْدَ عُمَرَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعَشْرِينَ رُكُوعًا اس کی تحقیق کے لیے صحیح البہاری باب لَمْ يَقْرَأْ فِي التَّرَاوِيحِ دیکھو، ان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام میں تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس میں رکعت پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی بن کعب و عمر سائب ابن یزید وغیر ہم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی معمول تھا۔

**اقوال علماء اُمت** (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان میں ہے۔

وَكَثُرُوا هَلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعُمَرَ وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرِينَ رُكُوعًا وَهُوَ قَوْلُ سَفِيَانَ الثَّوْرِيِّ وَابْنِ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيِّ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ هَكَذَا أَكْرَهْتُ بِيَدِ مَلَكَ يُصَلُّونَ عَشْرِينَ رُكُوعًا يَعْنِي اِبْلَ عِلْمِ كَاعِلِ اس پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہ ہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہ ہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں (۲) فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے رَوَى مُحَمَّدُ ابْنُ نَعْرِ بْنِ حَطْرِيٍّ عَطَاءٌ قَالَ أَدْرَكْتُهُمْ يُصَلُّونَ عَشْرِينَ رُكُوعًا وَتِلْكَ رُكُوعَاتِ الْوُتْرِ فِي الْبَابِ التَّارِكِ كَثِيرَةً أَخْرَجَهَا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَغَيْرُهُ وَقَالَ ابْنُ تَدَمَةَ وَهَذَا كَالْإِجْمَاعِ اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہو گیا (۳) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۰۴ میں ہے رَوَى الْحَارِثُ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ أَبِي زَبَابٍ عَنِ السَّائِبِ ابْنِ يَزِيدٍ قَالَ كَانَ الْقِيَامُ عَلَى عَهْدِ عُمَرَ ثَلَاثِينَ رُكُوعًا قَالَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى أَنَّ التَّلَاثَ لِالْوُتْرِ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس رکعت

تراویح اور تین وتر پر عمل تھا (۴) اسی عمدۃ القاری میں اسی جگہ ہے كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ مُسْعُودٍ يُصَلِّي  
 بِنَانِي شَهْرٍ مَضَانٍ فَيُضْمِرُ وَعَلَيْهِ لَيْلٌ قَالَ اَلَا عَمَّشُ كَانَ يُصَلِّي عِشْرِينَ رُكُوعًا (۵) اسی عمدۃ القاری  
 جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَهْمِ بْنِ الْعَلَاءِ وَرَبِّهِ قَالَ اَلَا كُوفِيُونَ وَالسَّائِرُ  
 وَكَثَرُ الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ جِلْدَانٍ مِنَ الصَّعَابَةِ يَعْنِي ابْنَ عَبْدِ الْبَرِّ فَرِيَا كَر  
 مِيسْ رُكُوعِ تَرَاوِيحِ عَامِ عِلْمَارِ كَا قَوْلِ هِيَ اِسِي كِي اِبْل كُو فُو اِرَامِ شَا فَعِي اُو ر ا كُرْ نَقِبَارِ قَا تَلِ يِنِ اُو رِي  
 هِي حَضْرَتِ اَبِي اِبْنِ كَعْبٍ سِي مَرُوِي هِيَ اِسِي مِي كُوسِي صَحَابِي كَا اَحْتِلَافِ هِنِي (۶) تلا علی قاری نے شرح  
 نقایہ میں فرمایا نَصَارًا اِجْمَاعًا لِمَا رَوَى اَلْبَيْهَقِيُّ بِاِسْنَادٍ صَحِيحٍ اَنْتُمْ كَانُوا يَصَلُّونَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ  
 بِعِشْرِيْنَ رُكُوعًا وَعَلٰى عَهْدِ عُثْمَانَ رُوِيَ مَعَاہِرُ كِرَامِ حَضْرَاتِ عُمَرُو عُثْمَانُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمُ كِي زَمَانِ  
 مِي مِي تَرَاوِيحِ پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہو گیا (۷) مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد  
 اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر کی بیعتی کا قول نقل فرمایا اِجْمَاعُ الصَّحْبَةِ عَلٰى اَنَّ التَّرَاوِيحَ عِشْرُونَ رُكُوعًا  
 يَعْنِي مَعَاہِرُ كِرَامِ كَا مِي تَرَاوِيحِ پُر اِجْمَاعِ هِيَ (۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵۴ میں ہے وَآدَا  
 اَلْقَابِلُونَ بِهٖ مِنَ التَّابِعِينَ فَشَبْرَانُ شَكْلُ دَابْنِ اَبِي مُلَيْكَةَ وَالعَارِثُ الرَّهْمَانِيُّ وَعَطَاءُ ابْنِ اَبِي  
 بَرَابَاحٍ وَابُو الْبَخْتَرِيِّ وَسَعِيدُ ابْنِ اَبِي الْحُسَيْنِ الْبَصْرِيُّ اَخُو الْحُسَيْنِ وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ اَبِي بَكْرٍ  
 وَعَمَلَانُ الْعَبْدِيُّ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین و فقہا محدثین کا بیس  
 رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ ان میں سے کسی نے آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

لطیفہ غیر مقلد واصل اپنی خواہش نفس کے مقلد میں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا  
 جاتا ہے جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی ان کا مذہب۔ ہم ان کے آرام وہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان  
 دیکھیں اور عبرت لیں (۱۱) درمکے پانی کبھی گندا نہیں ہوتا لہذا کنواں کتنا ہی پلید ہو جائے اس کا  
 پانی پئے جاتا (۱۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔ روانفس کی طرح کون کون بار بار اترے  
 اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے (۱۳) عورتوں کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ملتا جناب کیوں جو اس میں  
 خراج جو ہوتا ہے (۱۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے  
 (۱۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا (۱۶) ایک بار تین طلاق  
 دے دو۔ صرف ایک ہی واقع ہوگی۔ دوبارہ رجوع ہو سکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرض کہ

جس میں آرام وہ یاروں کا دین ایمان -

لطیفہ - مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کر دی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقعہ ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین لے اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنا دیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے تھے طلاق ہے طلاق اور آخر میں دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرنے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

## دوسرا باب

### بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

اعتراض :- (۱) مشکوٰۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی کعب رضی اللہ عنہ اور رومی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

جواب :- اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر مروزی نے انہی محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبدالرزاق نے انہی محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۸۰ مطبوعہ مطبع خیر یہ مقررہ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے



سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ صرف رمضان میں ہوتی ہے نیز ترمذی میں اسی حدیث کے پیشے باب بانہا بَابُ مَا جَاءَ فِي دُصْفِ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ معلوم ہوا کہ یہ صلوٰۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں جو اب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھر دس ہے۔ جسے بھر دس نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سونے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوة جلد اول صفحہ ۱۰۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوٰۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد بود یا زودہ رکعت کہ دائم در تہجدے گزارد۔ دوسرے یہ کہ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی یہ پیشگی بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی ہمیشگی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے متبع حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔ نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا بیس تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتالیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں۔

بتاؤ یہ سارے لوگ بدعتی اور ناسق ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو ان سے حدیث لینا کیا باہر سق کی روایت معتبر نہیں نیز بتاؤ کہ کیا کسی ملک میں مسلمانوں نے آٹھ رکعت تراویح پڑھیں۔ تمیرے یہ کہ اسی حدیث سے اگر آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوئی۔ تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئے تب ہی تو گیارہ رکعت ثابت ہوں گی۔ پھر وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ آرام کے لیے حق یہ ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی تصریح کہیں نہیں ملتی کیونکہ جہاں قیام رمضان کا ذکر ہے وہاں تعداد رکعت سے خاموشی ہے اور جن حدیث میں گیارہ کا ذکر ہے وہاں تراویح کی تصریح نہیں بلکہ اس سے تہجد مراد ہے ایسی روایت پیش کر دو جس میں آٹھ تراویح

کی تصریح ہو۔ ایسی انشاء اللہ نہ ملے گی۔ چونکہ سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نے مستقل رسالہ لکھ دیا۔ اس لیے ضمیمہ میں یہ مضمون شامل نہ کیا گیا وَصَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ وَدُرِّعَ شَيْبَةَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ أَمْرٌ حَمْدُ الرَّاحِمِينَ +

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگرچہ اس نے بڑا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہونگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اُس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد و مابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لیے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

**مقدمہ :-** بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر کوئی بجمالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگرچہ اُس نے بڑا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح خارج ہوگئی اور اس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لیے نکاح یا عدت چاہیئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑ جائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (دعا مکتب) (۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیا نہ طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھا لو کھانا کھانا، میں کل گیا





پتہ یہ لگا کہ موجودہ غیر مقلد محض نفسانی آسانی کے بیٹھے یہ باطل عقیدہ بیٹھے ہیں۔ ہم نے اس مسئلہ کی نفس تحقیق اپنی تفسیر نعیمی جلد دوم زیر آیت فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا الْاِيَّهٖ مِلَّيْنِ كَرِهِيَ مَرْحَلًا آجکل اس مسئلہ کے متعلق بہت شور مچا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس قسم کے سوالات بہت کثرت سے آرہے ہیں اس لیے ہم رب کے بھروسہ پر اس مسئلہ کا فیصلہ کیے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے اور ناظرین سے امید انصاف۔ بیان کا یہ ہی طریقہ ہوگا کہ مسئلہ دو بابوں میں بیان کیا جائے گا۔ پہلے باب میں اپنے دلائل اور دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ۛ

## پہلا باب

### اس کے ثبوت میں

بہتر تو یہ ہے کہ طلاق ایک ہی دے زیادہ دے ہی نہیں اور اگر تین طلاق ہی دینا ہے تو ہر طہر میں ایک طلاق دے تین طہر میں تین۔ ایک دم چند طلاقیں دینا سخت بُرا ہے لیکن اگر کسی نے ایک دم چند طلاقیں دے دیں تو اگرچہ بُرا کیا مگر تینوں واقع ہو جائیں گی جیسے طلاق بجااست حیض کہ اگرچہ بُرا ہے مگر طلاق واقع ہو جاتی ہے اس کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) رب تعالیٰ فرماتا ہے الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ يَأْمُرُكَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَنْهَىٰ بِإِحْسَانٍ پھر فرماتا ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهَا الْاِيَّهٖ مِلَّيْنِ كَرِهِيَ مَرْحَلًا اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو طلاقوں تک رجوع کا حق ہے تین میں نہیں اور مَرَّتَانِ کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ الگ الگ طلاقیں دینا شرط نہیں جس کے بغیر طلاقیں واقع ہی نہ ہوں خواہ ایک دم دے یا الگ الگ حکم یہ ہی ہوگا۔ چنانچہ تفسیر صاوی میں اس آیت کے ماتحت ہے فَإِنْ طَلَّقَهَا إِلَى طَلْقَةٍ تَالِثَةٍ سَوَاءٌ دَفَعَ إِلَيْهَا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّتَيْنِ وَالْمَعْنَىٰ فَإِنْ تَبَدَّتْ طَلْقَاهَا ثَلَاثًا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ فَلَا تَحِلُّ يَعْنِي آيَةُ كَمَا مَقْصُودِيهِ هِيَ كَأَنَّ تَبَدُّدَ طَلْقَاهَا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ سَوَاءٌ دَفَعَهَا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ كَمَا إِذَا قَالَ لَهَا أَنْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا أَوْ الْبَتَّةَ وَهَذَا هُوَ الْجَمْعُ عَلَيْهِ يَعْنِي أَلَّا تَكُونِي شَخْصًا يَوْمًا كَمَا دَعَىٰ كَرِهِيَ تَبَدُّدَ طَلْقَاهَا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ هِيَ دَائِمَةٌ لِيَسْتَأْذِنَ لَهَا أَنْ يَتَزَوَّجَ بِهَا مَرَّةً أُخْرَىٰ كَمَا أَنَّ طَلْقَهَا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ يَجْزِيهَا طَلْقًا وَحَدًّا وَهِيَ كَمَا أَنَّ طَلْقَهَا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ يَجْزِيهَا طَلْقًا وَحَدًّا كَمَا أَنَّ طَلْقَهَا فِي مَرَّةٍ أَوْ مَرَّاتٍ يَجْزِيهَا طَلْقًا وَحَدًّا اس پر امت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے اسی طرح اور

تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ - لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهُ يُخَذِّبُكَ مِنْ يَدَيْهِ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عِزٌّ بِكَرْبَتِهِ - وَأَنْ يُعَذِّبَكَ بِمَا أَنْتَ كَاذِبٌ كَرِيمٌ۔  
 (۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید بن غفلتہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ ششمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ بھی رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اُسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ جَدِّي وَحَدَّثَنِي ابْنِي أَنَّهُ سَمِعَ جَدِّي يَقُولُ أَيَّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا عِنْدَ الْأَقْرَابِ أَدْنٰثًا مَبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد نمبر ۱ صفحہ ۳۳۶)۔  
 (۴) اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے۔ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَالَ طَلَّقْتُ امْرَأَتِي الْفَأَقَالَ ثَلَاثٌ تَحْرِمُهَا عَلَيْكَ وَأَنْتُمْ سَائِرُهُنَّ بَيْنَ نِسَائِكَ (سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۳۵) یعنی ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا کہ تین طلاقوں نے اسے تجھ پر حرام کر دیا۔  
 باقی طلاقیں اپنی اور بیویوں کو بائٹ دے یعنی وہ لغو ہیں ظاہر ہے کہ اس سائل نے یہ تین طلاقیں ہزار مہینوں میں توڑ دی ہوں گی۔ اور ۱۲ سال ۲ مہینے اسی میں صرف ہو جاتے۔ ایک دم ہی دی تھیں اور سیدنا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ

نے تیوں جائز رکھیں (۵) یہی سب سے پہلے جعفر بن محمد عن ابیہ عن علی رضی اللہ عنہما قال لا تحل لہ حتی تنکح ذوجاً غیرہ (سنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ یعنی امام جعفر صادق اپنے سید امجد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے تو یہی بیوی بے طلاق نہیں۔ اس کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو اس مقام پر ابی یعلیٰ سے مروی ہے کہ عن علی رضی اللہ عنہ فیمین طلق امرؤ شہاً ثلثاً قبل ان یتدخل بہا قال لا تحل لہ حتی تنکح ذوجاً غیرہ (۶) یہی سب سے پہلے محمد بن ایاز ابن کبیر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ایک دم تین طلاقیں دیدیں پھر اس کا خیال ہوا کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ تو وہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ہم اس نکاح کے جواز کی کوئی صورت نہیں دیکھتے جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ وہ بولا حضرت میں نے ایک ہی لفظ سے تین طلاقیں دی تھیں اس پر حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ تیرے قبضہ میں بچا کچھا تھا تو نے اکٹھا ہی دیدیا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں فسئل ابا ہریرۃ و عبد اللہ ابن عباس فقال لا نرأی ان تکلمہا حتی تنکح ذوجاً غیرک قال انما کان طلاقاً ایاکھا و اجدتہ فقال ابن عباس انک ارسلت من یدک ما کان لک من فضل (سنن کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۲۵) (۷) اسی سبب میں عبدالمجید ابن رافع سے بروایت عطاء ہے کہ کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں۔ فرمایا میں نے لو اور ستانوے چھوڑ دو عبارت یہ ہے۔ ان رجلاً قال لابن عباس طلقتم امرأتی مائة قال تاخذن ثلاثاً و دوحاً تسعیین (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۳۴) (۸) یہی سبب میں سید ابن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے لو اور نو سو ستانوے چھوڑ دو عبارت یہ ہے۔ ان رجلاً جاء الى ابن عباس و قال طلقتم امرأتی النافقاً قال تاخذن ثلاثاً و دوحاً تسعیین و تسبعین (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۳۲) (۹) یہی سبب میں بروایت سید ابن جبیر ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے اس شخص سے فرمایا کہ جس نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دی تھیں کہ تجھ پر تیری بیوی حرام ہو گئی عبارت یہ ہے۔ عن ابن عباس انہ قال لرجل طلق امرأته ثلاثاً حرمت علیک (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱ صفحہ ۳۳۴) (۱۰) یہی سبب میں بروایت عمر دارین دینار ہے کہ کسی شخص نے عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ستاروں کے برابر طلاقیں دے اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا اس سے کہہ دو کہ مجھے برج جوڑہ کا سر ہی کافی ہے۔ خیال ہے

کہ بروج جوزہ کے سر بہ تین ستارے ہیں۔ عبارت یہ ہے۔ عَنْ عُمَرَ ابْنِ دِينَارٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سُئِلَ  
عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ عَدَا النَّجْمِ فَقَالَ إِنَّكَ تَكْفِيكَ رَأْسُ النَّجْمِ زَاوِي (سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳۲)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب مَنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں  
کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں ایک دم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز رکھا  
عبارت یہ ہے۔ قَالَتْ طَلَّقَنِي زَوْجِي ثَلَاثًا وَهُوَ حَاكِجٌ إِلَى الْيَمَنِ فَأَجَازَ ذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبد اللہ ابن علی ابن زبیر ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا  
میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتزدی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نیت کی مگر ایک کی پس حضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا۔ چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ  
عَلِيِّ ابْنِ يَزِيدٍ ابْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَيْتَةَ فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ مَا أَرَدْتَ بِهَا قَالَ وَاحِدَةً قَالَ أَوَلَا اللَّهُ مَا أَرَدْتَ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ  
بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً قَالَ فَرَدَّهَا إِلَيْهِ (ابن ماجہ باب طلاق البتہ و ابوداؤد باب البتہ)؛ اگر ایک دم تین طلاقوں  
کی ایک ہی طلاق واقع ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا۔ أَنْتِ  
طَالِقٌ طَالِقٌ طَالِقٌ اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لیے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت  
نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ مَا أَشْرَفَ هَذَا الْحَدِيثُ یہ حدیث کیا ہی شریف  
الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے فرمایا ہے هَذَا أَحْسَنُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ جُرَيْجٍ یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریر زیادہ  
صحیح ہے۔ (۱۳) امام مالک شافعی و ابوداؤد بیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور  
عبد اللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ  
نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبد اللہ ابن عباس  
نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے۔ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ أَيَّاسِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ دَا بَاهُ بِيْرَةَ وَعَبْدُ اللَّهِ  
ابْنُ عُمَرَ ابْنِ الْعَاصِ سَأَلُوهُ عَنِ الْبَيْتِ وَطَلَّقَهَا زَوْجَهَا ثَلَاثًا قَالَ لَا تَحِلُّ لَكَ حَتَّى تَنْلِكَ زَوْجًا غَيْرَهُ  
وَرَوَى مُلِكٌ عَنْ يَحْيَى ابْنِ سَعِيدٍ عَنْ بَكْرِ ابْنِ أَشْجَمٍ عَنْ مَعَاذِ ابْنِ أَبِي عَبَّاسٍ أَنَّهُ شَهِدَ هَذِهِ

الْقَصَّةُ (ابوداؤد باب نسخ المراجعة بعد التلویق الثلث، ۱۳۱) بیہقی نے بسام صریفی سے روایت کی کہ جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجہ کہ تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی (۱۵۱) اسی بیہقی نے مسلم ابن جعفر احمد سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی؟ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی (تفسیر روح المعانی پارہ دوم، ۱۶) مسلم شریف کتاب الطلاق باب الطلاق الثلث میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی عبارت یہ ہے

فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ كَانَتْ لَكُمْ فِيهِ عَنَاءٌ فَلَوْ تَصَيَّنَّا لَهُ عَلَيْهِمْ فَأَهْضَمْنَا عَلَيْهِمْ (۱۷) اس حدیث کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع اس پر ہے کہ تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط پراجماع نہیں کر سکتے (۱۸) جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ دسے تین اور پڑے ایک مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہیے (۱۹) فعل حرام ہونے سے قانون نہیں مل جاتا۔ ایک دم تین طلاقیں دینا بیشک سخت منع ہے لیکن جب شوہر تین طلاقیں منہ سے بول رہا ہے تو واقعہ کیوں نہ بول دیکھو چوری کی پھڑھی سے جانور ذبح کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی ذبح کرے تو ذبحہ بیشک حلال ہے بحالت حیض طلاق دینا حرام ہے لیکن اگر کوئی دیدے تو واقعہ ہو جائے گی۔ (۲۰) اسقاط میں مسبب سبب سے وابستہ ہونا ہے کہ سبب کے ہوتے ہی مسبب کا ہونا ضروری ہے۔ ہدایہ کتاب الوکالت میں ہے لَا تَكُلُّمُ الْكَلِمَةَ فِيهَا لَا لَا يَقْبَلُ الْفَضْلُ عَنِ السَّبَبِ لِأَنَّهُ اسْتِقْطَ فَيَتَلَا شَيْءٌ یعنی اسقاط میں حکم اپنے سبب سے علیحدہ نہیں ہو سکتا طلاق ہونا سبب ہے، اور طلاق واقع ہونا اس کا حکم اور طلاق زوج کی ملکیت کا محض ساقط کرنا ہے، لہذا ناممکن ہے کہ سبب پایا جائے اور حکم نہ پایا جائے کہ وہ بولے تین اور پڑے ایک (۲۱) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام ابوحنیفہ و شافعی و مالک و احمد رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے کہ ایک دم طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوگی اس کی مخالفت امت مسلمہ کی مخالفت ہے جو کراہی ہے۔ غرضیکہ مسئلہ قرآن و حدیث اجماع صحابہ اقول علماء محدثین و مفسرین و لائل عقلمیہ سے ثابت ہے اس کی مخالفت عقل و نقل کی مخالفت ہے

# دوسرا باب

## اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

غیر مفاد میں اس مسئلہ پر اب تک حسب ذیل اعتراضات کر سکتے ہیں انشاء اللہ اس سے زیادہ انہیں نہ ملیں گے۔ بلکہ عام غیر مقلدوں کو تو اتنے بھی نہیں معلوم جو ہم انکی وکالت میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاَمْسَاكَ كَيْمَعْرُودٍ اَذْسُرِيْمٌ بِاِحْسَانٍ** کچھ آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے **فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ**۔ **مَرَّتَيْنِ** اور **فَاِنْ** سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ چاہئیں۔ ایک دم میں طلاقیں الگ الگ کہاں ہوتیں۔ **مَرَّتَانِ** علیحدگی بتا رہا ہے۔

**جواب**۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دم میں طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں **الف لام عمدی** ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو نیز **صلاہ** اُسے عورت صلاہ نہیں فرمادی و صادی و جلالین میں ہے **الطَّلَاقُ اَيُّ التَّطْلِيْقِ الَّذِي يَرَّاجِعُ بَعْدَهُ مَرَّتَيْنِ**۔ دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ **مَرَّتَانِ** سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کیونکہ علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؛ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فَاذْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ** آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میدان میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بیشک ایک دم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہوگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

دوسرا اعتراض بہ مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی

اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عمد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى هَدْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآلِي بَكْرٍ وَتَنْبُذَيْنِ مِنْ

حَدَاتِ عُمَرَ طَلَّاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ نِزَامِي مُسَلَّمٌ فِيهِ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَوَى أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنَ

عَبَّاسٍ سَأَلَ بُوَيْهَبَ بْنَ أَبِي بَكْرٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَوَى أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ ابْنَ



بِهَذِهِ الصِّيغَةِ وَعَلَبَ مِنْهُمْ ارَادَةَ الْإِسْتِيْنَا فِيهَا حُمِلَتْ عَنْهُ الرُّكْلَاتُ عَلَى الثَّلَاثِ عَمَلًا بِالْعَارِ  
 السَّابِقِ الْعَقْدِ مَعَهَا فِي ذَلِكَ الْخَصْرِ يَعْنِي چوںکہ زمانہ نبوی میں عام طور پر لوگ تین طلاقوں میں اول طلاق سے طلاق کی نیت  
 کرتے اور پچھل دو سے تاکید کرتے تھے اس لیے جو کوئی بغیر نیت کے بھی ایک دو تین طلاقیں دیتا تو ایک ہی مانی جاتی تھی  
 کہ اس وقت غالب حال یہ ہی تھا مگر زمانہ فاروقی میں لوگ عام طور پر تین طلاقوں سے تین ہی کی نیت کرنے لگے اس  
 لیے تین جاری کر دی گئیں صورت مسئلہ بدلنے سے حکم مسئلہ بدل گیا دیکھو قرآن شریف میں زکوٰۃ کے مہرف آٹھ  
 بیان ہوئے مؤلفۃ القلوب (کفار مائل باسلام) کو بھی زکوٰۃ دینے کی اجازت دی گئی مگر زمانہ فاروقی میں صحابہ کرام  
 کا اجماع ہو گیا کہ مصرف زکوٰۃ صرف سات ہیں مؤلفۃ القلوب خارج کیونکہ نزول قرآن کے وقت مسلمانوں کی جماعت  
 مختوڑی اور کمزور تھی اس لیے ایسے کافروں کو زکوٰۃ دے کر مائل کیا جاتا تھا۔ محمد فاروقی میں نہ مسلمانوں کی قلت رہی  
 نہ کمزوری لہذا ان کو زکوٰۃ دینا بند کر دیا گیا۔ وجہ بدلنے سے حکم بدلنا صحیح نہیں کیا گیا۔ اب تک زید فقیر تھا اسے زکوٰۃ لینے  
 کا حکم دیا گیا۔ اب غنی ہو گیا تو زکوٰۃ دینے کا حکم ہو گیا۔ پھر انا پاک تھا اس سے نماز ناجائز قرار دی اب پاک ہو گیا۔  
 اس سے نماز جائز ہو گئی۔ ہندوستان میں آج کل کوئی طلاق کی تاکید جانتا بھی نہیں تین ہی کی نیت سے طلاقیں  
 دیتے ہیں تو عجیب بات ہے کہ صورت مسئلہ کچھ اور حکم کچھ اور دیا جائے اللہ غیر مقلدوں کو غفل دے جس سے  
 حدیث کا مقصد صحیح سمجھا کریں۔

تیسرا اعتراض: بوداؤد جلد اول اور درنشر جلد اول ۲۷۹ و عبد الرزاق و بیہقی نے عبد اللہ ابن  
 عباس سے روایت کی کہ عبد بنید البورکان نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق  
 رجوع کر لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور میں نے تین طلاقیں دی ہیں فرمایا ہاں ہم جانتے ہیں مگر رجوع کرو اور  
 یہ آیت تلاوت فرمائی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِقُوهُنَّ بِعَدَّتِهِنَّ الْبُودَاؤُدُ وَغَيْرِهِ كِي عِبَارَت  
 یہ ہے۔ طَلَّقَ عَبْدُ بَيْرِيدٍ أَبُورِ كَانَةَ أَمْرًا كَانَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جِئْتُ  
 بِأَمْرٍ أَيْتِكَ فَقَالَ إِنِّي طَلَقْتُهَا ثَلَاثًا قَالَ قَدْ عَمِلْتَ إِذْ جِئْتَهَا وَتَلَا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ (الآيَةُ) بِبِهِقِي سَنَنْ كَبْرِي جِلْد  
 صفحہ ۳۳۹ و بوداؤد باب نسخ المراجعة صفحہ ۲۹۹) اگر کٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع نامکن  
 تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ  
 خود البورکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر  
 بھی ایک ہی مانی گئی ہے۔



جواب :- افسوس کہ معترض نے ابو داؤد اور بیہقی کی ادھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب دیا ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابو داؤد و بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کو ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اُس کا بیٹا اور اُس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاق تین ہیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔ وَحَدِيثُ نَافِعِ بْنِ عَجْرٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَلِيٍّ ابْنِ يَزِيدِ ابْنِ رُكَانَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ إِنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَتْ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَرَدَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَرًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهَا وَهْلٌ وَأَهْلُهُ أَعْلَمُ بِهِ أَنَّ رُكَانَةَ إِثْمًا طَلَّقَتْ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ وَجَعَلَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً (سنن کبریٰ بیہقی و ابو داؤد و یہی مقام ہے خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایت سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس سے آٹھ روایتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاق والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روایتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے وَهَذَا الْإِسْنَادُ لَا تَقْوَمُ بِهِ الْحُجَّةُ مَعَ ثَمَانِيَةٍ دَرَدَعَنَ عَبَّاسٍ قَتِيْبًا يَخْلُفُ ذَلِكَ وَمَعَ رَوَايَةِ أَوْلَادِ رُكَانَةَ أَنَّ طَلَّاقَ رُكَانَةَ كَانَ وَاحِدَةً وَيَا لَللَّهِ التَّوْبَةُ

(سنن کبریٰ بیہقی جلد ۲ صفحہ ۳۳۹) ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابو رکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابو رکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شاید تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اُس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے۔ وَرَوَايَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَتْ امْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَجَعَلَهَا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تَوْرٍ مَّجْهُولِينَ وَإِنَّمَا الصَّيْحُ مِنْهَا مَا قَدَّ مَدَاهُ أَنَّهُ طَلَقَهَا الْبُتَّةَ وَكَلَفَ  
 الْبُتَّةَ فَحَمَلٌ لِلوَاحِدَةِ وَالثَّلْثِ وَكَلَفَ صَاحِبَ هَذَا السَّرْوِ أَيْتِ  
 الصَّغِيْفَةَ اِعْتَقَدَ أَنَّ لَفْظَ الْبُتَّةِ ثَلَاثٌ اِفْسَادًا بِالمَعْنَى الَّذِي  
 فِيهِمَّةٌ وَغَلَطَ فِي ذَلِكَ بِجَوَازِ اِعْتِرَاضِ - سَيِّدِنَا عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اَلدُّعْنَانِ  
 ابْنِ بَرِيٍّ كُوْبَالَتِ حَيْضٌ تَمِيْنٌ مَلَايِيْنِ اَلْكُثْمِيِّ دِيْنِ تَمِيْنِ - جَنِيْنِ حَضْرٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اَلْيَمِّ  
 قَرَارٌ دِيَا اِدْرَاسٌ سَعِيْ رَجُوْعٌ كَرْنِيْ كَا حَكْمٌ دِيَا اِكْرِيْ طَوْقِيْنِ تَمِيْنِ جِيْ هُوْتِيْنِ تُوْرَجُوْعٌ نَا مَكْمُنٌ هُوْتَا -

جواب :- یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بجالت حیض  
 طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بجالت  
 طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے۔ عَنِ نَافِعٍ عَنْ  
 عَبْدِ اللهِ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاةً لَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيْقَةً وَاحِدَةً فَاَمْرًا رَسُوْلُ اللهِ  
 صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْجِعَ ثُمَّ يَهْمُرُ كَمَا حَتَّى تَطْهَرُ - نيز نووی شریف شرح مسلم باب  
 الطلاق الثلث میں فرمایا اِذَا مَا اَخَذَ يَثِ اِبْنُ عَمْرٍو وَرَوَايَاتُ الصَّحِيْحَةِ الَّتِي ذَكَرَهَا مُسْلِمٌ  
 وَغَيْرُهُ اَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً اِنْ كَانَتْ تَمِيْنٌ كِيْ رَوَايَاتِ الْبُكْرِيِّ فِيهِمْ -

پانچواں اعتراض :- تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ ۱۳۷ الطلاق مَوْتِيْنِ كِي تفسیر میں ہے مَعْنَاهُ اَنَّ  
 تَطْلِيْقَ الشَّرْعِيَّةَ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ تَطْلِيْقَةً عَلَيَّ التَّفْرِيْقِ ذُوْنِ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ وَ  
 هَذَا التَّفْسِيْرُ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ اَلْجَمْعُ بَيْنَ الثَّلْثِ حَوَامٍ اَيْ طَلَقِ شَرْعِي الْاَكْ  
 اَلْكُ تَبْيِيْرٌ كِيْ وَيَا وَاجِبٌ هُوَ يَرِيْ اِنْ لُوْغُوْنِ كِي تفسیر ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اَلْكُ تَمِيْنِ طَلَايِيْنِ  
 دِيْنَا حَرَامٌ اِسْ سَعِيْ مَعْلُوْمٌ هُوَا اِكْرِيْ مَدَمِ تَمِيْنِ طَلَايِيْنِ شَرْعِي طَلَايِيْنِ نَبِيْنِ - جَوَابُ اِسْ كَا كُوْنِ  
 مَكْرَبٌ بِيْئَكِ طَوْقِيْنِ اَلْكُ اَلْكُ هِيْ دِيْنَا ضَرْوِيْ فِيْ لَفْظِيْ كَا اِسْ مِيْنِ سَعِيْ كَا اِكْرُوْنِيْ اِنِّيْ حَمَاقَتِ سَعِيْ  
 تَمِيْنِ طَلَايِيْنِ اَلْكُ وِيْدِيْ تُوْرَاقِعٌ بَعِيْ هُوْنِكِيْ يَا نَبِيْنِ تفسیر کبیر کی اس عبارت میں یہ کہا ہے کہ نبی  
 واقع نہ ہوں گی صرف یہ ہے کہ یہ کام ناجائز ہے۔ کسی چیز کا حرام ہونا اور چیز ہے اور اس پر  
 شرعی احکام کا مرتب ہونا کچھ اور۔ رمضان شریف میں دن میں کھانا پینا حرام ہے لیکن اگر کوئی کھا  
 جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ زنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو اس پر غسل ضرور واجب

ہو جائے گا۔ حرمت کا اثر اسباب کی سببیت پر نہیں پڑتا۔ چھٹا اعتراض :- تفسیر کبیر معری جلد دوم صفحہ ۲۴ میں ہے، وَهُوَ اخْتِيَارٌ كَثِيرٌ مِنْ عُلَمَاءِ الدِّينِ اِنَّهُ كَوْنًا قَرَّبًا اِثْنَتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا لَا يَقَعُ اِلَّا الْوَاحِدُ یعنی بہت علماء دین نے یہ بھی اختیار کیا ہے کہ اگر کوئی اکٹھی دو یا تین طلاقیں دیدے۔ تو اس سے ایک ہی واقع ہوگی۔ معلوم ہوا کہ عام علماء اسلام کے نزدیک اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہیں۔ جواب :- معترض نے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سے علماء ہیں جن کا یہ مذہب ہے اور ہم بتائیں وہ علماء ابن تیمیہ اور اسکے وہابی پیروکار ہیں انہیں کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ہم پہلے باب میں تفسیر سادسی کے سوال سے نقل کر چکے ہیں۔ اور ابن تیمیہ اور اسکے متبعین کو علماء کرام نے گمراہ اور گمراہ کر لکھا ہے۔ نیز معترض نے تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل نہ کی۔ اس عبارت کے آگے یہ ہے۔ وَالْقَوْلُ الثَّانِي وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ حَنِيفَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقَعُ اِنَّهُ اِنْ كَانَ مُحْرَمًا اِنَّهُ يَقَعُ یعنی دوسرا قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا اگرچہ منع ہیں۔ لیکن واقع ہو جائیں گی۔ کچھ آگے جا کر تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آئمہ مجتہدین کا یہی مذہب ہے کہ جسے تین طلاقیں دی جائیں وہ شوہر کے لئے حلال نہیں دیکھو تفسیر کبیر معری جلد دوم صفحہ ۲۶۵ ساتواں اعتراض :- عقل بھی چاہتی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی مانی جائیں کیونکہ جن جن چیزوں کی علیحدگی کا حکم ہے ان کو اکٹھا کر دینا ایک کے حکم میں ہوتا ہے۔ مثلاً لعان میں الگ الگ چار قسمیں کھانا واجب ہے، اور حج میں حجروں پر الگ الگ سات نکر مارنا واجب ہیں اگر کوئی چاروں میں ایک لفظ سے کھائے تو یہ ایک قسم مانی جائے گی کہ تین قسمیں اور کھانی پڑیں گی۔ اگر کوئی ساتوں نکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائیگی اور چھ نکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں سزا درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اَللّٰهُمَّ صَرِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ تو اس کا یہ درود سزا نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائیگا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک و تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہونے کے تین۔ جواب :- المحمّد آپ قیاس کے تو قائل ہوتے اور آپ نے قیاس کرنے کی رحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب نہ ان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے، نہ کہ محض فعل

لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہیاں چار میں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھلی چار ہی چاہیے۔ جبکہ فقط چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز زنی جہدوں میں سات فعل چاہئیں ایک دم سات کنکر پیدک۔ دینے میں مفعول سات ہرے۔ مگر فعل ایک چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت، طاب ہے۔ ایک ہزار درود کی محنت اتنی محنت کی محنت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک بار اَلْفَ مَرَّةً کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں چڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے، طلاق کو نسا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مٹھسی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پر دردی سے خدا تعالیٰ قسم رکن و حدیث کی بیحد قسم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اسی میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانیں جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تضاد ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُوْرٍ سَعْرٍ شَيْبِهِ سَبِيْدًا نَادٍ مَوْلَانَا مُحَمَّدًا وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِهِ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۞

احمد یار خاں غفر لہ ولایہ مرشدہ بدایونی مقیم گجرات پاک

# فہرست جہ الحق و زندق الباطل

صفحہ	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	نمبر شمار
۴۷	علم غیب کے مراتب و احکام	۱۶	۲	تمام فتنوں سے بڑا فتنہ وہابیوں کا ہے	۱
۴۷	مکرمین علم غیب سے سوالات	۲۰	۶	وہابیوں کے ظلم اہل اسلام خصوصاً اہل حرمین پر	۲
۴۳	علم غیب کا ثبوت قرآنی آیات سے	۲۱	۷	غیر مقلد اور دیوبندیوں میں فرق	۳
۴۹	آیت الکرسی میں حضور کی نعمت ہے	۲۲	۸	وجہ تصنیف کتاب	۴
۷۱	حضرت خضر و ابراہیم علیہم السلام کا علم	۲۷	۱۰	تفسیر تائید تحریف کا فرق اور تغیر طرز سے لڑنے کے	۵
۷۱	ملکوت کے معنی کی تفصیل	۲۴	۱۴	تقلید کے معنی اور اس کے اقسام	۶
۶۴	کلی شیئ تنہای میں اور کمالی تخصیص کے جوابات	۲۵	۱۶	کن مسائل میں تقلید کی باقی ہے	۷
۶۶	دوسری فصل علم غیب کی احادیث	۲۶	۱۸	کس پر تقلید واجب ہے اور کس پر نہیں	۸
۷۱	تفسیری فصل شارحین و احادیث احوال و ترجمہ	۲۷	۱۸	مجتہدین کے چھ طبقے اور ان کی پہچان	۹
۷۴	پہلی فصل فضل علم امت کے اقوال	۲۸	۱۹	غیر مقلدوں کے بہت سے عقراضات کی جہات	۱۰
۷۹	حضور علیہ السلام لکھنا جانتے تھے	۲۹	۲۱	چوتھا باب تقلید واجب ہونے کے دلائل	۱۱
۸۰	پانچویں فصل مخالفین کی تائید علم غیب	۳۰	۲۶	تقلید شخصی کا بیان	۱۲
۸۲	چھٹی فصل علم غیب کی عقلی دلائل علم غیب اور	۳۱	۲۸	پانچواں باب تقلید پر اعتراضات و جوابات	۱۳
۸۷	دوسرا باب علم غیب پر اعتراضات و جوابات	۳۲	۳۴	چاروں مذہب حق ہونے کے معنی	۱۴
۸۹	لا اقول لکم فی نفسی و دروغی تین میں اس کی حجت	۳۳	۳۵	قیاس کے بحمت	۱۵
۹۵	حضور صفا توح الغیب میں	۳۴	۳۸	غیب کی تعریف اور اس کے اقسام	۱۶
۹۶	علم عطائی غیب ہی نہیں	۳۵	۴۰	علم غیب کے متعلق چند فوائد	۱۷
۹۸	علم اور شعر کے معانی	۳۶	۴۱	بڑی چیزوں کا علم بڑا نہیں	۱۸

۱۱	چوتھی فصل حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے	۵۷	۱۰۲	خبر کا نسخ جائز ہے یا نہیں	۲۷
۱۵۶	پانچویں فصل حاضر و ناظر کا ثبوت دلیل عقلیہ سے	۵۷	۱۰۶	علم روح کی بحث اور امر کے معنی	۲۸
۱۶۱	دوسرا باب حاضر و ناظر پر اعتراضات	۵۸	۱۱۰	حضور علیہ السلام روح میں اور عالم امر سے	۳۹
۱۶۱	حضور علیہ السلام کو بشر کہنے کی بحث	۵۹	۱۱۰	علم قیادت کی بحث انتہا و ذرا و کمال	۴۰
۱۶۱	نبی کی تعریف اور اس کے درجات	۶۰	۱۱۱	نفس توجہیں	۴۱
	پہلا باب اس بیان میں کہ نبی علیہ السلام کو بشر یا بھائی کہنا حرام ہے	۶۱	۱۱۲	حدیث ما المسئول عنہما کی نفس تحقیق	۴۱
۱۶۵	دوسرا باب بشریت پر اعتراضات	۶۲	۱۱۲	حضور علیہ السلام نے قیامت کی خبر دی کی	۴۲
۱۸۲	بحث نذیر یا رسول اللہ	۶۲	۱۱۷	علوم خمسہ کی بحث	۴۳
۱۸۶	دوسرا باب نذیر یا رسول اللہ پر اعتراضات	۶۳	۱۲۱	دوسری فصل نفی غیب کی احادیث	۴۴
۱۶۳	اولیاء اللہ و انبیاء سے مدد مانگنا	۶۵	۱۲۶	جہل دنیا و ذمہوں میں فرق	۴۵
۲۰۴	اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کی ثبوت	۶۶	۱۲۶	قیامت میں لوگ شفیع کو بھول جائیں گے	۴۶
	دوسرا باب اسماء اولیاء اعتراضات کے بیان میں	۶۷	۱۳۰	حضرت یعقوب حضرت یوسف سے خبردار	۴۷
۲۰۸	بدعت کے معنی اور اس کے اقسام	۶۸	۱۳۰	ان کا روزنامہ ترقی درجات کا سبب ہوا	۴۸
۲۱۳	پہلا باب بدعت کی تعریف	۶۹	۱۳۲	تیسری فصل عبارات فقہاء خلاف علم غیب کے بیان میں	۴۹
۲۱۸	بدعت کی قسمیں اور ان کے احکام	۷۰	۱۳۲	علم غیب پر عقلی اعتراضات و جوابات	۵۰
۲۱۹	بدعت کی قسموں کی پہچان اور علامتیں	۷۱	۱۳۸	حاضر و ناظر کی بحث	۵۱
۲۲۲	دوسرا باب اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات	۷۲	۱۳۹	پہلا باب حاضر و ناظر کے ثبوت میں	۵۲
۲۲۲	بحث نمبر و محض میلاد شریف کے ثبوت میں	۷۲	۱۳۹	پہلی فصل آیات قرآنیہ سے ثبوت میں	۵۳
۲۳۲	باب میلاد شریف کے ثبوت میں	۷۳	۱۴۲	دوسری فصل حاضر و ناظر کی احادیث کے بیان میں	۵۴
	دوسرا باب میلاد شریف پر اعتراضات	۷۴	۱۴۸	تیسری فصل حاضر و ناظر کا ثبوت فقہاء و علماء کے اقوال سے	۵۵

۳۱۰	رمضان شریف میں ختم قرآن پر چراغاں	۹۶	۲۳۹	دجوابات کہ بیان میں	
۳۱۰	بکھٹ قبر پر اذان دینا	۹۷	۲۴۱	نعت گوئی اور نعت خوانی عبادت ہے	۷۶
۳۱۱	اذان کہنے کے کل کتنے موقع ہیں	۹۸	۲۴۲	تقسیم شیرینی کی بحث	۷۷
۳۱۳	اذان کے سات فائدے ہیں	۹۹	۲۴۳	کسی کی یادگار منانا دن مقرر کرنا	۷۸
۳۱۵	دوسرا باب اذان قبر پر اعتراض و جواب	۱۰۰	۲۴۷	بحث قیام میلاد کے بیان میں	۷۹
۳۱۶	مدرسہ دیوبند اور ختم بخاری	۱۰۱	۲۴۸	پہلا باب قیام میلاد شریف کے ثبوت میں	۸۰
۳۱۹	قبر کا طواف اور دیوبندیوں کی کتاب	۱۰۲	۲۵۴	دوسرا باب قیام میلاد پر اعتراضات و جوابات	۸۱
۳۲۰	معانقہ عید اور بعد نماز مصافحہ کا ثبوت	۱۰۳	۲۵	فاتحہ تجید دسواں چالیسواں کا بیان	۸۲
۳۲۱	بحث عرس بزرگان	۱۰۴	۲۶۲	پہلا باب فاتحہ کے ثبوت میں	۸۳
۳۲۴	دوسرا باب عرس پر اعتراضات و جوابات	۱۰۵	۲۶۷	دوسرا باب فاتحہ پر اعتراضات و جوابات	۸۴
۳۲۶	مشہد قرآنی کی نہایت نفیس تحقیق	۱۰۶	۲۷۲	بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں	۸۵
۳۲۸	بازار کام میں نلباز کے ملنے اور داخل ہو کر نیک نطق	۱۰۷	۲۷۸	دوسرا باب اس دعا پر اعتراضات	۸۶
۳۳۰	بحث زیارت قبور کے ایسے سفر کرنا	۱۰۸		و جوابات	
۳۳۳	دوسرا باب سفر میں پر اعتراضات و جوابات	۱۰۹	۲۸۲	مزارات اولیاء پر گنبد بنانا	۸۷
۳۳۵	کیا حضرت فاروق نے درخت کٹوایا تھا	۱۱۰		اختلافات زمانہ سے بعض احکام بدل	۸۸
۳۳۶	کفنی یا الفی لکھنے کا بیان	۱۱۱	۲۸۸	جاتے ہیں اس کی مثالیں	
۳۴۰	اصحاب کہف کے ناموں کی برکت	۱۱۲	۲۸۹	دوسرا باب گنبد مزارات پر اعتراضات	۸۹
۳۴۱	دوسرا باب کفنی لکھنے پر اعتراضات و جوابات	۱۱۳		جوابات	
۳۴۱	بعد موت ہر شخص کو علم آجاتا ہے۔	۱۱۴		ان اصحاب کے نام جنہوں نے قبروں پر گنبد بنائے	۹۰
۳۴۵	بحث جنہ آواز سے ذکر کرنا	۱۱۵	۲۹۵	بحث مزارات پر پھیل ڈالنا چلوں پر چھینٹنا	۹۱
۳۴۶	بازاروں میں تکبیر کہنے سے عوام کو نہ رزکو	۱۱۶	۲۹۶	چراغاں کرنا۔ پہلا باب ان کے ثبوت	۹۱
۳۸۰	دوسرا باب ذکر بالجہ پر اعتراضات و جوابات	۱۱۷	۳۰۶	بندہ گوں کے چلوں کا حکم	۹۲
۳۵۰	بحث اولیاء کے نام پر چالوہ پاننا	۱۱۸	۳۰۷	نذر اولیاء	۹۵

۳۶۱	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۱۱۹
۱۳۸	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۱۲۰
۳۶۸	تبرکات کی تعظیم کرنا	۱۲۱
۳۶۹	قبر کا بوسہ دینا	۱۲۱
۳۶۲	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۱۲۲
۳۶۳	سجدے کی تعریف اور اسکے اقسام و احکام	۱۲۳
۳۶۶	تبرکات کا ثبوت	۱۲۴
۳۶۸	بحث عبد النبی عبد الرسول نام لکھنا	۱۲۵
۳۸۰	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	۱۲۶
۳۸۲	بحث استقاط کا بیان	۱۲۷
۳۸۴	حید شری کے جواز کا ثبوت	۱۲۸
۳۸۵	حورتوں کے کان کب سے چھیرے لگئے	۱۲۹
۳۸۹	دوسرا باب حید استقاط پر اعتراضات و جوابات	۱۳۰
۳۹۲	نئی قبروں پر جمعہ تک حافظ بھٹانا	۱۳۱
۳۹۲	کتنے شخصوں سے حساب قبر نہیں تو	۱۳۲
۳۹۴	قضا عمری پڑھنے کی ترکیب	۱۳۳
۳۹۴	بحث آذان میں ناگوٹھے جوڑنے کا بیان	۱۳۴
۳۹۸	اس کے دینی و دنیاوی فائدے	۱۳۵
۴۰۰	دوسرا باب ناگوٹھے جوڑنے پر اعتراضات و جوابات	۱۳۶
۴۰۳	بحث جنازے کے آگے گریہ یا نعت بلند کرنا	۱۳۷
	سے پڑھنی	
۴۰۸	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	
۴۱۲	زمانہ کے اختلاف سے احکام کیوں بدل جاتے ہیں اور اس کی مثالیں	
۴۱۸	دیوبندی اور اسلامی عقائد میں فرق	
۴۲۲	دیوبندیوں کی پیر پرستی	
	<b>ضمیمہ جَاءَ الْحَقُّ</b>	
۴۲۵	قہر کبیر یا بر منکرین عصمت انبیاء	
۴۲۸	پہلا باب عصمت انبیاء کا ثبوت	
۴۳۱	دوسرا باب اس پر سوال و جواب	
۴۴۱	یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی نہ تھے	
۴۴۳	لغات المصباح علی رکعات التراويح	
۴۴۳	پہلا باب بیس رکعت تراویح کا ثبوت	
۴۴۶	غیر مقلدین کے آرام دہ مسائل جواب	
۴۴۷	دوسرا باب بیس رکعت تراویح پر سوال و جواب	
۴۴۹	رسالہ طلاق الادل فی حکم طلاق ثلاثہ	
۴۵۰	مقدمہ	
۴۵۱	پہلا باب اس کا ثبوت کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہوتی ہیں	
۴۵۶	دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات	

مفتی احمد یار خاں زود نغمی کتب خانہ گجرات  
 رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ  
 (مغربی پاکستان)



کتاب بذا کے جملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد محفوظ ہیں



الحمد للہ کہ کتاب الجواب نافع شرح و شایب مفید اقل موقوف غافل

المسمیٰ بہ

# جاء و هو الباطل

المعرف بہ

فیصلہ مسائل

حصہ دوم

جس میں موجودہ زمانہ کے غیر مقلد و تابعوں کے متعلق عام مختلف فیہ مسائل کا نہایت مالا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

مصنفہ

حضرت حکیم الامت مفتی اعظم مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی شرفی بدایونی گجرات

ناشر

مفتی اقتدار احمد خان مالک نعیمی مکتب خانہ گجرات

کاتب محمد یوسف گوندلوی گوندلوالہ ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع گوجرانولہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِ الْاَنْبِيَاءِ  
مُحَمَّدِنِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِهِ وَ اَصْحَابِهِ اَوْلِيَ الصِّدْقِ وَ الصَّفَا

جاننا چاہیے کہ موجودہ دور بہت فتنہ و فساد کا زمانہ ہے۔ کفر و الحاد بے دینی کی ہوس ربا آندھیاں چل رہی ہیں بد مذہبی لادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارگاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباع سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سوا سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا۔ بلکہ جنہیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آئین بالجہد و رفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابو حنیفہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق جلد اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت بایح اور تین طلاق پر معرکہ الآراء بحث کی جاء الحق میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلد و باہیوں کی پرزور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے ذہان شکن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے ”فتاویٰ نعیمیہ“ اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان لکھی جاوے۔ تو کلاً علی اللہ اصرار توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہوگا۔ جو جاء الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات و جوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ

دیتے ہیں۔ اور کسی نہ کسی معقول نامعقول سوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز اگر جرح و تمذیل میں مقابلہ ہو تو تمذیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ میں کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وغیر ہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں۔ مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اُسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لئے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بے بضاعتی و کم علمی کا اعتراف و اقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل پر بندہ وسہ ہے۔ رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرما دے۔ میرے لئے اسے کفار یہ سیئات و صدقہ جبار یہ بنائے۔ اس کا نام جاء الحق حصہ دوم رکھنا ہوں۔ جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خانمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

احمد یار خان نعیمی اشرفی بدایونی خطیب جامع

مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات

یکم ماہ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ دوم اپریل ۱۹۵۷ء

دوشنبہ مبارکہ

❖

محمد یوسف نوشہرہ لیس ٹونڈلوی  
پندرہ گوندالوالہ تحصیل و ضلع گوجرانوالہ

# مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۔ اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں حدیث صحیح۔ حدیث حسن۔ حدیث ضعیف۔

صحیح :- وہ حدیث ہے جس میں چار خوبیاں ہوں ۱) اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مؤلف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو (۲) اس کے سارے راوی اول درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو (۳) تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو (۴) وہ حدیث شاذ یعنی اسنادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن :- وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف :- وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲۔ پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال و حرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت و فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ :- ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوتی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں

۱۵ راویان حدیث کے سلسلہ کو اسناد حدیث اور الفاظ حدیث کو جہاں اسناد ختم ہوتی حدیث کہتے ہیں۔

۱۶ اگر اسناد میں ایک یا چند راوی چھوٹ گئے ہوں اسے حدیث منقطع کہتے ہیں

نے عوام کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ لوگوں نے اسے کھا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی درجہ سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳۔ اگر حدیث ضعیف کسی وجہ سے بن جواد سے تودہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام و فضائل سب کچھ ثابت ہو سکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۴۔ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہو جانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہو جو اسے ثواب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی

مترقات۔ موضوعات کبیر۔ شامی۔ مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا عبداللہ الحق۔ رسالہ اصول حدیث للبحر جانی اول ترمذی شریف وغیرہ۔

۲۔ علماء کا یلین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کر دیں تودہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہو جاوے گی اس ہی لیئے امام ترمذی فرما دیتے ہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ غَرِيبٌ ضَعِيفٌ وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ  
عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ

یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کر لیا اور سب گمراہ ہو گئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایتیہ کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہو گئی

۳۔ علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث سنی تھی کہ جو ستر ہزار بار کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری) تخذیر الناس مصنفہ مولانا محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ

کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵۔ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہذا یہ ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تفسیری میں صحیح اسی لیے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هذا الحديث حسن صحيح غريب [ یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہونا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد حسن ہے دوسری سے صحیح تفسیری سے غریب

قاعدہ نمبر ۶۔ بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لیے مضر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہو۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہذا کسی دہائی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

لطیف۔ ایک دفعہ ایک دہائی غیر مقلد سے قرۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی۔ ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَدَقِرَاءَةِ [ امام کی قرأت مقتدی کی قراءت ہے

دہائی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جہنی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جہنی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۳۵ھ میں ہم نے کہا کہ جب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہے اور وفات ۱۵۰ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی دہائی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہیے کہ دہائی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا انشاء اللہ دہائی جی پانی مانگ

جائیں گے اور ضعیف ضعیف کا سبق مجبول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷۔ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بنائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدریس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نو عمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں (نورالانوار بحث طعن علی الحدیث)

قاعدہ نمبر ۸۔ اگر جرح و تعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اور اس کی روایت ضعیف نہ ہوگی کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر ۹۔ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعیف ہونا لازم نہیں۔ لہذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح و ضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۰۔ صحیح حدیث کا دار و مدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں صحاح ستہ کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح ہیں ان کے سوا دوسری کتب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری و مسلم وغیرہ پر حضور کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سرانگہوں پر ہے بخاری میں ہونہ ہو تعجب ہے۔ غیر مقلدوں پر کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اور ان کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر ۱۱۔ کسی عالم فقیہ محدث کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کر لینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرما دے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہو جاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبداللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وَإِنِّي إِذَا اسْتَدْتُ الْحَدِيثَ إِلَيْهِمْ كَانَتْ  
اسْتَدْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ

میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف  
منسوب کر دیا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی طرف ہی منسوب کر دیا۔

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہو سکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے ان کو علماء فقہان نے قبول فرمایا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاء اللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنا دیتی ہے۔ احمد یار خاں

قاعدہ نمبر ۱۲۔ اگر حدیث و قرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافقت ہو جاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنی کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہو جاوے اس کی مثال یہ ہے کہ رب فرماتا ہے۔

فَاَقْرَأْ وَمَا تَيْسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ | جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا تَحْتَ الْكِتَابِ | جو سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی

۱۵ حدیث کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ حدیث کی

کل مشہور کتب پچاس سے زیادہ ہیں۔ مند امام احمد۔ مند امام ابوحنیفہ۔ ثوطا امام مالک۔ بیہقی۔ دارمی۔ واقظنی حاکم وغیرہ۔ امام بخاری

کا نام شریف محمد ابن اسماعیل ہے آپ کی ولادت ۲۴۰ھ میں ہوئی۔ یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے

۵۷ برس بعد کیونکہ امام اعظم کی وفات ۲۴۵ھ میں ہے۔



یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قراءت نماز میں فرض ہے اور سورہ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرمانا ہے۔

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتُوا  
جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور  
چپ رہو۔

لیکن حدیث شریف میں ہے

لَا هَلْوَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ  
جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی  
یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور

حدیث شریف مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے۔  
اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی  
ہے کہ یہ اس کی حکمی قراءت ہے، غرضیکہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی

کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر  
قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ  
مانی جاوے گی۔ یا حضور کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اس کی بہت مثالیں ہیں

قاعدہ نمبر ۱۳۔ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے

مذہب کا دار و مدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہوا۔

مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف

قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن و حدیث ہیں۔ مگر

امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تمہیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری

کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند

کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے

غیر تقلید رب کا عذاب۔

# پہلا باب

## کانون تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں سے انگوٹھے چھو کر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

## پہلی فصل

کانون تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔  
حدیث نمبر ۳۱۔ بخاری۔ مسلم۔ طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی ٹونک اٹھاتے

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَازِيَ أُذُنَيْهِ وَفِي لَفْظٍ حَتَّى يُحَازِيَ بِهِنَّ فِرْعَ أُذُنَيْهِ

حدیث نمبر ۴۔ ابو داؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے

میں نے حضور کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَبْعُدُ۔

حدیث نمبر ۵۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَمَا قَالَ

أَحَدُ الرُّوَاةِ جِبَالٌ أُذُنِيهِ ثُمَّ  
التَّحَفَ ثَبُوبِهِ

ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے  
کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپائیے

حدیث نمبر ۸۶ - بخاری - ابو داؤد - نسائی نے حضرت ابو قلابہ سے روایت کی۔  
أَنَّ مَالِكَ ابْنَ حُوَيْرِثٍ رَأَى النَّبِيَّ  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا  
كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ حَتَّى  
يَبْلُغَ فَرْعَ أُذُنَيْهِ -

مالک ابن حویرث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو  
دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب  
تکبیر نحر میں فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف  
اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی ٹونگ پہنچ جاتے

حدیث نمبر ۱۲۹ - امام احمد - اسماة ابن راہویہ - دارقطنی - طحاوی نے براء ابن عازب سے روایت کی۔  
كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا صَلَّى رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى تَكُونَ  
إِبْهَامَاكَ حَذَاءُ أُذُنَيْهِ -

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو یہاں تک  
ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں  
کے مقابل ہو جاتے۔

حدیث نمبر ۱۵۱ - حاکم نے متدرک میں دارقطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط  
مسلم و بخاری ہے۔ حضرت انس سے روایت کی۔

رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كَبَّرَ فَحَادَى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ -

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ  
نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیے۔

حدیث نمبر ۱۷۱ - عبد الرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔  
كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ  
لَا يَفْتَتِحُ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى  
يَكُونَ إِبْهَامَاكَ قَرِيبًا مِنْ سِخْمَةِ أُذُنَيْهِ -

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع فرمانے کیلئے  
تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ  
آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابل ہو جاتے

حدیث نمبر ۱۸ - ابو داؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ  
يَدَيْهِ حَتَّى كَانَتْ بِجِبَالِ مُعْكَبَيْهِ  
وَحَادَى بِإِبْهَامَيْهِ أُذُنَيْهِ -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک اٹھاتے  
یہاں تک کہ ہاتھ شریف ٹونڈھوں کے اور  
انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ دارقطنی نے حضرت برا، ابن عازب سے روایت کی۔

أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
حِينَ افْتَتَحَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَا  
بِهَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَمَّ يَدَا إِلَى شَيْءٍ مِنْ  
ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَوَتِهِ

انہوں نے حضور کو دیکھا جب آپ نے نماز  
شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک  
کہ انہیں کالوں کے مقابل فرما دیا۔ پھر نماز سے فرغت  
تک ہاتھ نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِأَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ  
بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كَانَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ  
حَذَاءَ وَجْهِهِ -

وہ حضور کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تم  
سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں۔  
آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے  
اور اپنے ہاتھ مبارک پھرے شریف کے  
مقابل تک اٹھاتے۔

کالون تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف بیس حدیثوں پر

کفایت کرنا ہوں۔ اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصاً صحیح البہاری شریف کا مطالعہ  
کرو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل۔ عقل بھی چاہتی ہے۔ کہ نماز شروع کرتے وقت کالوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں

کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار و بے تعلق  
ہوتا ہے، کھانا پینا بولنا ادھر ادھر دیکھنا سب کو اپنے پر حرام کر لیتا ہے۔ گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر

کرتا ہے۔ اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزارگی کرتے ہیں تو کالوں پر ہاتھ رکھواتے ہیں۔ کندھے  
ہنہیں پکڑواتے گویا نمازی قول سے نماز شروع کرتا ہے۔ اور اپنے عمل سے کالوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار

ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔ جیسے سجدے میں مسلمان زبان سے  
تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی

شروع نماز کے وقت ایک جزا اقرار زبان سے ہے دوسری جزا اظہار عمل سے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراض و جواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) مسلم و بخاری نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں  
 إِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حَدَاءً مَتَكِبِيَةً | حضور جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ شریف  
 کندھوں کے مقابل کرتے تھے

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کیئے  
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک اپنے  
 يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَدًّا وَمَتَكِبِيَةً - | کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے  
 اور کانون تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب۔ یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانون سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ  
 کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پر عمل ہو جاوے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے  
 لگانے میں ان احادیث پر عمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانون تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں  
 قسم کی حدیثوں پر عمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا حنفی جامع  
 ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح گزر گئی۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف ایسے  
 اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے کانون تک لہذا نہ احادیث متعارض  
 ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ  
 حضور اپنے انگوٹھے کندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جہاں کندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد  
 ہوا اور جہاں کانون کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اسی

طرح اٹھتے تھے کہ انکوٹھے کانون تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض نمبر ۲۔ کانون کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔ تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رستی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ چوتھے تھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔ چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔ ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں دہا بیوں کے اس بایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

## دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

## پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سبب راوی ثقہ ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ عَنْ وَائِلِ بْنِ حَجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ السُّرَّةِ رَوَاهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔

حدیث نمبر ۲۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر کرنا۔ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

قَالَ ثَلَاثٌ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبُوَّةِ تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ وَتَأْخِيرُ السُّحُورِ وَوَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

حدیث نمبر ۳۔ ابو داؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہیئے

قَالَ أَبُو وَائِلٍ أَخَذْتُ الْكَفَّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ تَحْتَ السُّرَّةِ

حدیث نمبر ۴، ۵۔ وارظنی اور عبد اللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے

إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلَاةِ وَضْعُ الْكَفِّ فِي رِوَايَةِ وَضْعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔

حدیث نمبر ۶ تا ۹۔ ابو داؤد نسخہ ابن اعرابی۔ احمد۔ وارظنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

إِنَّهُ قَالَ السُّنَّةُ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ | ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے

## تَحْتَ السَّرَّةِ

حدیث نمبر ۱۰۔ زین نے حضرت ابی حجیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اور دونوں

ہاتھ ناف کے نیچے رکھے

إِنَّ عَلَيْنَا قَالِ السُّنَّةُ وَضَعُ الْكَفِّ فِي الصَّلَاةِ وَيَضَعُهُمَا تَحْتَ السَّرَّةِ۔

حدیث نمبر ۱۱۔ امام محمد نے کتاب الاثنا عشر فیہ میں ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے

نیچے رکھتے تھے

أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى تَحْتَ السَّرَّةِ۔

حدیث نمبر ۱۲۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

آپ نے فرمایا کہ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر

ناف کے نیچے رکھے۔

قَالَ يَضَعُ يَمِينَهُ عَلَى شِمَالِهِ تَحْتَ السَّرَّةِ۔

حدیث نمبر ۱۳۔ ابن خزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے

نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔

أَنَّهُ قَالَ مِنْ أَخْلَاقِ النَّبَوَّةِ وَضَعُ الْيُمْنَى عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السَّرَّةِ۔

حدیث نمبر ۱۴۔ ابو بکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

میں نے ابو جحز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے

رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے واسنے ہاتھ

کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف

کے نیچے اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے

رادسی ثقہ ہیں۔

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا جَحْزٍ وَسَأَلْتُهُ قُلْتُهُ كَيْفَ يَضَعُ قَالَ يَضَعُ بَاهِنِ كَفِّهِ يَمِينَهُ عَلَى ظَاهِرِ كَفِّ شِمَالِهِ وَ يَجْعَلُهُمَا اسْفَلَ مِنَ السَّرَّةِ اسْنَادُهُ جَيِّدٌ وَرَوَاتُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔ اس کی تحقیق دیکھو۔ صحیح البہاری اور فتح القدر ہیں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔ کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہونے ہیں۔ اس میں انتہائی ادب ہے۔ نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں محاضری



دیتا ہے۔ لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔ غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لیے کھڑے ہیں یا کشتی اڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اگر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

## دوسری فصل

### اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱۔ ابو داؤد شریف میں ابن جریر ضعی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قَالَ مَا آيَتْ عَلَيَّا يُمَسِّكُ شِمَالَهُ  
بِيَمِينِهِ عَلَى الرَّسْخِ فَوْقَ السَّرَّةِ

میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو دیکھا کہ آپ نے بائیں ہاتھ دھرنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابو داؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)

قَالَ أَبُو دَاوُدَ رَوَى عَنْهُ سَعِيدُ ابْنِ  
جُبَيْرٍ فَوْقَ السَّرَّةِ وَقَالَ أَبُو جَلَادٍ  
تَحْتَ السَّرَّةِ وَرَوَى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ  
وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ

ابو داؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابو جلاباد نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابی ہریرہ سے بھی یہ روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

نوٹ ضروری۔ زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابو داؤد کے نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابو داؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابو داؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایات کیں۔

بہر حال آپ کی پیش کردہ ابو داؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہو گیا۔ اور ان تمام متعارض روایتوں کو خود ابو داؤد نے ضعیف فرمایا تو خوب ہے کہ آپ ابو داؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التہیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے۔ رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض ۲۔ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ جواب۔ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ساتھ جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر امام کے قبول فرما لینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم کو مضر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ۔ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الہی بخش صاحب سکنہ جمال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریفیہ دے کر بھیجا۔ جس میں ان سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث صحیحہ حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سینے اور سر دھینے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

وائل ابن حجر سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

بلوغ المرام ص ۲۱ عَنْ وَائِلِ بْنِ سَجْدٍ أَنَّهُ قَالَ صَافَيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى  
عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ

نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ  
بائیں ہاتھ پر اپنے سینہ پر رکھا۔

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہا بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ فَصَلَّ  
لِرَبِّكَ وَانْحَرُكَ مَعْنَى يَهِيں كِه آپ اپنے رب كِه ليے نماز پڑھيں اور نحر يعني سينے  
پر نماز ميں ہاتھ ركھيں۔

یہ جواب دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ  
اکابر ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر  
نہیں نکلنے دینے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں۔  
جس کا سر نہ پاؤں نہ کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ الہی بخش نے ہمیں  
بتایا کہ بلوغ الرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب  
نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری  
مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اول تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث  
صحیح ہے تو حدیث میں بھی ذکر نہیں کہ حضور نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ موضع کی ت عطفہ  
تعقید سے ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد کسی حاجت سے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھے۔  
رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا | جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لٹے چلے جاؤ۔ اس صورت  
میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور  
نہ ہوا کہ آیا سورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے یا پہلوؤں کی طرح لہذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں  
آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ وَانْحَرُكَ مَعْنَى يَهِيں كِه نہ کسی مرفوع صحیح  
حدیث میں آئے یہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ  
كِه ليے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور حوالہ کیسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جمل جلالہ، اگر بغرض

محال مان لو۔ تو تمام اہل حدیث حضرات کو چاہیے کہ اب سے نماز میں سجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ سحر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل اوپر کی جانب ہے قربانی کو سحر اس لئے کہتے ہیں۔ کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا پھیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہیے

بہر حال ہم کو مولانا موصوف کے اس جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری۔ یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک

وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنَّ يَعْصِمُهُمُ الْسُّرَّةُ  
وَأَرَى بَعْضَهُمْ أَنَّ يَعْصِمُهُمَا تَحْتَ السُّرَّةِ  
وَكُلُّ ذَلِكَ دَاسِعٌ عِنْدَهُمْ

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔  
صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

## تیسرا باب

### نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نمازی سورۃ فاتحہ کے اول بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قراۃ شروع کرے۔ مگر غیر مفقود بانی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفیہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر اتنا ۳۱۔ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَلْفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے ہوں۔

حدیث نمبر ۳۰ - مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يُفْتَتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بشیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۱ تا ۳۲ - نسائی - ابن جبان - طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ فَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا مِنْهُمْ يَجْهَرُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم۔

حدیث نمبر ۳۳ تا ۳۴ - طبرانی نے معجم کبیر میں ابو نعیم نے حلیہ میں ابن خزیمہ اور طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوا يُسْرُونَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ -

بشیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۵ تا ۳۶ - ابو داؤد - داری - طحاوی نے حضرت انس سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَانُوا يُسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

بشیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قراءۃ شروع فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۵۔ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدِ  
 لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا يَذْكُرُونَ بِسْمِ اللّٰهِ  
 الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فِيْ اَوَّلِ الْقِرَاءَةِ وَلَا فِيْ اٰخِرِهَا

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قراءۃ شروع فرماتے تھے  
 بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ قراءۃ کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قراءۃ کے آخر میں۔

حدیث نمبر ۱۶۔ ابن ابی شیبہ نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ اَنَّهُ كَانَ يَخْفِي بِسْمِ اللّٰهِ  
 الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْاِسْتِعَاذَةَ وَمَا نَالَكَ الْحَمْدُ

عبد اللہ ابن مسعود بسم اللہ الرحمن الرحیم اور اعوذ باللہ اور ربنا مالک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۷۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔  
 قَالَ اَمْرٌ بَعِيْضٌ يَخْفِيْهِنَّ اَكْثَرُ مَا مَسُوهُ اللّٰهُ  
 الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَسُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ  
 وَاتَعَوَّذُ وَاَمِيْنُ۔

آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے  
 بسم اللہ۔ سبحانک اللہم۔ اعوذ باللہ اور آمین۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹۔ مسلم ابو داؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔  
 قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةِ  
 بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

قرآتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراءۃ الحمد للہ سے۔

حدیث نمبر ۲۰۔ عبد الرزاق نے ابو فاختہ سے روایت کی۔  
 اَنَّ عَلِيًّا كَانَ لَا يَجْهَرُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ  
 الرَّحِیْمِ وَكَانَ يَجْهَرُ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

حضرت علی مرتضیٰ بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل۔ بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے

کے لئے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو وہ ناقص ہے تو جیسے برکت کے لئے نمازی قراءۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اعوذ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورہ نمل شریف میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سورۃ جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورہ کا جز نہیں۔ لہذا آہستہ پڑھنی چاہیے۔

## دوسری فصل

### اس پر اعتراضات و جوابات

اعتراض ۱۔ چونکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔ اگر جز نہ ہوتی۔ تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔ قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔ غیر قرآن نہ لکھا گیا۔ لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہیے

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔ چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدء الوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔ کہ جبریل امین نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو حضور نے فرمایا۔ ما انا بقاری میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور نے پھر وہی جواب دیا۔ آخر میں عرض کیا۔ اِقْرَا عَرَبًا سَمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ الْخَرْقَ غَرْضِيْكَ پہلی وحی یہ ہے۔ جس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جز ہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔ دیکھو سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لئے ہے۔

اعتراض ۲۔ - طحاوی شریف میں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی  
 أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي بَيْتِهَا فَيَقْرَأُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
 | نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں نماز پڑھتے  
 تھے۔ تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد لله  
 معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ ورنہ ام سلمہ کیسے  
 سن لیتیں۔

جواب۔ اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔ صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں  
 کہ بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آہستہ ہی  
 پڑھتے تھے۔ یہ نماز جو حضور ام سلمہ کے گھر پڑھتے تھے۔ فرض نماز نہ تھی۔ نفل تھی۔ فرض تو مسجد میں  
 جماعت سے پڑھتے تھے۔ نفل میں قراءۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔ لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی۔  
 اور الحمد للہ بھی آہستہ۔ ام سلمہ اس موقع پر حضور کے قریب ہوتی تھیں۔ اسی لئے حضور کی آہستہ آواز  
 شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراءۃ میں بھی اتنی آواز چاہیے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قراءۃ نہ ہوگی تفکر ہوگا  
 لہذا اس حدیث سے آپ کا مدعی ثابت نہیں۔

اعتراض ۳۔ - ترمذی شریف میں عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔  
 قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ صَلَاتَهُ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 | حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمن  
 الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔  
 جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ  
 دیکھا فرماتے ہیں۔

من احدث ليس اسناده بذلك | یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔  
 افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث  
 پیش کر رہے ہو۔ جس کا سرانہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بسم  
 اللہ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ ہے کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم  
 کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ مگر آہستہ تیسیر سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تکبیر تحریمیہ سے پہلے بسم اللہ  
 پڑھتے ہوں کیونکہ صلواتہ فرمایا نہ کہ قراءۃ



اعتراض ۵۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمن ابن ابزری سے روایت کی۔  
 صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ فَبَجَّهْتُ بِبِسْمِ اللّٰهِ  
 الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَكَانَ يَجْهَرُ اَبِي بِيْتَمِ اللّٰهِ  
 الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
 میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم بلند آواز سے پڑھی میرے والد بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین الحمد للہ سے قراۃ شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعائے پہلے برکت کے لئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرمانے تھے اس صورت میں یہ حدیث بخاری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہیے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لیے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہو سکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں۔ اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آرٹ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

# چوتھا باب

## امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔ اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔ اقوال صحابہ کبار عطفی دلائل بے شمار ہیں لہذا ہم اس باب کی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

### پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔ خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اُسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ رحم کیے جاؤ

خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قراءت بھی کرتے تھے۔ بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ

اور کھڑے ہو اللہ کیلئے اطاعت کرتے ہوئے (خاموش)

چنانچہ مسلم نے باب تحريم الكلام في الصلوة اور بخاری نے باب ما ينهى من الكلام في الصلوة میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَتَكَلَّمُ فِي الصَّلَاةِ يُكَلِّمُ الرَّجُلُ صَاحِبَهُ وَهُوَ إِلَى جَنْبِهِ فِي الصَّلَاةِ حَتَّى نَزَلَتْ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ فَأَمْرًا بِالسُّكُوتِ

ہم لوگ نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے ہر ایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت انزی و قوموا للہ الخ پڑھی

<p>ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرمایا گیا۔ پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔ مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے رہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہو گئی۔</p>	<p>وَجَبِينَا عَنِ الْكَلَامِ (لفظ مسلم)</p>
--	--

<p>جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔ چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت و اذا قرأ کی تفسیر میں ہے۔ عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراءۃ امام سینے کے متعلق ہے۔</p>	<p>وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَجْهًا مَّوَدًّا لِلذِّكْرِ فَتَسْمَعُ لِقَوْلِ رَبِّكَ الْمُتَنَبِّئِينَ</p>
---	--

<p>تفسیر خازن میں اسی آیت و اذا قرأ کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھنے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا گیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو و اذا قرأ القرآن الخ</p>	<p>وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ أَنَّهُ سَمِعَ نَاسًا يَقْرَأُونَ مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ أَمَا أَنْتَ لَكُمُ أَنْ تَفْقَهُوا وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ</p>
--	--

تنبیر مفساس سن تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

<p>جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قراءت کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جہانے وقت خاموش رہو۔</p>	<p>وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ الْمَكْتُوبَةِ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِلَىٰ قِرَائَتِهِ وَأَنْصِتُوا لِقِرَاءَتِهِ</p>
---	---

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قراءت کرتے تھے  
اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراءۃ منسوخ ہو گئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔  
حدیث نمبر ۱۰۔ مسلم شریف باب سجود التلاوة میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

<p>انہوں نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قراءۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراءۃ جائز نہیں۔</p>	<p>أَنَّهُ سَأَلَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَالَ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ</p>
--	--

حدیث نمبر ۲ - مسلم شریف باب التثہیب میں ہے -

فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ فَحَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ  
فَقَالَ هُوَ صَحِيحٌ يُعْنَى وَإِذَا قَرَأَ  
فَانصِتُوا -

ابو بکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرہ کی حدیث  
کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی  
یہ حدیث کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش  
رہو بالکل صحیح ہے -

حدیث نمبر ۳ - ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی -

مَنْ صَلَّى رَكْعَةً كَمْ يَقْرَأُ فِيهَا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ  
فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَرَاءَ الْإِمَامِ  
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ -

جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے  
اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو -  
(یعنی تب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے -

حدیث نمبر ۴ - نسائی شریف میں حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے -

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا  
يُجْعَلُ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا  
وَإِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوا -

حضور نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ  
اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم  
بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو

ہم حدیث نمبر ۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی یہ حدیث  
صحیح ہے -

حدیث نمبر ۵ - طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی -

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ  
لَهُ قِرَاءَةٌ -

جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس  
کی تلاوت ہے -

حدیث نمبر ۶ تا ۱۰ - امام محمد نے موطا شریف میں امام ابو حنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ

عن عبد اللہ ابن شداد عن جابر ابن عبد اللہ سے روایت کی ہے

حضور نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت  
اس کی تلاوت ہے محمد ابن مینع اور امام

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهُ

قِرَاءَةٌ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ مَنِيعٍ وَابْنُ  
الْهَمَامِ هَذَا الْإِسْنَادُ صَحِيحٌ عَلَى  
شَرْطِ الشُّيْخَيْنِ

ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور  
مسلم بخاری کی شرط پر ہے۔

یہ حدیث امام احمد - ابن ماجہ - دارقطنی - بیہقی نے بھی روایت کی (صحیح البہاری)  
حدیث نمبر ۱۱ - طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور نے نماز  
پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام  
کی قراۃ کی بحالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ  
خاموش رہے حضور نے تین بار یہ سوال فرمایا تو  
صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
ثُمَّ أَقْبَلَ بِوَجْهِهِ فَقَالَ الْقُرْءُ وَنَ الْإِمَامُ  
يَقْرَأُ فَسَكَتُوا فَسَاءَ لَهُمْ ثَلَاثًا قَالُوا  
إِنَّا لَنَنْفَعَلُ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوا۔

حدیث نمبر ۱۲ - طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں  
حدیث نمبر ۱۳ - دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَيْسَ عَلَى فِطْرَةٍ

ایک شخص نے حضور سے سوال کیا کہ میں امام  
کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا  
خاموش رہو۔ امام تیرے لئے کافی ہے۔

أَنَّهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ اقْرَأْ خَلْفَ الْإِمَامِ أَوْ انصتْ  
قَالَ بَلْ انصتْ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ۔

حدیث نمبر ۱۴ - دارقطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔

حضور نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا قِرَاءَةَ  
خَلْفَ الْإِمَامِ

حدیث نمبر ۱۵ - بیہقی نے قراۃ کی بحث میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

انہوں نے حضور سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا  
جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص  
ہے سواء اوس نماز کے جو امام کے پیچھے ہو۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
كُلُّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ فِيهَا بِإِمَامٍ الْكِتَابِ  
فَهِىَ مَدَاجٌ إِلَّا صَلَاةَ خَلْفَ الْإِمَامِ

حدیث نمبر ۱۶۱۷۔ امام محمد نے ٹوطا میں بعد الرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لَيْتَ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ  
الْإِمَامِ حَجْرًا۔

جو امام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے  
منہ میں پتھر ہو۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۴۔ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود۔ زید ابن ثابت عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن عباس۔ جابر ابن عبداللہ حضرت علقمہ۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت عمر وغیر ہم صحابہ کرام سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرأت کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو۔ کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہو کوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے اگر ہم کو اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قراءۃ خلاف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔ ٹوطا امام محمد صحیح البہاری۔ ہمارا حاشیہ بخاری نعیم البہاری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔

(۱) نماز میں جیسے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ ایسے ہی سورۃ تلافی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ  
فَصَاعِدًا۔

اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور  
کچھ اور نہ پڑھے۔

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیے کہ سورۃ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قراءت کافی ہے۔ ایسے ہی سورۃ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔ (۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اُسے رکعت مل جاتی ہے۔ اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اُسے رکعت نہ ملنی چاہیے تھی۔ دیکھو اگر یہ شخص نیکیر تخریبیہ نہ کہے یا نیکیر تخریبیہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے

تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ امام کی قراءت اس کے لیے کافی ہے۔ جب اس مقتدی کیلئے قراءت ساقط ہوگئی تو چاہیے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔ (۳۱) اگر مقتدی پر قراءت فاتحہ بھی ہو اور آئین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورہ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آئین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آئین کہے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔ نہ دو آئین جائز ہیں۔ نہ فاتحہ کے بیچ میں آئین درست ہے

(۳۲) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدھی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔ جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے۔ جواب نہ دینا۔ مشرق و مغرب کے علماء اہلحدیث کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات ۲-۳-۴ کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔ انشاء اللہ نہ دے سکیں گے تو چاہیے کہ ضد چھوڑیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کیا کریں۔

(۵۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں۔ مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ ایسے ہی باجماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔ تسبیح۔ تشہد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں۔ مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔ صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

## دوسری فصل

اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مفصلین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم بفضلہ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل

کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ کر سکیں گے رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ آیتہ کریمہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ مِنْ قُرْآنٍ سَمِعْتَهُمْ يَخَضَعُونَ لَهَا خُضُوعًا مُكْمَلًا مِنْ دُونِ الْمَسْأَلَةِ وَمَا كُنُوا بِهَا يُسْمَعُونَ۔ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔ لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورہ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمعہ کی نماز و خطبہ مدنیہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرق محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قراءۃ قرآن کا ذکر ہے۔ لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہونا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے جبکہ سارا قرآن ہی پڑھا جا رہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمعہ میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

اعتراض نمبر ۲۔ آیت کریمہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَسَمِعْتَهُمْ يَخَضَعُونَ لَهَا خُضُوعًا مُكْمَلًا مِنْ دُونِ الْمَسْأَلَةِ وَمَا كُنُوا بِهَا يُسْمَعُونَ۔ مقتدی کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب۔ یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک کہ ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے یہ ان پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ۔ تاکہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے

مِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا أَعْيُنَهُمْ سَوَآءًا وَجَعَلْنَا أَسْمَاعَهُمْ سَوَآءًا وَجَعَلْنَا آذَانَهُمْ سَوَآءًا وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ آكِنَّةً

یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے

دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔



وَقَدْ مَنَّا إِلَى مَا عَلِمُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَا  
هَبَاءً مَنَشُورًا

اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے۔ ہم نے  
قصد فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں  
کی طرح بنا دیا۔

اگر کافر سارا قرآن حفظ بھی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا  
مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں۔ دوسرے یہ کہ  
قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ وَالصُّلُوٰنَ خَامُوشٍ رَّبُّوْا۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ بڑھو اگر  
سورۃ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضیکہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی  
نہ خطبہ جمعہ کے لئے نمازیوں کو امام کے پیچھے قراءۃ سے روکنے کے لئے نازل ہوئی چنانچہ بہیقی  
شریف میں حضرت مجاہد سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں قراءۃ فرما رہے  
تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی  
قراءت سنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی  
وَإِذَا قُرِئَ۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يُقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَسَمِعَ قِرَاءَةَ فَتَى  
مِنْ أَكْثَرِ النَّصَارَى فَانزَلَ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ  
النجہ بہاری

ابن مرویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معادیہ ابن قرۃ سے روایت کی کہ انہوں  
نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو  
انہوں نے جواب دیا۔

یہ آیت واذا قرئ الخ امام نے پیچھے قراءۃ کرنے  
کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قراءت  
کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

قَالَ إِنَّمَا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ وَإِذَا  
قُرِئَ الْقُرْآنُ فِي الصَّلَاةِ خَلَفَ الْإِمَامُ  
إِذَا قُرِئَ الْإِمَامُ فَاسْتَمِعْ لَهُ وَأَنْصِتْ

اعترض نمبر ۳۔ اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت  
آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب  
کو کاروبار کلام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض  
نہیں پڑھے وہ اس ہی مسجد میں فرض عشا پڑھتا ہے۔ جہاں قراءۃ کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی



یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو کیا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہیے کہ امام کے پیچھے سبحان۔ التحیات۔ درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے (موجودہ عقلمندیوں پر) جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے۔ کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے لغوی معنی کیئے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی۔ آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کے معنی ہیں۔ بات چیت یا قصہ کہانی۔ رب فرماتا ہے۔

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ اور | اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے فرماتا ہے فَجَعَلْنَا هُمَ أَحَادِيثَ | ہم نے ان تو مولوں کو قصے کہانیاں بنا دیا۔

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے یا نہیں بنانے والا کئی یا قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی میں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔ کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن کے احکام ہی فنا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نماز کے ذکر میں جب بھی لفظ قراءۃ بولا جاتا ہے تو اس سے تلاوت قرآن مراد ہوتی ہے ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں تکبیر تحریمہ۔ قیام۔ قنوت۔ رکوع۔ سجدہ۔ التحیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کے لئے کھڑا ہونا۔ اور قراءۃ کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

گر ہمیں مکتب وہیں ملا کارِ طفلان تمام خواہند

اعتراض نمبر ۶۔ مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ كَمْ يَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اور اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس

کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔ جیسے قیام و رکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔

نمازی اکیلا ہو۔ یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

جواب۔ اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث

امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِأَمْرِ الْقُرْآنِ  
فَصَاعِدًا -

اوس کی نماز نہیں ہوتی۔ جو سورہ فاتحہ اور کچھ  
زیادہ نہ پڑھے۔

اور مؤطا امام مالک میں یہی حدیث اس طرح ہے۔

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَالسُّورَةِ  
نماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور  
سورہ سے

آپ کو چاہیے کہ مقتدی پر سورہ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورہ ملانا بھی کیا۔ بعض حدیثوں پر ایمان  
ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔ تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان  
حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔

فَاقْرَأْ وَلَهُمَّا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ  
جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو

پھر سورہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔ نیز فرماتا ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ  
أَنْصِتُوا أَلَا بِآيَةٍ  
جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔ اور  
خاموش رہو۔

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت  
احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ جب  
امام قراءت کرے تو تم چپ رہو وغیرہ

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورہ  
فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو و طہارت تکبیر تحریمہ۔ قیام فرض  
رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔ سورہ فاتحہ کیسے  
معاف ہو گئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس سے قرآن و حدیث  
میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرائے جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ  
الاصلوٰۃ میں لافنی جنس ہے جس کا اسم تو ہے۔ صلوٰۃ جز پو شیدہ ہے یعنی "کامل" مطلب

یہ ہوا کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قراءۃ بحکم قرآن فرض ہے اور سورہ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ | نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے  
لَا صَلَوةَ لِحَارِ الْمَسْجِدِ إِلَّا فِي الْمَسْجِدِ | جو مسجد کے قریب رہتا ہو اس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں

ان دونوں حدیثوں میں لا صلوة سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لہ یقین اقراءۃ حکمی و حقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نمازی پر حقیقتہً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکماً کہ امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیر میں ہیں۔ یا یہ حدیث عام ہے۔ اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں۔ جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷۔ ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ إِنِّي أَرَاكُمْ تَقْرُونَ وَدَاءَ أَمَا مِكُمْ قَالَ | حضور نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔ سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو

اس حدیث میں صراحتہً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ عبادہ ابن صامت کی یہ حدیث ابو داؤد۔ نسائی۔ بیہقی میں بھی ہے۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورہ فاتحہ پڑھے کیے مل گئی۔ اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔

جس میں حضور نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ - عبداللہ ابن مسعود - زید ابن ثابت - عبداللہ ابن عباس - عبداللہ ابن عمر حضرت علی و عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں جن میں سے کچھ روایتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ کی یہ روایت حدیث واحدہ ہے اور ان صحابہ کرام کی وہ روایات حدیث مشاہیر میں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ تفسیر سے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف سے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ممانعت سے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس سجدہ کی ممانعت کی گئی۔ اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت، کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔

حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

ابوعلیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ کی یہ حدیث حسن ہے۔

(صحیح نہیں) یہی حدیث زہری نے محمود ابن

ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت سے

روایت کی کہ حضرت عبادہ نے فرمایا کہ جو سورہ

فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہی روایت

زیادہ صحیح ہے۔

قَالَ أَبُو عَلِيٍّ حَدِيثُ عِبَادَةَ حَدِيثٌ

حَسَنٌ وَرَوَى هَذَا الْحَدِيثَ الزُّهْرِيُّ عَنْ

مُحَمَّدِ بْنِ الرَّبِيعِ عَنْ عِبَادَةَ ابْنِ

الصَّامِتِ قَالَ لَهُ صَلَاةٌ لَيْسَ لَهُ يَقْرَأُ

بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَهَذَا أَصَحُّ

پتہ لگا کر زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں تعجب

ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف

مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے

خلاف زیادہ صحیح ہے۔ جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔  
اعتراف نمبر ۸۔ اکثر صحابہ کرام کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے امام ترمذی  
اس حدیث عبادہ ابن صامت کے ماتحت فرماتے ہیں۔

امام کے پیچھے قراءت کرنے کے متعلق  
اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ  
پر عمل ہے۔

وَالْعَمَلُ عَلَىٰ هَذَا الْحَدِيثِ فِي الْقِرَاءَةِ  
خَلْفَ الْأِمَامِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ  
مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَالتَّابِعِينَ۔

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فائزہ ضرور پڑھنی چاہیے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اصافی نہیں۔  
بلکہ حقیقی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فائزہ پڑھتے تھے اور کم  
صحابہ نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔ قرآن کریم فرمانا ہے۔

اور ان میں سے بہت پر عذاب مقرر ہو چکا

وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ  
سورة حج پآیت ۱۸

سخن یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراءۃ خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔ حضرت زید ابن  
ثنابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی (صحیح البہاری)  
حضرت انس فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔  
(ابن حبان) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں۔ کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدلو  
بھر جاوے۔ ابن حبان حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے  
پیچھے قراءۃ کرے اس کے منہ میں خاک (طحاوی شریف) حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ  
جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ قطرت پر نہیں (طحاوی) حضرت زید ابن ثنابت فرماتے ہیں  
جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (ابن جوزی فی العلل) حضرت عمر رضی  
اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔ کاش اس کے منہ میں پتھر (موطا امام  
محمد و عبدالرزاق) حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس

کے منہ میں انگار سے ہوں (موطا امام محمد عبد الرزاق)۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر خود بھی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔ اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ امام کی قراءت کافی ہے (موطا امام محمد یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ ورنہ انہی صحابہ سے منقول ہے۔ کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قراءت سے سخت منع فرماتے تھے۔ دیکھو شامی۔ فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجواد سے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو ان کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔ یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعترض نمبر ۹۔ یہ تمام روایات ضعیف ہیں (وہ ہی پرانا سبق)

جواب۔ جی ہاں۔ اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔ آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا۔ ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔ نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں۔ اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعف آیا۔ بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں نیز چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ

اعترض نمبر ۱۰۔ اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔ جیسے ظہر و عصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہیے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔ کیونکہ اب فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں سارج نہیں۔

جواب۔ یہ اعترض جب درست ہوتا۔ جبکہ خاموشی صرف قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم رب فرماتا ہے۔ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَانصِتُوا یہ ایسا ہی ہے جیسے ارشاد باری ہے۔ اَقِمْوْا الصَّلٰوۃَ وَاَتُوا الزَّكٰوٰۃَ جیسے زکوٰۃ کی فرضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سنا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سنا بھی۔

اعترض نمبر ۱۱۔ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے۔ جیسے تکبیر تحریمہ



قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز میں مسلمان وفدین کو دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمایندہ امام ہوتا ہے۔ آداب ثنا ہی قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور تہنیت و ثنا سب عرض کریں گے مگر عرض معروض یعنی تلاوت قرآن صرف ان کا نمایندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲۔ رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث میں شریف میں وارد ہے۔

جواب۔ الحمد للہ آپ قریباً حنفی ہو گئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراءۃ اس کی قراءۃ ہے آپ نے مان لیا کہ آذ صلوٰۃ لیمن لم یقرأ والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی مستثنیٰ ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں کٹوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ وہ بھی آپ مان جائیں گے۔ یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدھی رہ جاتی ہے۔ جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف ہو جاتی ہے۔ جیسے دائمی جنون اور عورت کی پیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کے شرائط وارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدل کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوتی۔ اگر مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت ہرگز نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قراءۃ بدل ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے

عقلی ہے دیکھو اگر نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے۔ نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر میں شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہوگئی۔

اعتراض نمبر ۱۳۔ رکوع پانے والے پر اسی رکعت کا قیام معاف ہو گیا۔ جو فرض تھا۔ تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب۔ یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

اعتراض نمبر ۱۴۔ آیت کریمہ *وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْمِعُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ حَاكِمُونَ* کی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدنیہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ پڑھنا اس آیت سے کیسے منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی ناسخ ہو سکتی ہے۔ (بعض نئے وہابی)

جواب۔ یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ مکہ سے نازل ہوئی اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ تو کیا وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

## پانچواں باب

### آئین آہستہ کہنی چاہیے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا ستری آئین

آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آئین کہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو تفصیلات کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری

فصل میں دہا بیوں کے اعتراضات مع جوابات -

## پہلی فصل

آہستہ آمین کہنا حکم خدا و رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث و سنت کے بھی مخالف و لائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً - اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ

آمین بھی دعا ہے۔ لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیے۔ رب فرماتا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ - اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے

متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے

والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو محمد سے دعا کرتا ہے۔

جَنبِنَبْنَه

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہو۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لیے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۸۷۱ - بخاری - مسلم - احمد - مالک - ابو داؤد - ترمذی - نسائی - ابن ماجہ نے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام

آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جسکی آمین فرشتوں

کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے گذشتہ

گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنْبِهِ -

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لیے ہے۔ جس کی آمین فرشتوں

کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ ہم نے ان کی آمین آج تک نہ

سنی تو چاہیے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہوتا کہ فرشتوں کو موافقت ہو اور گناہوں کی معافی ہو۔

جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں۔ وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں۔ ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہوں

کی معافی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۳۱۔ بخاری۔ شافعی۔ مالک۔ ابو داؤد۔ نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب امام کہے۔ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو تم کہو۔ آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا۔ اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الْإِمَامُ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلَهُ - قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ -

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کے سچھے سورہ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔ معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے۔

إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ فَأَمْتِحْنُوهُنَّ | جب تمہارے پاس مومنہ عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ إِذَا قُلْتُمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ جب تم ولا الضالین کہو تو آمین کہہ لو معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ آمین آہستہ ہونی چاہیے کیونکہ فرشتوں کی آمین آہستہ ہی ہوتی ہے۔ جو آج تک ہم نے نہیں سنی خیال رہے کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادائیس موافقت ہے۔ فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہ ہی ہے۔ جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۸۱۔ امام احمد۔ ابو داؤد طیالسی۔ ابو یعلیٰ موصلی طبرانی۔ دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت داؤد ابن حجر سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَ غَيْرِ الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَآخَفَى بِهَا صَوْتَهُ

حضرت وائل ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب حضور ولا الضالین پر پہنچے تو آپ نے فرمایا آمین اور آمین میں آواز آہستہ رکھی۔

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول اللہ ہے۔ بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت، حدیث نمبر ۲۱۹ تا ۲۱۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ غَيْرِ الْمُغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ فَقَالَ آمِينَ وَحَقَّقَ بِهِ صَوْتَهُ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

حدیث نمبر ۲۲ و ۲۳۔ طبرانی نے تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

حضرت عمرو علی رضی اللہ عنہما نے تو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

قَالَ لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَلَا بِآمِينَ

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴۔ عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابو عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین۔ اور ربنا لک الحمد۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ يُخْفِي الْإِمَامُ أَدْبَعًا التَّعَوُّذَ بِبِسْمِ اللَّهِ وَآمِينَ وَرَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

حدیث نمبر ۲۵۔ بیہقی نے حضرت ابو وائل سے روایت کی عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ يَخْفِي الْإِمَامُ  
أَرْبَعًا بِسْمِ اللَّهِ - وَاللَّهُمَّ رَبَّنَا  
الْحَمْدُ وَالشُّعُورُ وَالشَّهَادَةُ

امام چار چیزیں آہستہ کہے۔  
بِسْمِ اللَّهِ - رَبَّنَا اللَّهُمَّ - اَعُوذُ  
التَّحِيَّاتِ -

حدیث نمبر ۲۶ - امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم  
سخنی سے روایت کی۔

قَالَ أَرْبَعٌ يَخْفِيَهُنَّ الْإِمَامُ - التَّعْوِذُ  
وَبِسْمِ اللَّهِ - وَسُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ  
أَمِينَ ذَوَاةَ مُحَمَّدٍ فِي الْأَثَارِ وَعَبْدُ  
الرِّزَاقِ فِي مُصَنَّفِهِ

آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ  
کہے اَعُوذُ وَبِسْمِ اللَّهِ - سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ اور آمین  
یہ حدیث امام محمد نے آثار میں اور عبد  
الرزاق نے اپنی مصنف میں بیان کی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے۔ کیونکہ آمین قرآن کریم کی آیت یا کلمہ  
قرآن نہیں اسی لئے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے  
تو جیسے کہ ثناء التحیات درود ابراہیمی۔ دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی  
آمین بھی آہستہ ہونی چاہیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ  
چیننا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل  
سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ  
پڑھنا بھی فرض ہو اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں  
ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف  
ہوا اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آوے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا۔ اور  
درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

## دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں۔ تفصیل وار مع

جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ آمین دعا نہیں ہے۔ لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہی جاوے تو کیا حرج ہے۔ رب نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب۔ آمین دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں دعا کی۔

اے رب ہمارے ان کے مال برباد کر دے  
اور ان کے دل سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں  
جب تک دروژناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاَسْحَبْ ذُرًّا  
عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰی  
يُرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔

رب نے لون کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

قَالَ قَدْ اُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمْ اِنَّا سَتَقِيْمًا  
رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو  
ثابت قدم رہو

فرمائیے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی۔ مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ یعنی تمہاری اور حضرت ہارون کی۔ حضرت ہارون نے دعا کب مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہا تھا۔ رب نے آمین کو دعا فرمایا۔ معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے۔ اور دعا آہستہ ہونا چاہیے۔ یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے  
غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا۔ اور آمین  
فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔

قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَرَأَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ  
وَقَالَ آمِينَ وَمَدَّ بِهَا صَوْتًا

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ اس میں مدارشاد ہوئے مد سے بنا۔ اس کے

معنی بلند کرنا نہیں۔ بلکہ آواز کھینچنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔ بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ کر پڑھی۔ لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل

نہیں۔ ترجمہ کی غلطی ہے۔ خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے۔ خفاء کا مقابل ہے جہر۔ رفع کا مقابل خفض ہے۔ اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔ جہر کسی روایت میں نہیں۔ رب فرماتا ہے۔  
 اِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ | بیشک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مد

اعترض نمبر ۳۔ ابو داؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر سے روایت ہے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب فرماتے ولا الضالین  
 اِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ وَ | تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف  
 رَفَعَ بِهَا صَوْتًا۔ | بلند فرماتے تھے

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر کی اصل روایت میں

مد ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنی کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں

اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مذکور رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہ ہی کھینچنا ہے نہ

کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ ترمذی اور ابو داؤد کی روایتوں

میں نماز کا ذکر نہیں۔ صرف حضور کی قراءت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قراءت

کا ذکر فرمایا ہو۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحتہ ذکر ہے۔ لہذا احادیث

میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تفسیر سے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی

احادیث میں تعارض ہے۔ مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے

لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ

آمین کی حدیثیں قیاس شرعی کے موافق ہیں اور جہری آمین کی حدیثیں اس کے خلاف لہذا

آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی

کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور

ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ہمیشہ آہستہ آمین

کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلی



فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حد میں منسوخ نہیں تھیں۔ تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعترض نمبر ۴۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فرماتے تو آئین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ غَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعَهَا أَهْلُ الصَّفِّ الْأَوَّلِ فَيَرْتَجُّ بِهَا الْمَسْجِدَ

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج

بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش

نہیں کی۔ اول عبارت چھوڑ دی۔ وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

لوگوں نے آئین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ تَرَكْتُ النَّاسَ التَّامِينَ

صلی اللہ علیہ وسلم الخ

وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آئین چھوڑ دی تھی۔ جس پر

سیدنا ابوہریرہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث

کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ

حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و

مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات

قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد میں گونج

پیدا ہوتی ہے نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف آپ کے

زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب

کسی چھپر والے گھر میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھا دیں انشاء اللہ چھتے چھتے مر جاویں گے

مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔ اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔ جو اعتراض ۳ کے ماتحت

عرض کیے گئے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ رب فرماتا ہے۔  
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ اتبِئْ أَوَازِينَ نَبِيِّ كِي آوَاذٍ نَّهْ أَوْ سَمِعْتُمْ نَجْوَىٰ مَن يَخْتَلِفُ  
صحابہ نے اتنی اونچی آئین کہی کہ مسجد گونج گئی تو ان سب کی آواز حضور کی آواز سے اونچی  
ہو گئی۔ قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں ہے۔

فَقَالَ عَطَاءٌ أَمِينٌ دُعَاءُ آمَنَ  
ابْنُ التَّبَّيْرِيِّ وَمَنْ وَسَاءَ لَهٗ حَتَّىٰ  
أَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔  
اور حضرت ابن زبیر اور ان کے چچھے والوں  
نے آمین کہی یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا  
ہو گئی۔

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیے کہ مسجد گونج جاوے۔  
جواب۔ اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق  
ہے کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اول۔ دوسرے  
یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر  
یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی۔ تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں تیسرے  
یہ کہ حدیث عقل و مشاہدے کے خلاف ہے۔ کیونکہ کچی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا  
نہیں ہو سکتی۔ لہذا واجب التاویل ہے۔ جناب اگر قرآن کی آیتہ بھی عقل شرعی اور  
مشاہدے کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔  
آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے  
کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔ جیسے۔

أَنَّ كَيْفَ يَتَّقُونَ اللَّهَ كَمَا تَتَّقُونَ

تم جلد بھر بھر گے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔

يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ

فَأَيُّكُمْ كَفَرُوا فَتَمَّ وَجْهُ اللَّهِ

خدا کے لیٹے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب  
فرماتا ہے۔

فَوَجَدَهَا قَعْرُبَ فِي عَيْنِ حِمَّةٍ | ذوالقرنین نے سورج کو کچھ پڑکے چشمے میں ڈوبتے دیکھا  
سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کچھ پڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔ لہذا اس کی تاویل  
کی جاتی ہے۔ یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ جناب حدیث پڑھنا اور  
ہے۔ حدیث سمجھنا کچھ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود  
نہیں۔ جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے۔ نہ ظنی کی وہابیوں  
کو چاہیے کہ ضد چھوڑیں اور صدقِ دل سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ  
یہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیۃ بخاری  
عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۶۔ آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب  
ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کر سکتے۔ (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو  
دائل ابن حجر کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔ اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔  
حَدِيثُ سُفْيَانَ أَصَحُّ مِنْ حَدِيثِ  
شُعْبَةَ فِي هَذَا لِأَنَّ وَقَالَ وَخَفِضَ  
بِهَا صَوْتَهُ وَإِنَّهَا هُوَ مَدَّ بِهَا  
صَوْتَهُ

آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث  
شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ  
یہاں کہتے ہیں خفص یعنی حضور نے پست  
آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ  
کر آمین فرمائی۔

جواب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابوحنیفہ کے نہ سہی امام ترمذی کے  
سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔ جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ  
یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے،  
آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف  
ہیں اور سب میں شعبہ راوی آرہے ہیں۔ اور شعبہ ہر جگہ غلطی کر رہے ہوں یہ ناممکن ہے  
دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں، ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں۔ جب بھی

سب مل کر قوی ہو گئیں۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔  
تفسیر سے یہ کہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے۔ جن سے یہ  
حدیث ضعیف ہوئی۔ امام صاحب کو یہ ہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔ بعد کا ضعف پہلے  
والوں کو مضر نہیں۔

چوتھے سے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔ جب بھی امام اعظم سراج امت  
امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرم لینے سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔  
پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے۔ لہذا حدیث کا ضعف  
جانا رہا اور حدیث قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔

چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے  
لہذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہو گئی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔  
ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کر رہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی  
کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث  
نافیہ عمل غرضکہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔ اس پر عمل چاہیے۔

اعترض نمبر ۷۔ البراد و شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ  
حضور جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قَالَ آمِينَ حَتَّى يَسْمَعُ مَنْ يَدِيهِ مِنَ  
الصَّافِ الْأَوَّلِ۔ | اس طرح آمین کہتے کہ صاف اول میں جو  
آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی  
آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو  
آدمی ہی سنتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اسی حدیث کی اسناد میں بشر بن رافع آ رہا ہے۔ اسے  
ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے  
منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایت کو موضوع قرار دیا۔ امام نسائی نے اسے قوی نہیں  
مانا (دیکھو آفتاب محمدی لہذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)

# چھٹا باب

## رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلے کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

### پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۱۴۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ سے روایت کی۔

ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور کی نماز

نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس

میں سوائے تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔

امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود کی حدیث

حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر

بہت سے علماء صحابہ و علماء تابعین کا

عمل ہے۔

قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ مَسْعُودٍ اَلَا اَصَلِّيْ بِكُمْ  
صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَصَلِّيْتُ وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً  
مَعَ تَكْبِيْرِ الْاِفْتِنَاحِ وَقَالَ الْبَزْمَزِيُّ  
حَدِيْثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ  
وَبِهِ يَقُوْلُ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ  
مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَالْتَابِعِيْنَ -

خیال رکھے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا۔ کہ بہت علماء صحابہ و تابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابو حنیفہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسول کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس و عقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵۔ ابن شیبہ نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا  
أَفْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُهُمَا  
أَحْتَىٰ يَفْرَسُغَ .

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء حدیث نمبر ۴۔ ابو داؤد نے حضرت براء ابن عازب سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ أَفْتَتَحَ الصَّلَاةَ ثُمَّ  
لَمْ يَرْفَعْهُمَا أَحْتَىٰ انْصَرَفَ .

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے

حدیث نمبر ۶۔ طحاوی شریف نے سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ  
يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي أَوَّلِ تَكْبِيرَةٍ ثُمَّ

وہ حضور سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی

لَا يَعُودُ -

نہ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۷ - حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مردہ پہاڑ پر اور دو موقوف منا و مزدلفہ ہیں اور دونوں جہروں کے سامنے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْفَعُ الْأَيْدِي فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ وَاسْتِقْبَالِ الْبَيْتِ وَالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَالْمَوْقِفَيْنِ وَالْجَمْرَتَيْنِ -

یہ حدیث بزار نے حضرت ابن عمر سے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے بیہقی نے حضرت ابن عباس سے طبرانی نے اور بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵ - امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ حضرت وائل نے حضور کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

إِنْ كَانَ وَائِلٌ مَرَأَةً مَرَّةً يَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَدْ دَانَ عَبْدُ اللَّهِ خَمْسِينَ مَرَّةً لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ

اگر حضرت وائل نے حضور کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود نے حضور کو سچاس دفع رفع یدین نہ کرتے دیکھا

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی حدیث بہت قوی ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور سے قریب تر کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱۶ و ۱۷ - امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ

کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ

يَكُنْ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ  
الْاُولَى مِنَ الصَّلَاةِ

عنها کے سچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی  
تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۸۔ عینی شرعی بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

اَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي  
الصَّلَاةِ عِنْدَ الرَّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ  
رَأْسِهِ مِنَ الرَّكُوعِ فَقَالَ لَهُ لَا تَفْعَلْ  
فَاِنَّهُ شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهُ۔

کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے  
اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے  
دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ  
یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر  
چھوڑ دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے سچھے رفع یدین منسوخ ہے جن صحابہ  
سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں  
منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۲۰۱۹۔ بہیقی و طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
اَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي التَّكْبِيْرَةِ  
الْاُولَى مِنَ الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَرْفَعُ  
فِي شَيْءٍ مِنْهَا۔

کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے  
تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے  
تھے۔

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَفَعَ  
يَدَيْهِ فِي اَوَّلِ تَكْبِيْرَةٍ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ  
وَقَالَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔

میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو  
دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر  
نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے

حدیث نمبر ۲۲۔ البراد و شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی۔

حَدَّثَنَا سَفْيَانُ اِسْنَادُهُ بِهَذَا۔ قَالَ  
فَرَفَعَ يَدَيْهِ فِي اَوَّلِ مَرَّةٍ وَقَالَ  
بَعْضُهُمْ مَرَّةً وَّاحِدَةً۔

حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ  
حضرت عبداللہ ابن مسعود نے پہلی بار ہی ہاتھ  
اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا



حدیث نمبر ۲۳۔ دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ حضور نے نماز شروع کی تو ہاتھ اٹھائے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے

أَنَّه رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى حَاذَى بِهِمَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ كَمَّ يَعِدُّ إِلَى شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ حَتَّى فَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ

حدیث نمبر ۲۴۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم بنحنی سے اس طرح روایت کی۔

آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

أَنَّه قَالُ لَا تُرْفِعُ الْأَيْدِيَ فِي شَيْءٍ مِنْ صَلَاتِكَ بَعْدَ الْمَرْةِ الْأُولَى

حدیث نمبر ۲۵۔ ابو داؤد نے براء ابن عازب سے روایت کی۔

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ أُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُودُ۔

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف سچپس روایتیں پیش کرویں اگر شوق ہو تو مؤطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الا سناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابو محمد بخاری محدث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عینیہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دارالخلافہ میں ملاقات ہو گئی۔

تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنئے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔  
امام اوزاعی۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابوحنیفہ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی۔ آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سنانا ہوں۔

مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

حَدَّثَنَا زُهَيْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ  
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
أَنَّهُ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ  
الصَّلَاةَ وَعِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ الرَّفْعِ  
فِيهِ

امام اعظم۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے

امام اوزاعی۔ اچھا فوراً پیش فرمائیے

امام اعظم۔ لیجئے سنئے۔

ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی۔ انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ  
ابِرَاهِيمَ بْنِ أَبِي سَعْدٍ  
عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ  
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كَانَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ إِلَّا عِنْدَ افْتِتَاحِ  
الصَّلَاةِ ثُمَّ لَا يَعُودُ لِسُنَّتِهِ مِنْ  
ذَلِكَ

امام اوزاعی۔ آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے

جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم۔ اس لئے کہ حماد۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم

سے بڑھ کر عالم و فقیہ ہیں۔ علقمہ۔ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہہ و افضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود فقہ میں۔ قرآن میں حضور کسلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں حضرت ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

### امام اوزاعیؒ - خاموش

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعیؒ کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے۔ ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ اسحق قبول کرنے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی لمبی اسنادیں۔ اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمیہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمیہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر تحریمیہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمیہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع و سجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمیہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمیہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمیہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جب رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوتی۔ نہ کہ تکبیر تحریمیہ کی طرح تو چاہیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہذا اسحق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے (از مطحاوی شریف)

**خلاصہ** - یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بعض مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث ۱۸ میں صراحتاً مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔ یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون و اطمینان چاہیے۔ بلاوجہ حرکت و جنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و ہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے اعتراض نمبر ۱۔ رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی (وہ ہی پرانا سبق)

**جواب**۔ جی ہاں۔ صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔ آپ کے سر و آنکھوں پر ہوتیں۔ جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنا دیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑو۔ ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بالوں میں عرض کر چکے۔

اعتراض نمبر ۲۔ ابو داؤد کی براء ابن عازب والی حدیث کے متعلق خود ابو داؤد نے فرمایا۔

یہ حدیث صحیح نہیں۔

هَذَا الْحَدِيثُ لَيْسَ بِصَحِيحٍ

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ۔ حسن بغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ ابو داؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعیف کا دعویٰ۔ دوسرے یہ کہ ابو داؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ نہ بتائی۔ کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے۔ جرح مبہم معتبر نہیں۔ ہم ابو داؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ ابو داؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۷۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔ جن کو آخر عمر میں بھول کی بیماری ہو گئی تھی۔ انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ ثَمَّ لَا يَعُودُ وَرَنَ اَصْلَ حَدِيثٍ فِيهِ الْفَاظُ مَوْجُودٌ نَهَيْتُ لِيَجِيءَ جَرَحٌ مَفْصَلٌ حَاضِرٌ هُوَ۔ اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے۔ جو قابل عمل نہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابو داؤد کی اس روایت میں ہیں۔ مگر امام صاحب البخاری نے اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابو داؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام البخاری نے صحیح ہو کر ملی تھی۔ ابو داؤد کا ضعف امام البخاری نے اللہ عنہ کے بیٹے مضر کیوں ہو گا۔ دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔ اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔

تفسیر سے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔ اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔ آپ کی نظر ابو داؤد کے ضعیف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چوتھے یہ کہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں۔ تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ سوا مٹھی بھر رہا بیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدھینوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں سچا نور سے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب

اس اندازہ کی صحت حریم طیبین جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار فرماتے ہیں۔

مَا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔

بجسے عامۃ المؤمنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَدَّ شَدَّ فِي النَّاسِ

میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائیگا۔

خیال رکھ کر شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہے۔ اعمال میں جدا گانہ لہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴۔ تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ابو ترندی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف یہ فرمایا گیا کہ ابن مسعود نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث ناقابل عمل ہوتی ہے (ڈیرہ غازی خاں کے ایک لائق وہابی)

جواب۔ جناب یہ حدیث مجمل نہیں۔ مطلق نہیں۔ عام نہیں۔ مشترک لفظی۔ یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان تکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل بیان تکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان۔ دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مجمل مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں۔ کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطلق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو! تم حدیث کے غلط ترجمے کیے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق

کسی حنفی عالم سے محل کا لفظ سن لیا ہوگا۔ تو دھونس جمانے کے لیے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقدسین کے سینوں میں بہائے ہیں۔  
اعتراض نمبر ۵۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی۔ جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثُمَّ يَكْبِرُ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُجَاذِيَ  
بِهِمَا مَنْكَبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَأْسَهُ حَتَّى يَهْتَبِيَهُ  
عَلَى رُكْبَتَيْهِ۔ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهُ  
فَيَقُولُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ ثُمَّ يَرْفَعُ  
يَدَيْهِ حَتَّى يُجَاذِيَ بِهِمَا مَنْكَبَيْهِ الَّذِي

پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے  
کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں  
اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے  
سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں  
تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔

ابو حمید ساعدی نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی۔ جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے (نوٹ) یہ حدیث وہابی غیر مقلدوں کی انتہائی دلیل ہے جس پر انہیں بہت ناز ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک یہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابو داؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حَدَّثَنَا مَسَدٌ قَالَ حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ۔ وَهَذَا  
حَدِيثُ أَحْمَدَ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ  
يَعْنِي ابْنَ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي مُحَمَّدُ ابْنُ  
عَمْرِو بْنِ عَطَاءٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا  
حَمِيدٍ السَّاعِدِيَّ فِي عَشْرَةِ الْحِجَةِ

ہم سے مسد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں  
جہیں یحییٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں  
عبد الحمید ابن جعفر نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن  
ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں  
نے ابو حمید ساعدی سے دس صحابہ کی جماعت  
میں سنا۔

ان میں سے عبد الحمید ابن جعفر سخت مجروح و ضعیف ہیں۔ وکیفہ طحاوی۔ دوسرے محمد ابن

عمرو ابن عطاء نے ابو حمید ساعدی سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا

یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (طحاوی) ان دو نقضوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی ناقابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لئے آپ کو مقبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا

ثُمَّ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكَعَتَيْنِ كَبَّرَ وَمَرَّ فَعَبْرَ يَدَيْهِ حَتَّى يُجَاذِيَ بِهِمَا مَنْكَبَيْهِ  
كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابو حمید ساعدی نے یہ حدیث صحابہ کے صحیح میں پیش کی تو ان بزرگوں

نے فرمایا جو ابو داؤد میں ہے۔

قَالُوا ذَلِكُمْ أَفْوَالَهُ مَا كُنْتَ بِأَكْثَرِنَا لَهُ  
تَبَعَةً وَقَدْ مَنَّا لَهُ صُحْبَةً قَالَ  
بَلَى۔

انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کیساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابو حمید بڑے بیشک ایسا ہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابو حمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبداللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ تو یقیناً ابو حمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم ہے لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل ناقابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابو حمید ساعدی نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اُس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔



پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب التکرار کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

الْوَضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ | آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا ملا خطہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابو حمید ساعدی کی اس روایت میں عبد الحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبد الحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں۔ جنہیں سحیح ابن سعید فرماتے ہیں۔ هُوَ اِمَامٌ النَّاسِ فِي هَذَا الْبَابِ۔ حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمرو ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابو حمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے اُن سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدرس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابو حمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے۔ مضطرب بھی مدرس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابو داؤد یہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابو حمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں

نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب صفتہ الصلوٰۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے توجہ کے قابل نہیں۔  
حنفی پچائیسو! رفع یدین غیر مقلد و باہیوں کا چھوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابو حمید ساعدی مایہ ناز دلیل ہے جو وہاہیوں کے بچہ بچہ کو حفظ ہوتی ہے عام حنفی لوگ انکی من ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔ الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرچھے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ وہاہیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہو جانا وہاہیوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ انکے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہو گئی تو سمجھو کہ انکے مذہب کی آٹھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سوا ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے۔ بے مرشدے بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔ رب فرماتا ہے۔

<p>جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔ جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔</p>	<p>وَمَنْ يُضِلُّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْسِدًا نیز رب فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَلْعَبْ فَلَنْ يَجِدَ لَهُ نَصِيرًا</p>
---	--

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقہہ کا دار و مدار ان اسنادوں پر نہیں۔ بلکہ حضرت امام الائمہ کا شرف الغمہ سراج امہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔ وہ امام اعظم جو امت کا چراغ ہے امام بخاری و عام محدثین کے اسنادوں کا استاد ہے۔ جس کے زیرِ رامن ہزار ہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے۔ ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔ امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں۔ جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال ۱۔ دیکھو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔ جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود

براہ راست یہ حدیث سنی تھی بیدھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں۔ اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہو جاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔ لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اُس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔ جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح و قدح سے پاک ہے۔ ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح و قدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے بیٹے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر ان جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔ دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کر سکے۔

اعترض نمبر ۶۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ شریف کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر فرماتے۔ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔ تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے سمح اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

اَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَسْبًا وَمَنْكَبِيهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا كَذَلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ سَاءَ بَنَاءُ لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ۔

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔ نہایت صحیح الاسناد ہے۔ جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے اور بعد رکوع بھی۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں رفع یدین کرتے تھے۔ مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہو گیا۔ اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔ اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔ چنانچہ دارقطنی میں صفحہ نمبر ۱۱۱ پر سیدنا عبد اللہ ابن مسعود سے روایت کی

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَ أَبِي بَكْرٍ وَمَعَ عُمَرَ فَلَمْ يَرَفَعُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَّا عِنْدَ التَّكْبِيرِ الْأُولَى فِي افْتِتَاحِ الصَّلَاةِ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق - عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولیٰ کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے

فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔ تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبد اللہ ابن عمر ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کر چکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔ چونکہ یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔ اس کی دوسری اسناد میں ابو فلاہ ہے جو خارجی المذہب تھا یعنی نااہلی دیکھو تہذیب نسیری اسناد میں عبد اللہ ہے یہ پکارا فضی تھا۔ چوتھی اسناد میں شعیب ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجہ نہ مذہب کا تھا۔ غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراف نمبر ۷۔ بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمد کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَثَّرَ رَفْعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ كَثَّرَ رَفْعَ يَدَيْهِ وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى النَّبِيِّ

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس فعل آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے  
دیکھو سیدنا عبد اللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت عبد اللہ ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے۔ لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

بنا ہے کہ سیدنا ابن عمر نے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبد اللہ ابن عمر کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہو گئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا (رفع یدین نہ کرتا)

فَقَدْ يَجُوزُ أَنْ يَكُونَ ابْنُ عُمَرَ فَعَلَ مَا رَأَاهُ طَاؤُسٌ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ الْحُجَّةُ عِنْدَهُ بِنَسْخِهِ ثُمَّ قَامَتِ الْحُجَّةُ عِنْدَهُ بِنَسْخِهِ وَتَرَكَهُ وَفَعَلَ مَا ذَكَرَهُ عِنْدَهُ مُجَاهِدٌ

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنا پڑتی ہے۔ کسی حدیث کو چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔ اعتراض نمبر ۸۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔

فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدًا بَيِّنًا كَفَيْتَهُ

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب - حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمثل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود ہمیشہ حضور کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم و فقیہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر حضور کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود صف اول میں خاص حضور کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار نے حکم دیا تھا کہ۔

لِيَلِيَنِي مِنْكُمْ اَوْلُو الْاَحْلَامِ وَالنُّهْلِ | تم میں سے مجھ سے قریب وہ ہے جو علم و عقل والا ہے  
چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے سیدنا ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر کی اس روایت کے متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے۔ تو حضرت ابراہیم نخعی نے نفیس جواب دیا۔

آپ نے فرمایا کہ وائل ابن حجر دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت ابن مسعود سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود احکام اسلام سے خبردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے حضور کے سفر و حضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔

فَقَالَ اِعْرَابِيٌّ لَا يَبْعُرُ شَرَّ اِيَّامِ الْاِسْلَامِ  
وَلَمْ يَصِلْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
اِلَّا مَلُوءَةً وَّاحِدَةً وَقَدْ حَدَّثَنِي مَنْ  
كَانَ اَحْصَى عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُودٍ اَنَّهُ  
كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي بَدْءِ الصَّلَاةِ فَقَطُّ  
وَحَكَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَعَبَّدَ اللهُ عَالِمٌ بِشَرَّ اَيَّامِ الْاِسْلَامِ وَ  
حَدَّثَنِي مَتَّقِيْدُ اَحْوَالِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُلَانِمٌ لَهٗ فِي اِقَامَتِهِ  
وَاَسْفَاہِہٖ وَقَدْ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَا يَحْصِي۔

خلاصہ یہ کہ عالم و فقیہ اور حضور کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی

ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر کی روایت ناقابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمایا۔

اعترض نمبر ۹۔ اگر تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہ کرنا چاہیے۔ تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)

جواب۔ اس سوال سے آپ کی بے بسی ظاہر ہو رہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل سچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں۔ بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی ہی لیٹے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں

خطبہ جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اسے وہاں ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعترض نمبر ۱۰۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اسے جبرئیل سحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ اس سحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

إِذَا تَحَرَّمْتَ لِلصَّلَاةِ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ

إِذَا كَبَّرْتَ وَإِذَا رَكَعْتَ وَإِذَا

رَفَعْتَ مَا اسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَإِنَّهَا صَلَوَاتُنَا

وَصَلَاةُ الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ فِي السَّمَاوَاتِ

السَّبْعِ۔

جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا

لہذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَنْصُرْ۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرس و عرش پر رفع یدین ہونا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ ضروری۔ ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکیٹ مفت تقسیم ہوئی تھی جسے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب و لہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب۔ وہابی جی تم نے یا تمہارے کسی ہم نوائے جھوٹی حدیث گڑبھ لولی۔ مگر گڑبھنا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لئے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں جاسکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے انحر کے معنی کیئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ انحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ انحر میں کس نے بھردی۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو انحر کے معنی یہ بتا گئے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اسے جبریل انحر کے یہ انور کھے معنی کہاں سے لیئے گئے۔ اور کیسے لیئے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن و حدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوة کے معنی روٹی کھانا۔ زکوٰۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چار پائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کرو۔ چلو اسلام کے پانچوں ارکان ختم۔ ذرا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لیئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہو۔

دوسرے یہ کہ یہاں انحر صلوة پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر

ہوتا ہے۔ تو چاہیئے کہ انحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جز ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر

تفسیر سے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے



حکم کے ساتھ مذکور ہو تو چاہیے کہ جیسے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکر کافر ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کر لو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کہا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔ فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کا انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابو بکر صدیق - عمر فاروق - علی مرتضیٰ - عبداللہ ابن عباس - عبداللہ ابن عمر - عبداللہ ابن مسعود - عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے حبیب القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرح فرض ہوا ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ ہجرت درحیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے یہ کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المؤمنین مولانا کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو ہجرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود اس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہیے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ

سمجھ لینی چاہیے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری و مسلم

کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسی بے مکی حدیثیں گھڑ لینے میں خوفِ خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں۔ حدیث بنانے والے۔ حدیث ڈھالنے والے۔  
اعتراض نمبر ۱۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں۔

إِذَا ثَبَّتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهَبِيْ - | جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے۔ تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قرأتِ خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیثِ رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)۔

جواب۔ جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرمائیں۔

جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے  
إِذَا ثَبَّتَ حَدِيثٌ فَهُوَ مَذْهَبِيْ | جب حدیث ثابت ہو گئی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیثِ رسول تلاش کی۔ اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور و خوض و بحث و تحقیق کی۔ اسناد اور متن پر خوب گرامر جرح و قدرح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت سچتہ اور تحقیقی ہے۔ لہذا تم خود حدیث کے سمندر

میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف غواص کا کام ہے۔ اگر پینساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے

سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ حکیم کی تجویز سے استعمال کرے۔ قرآن حدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طیب اعظم ہیں۔ قرآن و حدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین و مسائل بغیر سوچے سمجھے شکل سچو بیان کر دیئے ہیں۔ اسے نا سمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جانا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جانا جب ایک قابل طیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے

سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابوحنیفہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن و حدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

## سوال باب

### وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے لغوی معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہو سکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنی جفت عدد جو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصطلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشاء خواہ تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضا لازم۔ اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ لیکن غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت بغیر ٹوکہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم کو یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اُس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

### وتر واجب ہیں

حدیث نمبر ۳۱۳۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ایوب سے روایت کی۔  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر لازم  
 الْوِتْرُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ | ہیں۔  
 حدیث نمبر ۴۔ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔

حضور نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْوُتْرُ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ۔

حدیث نمبر ۵۶۹ - ابو داؤد حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْوُتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔

حدیث نمبر ۷ - عبد اللہ ابن احمد نے عبد الرحمن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرتے ہیں۔ تو آپ نے حضرت امیر معاویہؓ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

تو امیر معاویہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل نے فرمایا ہاں۔ میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز اور دی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔

فَقَالَ مَعَاوِيَةُ أَوْاجِبُ ذَلِكَ عَلَيْهِمْ  
قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ زَادَنِي رَبِّي عَزَّوَجَلَّ صَلَاةً هِيَ الْوُتْرُ فِيمَا بَيْنَ الْعِشَاءِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ

حدیث نمبر ۸ - ترمذی نے حضرت زبید ابن اسلم سے مرسل روایت کی۔

جو وتر چھوڑ کر سو جائے۔ وہ صبح کے وقت اس کی قضا پڑھے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
مَنْ نَامَ عَنْ وَتْرِهِ فَلْيُصَلِّ إِذَا أَصْبَحَ

حدیث نمبر ۹ تا ۱۴ - ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابو ایوب انصاری سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ بشرط شیخین پر ہے۔

حضور نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَسَلَّمَ الْوَتْرَ حَقًّا وَاجِبًا عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

ہے۔ ہر مسلمان پر۔

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں و جب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۴ روایتیں پیش کیں۔

### وتر تین رکعت ہیں

حدیث نمبر ۴۴۔ نسائی شریف۔ طحاوی۔ طبرانی نے صحیح میں۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يَسْلَمُ إِلَّا فِي آخِرِ هَيْئَةٍ

فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں۔

حدیث نمبر ۵۶۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتِرُ اللَّيْلِ ثَلَاثٌ كَوَتْرِ النَّهَارِ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں۔ جیسے دن کے وتر نماز مغرب

حدیث نمبر ۷۔ طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْتِرُ بِثَلَاثِ سَلَامَاتٍ

بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔

حدیث نمبر ۸۔ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت

کی کہ ایک شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔ مسواک کی۔ اور یہ آیتہ کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ

السَّمَاوَاتِ الْخَمْرِ مِثْرًا مِّثْرًا فَمَنْ يَدْرِ كَيْفَ هُنَّ يُخْلَقْنَ يَوْمَ عَادَ فَنَامَ حَتَّى سَمِعَتْ نَفْعَهُ ثُمَّ

پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی

قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَكَثَّمُ صَلَّى رُكْعَتَيْنِ

پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر اٹھے اور وضو مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر

ثُمَّ قَامَ فَتَوَضَّأَ اسْتَكَثَّمُ صَلَّى رُكْعَتَيْنِ وَأَوْتِرَ بِثَلَاثٍ

پڑھے۔

پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۳ - ترمذی - نسائی - دارمی - ابن ماجہ - ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں  
سبح اسم ربک الاعلیٰ - اور قل یا ایہا الکافرون اور  
قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے - ایک ایک رکعت  
میں ایک ایک سورت

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ  
فِي الْوُتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ  
يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ  
فِي رَكْعَةٍ رَكْعَةً -

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸ - ترمذی شریف - ابو داؤد - ابن ماجہ - نسائی - امام احمد بن حنبل نے حضرت  
عبدالغفر بن ابن جریج - عبدالرحمن ابن ابزی سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ  
رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے - تو آپ  
نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک  
الاعلیٰ دوسری میں قل یا ایہا الکافرون تیسری  
میں قل ہو اللہ اور فلق وناس -

قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بَأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوتِرُ  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ  
كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولَى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ  
الْأَعْلَى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ  
وَفِي الثَّلَاثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ  
وَالْمُعَوَّذَتَيْنِ

حدیث نمبر ۱۹ - نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم  
ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں قل یا  
ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہو  
اللہ پڑھا کرتے تھے - اور سلام نہ پھیرتے  
تھے - مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں -

قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
يَقْرَأُ فِي الْوُتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى  
وَفِي الرُّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ  
وَفِي الثَّلَاثَةِ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَلَا  
يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ -

حدیث نمبر ۲۰ - ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں  
ہیں نہ سلام پھیرے - مگر ان کے آخر میں -

قَالَ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى الْوُتْرِ ثَلَاثٌ  
لَا يُسَلِّمُ إِلَّا فِي آخِرِهِنَّ -

حدیث نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو خالد سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ أَبَا الْعَالِيَةَ عَنِ الْوُتْرِ فَقَالَ  
عَلَيْنَا أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ أَنَّ الْوُتْرَ مِثْلُ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ  
هَذَا وَتُرُّ اللَّيْلُ وَهَذَا وَتُرُّ النَّهَارُ

میں نے حضرت ابو العالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا  
تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول صلی اللہ علیہ  
وسلم تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی  
طرح ہیں۔ یہ رات کے وتر ہیں اور مغرب دن کے وتر

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود

ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث

سے یہ پتہ لگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی  
عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک

سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس لیے ہواٹے نفس والوں نے صرف

ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ

لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تفسیری

میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاسکتی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔

بلکہ واجب ہے کہ اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے۔ لیکن اس کے وجوب

کا انکار کفر نہیں واجب کا یہ ہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہوتی

چاہیے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جداگانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ

یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوٰۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو چاہیے

تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کیا

کوئی نفل و سنت ٹوکہ و سنت غیر ٹوکہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت

ہے۔ جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشا یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت

ہو سکتی ہیں۔ نہ دو کہ یہ عند شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لا محالہ تین ہی رکعت چاہیے۔ ایک رکعت نماز

اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک رکعت نامکمل ہے ناقص

ہے۔ بہتر ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت کا  
اجماع صحابہ کرام کا عمل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

## دوسری فصل

### اس پر اعتراضات و جوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد و باہیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر وار  
مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعترض نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت  
یوتر بواحد کما ثم یرکع رکعتین الخ وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر و نفل پڑھتے تھے  
معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہیئے۔ حضور نے یہ ہی پڑھی ہے۔

جواب۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے  
خلاف ہو گئی۔ جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں۔ حدیث کا  
ترجمہ ایسا کرنا چاہیئے۔ جس سے احادیث متفق ہو جاویں۔ اس حدیث ثریف میں ب استعانتہ  
کی ہے۔ جیسے کتبت بالقلم میں نے قلم سے لکھا کیونکہ او تر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث  
کے معنی یہ ہوئے کہ حضور نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح  
کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔

مثلاً آٹھ رکعت تہجد اور فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعت وتر پڑھی تو وتر کی تسیری رکعت کے سبب  
کل رکعتیں گیارہ ہو گئیں۔ جو طاق ہیں اس تمام نماز کو طاق بنانے والی وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔  
جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔ اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کے موافق ہو گئی۔ میں غیر  
مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کیئے جاویں تو ان احادیث کا کیا جواب دو گے جن میں  
صراحتہً تین کا عدد مذکور ہے۔ یا جن میں وارد ہوا کہ حضور پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے  
دوسری رکعت میں فلاں اور تسیری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔



اعترض نمبر ۲۔ مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 صَلَاةُ اللَّيْلِ مَشْنِي مَشْنِي فَاذَا أَحْسَنَى أَحَدٌ  
 كُمُ الصُّبْحِ صَلَّى تَرَكَهُ وَاحِدَةً تَوَهَّرَ  
 لَهُ مَا قَدَّ صَلَّى۔

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہئے  
 دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو۔ صبح سے پہلے۔ تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل  
 ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔ حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں۔ چوتھے کے  
 انکاری ہیں۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں۔ تو چاروں نہ مانیں۔  
 جواب۔ غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔ کہ جب صبح کا خوف ہو تو اکیلی ایک  
 رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے۔ اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہو گئی جو ہم  
 پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہو گیا۔ حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔  
 کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے۔ جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی  
 رکعت واحدہ کے بعد مع الکتین پوشیدہ ہے۔ کیونکہ پہلے منشی منشی کا ذکر ہو چکا ہے اس صورت  
 میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہو گیا۔ جیسے کہ رب فرمانا ہے۔  
 وَكَلِمَاتِي فِي كَهْفٍ ثَلَاثٌ مِائَةٌ سِتِّينَ | اصحاف کہف اپنے غار میں تین سو سال  
 وَازْدَادُوا تِسْعًا۔ | ٹھہرے تو بڑھائیے۔

اس آیت میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے  
 کہ تین سو نو سال قیام کیا۔ چونکہ تین سو سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے  
 اس طرح ارشاد فرمایا۔ ایسے ہی وتر کی یہ رکعت علیحدہ ان دو در سے نہیں۔ بلکہ ان میں سے آخری منشی  
 یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ دو دو رکعتیں تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی  
 ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس علم الاولین والآخرین افصح الخلق صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح  
 ارشاد فرمایا۔ کہ وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔ یا احادیث میں موافقت پیدا کر کے سب پر عمل کرنا

بہتر۔ کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعترض نمبر ۳۔ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

الْوَسْطُ رَكْعَةٌ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ | وتر آخرات میں ایک رکعت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب :- اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ وہابی اس کے معنی

کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث

بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہوگا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں

کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں۔ جو ہم پہلی فصل

میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے

والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ

رکعت تہجد پڑھی۔ پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز

جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں

بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہو گئی۔ احادیث کا

تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعترض نمبر ۴۔ ابو داؤد نسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللَّهُ وَتَرْجِيْبُ الْوَسْطِ وَأَتْرُؤِيَا أَهْلَ | نے اللہ وتر (بے جوڑ) سے وتر کو پسند فرماتا

ہے۔ پس وتر پڑھا کر دے قرآن ماننے والو۔

الْقُرْآنِ

حنفی بتائیں کہ اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہیے

نہ کہ تین حضور نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب :- اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر

دہائیوں کو چاہیے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ کہ تین۔ کیونکہ مغرب کے

فرض دن کے وتر ہیں۔ اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور

اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں۔ اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا۔ کہ حضور نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے۔ دیکھو پہلی فصل۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں اونے مناسبت کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لئے حضور نے وتر فرمایا وَاِحِدٌ نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے۔

مَثَلٌ نُورٍ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ | اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قوس میں چراغ ہے۔

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل ہی ہوتی ہے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی رغن و تیل ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں۔ فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنچہ بھی ہے۔

اعترض نمبر ۵۔ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے روایت کی۔

أَوْتَرَ مَعَاوِيَةَ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ  
وَعِنْدَ مَا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَثَى ابْنَ  
عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعَمَاءُ فَإِنَّهُ قَدْ  
صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام حاضر تھے انہوں نے حضرت ابن عباس سے اسکا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب۔ یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام کو حیرت ہوئی۔ جس کی شکایت حضرت ابن عباس سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم

ہوا۔ کہ کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ مجتہدِ فقہ صحابی ہیں۔ فقہہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيلَ لَدَاهِلَ لَكَ فِي  
أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَاوِيَةَ مَا أَوْتَرَكَ  
بِوَأَحَدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فُقِيهُ

حضرت ابن عباس سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المؤمنین معاویہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہدِ عالمِ فقہیہ ہیں۔

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لیے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ صحابی ہیں۔

عالم ہیں مجتہد ہیں اور مجتہدِ فقہیہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان من یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے

اعتراض نمبر ۶۔ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو اعتراض کرتے امیر معاویہ ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آئین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں۔ تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دورخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عام وہابی)

جواب۔ جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالمِ فقہیہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے۔ مگر جہاں جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے۔ تو سزا کا مستحق ہے اگر رسولِ رحمن سدا یافتہ ملازم سرکار کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن اگر کوئی جاہل آدمی یوں ہی اسکل سچ کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرمناک و نادم ہے۔ حج۔ حاکم کسی ملازم کو سزا دے سکتی ہے اگرچہ غلطی کرے مگر جو ایرے غیرے قانون ہاتھ میں سے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں یقیناً علی مرتضیٰ برحق تھے اور امیر معاویہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں۔ جس کو بھی بُرا کہا جاوے تو بُرا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں

کا ذکر فرمایا۔

إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ لَفَشَتْ فِيهِ  
عَمَّ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحَكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَا  
هَا سَكِينَانَ وَكَلَّا أُنَيْنَا  
حُكْمًا وَعِلْمًا

جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق  
فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔  
ہم انکا فیصلہ شاہدہ فرما رہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان  
کو وہ سمجھا دیا۔ اور ہم نے ان میں سے ایک کو حکمت و علم بخشا۔

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد سلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا  
حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا۔ جس کی رب تعالیٰ نے تائید فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام  
کا فیصلہ خطا، اجتہاد ہی تھی۔ لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں۔ کیوں اس لیے کہ آپ مجتہد مطلق  
تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔ وہاں اگر تم بھی رفع یدین یا ادنیٰ آئین۔ شافعی بن کر کرو تو تمہیں  
وہاں نہ کہا جاوے گا۔ نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو  
اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔  
اعترض نمبر ۷۔ تین رکعت وتر کی جتنی حدیثیں ہیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثیں  
حجت نہیں۔

جواب۔ جی ہاں اس لیے ضعیف ہیں۔ کہ آپ کے خلاف ہیں۔ یا اس لیے کہ ساری حدیثیں  
ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساڑھے برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً  
چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔ آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے  
نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔ آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم اس کتاب میں بارہا  
دے چکے ہیں۔

## اظہوالباب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ پڑھنا سنت ہے اور فجر

کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی بھی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں۔ بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لیے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

## پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کی دعا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روزیہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیتہ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۲۱۰۲۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احمول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لیے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بد دعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔

إِنَّمَا قَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا إِنَّهُ كَانَ بَعَثَ أَنَسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَاءُ سَبْعُونَ مَرَجَلًا فَأَهْبَبُوا فَقَنَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرَّكُوعِ شَهْرًا يَدْعُو عَلَيْهِمْ۔

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ غدر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳۳۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَدَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ شَهْرًا آيِدًا عُو عَلَى رِغْلٍ وَذَكَوَانَ  
فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحتہ ذکر آیا۔

حدیث نمبر ۷۷۷۔ ابو یعلیٰ موسلی۔ ابو بکر بن زرارہ طبرانی نے کبیر بن بقیہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَدَتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ شَهْرًا آيِدًا عُو عَلَى عَصِيَّةٍ وَذَكَوَانَ  
شَهْرًا فَلَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ تَرَكَ الْقُنُوتَ  
وَقَالَ الْبَرَاءُ فِي رِوَايَتِهِ لَمْ يَقْنُتِ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا شَهْرًا  
وَاحِدًا لَمْ يَقْنُتِ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ جس میں قبیلہ عصبہ و زکوان پر بد و عافرائی جب ان پر غالب آگئے تو چھوڑ دی بزوار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔

حدیث نمبر ۸۰۹۔ ابو داؤد و نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدَتَ  
شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهُ

یقیناً نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔

حدیث نمبر ۱۲۱۲۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابومالک اشجعی سے روایت کی۔

قَالَ قَدَتُ لِأَبِي يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ  
صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيَّ هَهُنَا  
بِالْكَوْفَةِ نَحْوًا مِنْ خَمْسِ سِنِينَ كَالْفَأِ  
يُقْنُتُونَ قَالَ يَا بَنِيَّ مَحْدَثٌ

فرمانے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ اباجان آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے سچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی۔ کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے سچے یہ بدعت ہے

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیدہ ہے

حدیث نمبر ۱۳۱۳ و ۱۳۱۴۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث

نفل کی جس میں آخری الفاظ یہ ہیں

وَكَانَ يَقُولُ فِي بَعْضِ صَلَوَاتِهِ اللَّهُمَّ  
الْعَنْ قَلَانًا وَقَلَانًا لِأَحْيَاءِ مِنَ الْعَرَبِ  
حَتَّى أَنْزَلَ اللَّهُ كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْئًا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدا یا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (میں لکٹ الخ)

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعاء قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیتہ قرآنی سے منسوخ ہو سکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی وہ حضور کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں۔ ہاں حضور نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵۱۔ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی۔

عَنِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ  
عَنْ أَبِيهِمْ عَنْ عَلْقَمَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ  
بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَمْ يَقْنُتْ رَسُولَ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفَجْرِ إِلَّا شَهْرًا  
وَاحِدًا لِأَنَّ حَارِبَ الْمُشْرِكِينَ فَقْنَتَ  
يَدْعُوا عَلَيْهِمْ۔

امام اعظم ابوحنیفہ حضرت ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت علقمہ سے وہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ حضور نے نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور نے مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔

حدیث نمبر ۱۵۲۔ حافظ ابن خسر نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن حسن اششانی نے حضرت امام ابوحنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا قْنَتَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَكَأَعْتَمَانُ  
وَأَعْلَى حَتَّى حَارِبَ أَهْلِ الشَّامِ  
فَمَا كَانَ يَقْنُتُ۔

نہ حضرت ابو بکر و عمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضیٰ نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔



حدیث نمبر ۱۸۔ ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابو حنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابو سعید خدری صحابی سے روایت کی۔

انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔ کہ حضور نے چالیس دن کے سوا قنوت نازلہ نہ پڑھی۔

ان چالیس دن میں آپ نے عصبیہ ذکر ان پر بد دعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ لَمْ يَقْنُتْ إِلَّا أَمْرَ بَعِيْنٍ يَوْمًا يَدْعُو أَعْلَى عَصِيْبَةٍ وَذَكَوْا نَ ثُمَّ لَمْ يَقْنُتْ إِلَى أَنْ مَاتَ

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازلہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں۔ اگر شوق ہو تو لطحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا بھی تقاضا یہ ہے کہ قنوت نازلہ نماز میں نہ پڑھی جاوے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی کعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو۔ عصر۔ عشا کی چار۔ مغرب کی تین۔ مگر کوئی فرض نماز ارکان نماز یا دعا وغیرہ

میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں۔ تو جب چار نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہیے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ باجماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں

نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اُٹھتے وقت اکیلا نمازی سمع اللہ لمن حمد کا بھی کہتا ہے اور سَبَّأْنَا لَكَ الْحَمْدُ بھی۔ مگر جب جماعت سے پڑھتا ہے۔ تو امام سَبَّأْنَا لَكَ الْحَمْدُ نہیں کہتا

صرف سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتا ہے اور مقتدی اس کے برعکس کہ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ تو کہتا ہے مگر سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہتا ہے۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے

تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرع کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد

فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرع کے خلاف ہے رکوع فجر کے بعد جو قوم ہے۔ اس میں صرف سمع اللہ لمن حمد کا کہ بقدر ٹھہرنا چاہیے۔ اگر اس میں قنوت نازلہ

پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ ویر لگے گی۔ تاخیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمداً ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہذا اندرون نماز قنوت نازلہ نہ پڑھنا چاہیے تاکہ نماز کے ارکان

میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقہی۔ مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقع پر بہتر یہ ہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تاکہ صحابہ کرام کے اختلاف سے بچا رہے کیونکہ بعض صحابہ آفات و جنگوں کے موقع پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے قنوت نازلہ پڑھے تو اگرچہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت سے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ فجر کے سوا کسی اور نماز میں پڑھے گا۔ تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمداً مسجدہ میں تانیر کر دی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر سہرہری نماز یعنی فجر مغرب عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ شرح تقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قَدَّتْ اِلَیْہَا فِی صَلَوةِ الْجَہْرِ وَہُوَ  
قَوْلُ التَّوْبِیْحِ وَاَحْمَدُ

اس موقع پر امام سہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے  
امام ثوری و احمد کا یہ ہی قول ہے۔

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب و عشاء فجر بلکہ نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ۔ شرح تقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی فت کو جیم بنا دیا۔ چنانچہ اشباہ و التظاہر میں اس جگہ بجائے صلوة الجہر کے صلوة الفجر ہے اور طحاوی علی درالمختار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منتحہ الخالق علی بحر الرائق میں فرمایا۔

وَلَعَلَّہُ مَحْرُوفٌ عَنِ الْفَجْرِ

شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے

طحاوی کی عبارت یوں ہے

وَالَّذِیْ یُظْہِرُنِیْ اَنْتَ قَوْلُکُمْ فِی الْبَحْرِ وَاَنْتَ  
نَزَلَ عَلَی الْمَسْلَمِیْنَ نَازِلَةٌ قَدَّتْ اِلَیْہَا  
فِی صَلَوةِ الْجَہْرِ تَجْرِیْفٌ مِّنَ النَّاسِ  
وَصَوَابُ الْفَجْرِ۔

بحر الرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت  
پڑے تو امام سہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے  
میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح  
یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق

کرنا ہوتو۔ ہمارا فتاویٰ نعیمیہ ملاحظہ فرمادیں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس ليے وہاں اس مسئلہ پر کچھ حجم کر بحث کر دی گئی ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و تابعوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو ان شاء اللہ اس کا جواب بھی عرض کر دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اور ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (پر لہذا سبق)

جواب۔ اس کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں۔

وہ یہ ہے۔ کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا

فرمان ہے۔ ہم یہ آیت و احادیث مسائل کی تائید کے ليے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ ان کی اسناد نہایت

مختصر اور کھری مگسالی ہوتی ہے۔ جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں۔ وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی

فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد صرف دو راوی ہیں۔ عطیہ

عوفی ابو سعید خدری اور حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ ابان ابن عیاش۔ ابراہیم شخعی علقمہ

ابن مسعود۔ بناؤ ان میں کون ضعیف ہے۔ چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر المقرون میں سے ہے۔ ان

کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔ لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ضعیف

تذلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے ليے قیامت ہے

کہ یہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں۔ جن پر تمہارے مذہب کا دار و مدار ہے۔ اور تمہارا زمانہ حضور

صغیف سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔ لہذا

ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد کو ڈراؤ۔ حنفی کے ليے اس سے کچھ خطرہ نہیں۔ باقی جوابات وہ ہیں۔

جو ہم پہلے بالوں میں عرض کر چکے ہیں۔ ہم نے ہر حدیث کی بفصلہ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ احادیث حسن ہو گئیں۔ منع جاتا رہا۔

اعترض نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا

کہ حضور نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قَدَّتْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ

سَلَّمَ بَعْدَ التَّكْوِيمِ وَفِي رِوَايَةٍ قَبْلَ

التَّكْوِيمِ وَبَعْدَهُ۔

حضور نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب

مشکوٰۃ یہ حدیث وعاء قنوت کے بحث میں لائے ہیں جو ترووں میں پڑھی جاتی ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وعاء قنوت مراد ہے۔ لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر

قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے ہمیشہ پڑھی۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے

ہیں کہ حضور نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی۔ پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔ لہذا یہ حدیث

منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔ تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ

ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی یا بعد میں۔ تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ

کیسے کر لیا۔ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد

مجروح ہے۔ اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا۔ مسلم و بخاری کی روایتیں اس کی خلاف ہیں۔

جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ لہذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لیے کسی طرح

حجت نہیں۔

اعترض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے

روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہو سکتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز فجر کی قراۃ سے

فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ جَبْنٌ يَقْرَأُ مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ مَنْ

الْقِرَاءَةِ وَيُكَبِّرُ وَيُفْرِعُ مِمَّا اسَاءَهُ وَيَقُولُ سَمِعَ  
اللَّهُ لَيْسَ حَمْدًا كَمَا يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ اللَّهُمَّ

أَنْجِ الْوَلِيدَ ابْنَ الْوَلِيدِ الخ

سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے  
تو کھڑے ہوئے۔ یہ دعا پڑھتے اسے اللہ ولید  
ابن ولید کو نجات دے الخ

طحاوی شریف حقیوں کی کتاب ہے اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب :- شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر کی یہ روایت  
نہ دیکھی۔ اور دیکھتے بھی کیسے یہ آپ کے خلاف جو تھی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ۔

حضور فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ پس یہ آیت  
اوتری "لیس لک" الخ اس کے بعد حضور نے کبھی کسی  
پر نماز میں بددعا نہ فرمائی۔

فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ  
شَيْءٌ فَمَا دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ بِدُعَاءٍ عَلَى أَحَدٍ

لہذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں۔ اور منسوخ احادیث اپنی  
دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر  
میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول  
ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اسکے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی  
خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور  
حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے  
مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو۔ تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں  
سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کیئے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں  
اختلاف رہا۔ بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں۔ جیسے حضرت ابو مالک  
اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بجا انسانی وابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ  
قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما اس لئے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔

کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ اگرچہ بہتر نہیں۔ لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ دلیل کچھ اور تمام وہابیوں کو اعلان عام ہے۔ کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہوا انشاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیوں غم نہ کرتے ہیں مقلد بن کر صحیح نمازیں پڑھا کر۔

## تمہ

وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی دُوروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرنے میں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعاء قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم سنہ ۱۳۰۱ سال بجز تک پڑھتے ہیں۔ اس لیے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت بُرا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۲۱۰۔ امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن خسر و محدث نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

کہ آپ دُوروں میں تمام سال رکوع سے پہلے دعا قنوت پڑھتے تھے۔

أَنَّكَ كَانَ يَقْنُتُ السَّنَةَ كُلَّهَا فِي الْوُتْرِ قَبْلَ الرَّكُوعِ

حدیث نمبر ۲۳۴۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت سوید ابن غفلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی۔ علی مرتضیٰ سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی آخری رکعت میں دعاء قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيًّا يَقُولُونَ قَنُتَ مَرَّ سَوْءُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْآخِرِ الْوُتْرِ وَكَأَنَّهُمْ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ

س

حدیث نمبر ۲۸۵۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي الْآخِرِ وَقَوْلَهُ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ الْخ

يَقِينًا حَضْرَةَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي آخِرِي وَتَمَّ فِيهِ يَهُ  
دعاء پڑھتے تھے۔ اللہم ان اعوذ بک الخ

یہ احادیث بطور غور نہ عرض کر دیں۔ ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضور نے یا صحابہ کرام نے صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھی آگے سمجھے نہ پڑھی۔ بلکہ سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحتہ منقول ہوا کہ آپ سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے معلوم ہوا کہ سارا سال و ترووں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور کی بھی سنت ہے اور صحابہ کرام کی بھی۔

خیال رہے۔ کہ غیر مقلد و ہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابو داؤد نے حضرت حن بصری سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

حضرت عمر ابن خطاب نے لوگوں کو ابی ابن کعب پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔

أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ جَمَعَ النَّاسَ عَلَى أَبِي ابْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ إِلَّا فِي التَّصْفِ الْبَاقِي۔

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اسے دہا ہوا تمہارا پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر۔ اگر آدھی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے۔ تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب

تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

أَفْتَوْا مِنْ بَعْضِ الْكُتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ

کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

اگر اس حدیث سے پتہ چلے دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعاء قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی۔ جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا لگئی ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام آخر رمضان میں جسمیں شب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام سالہا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابی ابن کعب نے بیس رات تراویح پڑھائیں۔ جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوئی تم پندرہویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ہمارا اعلان۔ ہم تمام دنیا کے دہائیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو۔ جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو۔ آگے پیچھے بڑھنے کی مخالفت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو۔ ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔

## نواں باب

### التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لیے سنت یہ ہے کہ دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے۔ وہ بائیں غیر متقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت بُرا اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں



اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات

## پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد و اہننا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سر کعبہ کی طرف بائیں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔ حدیث نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ يَفْتَرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَيُنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنَى

آپ اپنا بائیں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔

حدیث نمبر ۲ و ۳۔ بخاری و نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ إِنَّمَا السُّنَّةُ فِي الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْنِي الْيُسْرَى زَادَا لِلنَّسَائِيِّ وَاسْتَقْبَالَ بِأَصَابِعِهَا الْقِبْلَةَ۔

سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے۔ اور بائیں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔

حدیث نمبر ۴ تا ۷۔ بخاری شریف۔ مالک۔ ابو داؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عبداللہ

ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعین سے روایت کی۔

أَنَّكَ كَانَ يَرِي عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلَاةِ إِذَا جَلَسَ قَالَ فَعَلْتُهُ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيثُ السِّتِّ فَهَاتِي عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ وَقَالَ سُنَّةُ الصَّلَاةِ أَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنَى وَتُثْنِي رِجْلَكَ الْيُسْرَى فَقُلْتُ لَهُ إِنَّكَ تَفْعَلُ ذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ رِجْلِي لَا تَحْمِلَانِي۔

کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا۔ اس وقت میں نو عمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بائیں پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں۔ یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرے بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی معذوری ہے)۔

حدیث نمبر ۹۰۸ - ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل بن حجر سے روایت کی۔  
 قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ قُلْتُ  
 لَأَنْظُرَنَّ إِلَى صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا جَلَسَ كَيْفِي لِلتَّشَهُّدِ  
 افْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَوَضَعَ يَدَهُ  
 الْيُسْرَى عَلَى فَخْذِهِ الْيُسْرَى وَنَصَبَ  
 رِجْلَهُ الْيُمْنَى۔

فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں  
 حضور کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نماز میں بیٹھے  
 یعنی التحیات میں تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں  
 بچھا دیا اور بائیں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنہ  
 پاؤں کھڑا کر دیا۔

حدیث نمبر ۱۳۳۱ - امام احمد - ابن حبان - طبرانی نے کبیر بن حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ  
 عنہ سے روایت کی۔

قَالَ فَإِذَا جَلَسْتَ فَاجْلِسْ عَلَى فَخْذِ  
 لِكَ الْيُسْرَى۔

پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر  
 بیٹھو۔

حدیث نمبر ۱۲۷۱ - طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 إِنَّهُ كَانَ يُسْتَحَبُّ إِذَا جَلَسَ الرَّجُلُ  
 فِي الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتَرِشَ قَدَمَهُ  
 الْيُسْرَى عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَجْلِسَ عَلَيْهَا

آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا  
 بائیں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر  
 بیٹھے۔

حدیث نمبر ۱۵۱ - ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلَاةِ افْتَرَشَ رِجْلَهُ  
 الْيُسْرَى حَتَّى آسُودَ ظَهْرُ قَدَمِهِ۔

وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز  
 میں بیٹھتے تو اپنا بائیں پاؤں بچھاتے تھے یہاں  
 تک کہ اس قدم شریف کی پشت سیاہ ہو گئی تھی۔

حدیث نمبر ۱۶۱ - بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری سے ایک دراز حدیث نقل کی۔  
 جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا جَلَسَ فَلْيَنْصِبْ رِجْلَهُ الْيُمْنَى  
 وَلْيُخْفِضْ رِجْلَهُ الْيُسْرَى۔

جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو  
 کھڑا کرے اور بائیں پاؤں بچھائے۔

حدیث نمبر ۱۷۱۔ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ صَلَّى تُ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ لَا أَحْفِظَنَّ صَلَاةَ رَسُولِ  
 اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَلَمَّا قَعَدَ  
 لِلتَّشَهُدِ فَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى ثُمَّ  
 قَعَدَ عَلَيْهَا۔

میں نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں  
 حضور کی نماز یاد کروں گا۔ فرماتے ہیں کہ جب  
 حضور التحیات کے لیے بیٹھے تو بائیں پاؤں  
 بچھایا۔ پھر اسی پر بیٹھ گئے۔

حدیث نمبر ۱۸۱۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو حمید ساعدی سے ایک طویل حدیث روایت  
 کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَإِذَا قَعَدَ لِلتَّشَهُدِ إِصْبَحَ رِجْلَهُ  
 الْيُسْرَى وَنَصَبَ الْيُمْنَى عَلَى صَدْرِهَا  
 وَيَتَشَهَّدُ۔

جب حضور التحیات کیلئے بیٹھے تو آپ نے اپنا  
 بائیں پاؤں بچھایا اور دائیں پاؤں اس کے سینے پر  
 کھرا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں  
 میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد و التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں  
 کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بھی بائیں پاؤں پر بیٹھے کیونکہ اس پر سب کا  
 اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری  
 التحیات میں وہ بائیں پاؤں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے۔ اور دو سجدوں کے  
 درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی  
 طرح ہونا چاہیے۔ یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اسے پہلے التحیات  
 کی نشست کی طرح ہونا چاہیے یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں۔ اور یہ آخری  
 نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں  
 پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل و نقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس سے  
 بچنا چاہیے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں دائیں طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر

وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اوس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کی ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہ بائیں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر متقدموں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔

اعتراض نمبر ۱۔ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

کہ قاسم ابن محمد نے اون لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھرا کیا۔ اور بائیں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے۔ آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہ یہ ہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر ایسا ہی کرتے تھے۔

أَنَّ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ أَرَاهُمُ الْجُلُوسَ  
فَنَصَبَ رِجْلَهُ الْيَمْنَى وَشَقَى رِجْلَهُ الْبُسْرَى  
وَجَلَسَ عَلَى وَرَثِكِهِ الْبُسْرَى وَلَمْ يَجْلِسْ  
عَلَى قَدَمَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَرَانِي هَذَا عَبْدُ  
اللَّهِ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عُمَرَ وَحَدَّثَنِي  
أَنَّ أَبَاهُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ  
ذَلِكَ۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ کرام نے یہ عمل اسی لئے کیا کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب۔ اس کے چند جواب میں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز کی ہر التحیات میں اس ہی طرح بیٹھتے تھے۔ مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث اوس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ

سیدنا عبداللہ ابن عمر دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔



میں شہید ہوئے حضرت علی نے ہی الوقتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمر و خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔ پھر الوقتادہ سے کیے ملا۔ ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ نہ اُس کی حدیث قابل عمل ہے و کیسے طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابو حمید ساعدی کی صحیح حدیث وہ ہے جو طحاوی شریف نے اسی باب میں بروایت عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بائیں پاؤں بچھا کر اوس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔ افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گذشتہ اُن احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں۔ لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث بالکل ناقابل عمل۔

اعترض نمبر ۳۔ نرنذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

ایک بار ابو حمید الواسع سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔ انہوں نے حضور کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور التحیات کے لیئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بائیں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی دکھنے کی اونگلی اسے اشارہ فرمایا۔

قَالَ اجْتَمَعَ أَبُو حَمِيدٍ وَالْبُؤْسَيْدُ وَسَهْلُ ابْنِ سَعْدٍ وَمُحَمَّدُ ابْنُ مُسْلِمَةَ فَذَكَرُوا صَلَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَبُو حَمِيدٍ أَنَا أَعْلَمُكُمْ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَعْزِي لِتَشْرِيدِ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرَى وَأَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنَى عَلَى قِبْلَتِهِ وَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى عَلَى رِجْلَتِهِ الْيُمْنَى وَكَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى رِجْلَتِهِ الْيُسْرَى وَأَشَارَ بِأَصْبَعِهِ يَعْزِي سَبَابَةً۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ہی طرح التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔ بلکہ یہ پاؤں کھرا ہوتا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر التحیات میں زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔ دوسری میں زمین پر۔ یہ کیوں جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہو گا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں۔ بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔ سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔ نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔ نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔ داہنے پاؤں کے سینے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابو سعید ساعدی سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے زیادہ قوی ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔ لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں اور یہ ناقابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابو داؤد کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علما کا اس پر عمل ہے۔ آپ نے ایسی صحیح و صاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔ اپنی رائے اباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔ بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراف نمبر ۴۔ بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ قابل حجت نہیں (پہلے سبق)

جواب۔ کسی حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں۔ حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی

اثر نہیں پڑتا۔ حنفی سمجھہ تعالیٰ اتنی حد میں پیش کرتے ہیں کہ اگر بضر محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔ تو بھی قوی ہو جاویں۔ نیز امام اعظمؒ جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول فرمایا ہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔ حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔ یہ تو تائیدیں ہیں۔ حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے۔ سنت پر بھی اور اجتماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے  
میں سے امروالوں (مجتہدین امت) کی

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ  
أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

## دسواں باب

### بیت زکعت تراویح

ہم میں رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ لمعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لیے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔ ہاں اکثر مسلمان بیس پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان چالیس التنبیخ مقلد وہابی وہ فرقہ ہے۔ جسے نمازگراں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لئے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرما دے۔ آمین



## پہلی فصل

### بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے

آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۵۔ ابن ابی شیبہ۔ طبرانی نے کبیر میں۔ بیہقی۔ عبد ابن حمید اور امام لغوی نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بیہقی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي فِي رَمَضَانَ عَشْرِينَ رَكْعَةً  
سَيِّدِ الْوُثُرِ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت نمونہ علی العین ہے کہ حضور نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رعیت بھی دی۔

حدیث نمبر ۶۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ بیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

كَانَ النَّاسُ يَقُومُونَ فِي نِوَاكِبِ عَمْرٍَا  
الْمُخَاطَبِ فِي رَمَضَانَ بِثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ رَكْعَةً

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت

ہیں۔ اسی لئے کل تیس رکعتیں ہوتیں۔

حدیث نمبر ۷۔ بیہقی نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن یزید سے روایت کی۔

ہم صحابہ کرام عمر فاروق کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

قَالَ كُنَّا نَقُومُ فِي عَهْدِ عُمَرَ بَعِشْرِينَ  
رَكْعَةً وَالْوُتْرَ

حدیث نمبر ۸۔ ابن مینع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ عَمْرًا بِنَ الْخَطَّابِ أَمَرَكَ أَنْ تُصَلِّيَ  
بِاللَّيْلِ فِي رَمَضَانَ قَالَ إِنَّ النَّاسَ يَصُومُونَ  
النَّهَارَ وَلَا يُحْسِنُونَ أَنْ يُقْرَأَ وَأَفَلَوْ قَرَأْتَ  
عَلَيْهِمْ بِاللَّيْلِ قَالَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ هَذَا  
شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ فَقَالَ فَقَدْ  
عَلِمْتُ وَلَكِنَّهُ حَسَنٌ فَصَلَّى  
بِهِمْ عَشْرِينَ رَكْعَةً

حضرت عمر نے انہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں  
تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے  
ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ  
ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی  
نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین یہ وہ کام ہے جو اس  
سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔  
لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی ان کو بیس رکعتیں  
پڑھائیں۔

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری  
ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل  
تراویح سنت رسول اللہ ہے اور جماعت۔ اہتمام ہمیشگی سنت فاروقی ہے۔  
دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب نے  
تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں۔ کسی نے اعتراض نہ کیا۔  
تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ جماعت تراویح کی  
باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے۔ اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم نے فرمایا بالکل ٹھیک  
ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح  
کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی۔ مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابو عبد الرحمن سلمی سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ دَعَا الْقُرْبَاءَ فِي رَمَضَانَ  
رَجُلًا يُصَلِّي بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرَاوِيحَاتٍ عَشْرِينَ  
رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يَكُونُ تَرَابِيعَهُمْ

کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں  
کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت  
پڑھاؤ حضرت علی انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۰۔ بیہقی شریف نے حضرت ابو الحسن سے روایت کی۔

أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّي  
بِالنَّاسِ مِائَةَ تَرَاوِيحٍ عَشْرِينَ رُكْعَةً

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ  
لوگوں کو پانچ ترویج یعنی بیس رکعت پڑھائیں

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔ اگر شوق ہو تو

ہماری لمعات المصابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجوہ سے ایک یہ

کہ دن رات میں بیس رکعت فرض و واجب میں۔ ۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان  
میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ ان رکعات کی تکمیل اور مدارج پڑھانے کے لیے لہذا آٹھ رکعت تراویح  
بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسری یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع

کو رکوع اس ہی لیے کہتے ہیں۔ کہ اتنی آیات پر حضرت عمر و عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے

تھے۔ اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔ آٹھ رکعت ہوتیں تو چھاپٹے تھا کہ قرآن کریم

کے رکوع کل دو سو سو لہ ہوتے۔ حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۷۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب

سے ۵۶۰ رکوع ہوتے ہیں۔ کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع

کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح ترویج کی جمع ہے۔ ترویج ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر

راحت کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویج ہوتا۔ اس صورت

اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء امت کا عمل۔ ہمیشہ سے قریب ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا۔

اور آج بھی ہے۔ حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔

چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

وَأَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى مَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ وَعَمْرٍ  
وَغَيْرِهِمَا مِنْ أَهْلِ حَتَّابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرِينَ رُكْعَةً دَهْوَقَوْلُ

اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت عمرو  
علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی  
بیس رکعت تراویح اور یہ ہی سفیان ثوری۔ ابن مبارک

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو بیس رکعت تراویح پڑھنے پایا۔

سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ دَابِّنُ الْمُبَارَكِ وَالشَّافِعِيُّ وَ  
قَالَ الشَّافِعِيُّ هَلْ كَذَا أَذْكَرْتُ بَلَدًا مَكَّةَ  
يُصَلُّونَ عِشْرِينَ رَكْعَةً

عمدہ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ نمبر ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہ ہی کوئی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہ ہی صحیح ہے ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ وَهُوَ قَوْلُ جَمْهُورِ الْعُلَمَاءِ  
وَيْهِ قَالَ الْكُوفِيُّونَ وَالشَّافِعِيُّ وَكَثُرُ  
الْفُقَهَاءِ وَهُوَ الصَّحِيحُ عَنْ أَبِي ابْنِ  
كَعْبٍ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ مِنَ  
الصَّحَابَةِ

مولانا علی قاری شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

فَصَادِرُ أَجْمَاعِ أَعْلِيَاءِ رُؤْيَا الْبَيْهَقِيِّ  
بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ كَانُوا يُقِيمُونَ  
عَلَى عَهْدِ عُمَرَ رَكْعَةً وَعَلَى  
عَهْدِ عُثْمَانَ وَعَلَى عِشْرِينَ

علامہ ابن حجر مینی فرماتے ہیں۔

تمام صحابہ کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

أَجْمَاعُ الصَّحَابَةِ عَلَى أَنَّ التَّرَاوِيحَ  
عِشْرُونَ رَكْعَةً

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حرمین طیبین میں سجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے

و بانی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمان کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حریمین طیبین کے خلاف ہے۔ ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے رب تعالیٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

## دوسری فصل

### بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی توی دلیل نہیں کچھ اولیام رکیکہ اور کچھ شہادت فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں پچا ہتا تھا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لئے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعترض نمبر ۱۔ امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ ابْنَ الْخَطَّابِ أَبِي  
ابْنِ كَعْبٍ وَتَمِيمَ الدَّارِمِيَّ أَنَّ يَقُومَا  
لِلنَّاسِ بِأَحَدِي عَشْرَةَ سَاعَةً الْيَوْمِ

وہ فرماتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن کعب اور تميم واری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔ جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بناؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب ہمارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب

ہے۔ موطا امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر موزی

نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبد الرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں دیکھو فتح البہاری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ مطبع خیر یہ مصر۔ لہذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی روایات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تفسیر سے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا امام مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقرہ پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہو گئی۔

وَكَانَ الْقَارِي يَقْرَأُ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَإِذَا قَامَ فِي اثْنَيْ عَشْرَةَ رَكَعَةً دَأَى النَّاسُ أَنْتَهُ قَدْ خَفِفَ

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاة شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

ہاں بیس کا حکم حضرت عمر کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہی مسلمانوں میں رائج ہے۔

ثَبَّتَ الْعِشْرُونَ فِي ذَمِّنِ عُمَرَ وَفِي الْمَوْطَأِ رِوَايَةٌ بِأَحَدِي عَشْرَةَ رَكَعَةً وَجُمِعَ بَيْنَهُمَا أَنْتَهُ وَقَعَ أَوَّلًا ثُمَّ اسْتَقَرَّ الْأَمْرُ عَلَى الْعِشْرِينَ فَإِنَّهُ الْمَتَوَارِثُ۔

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اغراض نمبر ۲۔ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے

جواب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریح حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ

ہمیشہ نہ کرائی۔ وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے صحابہ کرام پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی۔ ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعترض نمبر ۳۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابوسلمہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں کتنی رکعات پڑھتے تھے۔ تو ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزِيدُنِي فِي مَصْنَانٍ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشَرَ رَكَعَاتٍ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ اگر بیس پڑھتے تو

کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل رکعت گیارہ ہوئیں۔ بناؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں نماز تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان و دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرأت نہ کرتے۔ اس ہی لئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوة ایلیٰ یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اسے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ

یہ نماز سرکارِ آخرت میں سوکرا ٹھہرا دیا فرماتے تھے۔ تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں  
نہی پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور نے پڑھی۔ تو حضرت  
عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المؤمنین  
نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور کو آٹھ رکعت تراویح پڑھنے دیکھا ہے۔  
تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں ذرا ہوش  
کر دو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

## وہابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں  
بتاؤ۔ ۱۔ کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس سنت کی ادنیٰ  
خبر نہ تھی۔ آج قریباً چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

۲۔ اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و  
چرا قبول کیوں کر لیا گیا ان میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصہ کے بعد تم حق گو بھی پیدا  
ہوئے اور متبع سنت بھی۔

۳۔ اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو ام المؤمنین عائشہ صدیقہ کے ایک سنت رسول  
کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں  
جیسے آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لئے ایٹری چوٹی کا زبانی و قلبی بدنی و مالی زور لگا رہے ہو۔ انہوں  
نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المؤمنین سے تم افضل ہوئے۔

۴۔ وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ  
عنہم بیس رکعت تراویح پڑھ کر۔ پڑھوا کر یا جاری ہونے ہوئے۔ دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے  
یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ ابعدتی ہیں تو ان حضرات پر  
تمہارا کیا فتوے ہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔



(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تمہا پروروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حرمین طہیین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لیے ہیں۔

(۶) حضرات آئمہ مجتہدین اور ان کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں۔ جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر سارے یہ حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے۔ تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت حدیث صحیح ہے یا نہیں جب بئیل کی روایت صحیح نہیں۔ تو بدعتیہ کی روایت صحیح کیونکہ ہو سکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں۔

اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ۔

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر امت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا؟

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں۔ ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ۔ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح

مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں جس میں صراحتہ مذکور ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو۔ یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔ صرف ضد پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس رکعت تراویح کا ثبوت الحمد للہ حضور کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان و عمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

لطیفہ۔ غیر مقلد وہابی جب کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ

لیتے ہیں۔ جس کا بار بار مشاہدہ ہوا۔ اور مہر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔

# گیارہواں باب

## ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامتہ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لیے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان شریف یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ وہاں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہاں مسلمانوں کے اس کارِ ثواب کو بدعت حرام۔ بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسری فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

### پہلی فصل

#### روشنی مسجد کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب بقدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا ثبوت ثواب ہے۔ دلائل لائحہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنِ آمَنَ  
يَا لِلَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔

اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعت نماز قائم کرنا۔ وہاں صفائی رکھنا۔ عمدہ چٹایاں۔

فرش وغیرہ بچھانا وہاں روشنی و چراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے۔ جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں روشنی و چراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ أَوَّلُ مَنْ اسْتَرَجَّ فِي الْمَسَاجِدِ | وَهُوَ فَرَمَاتِي هِيَ كَمَا جَسَّ نِي فِي مَسْجِدِي فِي حِرَافِ  
تَمِيمُ الدَّارِي | جَلَّاتِي وَهُوَ تَمِيمُ دَارِي صَحَابِي هِيَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حیراف کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی حضرت تميم داری نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابو داؤد شریف نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | أَقْتِنَانِي بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَقَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّوهُ فَصَلُّوْهُ فِيهِ | وَكَانَتْ الْبِلَادُ فِي ذَلِكَ جَرَبَاتٍ  
لَمْ تَأْتُوهُ وَفَصَلُّوْهُ فِيهِ فَابْعَثُوا | بِرِزْقِي لِيَسْرَجَ فِي قَنَا دِيلِهِ -

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے۔ ہمارے حضور نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دوسرے تیل بھیجا سنت صحابہ ہے۔

(۴۷) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا ابْنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا  
 فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ عَلَّقَ فِيهِ قَنْدِيلًا صَلَّى  
 عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِئَ  
 ذَلِكَ الْقَنْدِيلُ۔

کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے  
 لئے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے  
 جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے  
 گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کریں گے۔  
 جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن بخاری نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 مَنْ عَلَّقَ فِي مَسْجِدٍ قَنْدِيلًا صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُونَ  
 أَلْفَ مَلَكٍ حَتَّى يَنْطَفِئَ ذَلِكَ الْقَنْدِيلُ  
 معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلا نا ثواب ہے۔  
 خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو مسجد  
 میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء  
 رحمت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔

(۶) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔  
 قَالَ خَرَجَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فِي أَوَّلِ  
 لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَالْقَنْدِيلُ تَزْهَرُ  
 كِتَابُ اللَّهِ تَسْتَلِي فَقَالَ نُورَ اللَّهِ لَكَ يَا  
 ابْنَ الْخَطَّابِ فِي قَبْرِكَ كَمَا نُورَتْ مَسَاجِدُ  
 اللَّهِ تَعَالَى بِالْقُرْآنِ۔

فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی  
 اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی  
 تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے  
 عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تم  
 نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔

(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المؤمنین علی رضی

اللہ عنہ سے روایت پہنچی

أَنَّه قَالَ نُورَ اللَّهِ قَبْرَ عُمَرَ كَمَا  
 نُورَ عَلَيْنَا مَسَاجِدَنَا۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر روشن کرے  
 جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہوگی۔ لہذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ درپردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبر میں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

<p>اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے</p>	<p>وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا</p>
---	---

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عقاب ہے۔ جو مسجدوں میں نماز۔ ذکر الہی۔ تلاوت قرآن نعت خوانی سے منع کریں۔ اور ان لوگوں پر بھی عقاب ہے جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

**عقل** کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب و زینت کرتے ہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی و چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں سجاتے ہیں۔ جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و مایوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانتداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی و اسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں

منع فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔  
 كَلِمًا وَاذًا شَرُّ لِبِئْرٍ وَاذًا لَشَرِّ فُرُوقَاتِ اللّٰهِ  
 لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔

کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بیشک اللہ  
 تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔

جواب۔ مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے  
 جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے۔ جو عبادت اور  
 باعث ثواب ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہو سکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور  
 بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب ۱۔ جب ایک قمیض و پانچامہ سے ستر حاصل ہو جاتا ہے تو چاہیے کہ اچکن واسکٹ  
 پہننا فضول خرچی اور حرام ہو۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہیے کہ  
 دو روپے گز کی ململ۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہننا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ سے روشنی حاصل ہو  
 سکتی ہے۔ تو وہاں صد ہا روپیہ خرچ کر کے بجلی فٹنگ کرانا۔ اور گیس کی روشنی کرنا اسراف و حرام ہونا چاہیے  
 جب تھوڑا سا سے بھی راستہ طے ہو جاتا ہے تو انٹر بلاک سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا  
 چاہیے۔ جناب ایک ویٹے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت و  
 رونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتراض نمبر ۳۔ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے  
 زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا۔ کیا تم حضور سے افضل ہو یا دین کے زیادہ  
 ہمارے ہو۔ جو کام حضور نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جواب۔ اگر واسکٹ۔ اچکن اعلیٰ درجہ کی ملمیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور نے نہ کیا وہ اسے وہاں جو تم کیوں کرتے ہو۔ تم اپنے گھروں  
 میں بجلی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں بھلاتے ہو۔ جناب حضور کے زمانہ شریف  
 میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف تو جہر فرمانے کا موقع ہی نہ  
 تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے۔ تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین

تو دنیا سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیے۔ یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب و زینت کی حضور فرماتے ہیں کہ۔

عَلَيْكُمْ لِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے۔ ایسے ہی حضور کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے تیل بھیجنے کا حکم دیا۔

اعتراف نمبر ۴۔ ابو داؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تم یہود و نصاریٰ کی طرح آراستہ کرو گے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمَرْتُ بِتَشْيِيدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُخْرِقُنَهَا كَمَا زَخَّرْتِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا یہود و نصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے۔ تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر و عثمان کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت و آبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ اِنَّهَا بَيْعُ مَسَاجِدِ اللَّهِ الْخَيْرُ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ جہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لئے یہود و نصاریٰ سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے

تصاویر و فوٹو سے سجائے جاتے ہیں۔ یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو دکھلاو سے اور نام و نمود ریا کاری کے لیے ہو جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مگر جو زینت و چراغیں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لیے ہو وہ بہتر ہے۔ رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض نمبر ۵۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کی۔

وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا  
 قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَبَاهَى  
 النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ  
 یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں  
 میں فخر کریں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب۔ اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراض نمبر ۴ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلے والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر دریا کے لیے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر سجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے۔ یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنی ہوں جو تم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بُری نہیں۔ علیہ السلام کا نزول۔ امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے۔ مگر بُرا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض نمبر ۶۔ مسجدوں میں چراغیں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب۔ یہ غلط ہے۔ یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی ہو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں۔ بلکہ ثواب ہے حدیث کافن اسکی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیق اسی جاء الحق کے



پہلے حصہ میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلہ و نماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔

## بارہواں باب

### شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں۔ کبھی دو میں، کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں۔ نہ سستی اور کسل سے پڑھے۔ مگر غیر متقلد وہابی اسے بھی حرام کہتے ہیں۔ رات بھر سینما دیکھنے والوں کو برا نہیں کہتے۔ مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں۔ ادا پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

## پہلی فصل

### شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث عقل بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے۔

اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سو کچھ رات کے آدمی رات یا اس سے کچھ

يَا أَيُّهَا الْمَثَلُ مِثْلُ قَمِيٍّ اللَّيْلِ أَلَا قَلِيلًا فَصَبْرُهُ  
أَوْ انْقِصُ مِنْهُ أَوْ مِنْ ذِكْرِهِ وَرَمِيْلٍ

الْقُرْآنَ تَرْتِيبًا

کم کر دیا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن پھر پھر کر پڑھو۔

اس آیت کریمہ میں حضور کو قریباً تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا۔ کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لیے رکھا گیا تھا۔ پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔ اب جو شخص شعبینہ میں تمام رات جاگے۔ بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عمل ہے۔ مگر چاہیے یہ کہ شعبینہ وہ پڑھے۔ جو قرآن صحیح پڑھ سکے۔ جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس میں نماز خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فَقَامَ قِيَامًا طَوِيلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ  
سُورَةِ الْبَقَرَةِ۔

حضور نے گرسن کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورہ بقرہ کی بقدر۔

معلوم ہوا کہ حضور نے گرسن کی نماز میں سورہ بقرہ یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرأت کی شعبینہ میں فی رکعت ڈیڑھ پارہ آتا ہے۔ جب ایک رکعت میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے۔ تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

(۳) حدیث ابو داؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فَصَلَّىٰ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ قَرَأَ فِيهِنَّ الْبَقَرَةَ  
وَالْأَنْعَامَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ

حضور نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں۔ جن میں سورہ بقرہ اور آل عمران اور سورہ نساء اور ماائدہ و الانعام پڑھیں۔

دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ پارے پڑھے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے شعبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قراءت نہیں ہوتی۔ ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | حضور نے نماز شب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم

حَتَّى تَوَسَّرَ مَتَّ قَدْ مَاةٌ فَيُقِيلُ لَهُ لِيَمَا  
تَصْنَعُ هَذَا وَقَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ  
مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا  
أَكُونُ عَبْدًا اشْكُورًا

مبارک پرورم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت  
کیوں کرتے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کی امت  
کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا  
میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادات میں مشقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام  
ہے۔ اگر کسی شبینہ میں کسی مومن کے پاؤں پر درم آجاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سنت  
نصیب ہوگئی۔ وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے  
ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ تَمِيمٌ الدَّادِيُّ يُحِبُّ اللَّيْلَ  
كَلَّمَهُ بِالْقُرْآنِ كَلَّمَهُ فِي رُكْعَةٍ  
فَرَمَاتے ہیں کہ حضرت تميم واری تمام رات جاگتے  
تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے

شبینہ میں تو بیس رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تميم واری صحابی  
رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ  
أَنَّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي رُكْعَةٍ  
وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت  
عبد اللہ ابن زبیر نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا

(۷) حدیث ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبد الرحمن تیمی سے روایت کی۔

قَالَ لِي أَبِي أُغْلِبَنَ اللَّيْلَةَ عَلَى الْمَقَامِ  
فَلَمَّا صَلَّيْتُ الْعَتَمَةَ تَخَلَّصْتُ  
إِلَى الْمَقَامِ حَتَّى قُمْتُ فِيهِ فَبَيَّنَا  
أَنَا قَائِمٌ إِذَا رَجُلٌ وَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ  
كَتِفَيْ فَاذًا هُوَ عُثْمَانُ ابْنُ عَفَّانَ  
فَبَدَأَ بِآيَةِ الْقُرْآنِ فَقَرَأَ حَتَّى خَتَمَ

مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات  
مقام ابراہیم پر جاگوں گا۔ جب میں نماز عشاء پڑھ  
چکا۔ تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ  
اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ  
رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے  
آپ نے سورہ فاتحہ سے قرآن شروع کیا۔ بس

الْقُرْآنَ فَرَكِعَ وَسَجَدَ ثُمَّ أَخَذَ لَعَلَّيْهِ  
فَلَا أَدْرِي أَصَلَّى قَبْلَ ذَلِكَ شَيْئًا  
أَمْ لَا-

پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کر لیا۔ پھر  
رکوع کیا اور سجدہ کیا پھر اپنے نعلین شریف  
اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں

(۸) حدیث ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

كَانَ أَسْوَدٌ يُحْتَمُّ الْقُرْآنَ فِي رَمَضَانَ  
فِي كُلِّ لَيْلَتَيْنِ وَكَانَ يَنَامُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ  
وَالْعِشَاءِ-

کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں  
ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور  
مغرب و عشاء کے درمیان سوتے تھے۔

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ جُبَيْرٍ أَنَّهُ قَرَأَ  
الْقُرْآنَ فِي رَكْعَةٍ فِي الْبَيْتِ

حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف  
میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا۔ روزانہ قیام فرمانا حتیٰ کہ پاؤں  
پر دروم آجاوے۔ ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور  
ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے۔ جو شبینہ کو  
حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاة شرح مشکوٰۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان  
فرمایا۔

فَحْتَمَةُ جَمَاعَةٍ فِي يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ مَرَّةً  
وَآخِرُونَ مَرَّتَيْنِ وَآخِرُونَ ثَلَاثَ  
مَرَّاتٍ وَحْتَمَةُ فِي رَكْعَةٍ مِنْ لَأَ  
يُحْصَوْنَ كَثْرَةً

ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا  
ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور ایک  
رکعت میں قرآن پڑھنے والے تو بے  
شمار ہیں۔

عقل کا تقاضا۔ بھی یہی ہے کہ شبینہ عبادت ہو نہ کہ حرام کیونکہ عبادت کا ثواب بقدر  
مشقت ملتا ہے۔ گرمیوں کے روزے۔ تلوار کا جہاد۔ مشقت کے حج پر ثواب ملے گا عذاب  
نہ ہوگا۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لئے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف

کی تلاوت بھی کرے اور سجائے ثواب کے عذاب پائے۔ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر سجائے نیکیوں کے اولٹا عذاب ہو حضرت واؤ علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ حضرت واؤ علیہ السلام بقول وہا بید پوری زبور پڑھنے پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ :- وہابیوں نے اپنی کتاب ارواحِ ثلاثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسماعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود ان سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لیے لعن طعن کرتے اور ان کی جناب میں گالیاں دے سکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بولو تمہارے اسماعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں۔ وہ بھی فاسق و فاجر ہوئے یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے۔ وہ مباح ہے۔ جواب دو۔

## دوسری فصل

### شبینہ پر اعتراضات و جوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں۔ اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو سوجھے نہیں۔ ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

قرآن شریف کی تلاوت ٹھیک ٹھیک کر دو۔

وَدَلِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلًا

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعت میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا

تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس سے سواء یعلمون، تعلمون سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

**جواب۔** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارے باقی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ بناؤ وہ ٹیپ ٹیپ کر پڑھتے تھے یا یعلمون تعلمون وہ حرام کے مترکب تھے یا نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے حضرت عثمان غنی۔ تمیم داری۔ عبداللہ ابن زبیر وغیر ہم اکابر صحابہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے۔ جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔ کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔ اگر نہیں تو کیوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں۔ بعض میں یہ قوت نہیں۔ وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعلمون تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا۔ شبینہ صرف پہلی قسم کے حافظ پڑھیں دوسری قسم کے حافظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشا ہے۔ آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ حدیث ترمذی۔ ابو داؤد۔ دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی (مشکوٰۃ باب تلاوة القرآن)

بیشک فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے۔ وہ قرآن نہ سمجھے گا۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقَلِّ مِنْ ثَلَاثٍ -

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ پھر قرآن سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ بالکل منع ہے۔

**جواب۔** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین

شب کا شعبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آگئی۔ دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اس زد میں آجاتے ہیں۔ ان کی صفائی پیش کرو۔ جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تفسیر سے یہ کہ سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی کہ علی العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں۔ تو سمجھ نہ سکیں گے۔ بعض بنا رہے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔ جیسے حضرت عثمان وغیرہ ہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔ اس ہی لئے اس حدیث کی شرح میں مرقات و لمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن و رات میں تین ختم کرتے تھے۔ بعض حضرات آٹھ ختم فرماتے تھے اور شیخ ابو یوسف مغربی ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔ انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کر لیا۔ اور لوگوں نے حرف بحرف سنا۔ (مرقات جلد دوم صفحہ ۲۱۶ باب تلاوت القرآن میں ہے)

وَالْحَقُّ أَنَّ ذَلِكَ تَخْتَلَفُ بِالشَّخْصِ | سخی یہ ہے کہ یہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے اعتراض نمبر ۳۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وَاقْرَأْنِي كُلَّ سَبْعِ لَيَالٍ وَلَا تَزِدْ  
عَلَى ذَلِكَ (مشکوٰۃ صوم تطوع) نہ کرو

دیکھو حضرت عبداللہ ابن عمرو نے حضور سے جملہ ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور نے اولاً تو

حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہیئے لہذا شعبینہ منع ہے۔

جواب سرکار کا یہ جواب سیدنا عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ وہ ایک دو رات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے۔ یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک

ایک قرآن پڑھا ہے اور نہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔  
اعتراض نمبر ۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ایک دو رات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہیے۔

جواب۔ حضور اور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اول حیات شریف میں پورا قرآن اُترا ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی، لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے اپنی امت پر رحم فرمایا تاکہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے۔ پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی، پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ وہ ہی ثواب ملے گا، جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہاں بیوں کو ہی سجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵۔ آج کل شبینہ کا یہ حال ہے، کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے، مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے، کوئی اونگھ رہا ہے، کوئی سُست بیٹھا ہے۔ اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لئے شبینہ بند ہو جانا چاہیے۔

جواب۔ یہ محض جھوٹا الزام ہے، شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں۔ بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں، جس میں کوئی حرج نہیں، قرآن سننا فرض کفایہ ہے، بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرص محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سُستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سُستی دور کرو، شبینہ بند نہ کرو، آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کیئے جاتے ہیں، ناچ تماشے، باجے آتش بازی سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو، بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو حضور کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے، تو حضور نے کعبہ نہ ڈرایا بلکہ جب رب نے قوت دی، تب نبوں کو نکال دیا، اگر مسجد میں کتا گھس جاوے۔ تو مسجد کو نہ گراؤ۔ کتے کو نکالو، اگر چار پائی میں کھٹل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں، تو یہ کپڑے مار دو، چار پائی یا کپڑے یا بالوں



کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں۔ جیسے میلاد شریف، ختم بزرگان وغیرہ اگر کسی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا، تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہیں گے ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لئے کر دی کہ آجکل عام طور سے وہابی اس کے پیچھے بڑے ہوئے ہیں، جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیوبندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے کے بڑے۔

## ۱۳۰ تیرہواں باب

### بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے، کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہو رہی ہو، اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھے بشرطیکہ جماعت مل جائیگی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ ایسے موقع پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو تفصیلات کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی۔

وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری سے

روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن

عاص نے بلایا اس نے حضرت ابو موسیٰ

عَنْ أَبِيهِ حِينَ دَعَاهُمْ سَعِيدٌ

ابْنُ الْعَاصِ دَعَا أَبَا مُوسَى وَحَدِيثَهُ

وَعَبَدَ اللَّهُ ابْنُ مَسْعُودٍ قَبْلَ أَنْ

يُصَلِّيَ الْغَدَاةَ ثُمَّ خَرَجُوا مِنْ عِنْدِهَا  
وَقَدْ أَقِمَتِ الصَّلَاةُ فَجَلَسَ عَبْدُ اللَّهِ  
إِلَى أُسْطُوَانَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَصَلَّى  
الرُّكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ

تیسری

حضرت سذیفہ اور عبد اللہ ابن مسعود کو بلا یا نماز  
فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن  
عاص کے پاس سے واپس ہوئے سالانہ فجر کی  
تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود مسجد کے ایک  
ستون کے پاس بیٹھ گئے۔ پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں  
پھر نماز میں شامل ہوئے۔

دیکھو حضرت عبد اللہ ابن مسعود نے جو فقہیہ صحابی ہیں، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ  
کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں، پھر جماعت میں شامل ہوئے اور  
اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام  
طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور  
صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کر سکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے  
(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابو مجلز سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فِي صَلَاةِ  
الْغَدَاةِ مَعَ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ  
وَإِلَامًا يُصَلِّي فَاَمَّا ابْنُ عُمَرَ  
فَدَخَلَ فِي الصَّفِّ وَامَّا ابْنُ  
عَبَّاسٍ فَصَلَّى رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ دَخَلَ  
مَعَ الْإِمَامِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْإِمَامُ  
تَعَدَّ ابْنُ عُمَرَ مَكَانَهُ حَتَّى  
طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَرَكَعَ رُكْعَتَيْنِ

وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ ابن  
عمر اور عبد اللہ ابن عباس کے ساتھ مسجد  
میں گیا۔ سالانہ نماز پڑھا رہا تھا حضرت  
ابن عمر تو صف میں داخل ہو گئے۔ لیکن  
حضرت ابن عباس نے اولاد و سننیں پڑھیں  
پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب  
امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر وہاں ہی بیٹھے رہے  
جب سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نقل پڑھیں  
حضرت عبد اللہ ابن عباس نے جو بڑے فقہیہ صحابی اور حضور کے اہل بیت اطہار میں سے  
ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم و تمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دو سنتیں  
پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرات ابو عثمان انصاری سے روایت کی۔

کہ حضرت عبداللہ ابن عباس مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام نماز فجر میں تھے۔ اور حضرت ابن عباس نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دو رکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے۔

قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عَبَّاسٍ  
وَالْإِمَامُ فِي صَلَاةِ الْغَدَاةِ وَكَمْ  
يَكُنْ صَلَّى الرَّكْعَتَيْنِ فَصَلَّى ابْنُ  
عَبَّاسٍ الرَّكْعَتَيْنِ خَلْفَ  
الْإِمَامِ ثُمَّ دَخَلَ مَعَهُمْ۔

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دو سنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

قَالَ خَرَجَ ابْنُ عُمَرَ مِنْ بَيْتِهِ  
فَأَقِيمَتْ صَلَاةُ الصُّبْحِ فَرَكَعَ الرَّكْعَتَيْنِ  
قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ وَهُوَ  
فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ  
فَصَلَّى الصُّبْحَ مَعَ النَّاسِ

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبد اللہ سے روایت کی۔

کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے، حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَتْ  
يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ  
صُفُوفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي  
الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ  
ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر نماز میں ہوتے تھے۔ تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے

قَالَ كُنَّا نَأْتِي عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ  
قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ  
الصُّبْحِ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى  
رَكَعَتَيْنِ فِي آخِرِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ

نَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوَاتِهِمْ -

تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاتے تھے۔

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہو جاوے۔

قَالَ كَانَ الْحَسَنُ يَقُولُ يُصَلِّيهِمَا فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوَاتِهِمْ -

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبدالبن عمر کو نماز فجر کے لیے بیدار کیا۔ حالانکہ فجر کی تکبیر ہو رہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔

يَقُولُ أَيْقَظْتُ ابْنَ عُمَرَ لِصَلَاةِ الْفَجْرِ وَقَدْ أَقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ فَصَلَّى الرَّكَعَتَيْنِ -

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی سے روایت کی۔

حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہو تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کیسے نماز میں شامل ہوتے تھے

كَانَ مَسْرُوقٌ يَجِيءُ إِلَى الْقَوْمِ وَهُمْ فِي الصَّلَاةِ وَلَمْ يَكُنْ رَكَعَ رُكْعَتِي الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكَعَتَيْنِ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي صَلَوَاتِهِمْ -

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری سے روایت کی

کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا، آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔

أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَالْإِمَامُ فِي الصَّلَاةِ فَصَلَّى رُكْعَتِي الْفَجْرِ -

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں، اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا۔ بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے، پھر جماعت میں شریک ہو، کیونکہ تمام مؤکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم بخاری ابو داؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

(۱۱۵) كَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَلَى شَيْئٍ مِنَ التَّوَاقِلِ أَشَدَّ  
تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلَى رُكْعَتِي الْفَجْرِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جتنی نگہبانی و پابندی  
سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت  
کی نہ فرماتے تھے۔

اور احمد، طحاوی، ابو داؤد و شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

۱۸۱۶۔ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سنت

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَتَدْعُوا رُكْعَتِي الْفَجْرِ  
وَإِنْ طَرَدْتُمْ الْخَيْلَ

فجر نہ چھوڑو، اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا  
ہو۔

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لیتے جاویں تو ان کی قضا  
نہیں ہوتی، سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لیتے جاتے ہیں، ادھر جماعت بھی واجب ہے،  
اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے، تو واجب کا تارک ہوا، اور اگر جماعت  
کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے، تو اتنی اہم سنت ٹوکہ کا تارک ہوا۔ لہذا ان میں سے کسی کو  
نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے، پھر جماعت میں شامل ہو جاوے  
دو عبادتیں کرنا بہتر ہے، ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو، وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں  
جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔ لہذا ایسی جگہ کھڑا ہو، جہاں جماعت میں شامل  
نہ معلوم ہو، مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں ٹوکہ ہیں، مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں، اور سنت عصر و عشاء ٹوکہ  
نہیں غیر ٹوکہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت نہیں پڑھ سکتے، سنت فجر ٹوکہ بھی ہیں۔  
اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں، اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو، تو پڑھ لے لیکن  
اگر جماعت نہ مل سکے، تو پھر سنت فجر چھوڑ دے، کہ جماعت واجب ہے۔ واجب  
سنت سے زیادہ اہم ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں، وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کیئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر ۱۔ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی۔

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ إِذَا قِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا هَلْوَةَ  
إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ۔

آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، کہ حضور نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے، اگر وہ وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرأت کی آواز جا رہی ہو، اور جماعت وہاں سے نظر آرہی ہو، تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کٹری ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے، کہ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنا فرمان ہے، جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں، کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت

فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے، لہذا ان کا عمل وقول حضرت ابو ہریرہؓ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر شخص عمل نہیں کر سکتا، کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے، اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی ہو، اور جماعت فجر قائم ہو جاوے، تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو، تب اس کے معنی یہ ہی ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے، بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے، تاکہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں، حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

<p>جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے</p>	<p>إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ إِلَّا كَعْتِي الْفَجْرِ (از حاشیہ طحاوی)</p>
---	--

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ مؤکدہ سنت ہے، یہ تاویل اس لیے ہے، تاکہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بجمینہ سے روایت کی۔

<p>کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گزرے جو سنت</p>	<p>قَالَ أُقِيْمَتِ صَلَاةُ الْفَجْرِ فَاَتَانِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ</p>
---	--

عَلَى رَجُلٍ يُصَلِّي رَكَعَتِي الْفَجْرِ فَقَامَ عَلَيْهِ وَلَا تَبِ النَّاسُ فَقَالَ اتَّصَلِيهَا أَرْبَعًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ -

فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔

اس حدیث میں سنت فجر کا صحیح ذکر ہو گیا، جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے

جواب۔ یہ صاحب مالک ابن یحییٰ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل، یہ واقعی مکروہ ہے، اسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقاب فرمایا، چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

ثُمَّ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَالِكِ ابْنِ بَحِينَةَ وَهُوَ مُنْتَهَبٌ ثُمَّ بَيَّنَّ يَدَيْهِ بِرِندَاءِ الصُّبْحِ فَقَالَ لَا تَجْعَلُوا هَذِهِ الصَّلَاةَ كَصَلَاةِ قَبْلِ الظُّهْرِ وَبَعْدَهَا وَاجْعَلُوا أَبْنِيَهُمَا فَصَلًّا

محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن یحییٰ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے، تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی سچیلی سنتوں کو طرح نہ بناؤ، سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا، کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہتہ جائز ہے، جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے، یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان دکا سنو اور خاموش رہو، لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔



جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں، کیا قرآنہ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خود تم پر بھی پڑتا ہے، تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں۔ اگرچہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

نتیجہ سے یہ کہ قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں۔ مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو، وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہو جاتے، آج سائیس کا زور ہے۔ ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے، جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔ اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہو، تو مصیبت آجاوے، بہر حال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں، یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں، یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بُری چیز ہے

جواب۔ یہ مخالفت جب ہوگی۔ جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاوے اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔ اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں، بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے، دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے، اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔ اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہو چکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔ پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورہ جائز ہے۔ سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی

جاویں تو کوئی حرج نہیں۔

# چودھواں باب

## نمازیں جمع کرنا منع ہیں

ہر مسلمان پر لازم ہے، کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے، مقیم ہو یا مسافر، بیمار ہو یا تندرست، مگر غیر مقلد و باہبی بحالت سفر ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں، یعنی عصر کے وقت میں ظہر و عصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے۔ اور اجماع و حدیث صحیحہ کے بھی مخالف، ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد و باہبیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

## پہلی فصل

### نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنا فرض ہے اور عمداً کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے، دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ  
كِتَابًا مَّوْقُوتًا۔

مسلمانوں پر نماز فرض ہے۔ اپنے وقت میں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں

پڑھنا بھی فرض ہے، جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے۔ ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت

پڑھنے والا بھی مجرم ہے، اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں، ہر مومن کو یہ حکم

ہے کوئی ہو۔

نمبر ۲۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ  
عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝

خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نمازوں  
میں سستی کرتے ہیں۔

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے، بلا عذر وقت گزار

کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے، بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
وَازْكُرُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝

نماز قائم کرو زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں  
کے ساتھ رکوع کرو۔

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کر نیکاً حکم دیا ہے، نماز  
قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے، صحیح پڑھے، صحیح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت  
گزرنا پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر ۴۔ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ  
بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا  
رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝

قرآن ان متقی لوگوں کے لیے ہادی سے جو  
غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے  
ہیں، اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ متقی وہ ہیں جو نماز قائم کرے، یعنی ہر نماز اسکے وقت پر  
پڑھے، اور ہمیشہ پڑھے، خواہ مقیم ہو یا مسافر، سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا  
ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ۵ و ۶۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے روایت کی۔

قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ

فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے  
پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت

چر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا،  
ماں باپ کی خدمت میں نے عرض کیا پھر  
کونسا عمل فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے  
ہیں کہ حضور نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر  
زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

قَالَ الْمَسْأَلَةُ بِوَقْتِهَا قُلْتُ ثُمَّ أَحَى  
قَالَ بِرُ الْوَالِدَيْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَحَى  
قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ  
حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَكَلِمَاتُهَا  
كَزَادَنِي۔

نمبر ۱۰۔ احمد، ابوداؤد، مالک، نسائی نے حضرت عباد بن صامت سے روایت کی  
فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو  
مسلمان ان کا دینو اچھی طرح کرے اور  
انہیں ان کے وقت پورا کرے اور ان کا رکوع  
اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ  
کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش  
دے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ خَمْسٌ صَلَوَاتٍ افْتَرَضَهُنَّ  
اللَّهُ تَعَالَى مِنْ أَحْسَنِ وَمَوْءَاهُنَّ  
وَصَلَاهُنَّ بِوَقْتِهِنَّ وَأَتَمَّ رُكُوعَهُنَّ  
'هُنَّ وَخَشُوعَهُنَّ كَانَتْ لَهُ  
عَلَى اللَّهِ عَهْدٌ أَنْ  
يَغْفِرَ لَهُنَّ

نمبر ۱۱۔ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے  
علی تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب  
آجاوے اور جنازہ جب موجود ہو،  
لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
قَالَ يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرُهَا الْكَلْبُ  
إِذَا أَنْتَ وَالْجَنَائِزَةُ إِذَا أَحْضَرْتَ  
وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا۔

نمبر ۱۲۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔  
فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے  
دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے  
فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب ہیں

قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِي الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ  
قَالَ الصَّلَاةُ لِأَوَّلِ وَقْتِهَا۔

نمبر ۱۵۔ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ  
وَيَرْتُقِبُ الشَّمْسُ حَتَّى إِذَا أَصْفَرَتْ  
وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنِي الشَّيْطَانِ قَامَ  
فَنَقَرَ أَرْبَعًا لَا يَذُكُرُ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی انتظار  
کرتا رہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جائے  
اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان  
پہنچ جاوے تو چار چوہے مارے جنہیں رب کا ذکر تھوڑا کرے

اس قسم کی احادیث بی شمار ہیں، جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور  
دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا، اسے منافقوں کا عمل قرار دیا  
گیا، یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں، افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر، جو گھر سے  
دو میل جا کر، سفر کا بہانہ بنا کر، وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں، نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے، نہ کوئی  
عذر، صرف نفس امارہ کا دھوکہ ہے۔ کھانا وقت پر کھائیں، دنیاوی تمام کام خوب سنبھال  
کر کریں، مگر نمازیں بگاڑیں، جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیے  
کہ وہ بیوں کی صحبت سے بچیں، اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں،

عقل کا تقاضا ہے۔ بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے، ظہر کو عصر  
کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے، کیوں کہ شریعت نے پانچوں  
نمازیں اور نماز جمعہ، نماز عیدین، نماز تہجد، نماز اشراق، نماز پاشت سب کے اوقات  
علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا  
جانا، مسافر بحالت سفر نماز فجر، نماز عصر، نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھنا ہے۔ ایسے  
ہی اگر مسافر نماز تہجد، نماز اشراق، نماز پاشت، نماز جمعہ پڑھے، تو ان کے مقررہ وقتوں  
ہی میں پڑھے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں  
یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے، تو ظہر اور مغرب نے کیا  
قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں، اور مغرب عشاء کے  
وقت میں، حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں۔ جو حضر میں ہیں۔ دوسرے  
یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے

وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے، یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو ویدہ و  
 والستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین  
 نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کیئے، تو یہ  
 نہ فرمایا کہ مسافر کے لیئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق  
 تک ہوگا، بلکہ ہر مسلمان کے لیئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب  
 عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا، پھر تم نے مسافر کے لیئے ان دو نمازوں میں یہ  
 وقت کی گنجائش کہاں سے نکالی، اور مسلمانوں کی نمازیں کیوں خراب کیں، بہر حال پانچوں  
 نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لیئے یکساں ہیں، ہر مسلمان پر فرض ہے کہ  
 بہر حال میں بہر نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ  
 تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں، آئندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے  
 علم میں آیا تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے  
 روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و  
 عصر جمع فرما لیتے تھے اور مغرب و عشاء  
 بھی جمع فرماتے تھے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَ  
 الْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرٍ سَابِرٍ وَ  
 يَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

یہ حدیث ابو داؤد، ترمذی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت  
 محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہی حدیث وہابیوں

کی انتہائی دلیل ہے، جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب۔ اس کے چند جواب میں، بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابو داؤد شریف اور طحاوی شریف وغیرہ ہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر سفر بغیر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر و عصر، ایسے ہی مغرب و عشاء جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

ابن عباس نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر و عصر مغرب و عشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرما لیتے تھے۔

قَالَ جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ۔

بلکہ اسی ابو داؤد و طحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور مدینہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں آٹھ نمازیں جمع کر کے ہم کو پڑھائیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء،

قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ ثَمَانِيًا وَسَبْعًا۔ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ۔

تو اسے دلا ہوا! تم صرف سفر میں، صرف ظہر و عصر یا مغرب و عشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیے کہ روافض کی طرح سات سات آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو، سفر میں بھی، اور گھر میں بھی، کیا بعض احادیث کو مانتے ہو، بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر جمع فرمائی، مگر یہ تفصیل نہیں، کہ کیسے جمع فرمائیں، آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا، ظہر کو عصر کے وقت میں، ایسے ہی مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی، یا عشاء مغرب کے وقت

میں، لہذا یہ حدیث مجمل ہے۔ اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔  
 تفسیر سے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے  
 تھا، ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں، اور جمع بھی صرف صورتاً تھا، حقیقتاً نہ  
 تھا، یعنی حضور علیہ السلام نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی۔ بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت  
 میں قیام فرمایا، ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی، اور عصر اول وقت میں، بنظام معلوم یہ ہوا، کہ حضور علیہ  
 السلام نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں، لیکن حقیقتاً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی  
 ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی، عصر یا عشاء اول وقت میں۔ اس صورت میں  
 اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے  
 پہلی فصل میں پیش کیں۔

یہ جمع بالکل جائز ہے، یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس کی وہ حدیث جو طحاوی والبوداؤد نے روایت کی۔ جس میں فرمایا  
 گیا۔ کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرما لیتے تھے  
 وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں، بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب و عشاء صورتاً  
 جمع فرمائیں، تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں، تین مغرب کی چار عشاء کی، اور اگر ظہر و  
 عصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں، چار ظہر کی چار عصر کی، چونکہ یہ جمع صورتاً تھی نہ کہ  
 حقیقتاً لہذا سفر میں بھی جائز تھی، اور حضور میں بھی، بیان جواز کے ایسے، حدیث سمجھنے کے  
 ایسے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی چاہیئے، جس  
 سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

## اس معنی کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کیئے اس معنی کی تائید بہت سی احادیث  
 سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو۔  
 حدیث تمہیر۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی۔



أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
كَانَ يَجْمَعُ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ  
يُؤَخِّرُ هَذِهِ فِي آخِرِ وَقْتِهَا وَيُعِجِّلُ  
هَذِهِ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب و  
عشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب  
اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے  
اور عشاء اس کے اول وقت میں۔

حدیث نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت  
کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهُ  
إِذَا أَحْجَلَهُ السَّيْرُ يُقِيمُ الْمَغْرِبَ  
فِيصَلِّيْهَا ثَلَاثًا ثُمَّ نَسِيْلُهُ ثُمَّ قَلَمًا  
يَلْبِثُ حَتَّى يُقِيمَ الْعِشَاءَ فَيُصَلِّيْهَا  
رَكَعَتَيْنِ۔

عبد اللہ ابن عمر بھی حضور علیہ السلام کا سا عمل  
کرتے تھے، کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو  
مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے  
پھر سلام پھیرتے پھر حقوڑی دیر ٹھہرتے پھر  
عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے۔

حدیث نمبر ۳۔ نسائی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

قَالَ أَقْبَلَهَا مَعَ ابْنِ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ  
فَلَمَّا كَانَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ سَارَ بِنَا حَتَّى  
أَمْسَيْنَا فَظَنْنَا أَنَّهُ نَسَى الصَّلَاةَ  
فَقُلْنَا لَهُ الصَّلَاةُ فَسَكَتَ وَسَارَ  
حَتَّى كَادَ الشَّفَقُ أَنْ يَغِيْبَ ثُمَّ  
نَزَلَ فَصَلَّى وَغَابَ الشَّفَقُ فَصَلَّى الْعِشَاءَ  
ثُمَّ أَتَبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ هَذَا كُنَّا  
نَصْنَعُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَدَّبَ السَّيْرُ۔

فرماتے ہیں، کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر  
کے ساتھ آئے، جب یہ رات ہوئی تو آپ  
چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی، ہم سمجھے کہ  
حضرت عبد اللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا  
کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک  
کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب  
پڑھی، شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر  
ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور کیساتھ  
بھی ایسا ہی کرتے تھے، جب سفر میں جلدی ہوتی۔

اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں، جن میں صراحتہ ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر و ظہر یا مغرب  
و عشاء صرف صورتہ جمع کی جاویں گی، کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے، عشاء اپنے

اول وقت میں، نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھینی ہو؛ تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی، لہذا جنفیوں کی توجیہہ بالکل درست ہے، اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے۔ اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہہ محض باطل ہے، قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اسے وہابیو! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس کی حدیث کی وجہ سے بحالت اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں، جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے ہو۔ تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار، اعتراض نمبر ۲۔ بخاری شریف میں حضرت انس سے روایت ہے، جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فرماتے ہیں، کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیں جمع فرماتے۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيغَ الشَّمْسُ آخَرَ الظُّهْرِ إِلَى وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا۔

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر عصر کے وقت میں پڑھتے تھے، جیسا کہ اِلَى الْعَصْرِ سے ظاہر ہے۔

جواب۔ آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا، اِلَى سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزل فرماتے تھے، غایت معنی سے خارج ہے۔ نہ کہ داخل عصر تک موخر فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک موخر فرماتے تھے۔ جیسا کہ اعتراض نمبر ۱ کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔ لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی۔

اعتراض نمبر ۳۔ طحاوی شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔ جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حَتَّىٰ إِذَا كَانَ عِنْدَ غَيْبِهَا الشَّفَقُ  
 نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ ذَٰلِكُمْ  
 رُسُومُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ وَسَلَّمَ  
 هَكَذَا إِذَا جَدَّ بِهِ السَّيْرُ۔

حضرت ابن عمر جلتے رہے یہاں تک کہ  
 شفق غائب ہونے کا وقت آگیا تو اترے،  
 پس مغرب و عشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے  
 حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں  
 جلدی ہوتی۔

اس حدیث میں صراحتہً مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر شفق غائب ہونیکے وقت اترے  
 یقیناً آپ نے مغرب و عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس کے معنی یہ کہ ہیں کہ شفق غائب ہونے  
 کے بعد اترے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب  
 ہوئی تب اترے۔ نماز مغرب پڑھتے ہی شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آگیا۔ عشاء پڑھ  
 لی۔ ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں  
 جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث  
 تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں  
 بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات میں نویں ذی الحجہ  
 کو ظہر و عصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں۔ ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں  
 مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں۔ حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز  
 کہتے ہیں۔ جب حج کے موقع پر نماز ظہر و عصر ایسے ہی مغرب و عشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت  
 میں جمع ہو گئیں۔ تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں۔ تو کیا حرج ہے۔ اسے حنفیو! تم قرآنی آیت اور یہ  
 احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)

جواب۔ جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے۔ نہ مزدلفہ میں مغرب  
 و عشاء کے وقت میں۔ بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت  
 عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع

ہوتا ہے۔ اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا وہاں نمازیں اپنے وقت سے نہ ہٹیں۔ بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں، اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو۔ وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت، تو سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی، اور عشاء اپنے معمولی وقت میں، تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے۔ بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے۔ اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے، اور عشاء اپنے وقت میں، تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے، بلا کراہت جائز کہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا۔ بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے۔ لہذا ساجیوں کی عرفہ و مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں، نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقی طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔

جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے

ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے۔ اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیہ بخاری نعیم الباری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو۔ ان شاء اللہ وہاں لطف آجاوے گا۔

قاظمین کو ان سبشوں سے پتہ لگ گیا ہوگا کہ مذہب حنفی بفضلہ تعالیٰ نہایت

مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے

دوبائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ان کے مذہب کی بنیاد محض غلطی پر قائم ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو اسی مذہب حنفی پر قائم رکھے۔  
 ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔

## پندرہواں باب<sup>۱۵</sup>

### سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شرعیات اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض میں بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں۔ لیکن وہابیوں غیر مقدوں نے محض نسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لیے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔ گھر سے کھیت دیکھنے گئے۔ مسافر بن گئے۔ ایک آدھ میل سیر و تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے۔ مسافر بن بیٹھے۔ اور نماز میں کمی کر دی۔ شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے۔ یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔

یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں۔ ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۷۵ میل اور ریتیلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا۔ غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

### حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل عربین طبیبین میں نیجریوں کی حکومت ہے۔ نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منی و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے۔ حالانکہ منی کا فاصلہ مکہ معظمہ سے صرف تین میل

ہے۔ اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔ حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا۔ اس لئے حنفی لوگ اس کے سچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقع پر یہ چاہیے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے

۵۷ میل دور نکل جاوے۔ پھر واپس ہوتے ہوئے متی و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی

نمازیں بھی اوس کے سچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہیے۔ اس باب کی بھی

ہم دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔ دوسری فصل میں اس

مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

## پہلی فصل

### مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن کی راہ ہے۔ اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں۔ نہ ایسے

شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

1- حدیث بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی۔

بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی

رشتہ دار کے نہ کرے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

قَالَ لَا تُسَافِرُ الْمَرْأَةُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

إِلَّا مَعَ ذِي سَمَحٍ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے۔ ذی رحم قرابتہ دار

کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔ اسی سفر کی مدت حضور نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی

مسافت تین دن ہے۔

(۲) حدیث مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

حضور صلعم نے موزوں پر مسح کی مدت مسافر

کیلئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم

کے لیے ایک دن رات۔

قَالَ جَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمَسَافِرِ

يَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ

حدیث نمبر ۳ تا ۹ - البرادود - نسائی - ابن حبان - طحاوی - ابو داؤد - طیالسی طبرانی - ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور نے فرمایا کہ مقیم کیلئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کیلئے تین دن تین راتیں ہیں۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْمُحْفَمِينَ لِلْمُقِيمِ يَوْمٌ وَلَيْلَةٌ وَلِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۴ - اثرم نے اپنی سنن میں - ابن خزیمہ دارقطنی نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

وہ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور نے مسافر کیلئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے ایسے ایک دن ایک رات جبکہ وضو کر کے موز سے پہنے ہوں۔ خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ رَخَّصَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً إِذَا نَطَهَتْ قَلْبَسَ حُقَيْهِ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهَا وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ وَهُوَ صَحِيحٌ الْإِسْنَادِ (مشکوٰۃ)

حدیث نمبر ۱۵ تا ۱۷ - ترمذی - نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال سے روایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موز سے تین دن تین رات نہ

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُرْنَا إِذَا كُنَّا سَفْرًا أَنْ لَا نَنْزِعَ خِفَانًا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ (مشکوٰۃ)

اتاریں - الخ

ان احادیث شریفیہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موز سے پر مسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافت بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر زیمہ کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں۔ تو تین دن مسح کر کے دکھاویں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے۔ وہ اس اجازت

سے کیسے فائدہ اٹھائے۔ لہذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پر مسح کی یہ احادیث عمومی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کر لیا جاوے

حدیث نمبر ۱۶۔ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والہی سے روایت کی۔  
 قَالَ سَأَلْتُ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ أَلَيْ كَمْ تَقْصُرُ الصَّلَاةَ فَقَالَ أَلْتَرَفُ السُّوَيْدِءِ قُلْتُ لَا وَالْكِنِّي قَدْ سَمِعْتُ بِهَا قَالَ هِيَ ثَلَاثُ لَيَالٍ فَوَاحِشٌ فَإِذَا أَخْرَجْنَا إِلَيْهَا قَصَرْنَا الصَّلَاةَ۔

فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہو سکتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے مقام سویداؤ دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قاصد کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں تک جاؤں تو قصر کر سکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۷۔ دارقطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔  
 أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصِرُوا الصَّلَاةَ فِي أَدْنَى مِنْ أَرْبَعَةِ بُرُودٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى عُسْفَانَ

بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے

حدیث نمبر ۱۸۔ مؤطا امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 أَنَّهُ كَانَ يُقْصِرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَحَدَّةَ قَالَ يُحْيَى قَالَ مَالِكٌ وَذَلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُودٍ۔

کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ عسفان اور مکہ اور حدہ کی برابر فاصلہ میں سچیلے فرماتے ہیں کہ امام مالک نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔

حدیث نمبر ۱۹۔ امام شافعی نے یہ اسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔



أَنَّه سئلَ الْقَصْرُ الصَّلْوَةُ إِلَى عَرَفَةَ  
قَالَ لَا وَلَكِنْ إِلَى عُسْفَانَ وَإِلَى جَدَّةَ  
وَإِلَى الطَّائِفِ مَرَاةً إِلَّا مَا مِمَّ  
السَّافِي وَقَالَ إِسْنَادُهُ  
صَحِيحٌ

بجانب تین دن

حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا  
عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر  
کی جاوے گی فرمایا نہیں۔ لیکن قصر کی جاوے  
گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام  
شافعی نے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس کی اسناد  
صحیح ہے۔

حدیث نمبر ۱۲۰۔ امام محمد نے مؤطا شریف میں حضرت نافع سے روایت کی۔  
أَنَّه كَانَ يُسَافِرُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ الْدَيْلَمِيِّ  
بَرِيدًا سَفَرًا كَرْتًا تَحْتَهُ تَوْقِرُ نَفَرَاتِهِ تَحْتَهُ۔

خیال دہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵ میل ہوتا ہے۔ یعنی ۳۶  
کو تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ درنہ اس کے متعلق بہت احادیث  
وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم  
ہوا۔ کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لیے چار برید  
فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل تھا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی  
زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسے قبرستان عید گاہ  
چراگا ہیں۔ گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس  
جگہ سیر و تفریح کے لیے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا۔ نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا  
جاوے تو چاہیے کہ کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جاسکے۔ کیونکہ عورت  
کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے۔ نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسجھ کر سکتا  
ہے۔ یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہو سکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ تو چاہیے کہ سفر  
کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو۔ جسے عقل شرعی بھی فرمانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر  
مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافت کا سفر ہونا تو یقینی ہے۔ اس سے کم مسافت سفر ہونا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے یقین کو یقین ہی زائل کر سکتا ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے۔ جو مختلف کتب حدیث میں مختلف راویوں سے منقول ہے۔ چنانچہ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِينَةِ أَرْبَعًا وَصَلَّى بِذِي الْحَلِيفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔

دیکھو ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے۔ جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے۔ یہ ہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب :- اس حدیث میں سیر و تفریح کے لئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکار بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آگیا۔ تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے۔ لہذا یہاں قصر فرمایا۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا۔ صلی الظہر ایک باریہ واقعہ ہوا۔ کان یصلی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو شوطا امام مالک اور شوطا امام محمد میں حضرت نافع سے روایت کی۔

کہ حضرت عبداللہ ابن عمر جب حج یا عمرہ کرتے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے۔ تو

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا خَرَجَ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا قَصَرَ الصَّلَاةَ

بِذِي الْحَلِيفَةِ -

ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلتے ہی نماز قصر پڑھے گا۔ اور واپسی پر آبادی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو۔ اُسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن و رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِمَرْأَةٍ تُوَمِّنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تَسَافِرَ مَسِيرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لَيْسَ مَعَهَا حُرْمَةٌ -

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے

حضور نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کیئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دور جانا حرام فرمادیا گیا۔ معلوم ہوا کہ سفر کے لیے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت

نہ ہوا۔ تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لیے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں۔ تین دن والی اور ایک دن والی۔ اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی۔ تو ایک دن والی حدیث منسوخ ہے۔ اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے۔ ایک دن والی حدیث سچھے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے۔ اور جب ایک دن کی مسافت پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا۔ لہذا تین دن کی روایت یہ

ہر حال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک اس لیے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں۔ تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی۔ بہر حال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعترض نمبر ۳۔ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے۔ تو تاؤ موزوں پر مسج کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا۔ تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہ ہوئی۔

جواب۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے۔ تو سفر ہے۔ اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسج کا قانون حادی اور جاری ہونا چاہیے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہے تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے۔ لہذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

## سولہواں باب

### سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے۔ فرض کے علاوہ تمام نفل و سنت، وتر گھر کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے۔ وہ ہی سفر میں ہے۔ نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں۔ نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد و تابعی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں۔ نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں۔ بعض تو اس میں بہت سخت ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ

کا شرعی ثبوت۔ دوسری فصل میں اس پر دو ہایوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرمادے۔

## پہلی فصل

سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے۔ باقی ساری نماز پوری پڑھے۔ اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَرْمَيْتَ الَّذِي يَبْهِي عَبْدًا إِذَا صَلَّى  
کیا آپ نے اُس مُردود کو دیکھا جو بندہ مؤمن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نماز سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالیٰ کو بہت ناپسند اس ہی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وقت مکروہ میں نماز پڑھنے لگے۔ تو اسے نہ روکو تاکہ اس آیت کی زد میں نہ آجاؤ۔ جب نماز پڑھ چکے تو مسئلہ تبادو (شامی وغیرہ) اس سے دو ہایوں کو عبرت پکڑنا چاہیے۔ جو مسافر مسلمانوں کو سنت و نفل سے بہت سختی سے روکتے ہیں۔ بلکہ لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ نماز ہی تو ہے۔ اس سے اتنی پڑکیوں ہے۔

نمبر ۲۔ رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وَلَا تَطْعَمُ كُلَّ حَلَّافٍ مُّهِينٍ هَمَّانٍ  
مَشَابِئِمْ مَتَاعٍ لِّكَ خَيْرٌ مِّمَّعْتَدٍ  
اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا  
ذلیل۔ جھیل خور۔ بھلائی سے روکنے والا حد سے  
آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔

اَشِيمُ۔

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا دو ہایوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ سینما۔ جوئے اور شراب سے نہیں چڑنے پڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت، نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان الا کی

بات ہرگز نہ مانے۔ اس آیت پر عمل کرے۔

نمبر ۳۔ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت  
دے دیں تو نمازیں قائم کریں اچھی باتوں کا حکم  
دیں۔ بُری باتوں سے روکیں۔

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا  
الصَّلَاةَ وَآتَوُا بِالْمَعْرُوفِ  
وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے۔ تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں۔

سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے۔ اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے۔ میلاد شریف ختم و فاتحہ و تلاوت قرآن سے۔ کن چیزوں کا حکم دیں؛ گندے کنوؤں سے وضو کرنے کا۔ کوسے خستے کھانے کا لڑکے پشاپ اور منی کے پاک سمجھنے کا۔ اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث ۴۷۵۲۔ ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ

سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف سے

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اسکے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر میں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَ هَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَ هَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَ هَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يُنْقِصُ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وَتُرَةُ النَّهَارِ وَبَعْدَ هَا رَكْعَتَيْنِ۔

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

حضور علیہ السلام نے عشا کی نماز دو رکعتیں پڑھیں

وَصَلَّى الْعِشَاءَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا

رُكْعَتَيْنِ -

اسکے بعد دو رکعتیں۔

دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنتیں دو۔ عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں۔ اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہو تو سو کر پُر الوار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے پڑھتے ہیں۔

نمبر ۷۷۔ ابو داؤد و ترمذی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کیئے۔ میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفْرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رُكْعَتَيْنِ إِذَا تَرَأَعَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ -

نمبر ۸۸ ابو داؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناقہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرما دیتے۔ پھر تکبیر کہہ کر نفل پڑھتے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرُوا أَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهِ فَكَبَّرَ صَلَّى

۱۰۹۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے۔ تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سواری پر پڑھتے۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلَى مَا أَحْلَتْهُ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهِ يَوْمِي أَيَّمَاءَ صَلَاةِ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَاقِصَ وَيُوتِرُ عَلَى مَا أَحْلَيْتِهِ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں راستہ طے کرتے ہوئے۔

نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ٹھہرے ہوئے مسافر کو سنت ٹوکدہ تک سے روکتے ہیں۔

نمبر ۱۱۰۔ مؤطا امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ بے شک عبد اللہ ابن عمر اپنے

قَالَ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ

يُرَاةُ ابْنَةَ عُبَيْدِ اللَّهِ يَتَنَفَّلُ فِي  
السَّفَرِ فَلَا يُتَكْرَمُ عَلَيْهِ -

فرزند عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھنے دیکھتے تھے  
تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔

نمبر ۱۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكَعَتَيْنِ  
وَبَعْدَهَا رَكَعَتَيْنِ سَرَاةً التِّرْمِذِيُّ  
وَقَالَ هَذَا أَحَدٌ مِنْ حَسَنٍ -

فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ و  
سلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں  
اسکے بعد دو رکعت سنت اسے ترمذی  
نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے

نمبر ۱۳ و ۱۴۔ مسلم و ابو داؤد نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفر میں تعریس کی  
رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جسکے بعض الفاظ یہ  
ہیں۔

صَلَّى رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ  
الصُّبْحِ ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ كَمَا  
كَانَ يُصَلِّي -

حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے  
پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے جیسے۔ ہمیشہ  
پڑھا کرتے تھے۔

نمبر ۱۵ تا ۱۸۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ مَا أَخْبَرْنَا أَحَدًا أَنَّهُ دَامَ النَّبِيُّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الصُّبْحَ  
غَيْرَ أُمَّهَانِي ذَكَرْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ اغْتَسَلَ  
فِي بَيْتِهَا فَصَلَّى ثَمَانِ رَكَعَاتٍ -

فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی کے سواء  
اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور صلی  
اللہ علیہ وسلم کو نماز چاشت پڑھنے دیکھا۔ ام ہانی  
فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام  
نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی، حالانکہ  
نماز چاشت نفل ہے۔

نمبر ۱۹۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔



قَالَ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْحَضَرِ وَصَلَاةَ السَّفَرِ فَكُنَّا نُصَلِّي فِي الْحَضَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا وَكُنَّا نُصَلِّي فِي السَّفَرِ قَبْلَهَا وَبَعْدَهَا -

فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔

نمبر ۳۰ - بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ وَهُوَ رَاكِبٌ فِي غَيْرِ الْقِبْلَةِ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت و نفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر

چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں۔ پھر سفر میں تو وہ ہی دور ہیں۔ حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں۔ نہ کہ سنت و نوافل وغیرہ۔ لہذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل و سنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہو سکتی، سنت و نفل میں یہ کوئی پابندی نہیں، سواری پر، غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہیں، فرض کے لئے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے۔ جس سے دیر لگتی ہے۔ اس لئے وہ نماز ادھی کر دی گئی۔ چونکہ سنت و نفل کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑتا، سواری پر ادا ہو جاتی ہیں۔ اس لئے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے، نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔

یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے۔ تو سنتیں بھی کم ہونی چاہئیں غلط ہے، دیکھو جمعہ کے فرض سجائے چار کے دو رکعت ہیں، مگر سنت کوئی کم نہیں ہوئی۔ فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت و نفل علیحدہ یعنی سنت و نفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پورے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہو جاویں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد و تابعیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں۔ جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں، ہم ان کی وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔  
اعتراض نمبر ۱۔ مسلم و بخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستے میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔

قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيقِ  
مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ وَرَكَعَتَيْنِ  
ثُمَّ جَاءَ رِجْلَهُ وَجَلَسَ فَرَأَى  
نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هَؤُلَاءِ  
قُلْتُ يُسَبِّحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ

مُسَبِّحًا أَتَمَمْتُ صَلَاتِي  
صَحِبْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ  
لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى  
رَكَعَتَيْنِ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ  
عُثْمَانُ كَذَلِكَ -

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل و سنت پڑھنا سنت رسول (علیہ السلام) و سنت خلفائے

راشدین کے خلاف ہے۔ اس لئے مسافر دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

جواب ۱۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے سفر میں کہیں دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے، اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری۔ تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؛ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبد اللہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جن میں وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا، پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں نہ قبول کیا؛ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؛ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو، تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو روایتیں ہیں، ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی، تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ نفی کی۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں، کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔ دیگر صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کی قائل ہے؛ کیوں؟ اس لئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے، تو ان کے ایسے معنی کیئے جاویں، جن سے تعارض دور ہو جاوے، جب حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں تعارض ہے، تو تمہاری اس حدیث کے معنی یہ ہیں، کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا، ان کے لئے سفر توڑنا باقاعدہ اتر کر، زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا، چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا، یہ نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے، نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم، چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہی بتا رہے ہیں، راوی فرماتے ہیں، کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا۔ حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی، اس لئے آپ نے یہ فرمایا لہذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے، نہ خود حضرت ابن عمر کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑھنے کی ممانعت نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس فرمایا کہ یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا، تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر ۲۔ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہو گئی۔ تو سنت و نفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں۔ چاہیے کہ وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں۔ یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب۔ الحمد للہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ دلیا آپ کا قیاس بہتر تھا۔ کہ مجتہدین ائمہ کی تقلید کر لی ہوتی تاکہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرنے پڑھتے۔ جناب سنت و نفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں۔ باقی خالی مگر سنت و نفل کی چاروں رکعت بھری ہیں، فرمائیے، وہاں سنت و نفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔ وہاں بھی کہہ دو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہیں تو چاہیے سنتیں و نفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت ہو جاتی ہیں، مگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں، کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں ٹوک رہے ہیں، چاہیے کہ وہاں بھی یہ ہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دو رہ گئے تو چاہیے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت و نفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے ایسے سفر توڑنا نہیں پڑتا۔ سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے ان میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری، یہ جو کہا گیا کہ نفل و سنت سواری پر پڑھی جاسکتی ہیں۔ سواری کا رخ کدھری ہو۔ یہ مسافر کے لئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے۔ جبکہ وہ جنگل میں ہو۔ شہر میں۔ یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں۔ اگر مسافر کسی بسنی میں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت و نفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرے گا۔ غیر مقلد۔ وہاں ہوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو

سنت و نفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کر دی تو چاہیے کہ حضور بھی اپنی سنتوں میں کمی کر دیں۔ سنت کا اسی طرح رہنا حضور کی رحمت کے خلاف ہے۔

جواب۔ جی ہاں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ اس لئے حضور نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے۔ بوجہ نہیں شاید وہ باپیوں کے نفس پر نماز بوجہ ہوگی۔ اس لئے انہیں ایسے سوالات سوچتے ہیں۔ جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں، اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی، مومن سنت رسول کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے۔ سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔

سنت کے دامن میں قرآن ہے اور ان شاء اللہ سنت والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت و پناہی میں قیامت میں اٹھے گا، دیکھو ختنہ۔ عقیقہ بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں، پھر مرتے وقت وضو۔ کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں، اس لئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے، ہمارے حضور کی سنت رحمت ہے، بوجہ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالیٰ مالک الملک ہے، جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے، اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں، کبھی کم کبھی زیادہ، ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لئے پوری مسافر کے لئے آدھی۔

## سفر میں قصر واجب ہے

مسافر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا، اگر مبول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہ ہی حکم ہوگا، جو کوئی فجر کے فرض

چار پڑھ لے کہ اگر پہلی التختیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے، لیکن اگر دیدہ دانستہ سجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں، کہ مسافر کو اختیار ہے۔ خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

### سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں، جن میں سے کچھ پیش کیئے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۴۷۱ - بخاری مسلم - موطا امام محمد - موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔

قَالَتْ فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ  
ثُمَّ هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَضَتْ لِدُبْعَاءِ مَكَّةَ  
صَلَاةَ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيضَةِ الْأُولَى

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کو دو رکعتیں تھیں۔ بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں گردی گئیں۔ مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی۔ ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ لفظ فرض۔ اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔

موطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

اولاً سفر و حضر میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی۔ اور

فَرَضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ  
فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَأَقْرَبَتْ

صَلَاةَ السَّفَرِ وَزَيْدٌ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ | نمازِ حضر میں زیادتی کر دی گئی۔  
حدیث نمبر ۸ تا ۷۔ مسلم شریف۔ نسائی۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قَالَ فَرَضَ اللَّهُ الصَّلَاةَ عَلَى | فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی  
لِسَانَ نَبِيِّكُمْ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا وَفِي | زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر  
السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ | میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت فرض  
رَكْعَةً | کیں (یعنی جماعت سے ایک رکعت)

اس میں صراحتہ معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔  
حدیث نمبر ۸ تا ۱۳۔ مسلم بخاری۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى | فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى | ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف گئے  
مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ۔ | تو حضور انور دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۶۔ بخاری۔ مسلم۔ نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کی۔  
قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ | فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور صلی اللہ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنَى رَكْعَتَيْنِ وَأَبِي بَكْرٍ | علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو  
وَعُمَرَ وَمَعَ عُثْمَانَ صَدْرًا مِنْ | دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع  
إِمَارَتِهِ ثُمَّ أَتَاهَا۔ | میں بھی پھر حضرت عثمان نے پوری پڑھنا شروع  
کر دی

### نہجہ

حدیث نمبر ۱۷۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
قَالَ إِفْتَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى | فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ فِي السَّفَرِ | میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں  
كَمَا افْتَرَضَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعًا۔ | چار رکعت فرض کیں۔

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۰۔ نسائی ابن ماجہ۔ ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ صَلَاةُ السَّفَرِ رُكْعَتَانِ وَصَلَاةُ  
 الضُّحَى رُكْعَتَانِ وَصَلَاةُ الْفِطْرِ رُكْعَتَانِ  
 وَصَلَاةُ الْجُمُعَةِ رُكْعَتَانِ تَمَامٌ غَيْرُ  
 قَصْرِ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

فرمانے میں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ چاشت  
 کی نماز دو رکعتیں عید الفطر کی نماز دو رکعتیں  
 ہیں۔ جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں، یہ دو رکعتیں  
 پوری ہیں ناقص نہیں، حضور محمد مصطفیٰ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان شریف پر۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ نماز سفر دو رکعت پڑھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جمعہ عیدین  
 دو رکعت پڑھنا۔

حدیث نمبر ۲۱۔ مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کچھ دراز حدیث  
 نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ شریفیہ یہ ہیں۔

فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ  
 اللَّهُ بِهَا فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز قصر  
 کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا یہ اللہ  
 کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو

اس حدیث میں فاقبلوا صیغہ امر ہے۔ امر و جواب کے لئے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص  
 سفر میں چار رکعت پڑھے، وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے، رب کا صدقہ قبول  
 کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲۔ طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے  
 روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ رُكْعَتَيْنِ  
 وَمَعَ ابْنِ بَكْرٍ رُكْعَتَيْنِ وَمَعَ عُمَرَ رُكْعَتَيْنِ  
 ثُمَّ تَفَرَّقَتْ بِكُمْ السُّبُلُ قَوْلَ اللَّهِ  
 لَوْ دِدْتُ أَنْ أُحْطِيَ مِنْ أَرْبَعِ رُكْعَاتٍ

میں نے سفر میں حضور کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں  
 اور ابوبکر صدیق عمر فاروق کے پیچھے دو دو رکعتیں  
 پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے  
 متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمہنی کرتا ہوں۔  
 کہ مجھے بجاٹے چار رکعتوں کے دو مقبول



رَكَعَتَيْنِ مُتَقَابِلَتَيْنِ

رکعتوں کا حصہ ملے۔

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں۔ ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ اون پیش کردہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، کہ سفر میں قصر ہی فرض ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی، چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا۔ یا اس پر تارضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے۔ مسافر کو قصر و اتمام دونوں کا اختیار دنیا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں، یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض میں، اختیار نہیں ہوتا۔ فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں، تو ایک تحریمیہ سے فرض و نفل نمازوں کا ادا ہونا شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ جس کی مثال کسی جگہ نہ ملے گی، فرض کی تکمیل تحریمیہ علیہ ہوتی ہے، نفل کی علیہ ایک تحریمیہ سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے، نہ کہ دو۔

یہ بہ حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں، کم و بیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اختیار نہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد و ہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات معہ جوابات عرض کیئے دیتے ہیں، جو انشاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ  
اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ

نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں  
اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں  
گے۔

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ  
الصَّلَاةِ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ  
كَفَرُوا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں۔ بلکہ اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ  
ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے، نہ قصر نہ پڑھنے میں۔  
جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف  
ہے کیونکہ یہاں قصر کے لئے کفار کے خوف کی شرط ہے، کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں  
گناہ نہیں، اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے، اب جو تم جواب دو گے  
وہ ہی ہمارا جواب ہے،

دوسرے یہ کہ یہ لاجنّاح حاجی کے صفا مردہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے  
رب فرماتا ہے۔

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا  
جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا  
حالانکہ صفا مردہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے  
لاجنّاح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تفسیر سے یہ کہ اگر سفر میں قصر صرف مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں  
گناہ نہیں، کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں، ورنہ فرض کام  
مکمل کرنے میں گناہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے، لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح  
ہونے کی دلیل نہیں، فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں، چوتھے یہ کہ زمانہ بنوی میں صحابہ کرام  
کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا کہ یہ نماز ناقص ہے انہیں  
سمجھانے کے لئے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ تمہارے لئے مفید نہیں۔

اعترض نمبر ۳۔ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔  
قَالَتْ كُلُّ ذَا لَيْتٍ قَدْ فَعَلَ رَسُولُ اللَّهِ  
قرآنی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةَ  
وَأَتَمَّ

سب کچھ کیا، قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی  
پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت، صرف

قصر فرض نہیں،

جواب :- اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔

ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحییٰ ہے، جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف  
ہے۔ لہذا یہ حدیث بالکل قابل ثل نہیں، دیکھو مرقات شریف شکوۃ السیرۃ حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے  
کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف  
ہے، جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی، آپ فرماتی ہیں، کہ اولاً نماز دو دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں  
وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سفر  
سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں۔ اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں،

لہذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں، یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام

نے سفر میں قصر وتمام فرمایا، لہذا حدیث کے معنی یہ ہیں، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے

شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی، پھر جب رکعتیں بڑھا دی گئیں کہ

بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور علیہ السلام نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ

پڑھیں، اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہو گئی اور گزشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر وتمام مراد، تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے بحالت سفر قصر پڑھی، اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی، تو اتمام فرمایا

اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطیفہ عجیبہ - غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ

کیا کرتے ہیں، مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے، تو بخاری مسلم کی ہو، یا نہ ہو، صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

یہ حدیث ایسی ضعیف ہے، کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا، امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا، بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ قصر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے، اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا فعل ہے، چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث یہ ہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابو بکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس سبھی اکثر علماء صحابہ وغیر صحابہ کا عمل ہے۔

وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقْصِرُ فِي السَّفَرِ وَالْبُيُوتِ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ وَالْعَمَلُ عَلَى هَذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ۔

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں

وَقَدْ رُوِيَ عَنِ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تُتِمُّ الصَّلَاةَ فِي السَّفَرِ۔

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوع کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔

پُر لطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلَى مَا رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ۔

عمل اس پر ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی قصر

امام ترمذی کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں، بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اہل علم

نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔  
اعتراض نمبر ۳۔ نسائی و دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے  
روایت کی۔

قَالَتْ خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةٍ  
رَمَضَانَ فَطَرَوُصْمَتٌ وَقَصَرُوا  
أَتَمَمْتُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَصَرْتُ  
وَأَتَمَمْتُ وَافْطَرْتُ وَصَمْتُ  
قَالَ أَحْسَنْتِ يَا عَائِشَةُ وَمَا عَابَ  
عَلَىٰ-

فرماتی ہیں کہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم  
کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے  
روزہ نہ رکھا۔ میں نے نہ رکھا، آپ نے نماز قصر  
پڑھی۔ میں نے پوری پڑھی یعنی تمام کیا، تو میں نے  
عمرہ کیا کیا رسول اللہ آپ نے قصر کیا، میں نے  
پوری پڑھی، آپ نے افطار کیا، میں نے روزہ رکھا  
فرمایا اسے عائشہ تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی جائز ہے اور تمام بھی۔

جواب۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے، کیونکہ حضور انور صلی اللہ  
تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل چار عمرے کیئے  
ہیں، جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے، البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا،  
اور افعال عمرہ ذی الحجۃ میں ادا ہوئے۔ خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رمضان

کے عمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور سچیدہ مسئلہ ہے  
جسے وہابی صاحبان ہی سل فرما سکتے ہیں، وہابیوں پہلے اپنی بات عقل کی ترازو میں تولو، بعد کو بولو

اعتراض نمبر ۴۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ بِمَنْبَى رَكْعَتَيْنِ وَالْبُؤَيْبِ وَعُمَرُ  
بَعْدَ أَبِي بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ  
خِلَافَتِهِ ثُمَّ أَنَّ عُثْمَانَ صَلَّى بَعْدَ  
أَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى مَعَ

فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منی  
میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابو بکر صدیق نے ان کے  
بعد عمر فاروق نے اور عثمان غنی نے اپنی شروع  
خلافت میں، پھر حضرت عثمان نے چار رکعتیں  
منی میں پڑھیں، حضرت ابن عمر جب امام کے

الْإِمَامُ صَلَّى أَمْرًا بَعَاوًا إِذَا صَلَّى وَحْدًا  
صَلَّى مَرَّكَتَيْنِ

ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے، جب اکیلے  
پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔

اگر سفر میں قصر فرض اور تمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ متی  
شریف میں تمام کیوں کرتے؟۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے، آپ نے تو مسافر کو قصر و تمام کا اختیار  
دیا ہے، کہ چاہے قصر کرے، چاہے پوری پڑھے، مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور  
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی  
حضرت عثمان غنی نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو تمام نہ کیا۔ پھر جب پوری  
پڑھنے لگے۔ تو کبھی قصر نہ پڑھی۔ اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا۔ آپ کا یہ اختیار کہاں  
سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف متی شریف میں تمام  
کیا عام سفروں میں نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سفر میں تمام کے قائل  
نہ تھے، کسی وجہ خاص سے صرف متی شریف میں تمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا متی میں تمام فرمانا اس لیے نہ تھا کہ  
آپ قصر و تمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی، کیا وجہ تھی، اس کے متعلق دو  
روایتیں ہیں امام احمد ابن حنبل نے روایت کی، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے متی میں چار رکعت پڑھیں، تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ  
میں اہل والا ہو گیا ہوں، اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا ہے، کہ جو کوئی کسی  
نغمہ میں گھروالا ہو جاوے، وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے، چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے

آخری الفاظ یہ ہیں

أَنَّ صَلَّى بِمَتْنِي أَرْبَعٌ رَكَعَاتٍ فَأَنكَرَ  
النَّاسُ عَلَيْهِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي

حضرت عثمان نے متی شریف میں چار رکعت  
پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ

تَاهَلَّتْ بِمَكَّةَ مُنْذُ قَدِمْتُ  
وَإِنِّي سَمِعْتُ الخ (رمزاً - فتح القدير)

نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا، میں  
گھر والا ہو گیا ہوں۔

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ  
عنه نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں، ہر سفر میں نہیں، دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ  
کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے،  
اتمام کبھی نہ کرتے تھے، ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے، تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی  
اللہ تعالیٰ عنه نے مکہ معظمہ میں زمین خرید لی، وہاں مکان بنوایا، وہاں اپنی ایک بیوی کو رکھا۔  
اس لیے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا، اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لیے  
بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا، پوری نماز پڑھے گا، لہذا حضرت عثمان غنی رضی  
اللہ تعالیٰ عنه کا یہ عمل و ماہیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے، کہ زمانہ عثمانی کے نو مسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان رضی  
اللہ تعالیٰ عنه کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا، کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں  
ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنه کو اس غلط فہمی کا علم ہوا، تو آپ نے اس  
غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے صرف منیٰ میں اتمام کیا، یعنی چار رکعتیں پڑھیں، چنانچہ عبدالرزاق  
اور حار قطنی نے ابن جریر سے روایت کی۔

مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ  
عنه نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک  
دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا کہ میں تو  
برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ  
میں نے آپ کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا، تو عثمان غنی  
رضی اللہ عنه کو خطرہ پیدا ہوا۔ کہ جہلاء نماز کی دو رکعتیں ہی  
سمجھ لیں گے اس لیے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔

بَلَّغْنِي آتَهُ أَوْ فِي أَرْبَعًا بِمَنِيٍّ فَقَطُّ  
مِنْ أَجْلِ أَنْ أَعْرَابِيًّا نَادَاهُ فِي مَسْجِدِ  
خَيْفٍ بِمَنِيٍّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَا زِلْتُ  
أُصَلِّيْهَا رَكْعَتَيْنِ مُنْذُ رَأَيْتُكَ عَامَ  
الْأَوَّلِ صَلَّيْتُهَا رَكْعَتَيْنِ فَخَشِيَ عُمَانُ  
أَنْ يَطْنَ جُهَالُ النَّاسِ الصَّلَاةَ رَكْعَتَيْنِ  
وَإِنَّهَا كَانَتْ أَوْفَاهَا بِمَنِيٍّ۔

امام احمد اور عبد الرزاق کی یہ دونوں روایتیں اس طرح جمع کی جاسکتی ہیں، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بار بنا لیا تاکہ آپ یہاں آکر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اختراض نمبر ۵۔ جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے، نہ قضا کرنا فرض، ایسے ہی چاہیے، کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو، کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے، اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب۔ شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے، کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضا پر قیاس کرنے لگے، مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو سخت توحید بیٹھے رہیں، افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا، بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے، اگر سفر میں رکھے تو پورا، اگر قضا کرے تو پورے کی، لیکن فرض نماز سفر میں آدمی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں، باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیے نہ وطن پہنچ کر، معافی اور چیز ہے، تاخیر کی اجازت، کچھ اور، لہذا نماز کے قصر کو روزے کی تاخیر پر قیاس کرنا مع الفارق ہے، مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا، ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی، اس پر روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں، اس لئے ان کی قضا نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لئے نفل ہیں، اور نفل نماز فرض کے تحریمی سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ۔ مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضا شروع کر دے۔ اگر سفر میں آٹھ روزے قضا ہو گئے، پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا۔ تو قیامت میں ان چار روزوں کی پکڑ ہوگی، باقی چار روزوں پر پکڑ نہیں کہ ان کے قضا کرنے کا وقت ہی نہ پایا، یہ ہی بیمار اور حائضہ عورت کا حکم ہے، کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضا



شروع کریں۔

# امٹھارہ وال باب

## نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے، کہ نماز فجر خوب اوجیالے میں پڑھی جاوے، جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو، تو جماعت کھڑی ہو، مگر غیر مقلد و مایبوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیے۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات

**نوٹ ضروری:** خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں، اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلیل قائم کرتے، صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین غور کریں، کہ مذہب حنفی کتنا سخت اور مدلل ہے۔

## پہلی فصل

### نماز فجر میں اوجیالے باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے، کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں۔ اس پر بہت احادیث شاہد ہیں، جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر آٹھ - ۸ - ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابو داؤد طیالسی و طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْبَرُ بِجَمْعِ فَائِهِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَيُصَلِّي صَلَاةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِهَا

وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کر کے پڑھو، کہ اس کا ثواب زیادہ ہے، ترندی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

خیال رکھے کہ اس حدیث میں اوجیالا کرنے سے مراد خوب اوجیالا کرنا ہے۔ جب کہ روشنی پھیل جاوے، یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے، وہ یہ ہی روشنی ہے، جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۱۰۱۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوا، مزدلفہ کے کہ وہاں حضور نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔

قَالَ مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ بغيرِ وَقْتِهَا إِلَّا بِجَمْعِ فَائِهِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ وَيُصَلِّي صَلَاةَ الصُّبْحِ مِنَ الْغَدِ قَبْلَ وَقْتِهَا

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ہمیشہ ہی اول وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں،

خیال رکھے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی، ہاں نماز مغرب و عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے، اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی، بلکہ روزانہ کے وقت معبود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

نمبر ۱۲۱۔ ابو داؤد۔ طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن راہویہ۔ طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ يَا بِلَالُ كَوِّسْ بِصَلَاةِ  
الصُّبْحِ حَتَّى يُبْصِرَ الْقَوْمَ مَوَاحِ  
نَبْلِهِمْ مِنَ الْأَسْفَارِ

فرماتے ہیں، کہ سکھ دیا حضور نے حضرت بلال کو فرمایا  
اسے بلال نماز صبح میں اوجیالا کر لیا کرو، یہاں تک  
کہ لوگ اوجیالے کی وجہ سے اپنے پھینکے ہوئے  
تیر کرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم  
دیا۔ جبکہ تیرانا از اپنے تیر کرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب خوب روشنی  
پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵۱۔ ولیمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَسَّرَ  
بِالْفَجْرِ تَوَسَّرَ اللَّهُ فِي  
قَلْبِهِ وَقِيلَ  
فِي صَلَاتِهِ

فرماتے ہیں۔ کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر  
اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت  
میں ہے، کہ اس کی نماز میں روشنی  
کرے۔

حدیث نمبر ۱۵۲۔ طبرانی نے اوسط میں اور بزرگ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے  
روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ أُمَّتِي عَلَى الْفِطْرَةِ  
مَا سَفَرًا بِصَلَاةِ الْفَجْرِ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے میری امت دین فطرت پر رہے گی جب  
تک کہ نماز فجر اوجیالے میں پڑھے۔

حدیث نمبر ۱۵۳۔ ۲۳۔ طحاوی۔ بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے تھوڑے فرق سے  
حضرت یسار ابن سلامہ سے روایت کی۔

قَالَ دَخَلْتُ مَعَ أَبِي عَلِيٍّ ابْنِ بَرَزَةَ يَسْئَلُ  
لَهُ أَبِي عَنِ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ يَنْصَرِفُ مِنْ

میں اپنے والد کے ساتھ حضرت ابوزرہ صحابی  
کے پاس گیا، میرے والد ان سے حضور کی نماز  
متعلق پوچھتے تھے، تو انہوں نے فرمایا کہ حضور

صَلَاةِ الصُّبْحِ وَالرَّجُلُ يَعْرِفُ  
وَجَهَ جَلِيسِهِ وَكَانَ يَقْرَأُ فِيهَا  
بِالسُّبْحِ إِلَى الْمَاءِ

نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب  
ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ  
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سادھ سے ساتیوں تک پڑھتے

حدیث نمبر ۲۴۔ طحاوی شریف نے حضرت عبد الرحمن ابن زید سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا نَصَلِّي مَعَ ابْنِ  
مَسْعُودٍ فَكَانَ يُسْفِرُ بِصَلَاةِ  
الصُّبْحِ

فرماتے ہیں، کہ ہم عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ  
عنه کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے، آپ خوب  
اجیالے میں نماز پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۲۵۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ عُمَرَ  
الْفَجْرَ فَمَا سَلَّمَ حَتَّى ظَنَّ الرِّجَالَ  
ذُؤُ وَالْعُقُولُ أَنَّ الشَّمْسَ  
طَلَعَتْ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ يَا  
أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ كَادَتِ الشَّمْسُ  
تَطْلُعُ قَالَ فَتَكَلَّمُوا بِشَيْءٍ لَمْ  
أَفْهَمُهُ فَقُلْتُ أَيُّ شَيْءٍ قَالَ  
قَالُوا لَوْ اطَّلَعَتِ الشَّمْسُ لَمْ  
تَجِدْنَا غَافِلِينَ

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر  
پڑھی، تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل  
والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ  
نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین  
سورج نکلنے ہی والا ہے، آپ نے کچھ فرمایا جو میں نہ  
سمجھ سکا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا، کہ سنت عمر  
نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر  
سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ  
پاتا۔

حدیث نمبر ۲۶۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ صَلَّى بِنَا أَبُو بَكْرٍ صَلَاةَ الصُّبْحِ  
فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ فَقَالُوا كَادَتِ الشَّمْسُ  
تَطْلُعُ قَالَ لَوْ طَلَعَتْ لَمْ  
تَجِدْنَا غَافِلِينَ

فرماتے ہیں، کہ ہم کو ابو بکر صدیق نے نماز فجر پڑھائی  
اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ  
سورج نکلنے کے قریب ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر  
نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔

حدیث نمبر ۲۸۲۶۔ طحاوی اور بلاخرہ و محدث نے اپنی مستند میں امام اعظم ابو حنیفہ

سے انہوں نے حاد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قَالَ مَا اجْتَمَعَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَيْءٍ كاجْتِمَاعِهِمْ عَلَى التَّوْبِيرِ فِي الْفَجْرِ وَالتَّعْجِيلِ فِي الْمَغْرِبِ قَالَ الطَّحَاوِيُّ لَا يَصِحُّ أَنْ يَجْتَمِعُوا عَلَى خِلَافِ مَا كَانَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے امام طحاوی فرماتے ہیں، کہ یہ ناممکن ہے، کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عمل پر متفق ہو جاویں۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق خوب اور جیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے، حتیٰ کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہو جاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا، کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹۔ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قَالَ سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ يَا قَنْبُرُ اسْفِرْ اسْفِرْ

فرماتے ہیں، میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے۔ اے قنبر اور جیالا کرو اور جیالا کرو۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب اور جیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اسْفِرْ دو بار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں۔ اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔ بہر حال پتہ لگا کہ اور جیالے میں فجر پڑھنا۔ سنت رسول اللہ سنت صحابہ اور صحابہ کرام کا اتفاق عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اور جیالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے

اپک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اور جیالا اور روشنی، لہذا نماز فجر اور جیالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اور جیالے

میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے، کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجا، بعض کو غسل وضو کرنا۔ سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اول وقت فجر کی جماعت کو لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اوجیالے میں پڑھتے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ ہیں شرکت کر سکتے ہیں دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو دراز قرأت سے اس لئے منع فرما دیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو، وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے۔ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیالے میں آسان چنانچہ حضرت عمر کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا، تو صحابہ کرام نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا۔ دیکھو۔ طحاوی شریف صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چن امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے، فجر کاروبار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خمیہ ہے، ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا۔ اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی، تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے، ایسے ہی نماز فجر اوجیالے میں پڑھنا بہتر ہے

## دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض و جواب

”تاخیر فجر پر اب تک دلائل و غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے، وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں، اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا۔ تو

انشاء اللہ تیسرے اڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ  
يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُوَخَّرُهَا الصَّلَاةُ  
إِذَا أَتَيْتَ وَالْجَنَائِزَةُ إِذَا أَحْضَرْتَ  
وَالْأَيُّمُ إِذَا وَجَدْتَ كُفُؤًا۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ہے  
علی تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز جب اس کا  
وقت آجائے، جنازہ جب حاضر ہو لڑکی  
کا نکاح جب اس کے لئے کفول جاوے۔

نیز اسی ترمذی میں سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ الْوَقْتُ الْأَوَّلُ مِنَ الصَّلَاةِ  
رِضْوَانُ اللَّهِ وَالْوَقْتُ الْآخِرُ عَفْوُ  
اللَّهِ۔

فرماتے ہیں، کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے  
کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا و خوشنودی  
ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی  
معافی ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اول وقت پڑھنی چاہیے۔ حنفی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالیٰ  
کی رضامندی سے محروم ہیں۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے،  
کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم  
ہو جو تمہارا جواب ہے، وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے، نہ کہ  
مطلق وقت کا اول یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تب دیر نہ لگاؤ۔ نماز فجر  
میں روشنی ہی اول وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لئے تہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز  
فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے، لہذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے  
جواب۔ اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں، ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں، اندھیرا خواہ وقت  
کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر روشنی میں

ہی پڑھتے تھے۔

مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف بہت گہری بنی ہوئی تھی۔ چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے، اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا رہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے۔ صحن دور ہے، اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ دوسرے یہ کہ اگر غس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے، جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں، یعنی حضور نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو ادجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے، کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو، سرکار نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں، مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں، آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے۔ کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام ادجیالے میں فجر پڑھتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضور کا یہ عمل شریف دیکھا تھا، معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے۔ دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کی خلاف ہے، ادجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہذا ادجیالے والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے، جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ **الْوَضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ** آگ کی کچی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا۔ پہلی حدیث خلاف قیاس ہے۔ دوسری مطابق قیاس لہذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا، کلی کرنا ہے، ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے، نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشن کی حدیث کو ہے۔



ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جیسے ہم نے اوجیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں، بہت احادیث پیش کر دیں، جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لیے ہیں اور اوجیالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لیے، لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں، مخالف نہیں، یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیالے میں فجر پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم دیا۔  
اعتراض نمبر ۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں

قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَيِّبُ الصُّبْحَ فَتَنْصُرُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمِرْوَاهِنَ مَا يَعْرِفْنَ مِنَ الْعَلَسِ۔

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آٹھتیس پڑھ کر نماز سے فارغ ہوا تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جاسکے، حنفی اتنا اوجیالہ کے فجر پڑھتے ہیں، کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں، ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب :- اس کے جوابات اعتراض ۲ کے جواب میں گذر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہونا تھا نہ کہ وقت کا، یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو تترجیح ہے، وغیرہ، یہاں ایک جواب اور بھی ہو سکتا ہے، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضر کی کا حکم تھا، ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں، پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا، تو یہ رعایت بھی ختم ہو گئی، عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور

اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراف نمبر ۴۔ ترمذی شریف نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً دَوَّقَتْهَا الْآخِرَ مَرَّتَيْنِ حَتَّى قَبَضَهُ اللَّهُ۔

فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اول وقت پڑھنا حضور علیہ السلام کی دائمی سنت ہے، یہ حکم منسوخ نہ ہوا، حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں، جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب۔ اس اعتراف کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں، اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں، کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ

صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا، اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے۔

اس لئے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

ابو عیسیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَكَيْسَى إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ۔

اس کے حاشیہ میں ہے۔

کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ سے ثابت نہ ہوئی

لَآئِنَّهُ كَمْ يَثْبُتُ مُلَاقَاةُ الْحَقِّ مَعَ عَائِشَةَ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں، افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں، اور خود ایسی ضعیف اور ناقابل عمل حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھی ہیں، جب حضرت جبریل نماز کے اوقات  
 عرض کرنے آئے، تو انہوں نے دو دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمازیں پڑھائیں، پہلے دن  
 تمام نمازیں اول وقت میں، دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے اوقات پوچھے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس  
 ٹھہرایا، ایک دن نمازیں اول وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت، تعریس کی  
 رات میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا پڑھی، غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی  
 نمازیں قضا کر کے پڑھیں، عام طور پر سفر میں حضور علیہ السلام نماز ظہر آخر وقت اور عصر اور  
 وقت پڑھتے تھے، ایسے ہی مغرب آخر وقت، عشاء اول وقت پڑھتے تھے۔  
 دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لیٹے بالکل آخر وقت تشریف لائے، اور بہت  
 جلد فجر پڑھائی، بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا  
 دست قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا (مشکوٰۃ باب السجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہ نمازیں آخر وقت میں پڑھیں، اور اس حدیث میں  
 ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو بار بھی نہ پڑھی، لہذا یہ روایت ناقابل  
 عمل ہے۔

تفسیر سے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، پھر تم نماز عشاء آخر وقت یعنی  
 تنہائی رات گئے پڑھنا، مستحب کیوں کہتے ہو، اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں  
 بتاتے ہو۔ جو جواب تمہارا ہے، وہ ہی جواب ہمارا۔

اعتراض نمبر ۵:۔ تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجیالا میں پڑھو، اس میں  
 اوجیالا سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے، جس سے وقت فجر آجانا، یقینی ہو جاوے  
 اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شگ کی حالت میں نہ پڑھو، بلکہ جب یقین ہو  
 جاوے کہ وقت ہو گیا، تب پڑھو، وہاں اسفار سے وہ روشنی مراد نہیں، جو حنفیوں  
 نے سمجھی، یعنی خوب اوجیالا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہ ہی مطلب  
 بیان کیا۔

جواب :- مگر نہیں، کیونکہ اتنا اوجیلا کرنا تو فرض ہے، شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں، اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجیلے کا ثواب زیادہ ہے، یعنی یہ اوجیلا مستحب سے نہ کہ فرض۔ لہذا اس اجالے سے مراد وہ ہی روشنی صبح سے، جس میں فجر پڑھنا مستحب سے اور جو ہم نے معنی کیے۔ وہ ہی درست ہیں۔ حدیث سمجھنے کے لئے لفظ نہ درہری ہے۔

## انبیواں باب ۱۹

### ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے، جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دوگنا ہو جاوے، سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا، کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے، کچھ ٹھنڈک ہو جاوے سنت ہے مگر غیر متقدمہا بنی نماز ظہر چلچلاتی دوپہر ہی میں پڑھ لیتے ہیں، اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں، طرح طرح تنقیوں کو بہا کاتے ہیں۔ کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس باب کی معنی فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیئے کہ اپنے دلائل اور دہائیوں کے جوابات باور کھیں۔

## پہلی فصل

### ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے، لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلنے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے، لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہو جاوے، دوپہر کا جوش کم ہو جاوے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱۵۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو، ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نمبر ۱۶۔ ابو داؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم بخاری، نسائی، بیہقی نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ حَهْمٍ فَأَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ وَاشْتَكَّتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اأَكَلْ بَعْضِي بَعْضًا فَإِذَنْ لَهَا بِنَفْسَيْنِ نَفْسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفْسٍ فِي الصَّيْفِ إِلَى

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گرمی کی تیزی و تیزگی کی بھڑک سے ہے، لہذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اگلے دو سالوں کی اجازت دی، ایک سال سردی میں ایک سال گرمی میں۔

نمبر ۱۷۔ نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَلَ۔

فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت سے خلاف ہے۔

نمبر ۱۸۔ بخاری، ابو داؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابو داؤد طیالسی، طحاوی، ابو عوانہ بیہقی نے حضرت ابو زر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ

فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، مؤذن نے ظہر

يُؤذَنَ لِلظُّهْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْرِدْ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤذَنَ فَقَالَ أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْتَ نَابِيَّ التَّلْوْلِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ حَهَنَةِ فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدْ؛ بِالصَّلَاةِ قَالَ السِّرْمِذِيُّ هَذَا أَحَدُ بَيِّنَاتِ حَسَنِ صَحِيحٍ

کی اذان دینی چاہی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ٹھنڈا کرو، پھر انہوں نے اذان کا قسم کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے۔ پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو، تیزی نے فرمایا یہ حدیث حسن و صحیح ہے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی شریف نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّ سَامَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَجِّلُهَا فِي الشِّتَاءِ وَيُؤَخِّرُهَا فِي الصَّيْفِ۔

انہوں نے دیکھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے پڑھتے تھے

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اختصاراً انہیں بیس حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں، اگر تفصیل دیکھنی ہو، تو صحیح البہاری۔ طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ مزیال رہے۔ کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے۔ کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے پڑھی جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اول وقت پڑھ لیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے غیر مقلد و ہابی تو زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔ بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبُرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔

فرماتے ہیں کہ جب سخت ٹھنڈک ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز جلد پڑھتے تھے۔ اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کر کے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے

پر پڑھنی چاہیے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے، کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے پڑھنا چاہیے، کہ تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے، اس سے جماعت گھٹ جائیگا اندیشہ ہے، کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قبیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرتے ہیں، اور دوپہر کی تپش گھر میں گزارنا چاہتے ہیں، اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھی جاوے تو وہ لوگ سنت قبیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گرائی بھی پڑے گی ایسے موقعہ پر شریعت مظہرہ آسانی کر دیتی ہے۔

نتیجہ۔ مذکورہ بالا احادیث شریفہ اور دلیل عقل سے معلوم ہوا، کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے، اور عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے، اس کی چند دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے، اور اس کا حکم دیتے تھے، اور ظاہر ہے کہ تمام جگہ خصوصاً ملک عرب میں ایک مثل سایہ کے بعد دوپہر کی تپش ٹوٹتی ہے، ایک مثل تک سخت بھڑک رہتی ہے، اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز ظہر پڑھی۔ جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا، ایک مثل سایہ کے وقت ٹیلے کا سایہ نمودار نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھیلاوے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے، تو یہ حدیث بھی غلط ہوگی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہیے، اگر ایک مثل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا یہ قانون شرعی کے خلاف ہے، کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث مفوع نقل فرمائی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی مثال یہود و نصاریٰ کے متقابل اس طرح دی، کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر

تک ایک قیڑا پر رکھے، دوسرے کو دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیڑا پر رکھے، تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیڑا اجرت پر رکھے، پہلے مزدور یہود ہیں، دوسرے مزدور نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تصوراً، مزدوری دو گنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

نمبر دار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دو گنی ہے۔

أَلَا فَانْتُمْ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ مِنْ صَلَوةِ الْعَصْرِ إِلَىٰ مَغْرِبِ الشَّمْسِ إِلَّا لَكُمْ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ۔

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا، تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی ریشمال بیان نہ فرمائی جاتی۔ لہذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہیے یہ جب ہی ہو سکتا ہے، جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو، اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے، تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا، کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد و بامیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں۔ جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ، نماز۔ توبہ۔ لڑکی کا نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں، ہم وہ اعتراضات مع جوابات . . . . . عرض کرتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱۔ البوداؤد۔ ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک دراز حدیث روایت کی، جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل نے مجھے دو دن نماز پڑھائی، ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔



وَصَلَّىٰ فِي الْعَصْرِ حِينَ صَارَ ظِلُّ  
كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ۔

حضرت جبریل نے مجھے پہلے دن عصر اس وقت  
پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے، اور ظہر کا  
وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں اس جگہ یہ بھی ہے

جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل نے نماز  
ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ صَلَّىٰ فِي الظُّهْرِ حِينَ  
كَانَ ظِلُّهُ مِثْلَهُ

فرمائیے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز  
ظہر پڑھائی۔ حالانکہ وقت عصر ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے، اگر ایک مثل سایہ پر  
وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی، دوسرے  
یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی  
جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔

وَصَلَّىٰ فِي الْعَصْرِ حِينَ كَانَ  
ظِلُّهُ مِثْلَيْهِ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے۔ حالانکہ آخری وقت

سورج کا غروب ہے۔

تقریباً یہ کہ اس حدیث میں اول دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور

دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کا جو دوپہر کے وقت ہوتا ہے  
بالکل ذکر نہیں، حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ ایک مثل یا دو مثل اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیے تو جو تمہارا

جواب ہے، وہ ہمارا

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی

اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں، ان میں ذکر ہے کہ حضور نے گرمی میں نماز ظہر  
ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس

میں متعارض ہوئیں، لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہوگی، کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں، کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے، تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت بکر بن عبد ربیع کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کی صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں، یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے، ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لیے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے، اس قاعدہ پر صد ہا مسائل نکالے گئے ہیں، سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آگیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے، تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا۔ اور وقت عصر وائل نہ ہوگا۔ وائل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے۔ لہذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراف نمبر ۲۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا۔ ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے، اسی لیے سجدے کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بھری رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت ہی پڑھنی چاہیے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے، اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے، یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی۔ وقت ٹھنڈا ہو چکنا تھا، لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں۔ جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے، جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے

اعتراف نمبر ۳۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز

عصر اونٹ ذبح کر کے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں سے بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی، کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا، کہ یہ کام کیئے جاویں۔ (عام وہابی) جواب :- یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط۔ دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے، اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں، ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں۔ تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں، عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹے سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے۔ اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراف نمبر ۴۔ مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد سے روایت ہے۔

قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدَّى إِلَّا  
بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔

ہم صحابہ نہیں قبیلوہ کرتے تھے، نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بھی بہت جلد پڑھنی چاہیے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کیا جاوے، پھر تم کیسے کہتے ہو، کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب :- اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے، کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قبیلوہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے، کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے تم بھی اتنی جلد جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کے دن جمعہ کی طیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے، نہ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے

جیسا کہ تم سمجھو۔

تفسیر سے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی، اس لیے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے، دوپہر کا کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے، اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ

لہذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاوے گی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

## بیسواں باب

### آذان و تکبیر کے الفاظ

شرعیات میں آذان و اقامت کے تکبیر، الفاظ اور احکام قریباً یکساں ہیں، جو الفاظ آذان کے ہیں، وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قدامت الصلوٰۃ دو بار زیادہ ہے، ترجیح نہ آذان میں ہے، نہ اقامت میں، آذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد و باہیوں کی آذان بھی اس آذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے، وہ آذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کی بجائے چار چار بار کہتے ہیں، اولاً دو بار آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیح

کہتے ہیں، یعنی پہلے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اَمْسِتَ کہتے ہیں۔ پھر چیخ کر ایسے ہی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ اور اللہ کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح۔ ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلامی اذان و اقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرنے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں، پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

### موجودہ اذان و اقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ اذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں، نہ اذان میں ترجیح ہے، نہ اقامت تکبیر کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ لا الہ الا اللہ ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر اتناہ۔ ابو داؤد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان بیہقی۔ دارقطنی نے سعیدنا عبد اللہ ابن

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔  
اِنَّهُ قَالَ كَانَ الْاَذَانَ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ  
وَالْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهُ يَقُولُ  
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ اَلَمْ

وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سوا کہ تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی کہتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد کہتے ہیں۔

یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبری کی ابن حبان نے توثیق کی۔

هَذَا اسنادٌ صَحِيحٌ سَعِيدُ الْمُقْبَرِيِّ  
وَتَقَهُ ابْنُ حَبَّانٍ وَغَيْرُهُ (بہاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیح نہیں دینا اذان کے کلمات دو ورنہ ہوتے شہادت میں چار چار بار ہوتیں، اقامت کے ایک بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاویگا حدیث نمبر ۷۔ بطبرانی نے معجم اوسط میں ابو مخذومہ مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے حضرت ابراہیم بن اسماعیل ابن عبد الملک ابن ابی مخذومہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبد الملک ابن ابی مخذومہ کو سنا وہ فرماتے تھے، کہ انہوں نے اپنے والد ابو مخذومہ کو فرماتے سنا۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان کا ایک ایک لفظ بتایا، اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک اس میں ترجیح کا ذکر نہ فرمایا۔

قَالَ سَمِعْتُ جَدِّي عَبْدَ الْمَلِكِ ابْنَ ابْنِ مُحَمَّدٍ يُقُولُ أَنَّهُ سَمِعَ أَبَاهُ أَبَا مُحَمَّدٍ يَقُولُ الْقِيَ عَلَى سِرِّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَذَانَ حَرْفًا حَرْفًا اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ إِلَى آخِرِهِ وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ تَرْجِيحًا.

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ اذان میں ترجیح کا حکم حضور نے نہ دیا لہذا ترجیح سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۸ و ۹ :- ابن ابی شیبہ ترمذی نے حضرت ابن ابی یسلی تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ عبد اللہ ابن زید انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

قَالَ كَانَ عَبْدُ اللَّهِ ابْنُ زَيْدِ الْأَنْصَارِيِّ مَوْذِنَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ الْأَذَانَ وَالْإِقَامَةَ.

اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان میں ترجیح نہیں، دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں، نہ کہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰۔ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

آپ فرماتے تھے، کہ اذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علیؓ)، ایک شخص پر گزرے جو اقامت ایک ایک

أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ الْأَذَانَ مَشْنِي مَشْنِي وَالْإِقَامَةَ مَشْنِي مَشْنِي وَمَرَّ بِرَجُلٍ يُقِيمُ مَرَّةً مَرَّةً فَقَالَ اجْعَلْهَا

مَثْنِي مَثْنِي لَا أُمَّ لَكَ

بارگاہ رہا تھا۔ تو اپنے فرمایا اسے دو دو بار کرتیری  
مال نہ رہے۔

حدیث نمبر ۱۱۔ ابو داؤد شریف نے حضرت معاذ بن جبل سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی  
جس میں عبداللہ ابن زید انصاری کی خواب کا واقعہ مذکور ہے، جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی  
تھی، انہوں نے حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا، کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا، جس نے قبلہ  
کی طرف منہ کر کے اللہ اکبر اللہ اکبر! اشہد ان لا الہ الا اللہ الخ کہا پھر کچھ ٹھہر کر اذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ  
حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ لَقِنْتَهَا بِلَا  
فَأَذَّنَ بِهَا

راوی کہتے ہیں، کہ حضور نے عبداللہ سے فرمایا  
کہ یہ اذان حضرت بلال پر تلقین کرو پس حضرت  
بلال نے اذان انہی کلمات سے دی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے اذان میں ترجیح کی تعلیم دی نہ اسلام  
کی پہلی اذان میں ترجیح تھی۔ جو حضرت بلال نے حضور کی موجودگی میں عبداللہ ابن زید کی تعلیم سے  
کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی اذان کی طرح دو دو بار ہے۔ لیکن اس میں قدامت الصلوٰۃ  
بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ و ۱۳۔ ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی۔  
فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور کے بہت صحابہ نے  
نہرو دی کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور کی خدمت  
میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں  
دیکھا، جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو سبز  
کپڑے ہیں پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور  
اذان بھی دو دو بار دی، تکبیر بھی دو دو  
بار کہی۔

قَالَ حَدَّثَنَا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ مَرْيَدٍ  
أَلَا نَصَارِيَّ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ  
رَجُلًا قَامَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَحْضَرَانِ  
فَقَامَ عَلَى حَائِطٍ فَأَذَّنَ مَثْنِي مَثْنِي  
وَأَتَامَ مَثْنِي مَثْنِي

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیح ہے، نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی اذان و تکبیر وہ ہے، جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۷۱۱۔ دارقطنی، عبد الرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی  
 اَنْ يُّدْعَى بِالْاَذَانِ وَ يَتْلُو  
 الْاِقَامَةَ وَ كَانَ يَبْدَأُ بِالتَّكْبِيرِ وَ  
 يَخْتَمُّ بِالتَّكْبِيرِ۔

بے شک حضرت بلال اذان بھی دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر ہے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے

حدیث نمبر ۱۷۱۲۔ طبرانی نے اپنی کتاب منہ الشایعین میں حضرت جناوہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔  
 عَنْ بِلَالٍ اَنْهُ كَانَ يُجْعَلُ الْاَذَانَ وَ  
 الْاِقَامَةَ سَوَاءً مَثْنِيًّا مَثْنِيًّا۔

وہ حضرت بلال سے روایت کرتے ہیں، کہ وہ اذان و اقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار

حدیث نمبر ۱۸۔ دارقطنی نے حضرت ابو حنیفہ سے روایت کی۔

حضور بلال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے۔ اور اقامت دو دو بار

اَنْ يُّدْعَى بِالْاَذَانِ وَ يَتْلُو  
 الْاِقَامَةَ سَوَاءً مَثْنِيًّا مَثْنِيًّا۔

حدیث نمبر ۱۹۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

حضور ثوبان اذان دو دو بار بلکہ تھے۔

قَالَ كَانَ ثُوْبَانَ يُؤَدِّي مَثْنِيًّا مَثْنِيًّا

حدیث نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع سے روایت کی۔

حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذان و اقامت دو دو بار کہتے تھے۔

اَنَّ سَلْمَةَ ابْنَ الْاَكُوْعِ كَانَ يُشْنِي  
 الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں، ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری، طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوں گی۔

۱۔ عبد اللہ ابن زید ابن عبد اللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے



اس میں نہ تو ترجیح کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا، بلکہ وہ ہی اذان و تکبیر مذکور ہے۔ جو عام طور پر رائج ہے۔

عنب فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی، اس میں ترجیح بھی نہیں، اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں، وہ ہی ہماری اذان ہے۔

۳ حضور علیہ السلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال، حضرت ثوبان وغیر ہم ہمیشہ وہ ہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے، یعنی حنفی اذان و اقامت۔

۴ جلیل القدر صحابہ و تابعین جیسے حضرت علی، عبداللہ ابن عمر، سلمہ ابن اکوع، عبداللہ ابن زید ابراہیم نخعی، حضرت عبید، ابو جحیفہ وغیر ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہی اذان کہتے اور کہلاتے تھے جو مروجہ ہے، ترجیح یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

۵ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلاتے تھے، اگر ترجیح یا اقامت ایک بار سنت ہوتی، تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے متبع، بدعت سے متنفر تھے، انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا، اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور ان پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیح نہ ہو، کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوٰۃ اور فلاح ہے، اذان نماز ہی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے، باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں، جب صلوٰۃ اور فلاح میں تکرار اور ترجیح نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیح نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ آذان کا مقصد ہے، نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیے، کانوں میں انگلیاں لگائی جاویں تاکہ آواز خوب اونچی نکلے اب ان دو شہادتوں کو اولاً آہستہ آہستہ کہنا، مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہیے دیکھو اذان کے اول میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی آواز سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تفسیر سے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے، حتیٰ کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا

گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بَيْنَ كُلِّ اَذْنَيْنِ صَلَوةٌ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلَوةُ کا ہے، کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں، تو چاہیے کہ اقامت کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار ہوں۔ چونکہ یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں، کہ اول میں بھی میں آخر میں بھی جیتے بکیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں، کہ صرف ایک جگہ آئے جیسے صلوٰۃ فلاح، جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گئے ہیں، دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی بار چار دفعہ ہے اور سچھلی بار دو دفعہ، شہادت توجید پہلی بار دو دو دفعہ ہے تو آخر بار ایک دفعہ۔ تو چاہیے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا حنفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے۔ بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت و حماقت ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

حنفی اذان و اقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے، وہ تمام مع جوابات عرض کرتے ہیں، اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو ان شاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات بھی عرض کر دیئے جائیں گے۔ اعتراض نمبر ۱۔ مسلم شریف نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی، اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ تَعُوذُ فَنَقُولُ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ | دونوں شہادتوں کے بعد پھر بولو اور کہو اَشْهَدُ اَنْ  
اِلَّا اللهُ، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ | لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ الْحَمْدُ  
اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ  
اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو محذورہ کو اذان کی

شہادتیں میں ترجیح سکھائی، لہذا اذان میں ترجیح سنت ہے۔  
جواب ۱۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیح کا ذکر فرماتے ہیں، اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیح کا ذکر بالکل نہیں، طحاوی شریف نے انہیں ابی محذورہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے پار کے دوبارہ تکبیر کا ذکر ہے۔ لہذا ابو محذورہ کی روایت متعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابو محذورہ کی یہ ترجیح والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں جن میں ترجیح کا ذکر نہیں، لہذا وہ احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں۔ نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال اور حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں انہوں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیح نہ فرمائی۔ لہذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابو محذورہ کو عام صحابہ نے ترک کر دیا۔ ان کا عمل ترجیح پر نہ تھا۔ بلکہ ترجیح کے خلاف تھا۔ لہذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابو محذورہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق، لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔ چھٹے وہ جواب ہے جو عنایتیہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابو محذورہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور علیہ السلام کی بہت مخالفت، جب یہ اسلام لائے اور

حضور علیہ السلام نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا تو انہوں نے شرم کی وجہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ آہستہ آہستہ کہا۔ بلند آواز سے نہ کہا، تو حضور

علیہ السلام نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا اس وقت تھا۔ تعلیم کے لیے اور شرم دور کرنے کے لیے، لہذا یہ حکم عارضی ہے۔ جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ

آہستہ اذان کہہ دے۔ تو دوبارہ بلند آواز سے کہلوائی جاتی ہے۔ اس صورت میں ابو مخذومہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابو مخذومہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر تہ کے کہدی تھیں، اس لیے دوبارہ کے ساتھ کہلوائیں۔ بہر حال یہ ترجیح ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنتِ اسلام۔

اعترض نمبر ۲۔ ابو داؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابو مخذومہ سے روایت کی۔  
 اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهُ  
 الْأَذَانَ تِسْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً وَالْإِقَامَةَ  
 سَبْعَ عَشْرَةَ كَلِمَةً۔  
 بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۷ کلمے  
 سکھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں، یہ ترجیح سے ہی بنتے ہیں، اگر اذان میں ترجیح نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہذا ترجیح اذان میں چاہیے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان میں ترجیح ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے، کیا ادھی حدیث پر ایمان لاتے ہو ادھی کے انکاری ہو۔

ترجیح اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض ۱ کے ماتحت گذر گئے، کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابو مخذومہ کو ترجیح ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی۔ وغیرہ۔

اعترض نمبر ۳۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔  
 قَالَ ذَكَرُوا النَّادَ وَالنَّاقُوسَ فَتَكَوَّنَا  
 الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى  
 فَأَمَرَ بِلَالٌ أَنْ يُشْفَعَ  
 الْأَذَانَ وَ يُؤْتَرَ  
 الْإِقَامَةَ  
 فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلانِ نماز کے لیے آگ  
 اور ناقوس کی تھوڑی تھوڑی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی  
 کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلانِ عبادت کرتے  
 ہیں تو حضرت بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار  
 کہیں اور اقامت ایک ایک بار

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔  
 جواب :- اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے  
 معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں۔ مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اولاً  
 تکبیر چار بار ہو۔ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ دو بار ہو، پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی  
 ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کو دو بار کہنے کا حکم ہے تو حنفی کمینکے کہ دوسری  
 احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ احادیث قابل عمل کیوں نہیں؟  
 دوسرے یہ کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب کا بالکل ذکر نہیں، بلکہ فرمایا گیا  
 کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں  
 یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت  
 بلال کو اذان و اقامت کا حکم دیا گیا تو اس اذان و اقامت سے موجودہ مروجہ شرعی اذان مراد نہیں  
 بلکہ لغوی اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت عجات  
 مسجد والوں کو جمع کرنے کے لیئے کیا جاوے کہ آجاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلان ایک  
 ہی بار کافی تھا۔ اس لیئے ایک بار کا ذکر ہوا، پھر اس کے بعد عبداللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی  
 خواب کا واقعہ پیش آیا۔ جس سے مروجہ اذان و اقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے تبسیر  
 یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ و اقامت  
 دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان و اقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہ ہی روایت قابل عمل ہے۔  
 دوسری روایات جو اسکے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا ناقابل عمل۔ خیال رکھو کہ یہ خواب  
 صرف حضرت عبداللہ کی نہیں بلکہ ان کے علاوہ سات صحابہ نے یہ ہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث  
 متواتر کے حکم میں ہو گئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے، کہ حضرت بلال اور ابن ام مکتوم نے اذان میں ترجیح  
 اپنے آخر و تم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاة شرح مشکوٰۃ، نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات  
 دو دو ہی رہے۔ تہیہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال جیسے مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی  
 ساری عمر نہ تو اذان میں ترجیح کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں، حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے حکم دیا ہو۔ لہذا ترجیح وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے موافق، لہذا انہیں کو ترجیح ہوگی جب ان احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **الْوَضُوءُ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّاسُ** آگ کی کچی چیز استعمال کرنے سے وضو واجب ہے۔ دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی، وضو نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانیسے وضو ٹوٹ جاتا ہے، یہ کئی قانون ہے

## ایک سوال باب ۲۱

### متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی، ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے، فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں، ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد و باہی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

**نوٹ ضروری۔** بالغ مسلمان کی کوئی نماز نا بالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل، کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے، اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اس کی قضاء ضروری نہیں لیکن بالغ کی نفل شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے، اس لئے بالغ کوئی نماز بچے کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا، مگر غیر مقلد و باہیوں کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو تفصیلات کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر

اقتضات مع جوابات۔

## پہلی فصل

### منتقل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی، اس پر بہت احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں، جن میں سے کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

نمبر ۴۲۱۔ ترمذی، احمد، ابو داؤد و شافعی، مشکوٰۃ نے باب الاذان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے، اور مؤذنین کو بخش دے

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمِنٌ  
اللَّهُمَّ ارشِدْ الْأَئِمَّةَ وَاعْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لے لیتے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ شے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے، کہ نفل سے اعلیٰ ہے، نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض سے ادنیٰ ہے ایسے ہی ہر فرض نماز اپنے مثل فرض کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے فرض کو لہذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضاء نہیں پڑھی جاسکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵۔ امام احمد نے حضرت سلیم سلمیٰ سے روایت کی۔

حضرت سلیم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یا رسول اللہ حضرت معاذ ابن جبل ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آئے

أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
سَأَلْتُكَ مَعَاذَ ابْنِ جَبَلٍ يَا تَبِيْنَا بَعْدَ مَا  
نَنَامُ وَنَنُكُونُ فِي أَحْمَاسِنَا بِالنَّهَارِ فَيُنَادِي  
بِالصَّلَاةِ فَنَخْرُجُ إِلَيْهِ فَيَطْوِلُ عَلَيْنَا فَقَالَ

لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا مَعَاذَ لَا تُكُنْ فِتْنَانَا  
إِمَّا أَنْ تُصَلِّيَ مَعِيَ وَإِمَّا أَنْ تُخَفِّفَ  
عَلَى قَوْمِكَ

ترجمہ

ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے  
حضور نے فرمایا کہ اے معاذ فتنہ کا باعث نہ بنو یا  
تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز  
پڑھایا کرو۔

خیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل نماز عشاء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچھے پڑھ کر اپنی قوم میں  
پہنچ کر انہیں نماز پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے، جس کی شکایت بارگاہ نبوی میں ہوئی۔ جس کا واقع  
یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور  
کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے سچھے فرض جہانہ نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا  
میرے سچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے سچھے نہ پڑھو۔  
حدیث نمبر ۶۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سے انہوں نے حضرت ابراہیم  
نخعی سے روایت کی۔

فرماتے ہیں، کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہو اور تم  
ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی  
نہیں اور اگر امام ایک نماز پڑھے اور سچھے والا  
مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی  
نماز تو ہو جاوگی اور سچھے والے کی نہ ہوگی۔

قَالَ إِذَا دَخَلْتَ فِي صَلَاةِ الْقَوْمِ وَأَنْتَ  
لَا تَنْوِي صَلَاتَهُمْ لَا تَجْزِكَ وَإِنْ صَلَّى  
الْإِمَامُ صَلَاتَهُ وَنَوَى الَّذِي خَلْفَهُ  
غَيْرُهَا اجْزَأَتِ الْإِمَامَ وَكَمْ نَجَزِهِمْ  
رَوَاةُ الْإِمَامِ مُحَمَّدٌ فِي الْأَثَارِ

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے سچھے فرض نماز نہیں  
پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے سچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہو سکتا۔

عقل۔ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے سچھے فرض ادا نہ ہو، کیونکہ امام پیشوا ہے  
مقتدی اس کا تابع اور امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع، اس لئے امام کے  
سہو سے مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ  
سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی



قرأت امام کے لئے کافی نہیں۔ حقیقوں کے نزدیک تو مطلقاً وہا بیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سواں۔ اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی۔ لیکن اگر مقتدی بے وضو پڑھے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے۔ مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے سچے سجدہ کی آیت تلاوت کرے، تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہونے خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑھے گی۔ لیکن اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ اور نفل نماز، فرض نماز سے درجہ کم ہے۔ تو چاہیے کہ نفل کے سچے فرض ادا نہ ہوں تاکہ اعلیٰ و افضل ادنیٰ کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے سچے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہو سکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے سچے نماز فجر نہیں ہو سکتی، مغرب پڑھانے والے کے سچے وتر نہیں ہو سکتے تو ظہر والے کے سچے عشاء کی قضاء بھی نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا مقتدی کی نماز امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھے رہا ہو۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

ہم اس پر غیر متقلد وہا بیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کیئے دیتے ہیں، جو وہ کیا کرتے ہیں، اور وہ بھی جواب تک ان کو سوچے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پنجگانہ فرض ہوئیں۔ اس کے بعد دو دن تک حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن پہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ان وقتوں کے

درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریلؑ کے لئے نفل کیونکہ نماز پنجگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی بھی ہے اور سنت جبریل بھی۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ تباؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریلؑ بغیر حکم الہی کبھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وَمَا تَنْزِيلُ الْإِنشَارِ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ | ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے

لہذا ماننا پڑے گا۔ کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے۔ جب حضرت جبریلؑ کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات میں نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قالون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریلؑ کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دنوں کی نمازیں قضا کیں۔ لہذا حضور نے حضرت جبریلؑ علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمد للہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اٹھ گیا۔

اعتراض نمبر ۲۔ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ كَانَ مَعَاذُ ابْنِ جَبْرِيلَ صَلَّى  
مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ  
يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بَهُمْ۔  
فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر اپنی  
قوم میں آئے اور انہیں نماز پڑھاتے تھے۔

دیکھو حضرت معاذ عشا کے فرض حضور کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آکر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض

پڑھنا سنت صحابہ ہے

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور کے سچے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ نے یہ کام حضور کی اجازت سے کیا کہ او نہیں حضور نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے سچے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا۔ بارہا صحابہ کرام سے اجتہاد غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں، اگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی، تو حضور نے انہیں اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کر دیا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت معاذ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہو نیکی وجہ سے ناقابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳۔ بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر سے حضرت معاذ کا یہ ہی واقعہ روایت کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قَالَ كَانَ مَعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ ثُمَّ يَرْجِعُ  
إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمُ الْعِشَاءَ وَهِيَ لَهُ  
نَافِلَةٌ۔

فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔ پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور کے سچے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے

جواب۔ آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت

معاذ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے انداز سے اور قیاس سے فرماتے ہیں، کہ حضور کے ساتھ فرض پڑھتے تھے، اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو۔ دوسرے کی نیت کے متعلق اس سے بغیر پوچھے، یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور نے اس کی اجازت دی۔ لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراف نمبر ۴۔ بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔ جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے۔ میں حجازی قافلوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا۔ فتح مکہ کے بعد میرے والد مدنیہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کیئے ان سے حضور نے فرمایا کہ اذان کوئی دس دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد ہو۔ جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔ مجھے امام بنا دیا۔ اس وقت میری عمر چھ سات سال تھی، میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

مجھ پر ایک چادر مونی تھی، کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے فاری صاحب کے چوڑے کیوں نہیں ڈھکیئے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیض سی دی۔

فَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ  
قَلَصْتُ عَلَيْهَا فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِّنَ  
الْحَيِّ الَّا تَنْظُونُ عَنَّا اِنَّتَ قَارِئٌ  
فَاَسْتَرَوْا فَانْقَطَعُوْا لِيْ قَمِيْصًا  
(مشکوٰۃ باب الامارۃ)

دکھو عمرو ابن سلمہ صحابی ہیں، اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں، عمرو ابن سلمہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جو ان پڑھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں جو اب۔ اس کے وہ ہی جو ابات ہیں جو اعتراف ۲ کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا۔ نہ کہ حضور کے فرمانے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شریعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی

مان لو کہ ننگے امام کے سچھے بھی نماز جائز ہے کیونکہ عمر و ابن سلمہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا۔ کہ سجدہ میں چادر مہٹ جانی اور پتھر ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے، کسی نے نماز نہ ٹوٹائی۔ کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے سچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محض عداوت سے تبرا کرتے اور ان کی جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ بکتے ہیں

## باب ۲۲

### خون اور قے سے وضو ٹوٹ جانا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں، جو چیز پشیاپ پاخانہ کی راہ سے نکلے غفلت کی نیند، غشی، نشہ، جنون، نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسا، بہتا ہوا خون، منہ بھر کر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے، نہ منہ بھر کر قے، لہذا کوئی محقق کسی غیر مقلد کے سچھے نماز نہ پڑھے، کیونکہ یہ لوگ بد عقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں کیا خبر ہے کہ قے کر کے یا نکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کیے مصلے پر کھڑے ہو جائیں، چونکہ غیر مقلد اس مسئلے پر بھی بہت شور مچاتے ہیں۔ اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات، رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

## پہلی فصل

تھے اور بہتہا خون بھی وضو توڑتا ہے،

حقیقوں کے نزدیک منہ بھر تھے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہ کر پھینچ جانا وضو توڑ دیتا ہے، ظاہر بدن وہ ہے جس کا دھونا، غسل میں فرض ہے، دلائل ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱۔ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
الْوُضُوءُ مِنْ كُلِّ دَمٍ سَائِلٍ | وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے

نمبر ۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس  
وَسَمِعْتُ مَنْ أَصَابَهُ قِيٌّ أَوْ رَعَاتٌ أَوْ قَلْسٌ أَوْ مَذْيٌ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ | کسی کو قے یا تکمیر یا نذی آجاوے تو نماز سے  
علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔

نمبر ۳۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی عبد اللہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون آنا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض نہیں ہے رگ کا خون ہے۔

لہذا۔

اجْتَنِبِي الصَّلَاةَ أَيَّامَ مَحِيضِكَ ثُمَّ | حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کرو اور  
أَغْتَسِلِي وَتَوَضَّعِي لِكُلِّ صَلَاةٍ وَإِنْ فَطَرَ | ہر نماز کے لئے وضو کرو پھر نماز پڑھو، اگرچہ خون  
الدَّمُ عَلَى الْحَصِيرِ۔ | چٹائی پر ٹپکتا رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے، ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے زنج یا قطرے کی بیماری ہو وہ۔ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا رہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

نمبر ۴۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی۔

آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے وہ نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَاءَ أَوْ رَعَفَ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصِرْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيَبْنِ عَلَى صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَتَكَلَّمْ

نمبر ۵ و ۶۔ ترمذی و ابوداؤد نے حضرت طلحہ ابن علی سے روایت کی۔

ایک بدوی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم میں کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اسکی ریخ نکل جاتی ہے اور پانی میں تنگی ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے (ملخصاً)

قَالَ إِعْرَابِي يَا رَسُولَ اللَّهِ الرَّجُلُ مِمَّا يَكُونُ فِي الْعَلَاةِ فَتَكُونُ مِنْهُ رَوْيْحَةٌ وَيَكُونُ فِي الْمَاءِ قِدَّةٌ فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ - مَلْخَصًا -

کذا فی جمع الفوائد من جامع الاصول وجمع الزوائد۔

نمبر ۷۔ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قے آئی تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان سے ملا تو ابوالدرداء کی یہ حدیث بیان کی آپ نے فرمایا ابوالدرداء نے سچ کہا پانی میں نے ہی ڈالا تھا یعنی میں نے ہی وضو کر لیا تھا۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَتَوَضَّأَ فَلَقِيْتُ تُوْبَانَ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقٍ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ صَدَقَ أَنَا عَبَبْتُ لَهُ وَضُوءَهُ وَ حَدِيثُ حُسَيْنِ أَهْلِهِ شَيْءٌ فِي هَذَا

الباب۔

نمبر ۸۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آجاوے تو علیحدہ ہو جاوے اور خون کو دھو دے پھر وضو ٹوٹائے

رَفَعَهُ قَالَ إِذَا رَعَفَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَنْصِرْ فَلْيَغْسِلْ عَنَّهُ الدَّمَ ثُمَّ لْيَعِدْ وَضُوءَهُ

نمبر ۹۔ دارقطنی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے یا اور کوئی حدیث کرے، تو علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَاءَ أَحَدُكُمْ أَوْ رَعَفَ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ أَوْ أَحَدَثَ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ

نمبر ۱۰۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکسیر آجاوے تو وہ علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نکلیا ہو تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کر لیا ہو تو نئے سرے پڑھے

قَالَ مَنْ رَعَفَ فِي صَلَاةٍ فَلْيَنْصَرِفْ فَلْيَتَوَضَّأْ فَإِنْ لَمْ يَتِيكَلَمْ بِنَبِيِّ عَلِيٍّ صَلَاتِهِ وَإِنْ تَكَلَّمَ اسْتَأْنَفَ

نمبر ۱۱۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسطلیثی سے روایت کی۔

انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکسیر آگئی تو آپ حضرت ام سلمہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آئے تو انہیں پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا، پھر واپس آئے اور بقیہ نماز پوری کی۔

إِنَّهُ رَأَى سَعِيدَ ابْنَ الْمُسَيْبِ رَعَفَ وَهُوَ يُصَلِّي فَأَتَى حُجْرَةَ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَى الْوَضُوءَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ رَجَعَ قَبْضِي عَلَى مَا مَدَّ صَلَّى

نمبر ۱۲۔ ابو داؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی

فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔

قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَحَدَثَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَأْخُذْ بِأَنْفِهِ ثُمَّ لْيَنْصَرِفْ -

(مشکوٰۃ باب ایحوز من العمل)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازی کو تدبیر یہ بتائی، کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھوے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کرے، اگر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹتا ہوتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں، ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوقی ہو تو صحیح البخاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔



عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھر قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاک ہے، ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہیے، اسی لئے پیشاب، پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے، بہتا خون، منہ بھر ناپاک قے ہے، قرآن کریم فرماتا ہے۔ اَذْذَمَّا مَسْفُوحًا اسی لئے بہتے خون والا جانور ذبح سے ہلال ہوتا ہے۔ تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے۔ تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ناپاک چیز نکلی، ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہیے، کیونکہ یہ بھی نجس ہے، جو جسم سے نکلا، نیز استحاضہ اور بوا سیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے۔ جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے، جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالہ دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد و بابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں، صرف کچھ شبہات اور دھمکیاں ہیں، مگر تکمیل بحث کے لئے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۔ احمد و ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ  
لَا وُضُوءَ إِلَّا مِنْ صَوْتِ أَوْ رِيحٍ | نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے، خون قے اس کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا چاہیے الا حصر کے لیے ہے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، بلکہ عورت یا شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب

ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی، مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے، جو مسلم شریف نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی

اِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَاسْتَكْبَلَ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْئًا أَمْ لَا فَلَا يُخْرَجُ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا يَجِدُ رِيحًا۔

جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس بیٹے سے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نکلے، یہاں تک کہ آواز سنے، یا بو پائے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے۔ جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو، حدیث کا منشا کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعترض نمبر ۲۔ حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّهُ كَانَ فِي غُرُوبَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرَمِيَّ كَجَلِّ مِنْهُ فَاتْرَفَهُ الدَّمُ فَرَكَهُ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ

کہ آپ غروبہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا، مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا، مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلتا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے، معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ نماز پڑھتے ہی رہے، تو چاہیے کہ آپ خون، پیشاب یا پانچاں سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو، حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے، کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیے، لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت

سے یہ عمل کیا معلوم ہوتا ہے دوسری واقفیت انہیں نہ تھی۔ اس لئے ایسا گزرے۔  
 قیر سے یہ کہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے، جو ہم پہلی فصل میں  
 عرض کر چکے، لہذا ناقابل عمل ہے۔

پھر تھے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے، کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے  
 پاک رکھنے کا حکم دیا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللَّزُجْرَ فَاَهْجُرْ كُنْدُكِي سَعِ دَوْرَ رَمُو۔  
 اور فرماتا ہے۔ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا، کہ  
 ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھی۔ لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔  
 پانچویں یہ کہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے، کون ہیں فقیہ ہیں یا غیر فقیہ اگر فقیہ ہیں  
 تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو حدیث مرفوع اور تمام فقہاء صحابہ کے خلاف ہے اور جو  
 اجتہاد حدیث کے خلاف ہو وہ واجب ترک ہے، اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے  
 یہ ہوا بہر حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

تیسرا اعتراض۔ اگر خون وضو توڑتا ہے۔ تو پانی سے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے  
 جیسے پیشاب ناقص وضو ہے، یہے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے، جب تھوڑا خون یعنی نہ  
 بہنے والا وضو نہیں توڑتا، تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں، ایسے ہی قے اگر ناقص وضو ہے تو خواہ  
 منہ بھر کر ہو یا تھوڑی، وضو توڑ دیتی ہے۔ یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب۔ الحمد للہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب  
 پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ویسے ہی آپ کا قیاس۔ جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے  
 پیشاب مطلقاً گندا ہے، تھوڑا ہو زیادہ، خون بہنے والا گندا ہے، رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے  
 اَوْ دُمًا مَسْفُوحًا نہ بہنے والا گندا نہیں، آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر  
 گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہو پاک ہوتی ہے، معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو  
 آنتوں میں پاخانہ اور شانہ میں پیشاب بھرا ہے۔ مگر پاک ہے اس لئے آپ کی نماز درست ہوتی  
 ہے۔ اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے  
 ہی گندا اندا جو اندر سے خون ہو گیا ہو جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں، اس کے اندر کا خون

چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے۔ جب یہ سمجھ لیا، تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو  
 پیشاب کی جگہ نشانہ ہے، وہ نشانہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آکر چمکتا ہے، لہذا نجس ہے اگرچہ  
 ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے۔ اگر کہیں سوئی  
 چھب گئی اور خون چمک گیا، مگر بہا نہیں، تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے، ناپاک نہیں، ہاں جب  
 بہے تو سمجھو، کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک، اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر  
 بھی وضو توڑ دیتا ہے، مگر خون بہ کر توڑے گا۔ غرض کہ خون کا نکلنا اور بہے چمکنا کچھ اور لہذا خون کو  
 پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اقتراض نمبر ۴۔ حینی شرح بخاری نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ | بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قے کی اور  
 قَاءَ وَكَلَّمَ بَيَّوْضًا۔ | وضو نہ کیا۔

اگر قے وضو توڑتی، تو حضور قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب۔ ماشاء اللہ کیسا نفیس اقتراض ہے، جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے حضور صلی  
 اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی پیش کیا گیا۔ مگر حضور علیہ السلام  
 نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پانا نہ بھی وضو نہیں توڑتا، جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی  
 کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی۔ وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں، ہاں  
 اگر حضور فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی، تو آپ پیش کر سکتے تھے۔ اگر یہ احادیث اس مسئلہ  
 کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے  
 ناقص وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقص نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان  
 نہ کی، صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا، معلوم ہوا، کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے  
 کی کوئی حدیث نہیں۔ کیونکہ وہ ہر مسئلہ پر حدیث پیش ہیں۔

اقتراض نمبر ۵۔ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں، جن میں ارشاد ہوا  
 کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نکیر آجاوے تو وہ وضو کرے، وہاں وضو سے مراد خون و قے  
 سے کپڑا دھو لینا ہے، نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَلْوُضُوءُ مِمَّا مَسَّتُهُ

النَّارُ اگ کی مٹی چمیز کھانے سے وضو ہے، وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا۔ مٹی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو، کیونکہ کھا کر ہاتھ دھونا، مٹی کرنا سنت ہے، یہ ناقض وضو نہیں، ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب :- واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے جو آج تک کسی کو نہ سوچا ہوگا۔ ذہن نے بہت رسائی کی، اسی کا نام تحریف ہے، اولاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عرفی معنی خود حضور علیہ السلام نے بیان فرمادیئے، کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے مٹی کی اور فرمایا، هَذَا وَضُوٌّ مِمَّا مَسَّتْهُ النَّارُ اگ کی مٹی چمیز کھانے سے وضو یہ ہے، یہاں آپ یہ معنی چھوڑ کر غیر معروف معنی کیوں مراد لے رہے ہو۔ نیز اس حدیث میں یہ ہے، کہ جس کو نماز میں قے یا نگیس آجاوے۔ تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے، اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑتی، جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے، وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا۔ لہذا آپ کی یہ توجیہ محض باطل ہے۔

## ۲۳۳

# تیسواں باب

## ناپاک کنواں پاک کرنا

مشد شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں، گڑھے یا گھر سے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی گر جاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے گا، کہ نہ پیا جا سکتا ہے، نہ اس سے وضو وغیرہ جائز ایک قطرہ پتیاں کنوئیں کو گندا کر دیتا ہے، سمندر، تالاب یا بہتا پانی ان کے احکام جدا گانہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو مشکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوگا، جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدے، لہذا ان کے نزدیک کنوئیں میں خوب گھومو تو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیو۔ وضو کرو، پھر طرہ یہ ہے کہ اس مشلے پر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کو گالیاں دیتے ہیں، کہ انہوں نے گندگی گر جانے پر کنویں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا۔ مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا۔ حنفیوں کو چاہیے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی بے تحقیق پیئیں۔ ان کے کنویں اکثر گندے ہوتے ہیں، جن سے یہ لوگ کپڑے دھوتے، نہاتے اور وضو کرتے ہیں، نہ ان کے بدن پاک، نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑاتے اور آواز سے کہتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہم اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

## پہلی فصل

### کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنواں خواہ کتنا ہی گہرا ہو، اور اس میں کتنا ہی پانی ہو۔ اگر اس میں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوبلی وغیرہ گر کر مر جاوے تو ناپاک ہے بغیر پاک کیئے اس کا پانی با استعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں سے ہم بطور نمونہ چند پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۴۷۴۔ مسلم نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ  
تَخَى أَنْ يُبَالِي فِي الْمَاءِ التَّوَكُّدِ ثُمَّ تَيَوَّضًا فَبَدَّ

نمبر ۴۷۵۔ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ

أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ وَهُوَ جُنْبٌ

فَقَالَ كَيْفَ يَفْعَلُ يَا أَبَاهُ بَيْرَةَ قَالَ

يَتَنَاوَلُهُ تَنَاوَلًا

یہ حدیث احمد۔ ابن حبان، عبد الرزاق، وغیر ہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے

بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا، کہ گڑھے، کنوئیں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے۔ نہ جنابت کا غسل، اگر ایسا کر لیا گیا، تو پانی گندہ ہو کر قابل استعمال نہ رہے گا۔ اگر دو ٹھکے پانی گندگی کرنے سے ناپاک نہ ہوتا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ ممانعت نہ فرماتے۔ نمبر ۱۲ تا ۱۴۔ ترمذی حاکم و متذکر، ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
إِذَا وُلِعَ الْكَلْبُ فِي الْأَنْبَاءِ غُسِلَ سَبْعَ  
مَرَّاتٍ أَوْ لَهَتْ بِالشَّرَابِ وَإِذَا وُلِعَ  
الْهَرَّةُ غُسِلَ مَرَّةً اللَّفْظُ لَابْنِ عَسَاكِرٍ

فرماتے ہیں، کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب مٹی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے اور ان احادیث سے پتہ لگا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور

ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر مٹی برتن سے پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے، برتن خواہ چھوٹا ہو، جیسے ہانڈی، ٹوٹا یا ٹبراج میں دو چار ٹھکے پانی آجاوے اگر دو ٹھکے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا، تو وہ برتن کیوں ناپاک ہو جاتا ہے جس میں یہ پانی ہے، کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لگا ہوا ہے جب برتن نجس ہو گیا تو پانی یقیناً نجس ہو گیا خواہ دو ٹھکے ہو یا کم و بیش۔ نمبر ۱۳ تا ۱۵۔ دارقطنی، طحاوی نے ابوالطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی۔

انَّ عَلَامًا وَقَعَ فِي بَيْتِ زَمْرَمٍ  
فَنَزَحَتْ۔

زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا گر گیا، تو کنوئیں کا پانی نکالا گیا۔

نمبر ۱۶ اور ۱۷۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی، عطاء تابعی ہیں۔

انَّ حَبَشَةً يَأْوِقِعُ فِي زَمْرَمٍ فَهَاتَا فَاَمَرَ  
بِهَ ابْنِ الزَّبْرِ فَنَزَحَ مَاءُهَا فَجَعَلَ  
الْمَاءُ لَا يَنْقَطِعُ فَنظَرَ فَاذَاعَيْنُ  
تَرَى مِنْ قِبَلِ الْحَجْرِ الْأَسْوَدِ فَقَالَ

کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں گر کر مر گیا حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حکم دیا، پانی نکالا گیا، پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سنگ اسود کی طرف سے آ رہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ

ابن الزبیر حَسْبُكُمْ

نے فرمایا کہ کافی ہے۔

نمبر ۱۸۔ بہیقی نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ حَبَشِيًّا وَقَعَ فِيهِ نَزْمٌ فَمَاتَ فَأَنْزَلَ رَجُلًا إِلَيْهِ فَأَخْرَجَهُ ثُمَّ قَالَ اخْرُجُوا مَا فِيهَا مِنْ مَاءٍ۔

وہ حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مر گیا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا، پھر ابن عباس نے فرمایا کہ جو پانی کنوئیں میں ہے اسے نکال دو۔

ان احادیث سے چند مثلے معلوم ہوئے، ایک یہ کہ اگر کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مر جاوے تو کنواں نجس ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنوئیں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اسکی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں، تیسرے یہ کہ اگر کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے، جو پانی فی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے، جو بعد میں آتا رہے اس کا مضائقہ نہیں چوتھے یہ کہ جس ڈول درسی سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں، کنوئیں کیساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے، اگر غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمائیں۔ تو امام صاحب کو گالیاں دینا، حنفیوں کا مذاق اڑانا آوازے کنا چھوڑ دیں۔

نمبر ۱۹۔ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ فِي الطَّيْرِ وَالسَّنُورِ وَنَحْوِ هُمَا يَقَعُ فِي الْبُئْرِ قَالَ يُنَزَّحُ مِنْهَا أَرْبَعُونَ دَلْوًا۔

امام شعبی چٹریا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں مر جاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔

نمبر ۲۰۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

أَنَّكَ قَالَ فِي رُجَا حَجَّةٍ وَقَعَتْ فِي بَيْرٍ فَمَاتَتْ قَالَ يُنَزَّحُ قَدْرَ رُبْعَيْنِ دَلْوًا أَوْ خَمْسَيْنِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ مِنْهَا۔

آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مر جائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔

نمبر ۲۱۔ طحاوی شریف نے حضرت عیسہ اور زادان سے روایت کی۔

عَنْ عِيسَى بْنِ مَرْثَدَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِذَا سَقَطَتْ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے



ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوبیا کوئی اور جانور کنوئیں میں  
مر جائے تو اسکا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے

الْفَارَةِ أَوِ الدَّائِبَةِ فِي الْبَيْرِ فَخَرَجُهَا  
حَتَّىٰ يَغْلِبَكَ الْمَاءُ۔

نمبر ۲۲۔ طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوبیا گر  
جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکالے جاویں۔

عَنْ اِبْرَاهِيمَ فِي الْبَيْرِ تَقَعُ فِيهَا الْفَارَةُ  
قَالَ يُنَزَّحُ مِنْهَا دَلْوًا

نمبر ۲۳۔ شیخ علاؤ الدین محدث نے سبأو الحقی طحاوی حضرت انس سے روایت کی (واللہ اعلم)

حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا  
کہ جب چوبیا کنوئیں میں گر جاوے اور فوراً نکال لیا  
جائے تو میں ڈول نکالے جاویں۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّهُ قَالَ فِي الْفَارَةِ اِذَا مَاتَتْ  
فِي الْبَيْرِ وَاُخْرِجَتْ مِنْ سَاعَتِهَا يُنَزَّحُ  
مِنْهَا عَشْرُونَ دَلْوًا۔

نمبر ۲۴۔ ابو بکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

حضرت علی سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں  
میں پیشاب کر دے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکالا جائے۔

اَنَّ عَلِيًّا سُئِلَ عَمَّا نَزَّحَ فِي الْبَيْرِ قَالَ  
يُنَزَّحُ (انتصار الحقی ص ۲۵۷)

یہ چوبیس روایتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیزیں گرجانے سے کنواں نجس  
ہو جاتا، اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری  
شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں، کیونکہ جب  
نجاست لگ جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں، تو پانی جو پتلی چیز ہے جس میں  
نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے۔ بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیے۔ نیز جب دوشکے  
دودھ اتیل۔ پتلا گھی، شہد، کستی نجاست پڑھنے سے نجس ہو جاتے ہیں۔ تو پانی ان چیزوں سے  
زیادہ پتلا ہے، وہ بھی ضرور ناپاک ہو جانا چاہیے۔ ورنہ فرق بیان کر دو کہ دوشکے دودھ کیوں ناپاک  
ہو جاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نہیں ہوتا اس لیے سرکار محمد رسول اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سوکر  
جاگو تو بغیر ہاتھ دھونے پانی میں نہ ڈال دو (مسلم و بخاری، پانی خواہ دھوئے ہو یا کم و بیش، دیکھو  
بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا، ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے

مختلف ہیں تانبے، شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتے ہیں، ناپاک بوتلا صرف پلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑ جانے سے پاک ہو جاتا ہے، نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ نجس کپڑا و جسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں، ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے ناپاک دودھ، تیل پاک دودھ و تیل کے ساتھ ملکر بہ جانے سے پاک ہو جاتے ہیں۔ بہر حال سختی یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔ پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک غیر مقلد وہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں، اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو ان شاء اللہ اس کتاب کے تمیز سے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں، عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنوئیں سے وضو کر سکتے ہیں، بضاعہ ایسا کنواں تھا، جس میں حیض کے کپڑے، کتوں کے گوشت اور بدبو دار پینزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی۔

قَالَ قَبِيلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ اَسْتَوْضَاؤُ مِنْ  
بِيْرُ بِضَاعَةٍ وَهِيَ بِيْرُ يُلْقَى فِيهَا الْحَيْضُ  
وَلِحَوْمُ الْكِلَابِ وَالتَّنِينُ فَقَالَ رَسُولُ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَاءَ طَهُورٌ  
لَا يَنْجَسُهُ شَيْءٌ

بضاعہ، تیرہ پاک میں ایک کنواں تھا۔ جس میں ہر قسم کی گندگی حتیٰ کہ مرے کتے بھی پھینک دیئے جاتے تھے، مگر اس کے باوجود سرکار نے کنوئیں کی گندگی حتیٰ کہ ناپاکی کا حکم نہ دیا تعجب ہے کہ حضور تو بضاعہ کنوئیں کو کتے، حیض کے کپڑے اور ہر قسم کی گندگی گرنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے، مگر امام ابو حنیفہ ایک قتلہ پیشاب گر جانے پر بھی سارا کنواں ناپاک کہہ دیتے ہیں، حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ کیا ابو حنیفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ پاک و ستھرے تھے۔

جواب :- اس اعتراض کے چند جوابات ہیں، ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں، کہ کتنا پانی ناپاک نہیں، تو چاہیے کہ گھڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے گوشت ڈال کر پیا کرو، کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو، اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی، تو بھی آپ کے خلاف ہے، کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رنگ یا لویا مزہ بدل جاوے تو نجس ہو جاوے گا، وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں، حیض کپڑوں اور بدبو دار چیزوں کے گرنے کے باوجود ان کا رنگ بو، مزہ نہ بدے اور رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آ جاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کو فتویٰ دینا چاہیے کہ وہابیوں کے کنوؤں میں مردار، کتے، سور، حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبو دار پانی کو پیتے رہو، تم نے بو اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لگائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کر نیکو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے، لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو، وہ واجب المتراک ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کرو، جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضعہ کنواں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھا۔ جیسا کہ آج مکہ معظمہ کے کنوئیں نہر زبیدہ پر بنے ہوئے ہیں، اور مدینہ منورہ کے کنوئیں نہر زرقا پر واقع ہیں، بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں، مگر درحقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں، چونکہ پانی جاری تھا، اس لیے جو گندگی گری بگٹی، پاک و صاف پانی آگیا نہ اس میں بونٹھی، نہ کوئی گندگی جاری نہر اور جاری دیا

کا حکم یہ ہی ہے۔

چنانچہ امام طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

بصاف کنواں پانی کا راستہ تھا جو باغوں میں جاتا تھا،

اس میں پانی ٹھہرنا نہ تھا۔

أَنَّ بَيْرَ بَصَاعَةَ كَانَتْ طَرِيقًا لِلْمَاءِ

إِلَى الْبَسَاطِينِ فَكَانَ الْمَاءُ لَا يَسْتَقِرُّ فِيهَا

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہو گئیں اور مشد بالکل حل ہو گیا۔ لہذا کنواں گندگی کرنے سے

نجس ہو جاتا ہے۔

اغتراض نمبر ۲۔ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو

سالانہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو

جنگلوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور

وارد ہوتے ہیں، تو حضور نے فرمایا کہ جب پانی دو

ٹسکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

وَسَمَّ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنِ الْمَاءِ يَكُونُ فِي

الْفَلَاةِ مِنَ الْأَرْضِ وَمَا يُنَوِّبُهُ مِنَ

السَّبَابِ وَالذَّوَابِ قَالَ إِذَا كَانَ الْمَاءُ

قُلْتَيْنِ كَمْ يَجْمَلُ الْخُبْثَ -

اس سے معلوم ہوا کہ دو ٹسکے پانی نجاست کرنے سے نجس نہیں ہوتا، امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق

سے روایت کی کہ دو ٹسکے پانچ مشکیزہ ہوتے ہیں، جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنوئیں

میں تو سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے، وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ دو ٹسکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست گرے خبثت میں مقدار

نجاست کی قید نہیں تو چاہیے کہ اگر دو ٹسکے پانی میں چار ٹسکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بول، مزہ،

رنگ سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہ پانی پیتے رہیں، رنگ و بونہ بدلنے کی قید تم نے

کہاں سے لگائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ کَمْ يَجْمَلُ الْخُبْثَ کے یہ معنی کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنی میں

نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے، جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال

باطل ہے۔

تفسیر سے یہ کہ اگر یہ ہی معنی کیے جائیں کہ دو ٹکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا، تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے کہ حضور نے ٹمہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو ٹکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے چاہ زمزم میں ایک حبشی گرنے پر اس کا پانی نکھوایا، یہ کیوں وہاں تو ہزاروں ٹکے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث لائق عمل نہیں چوتھے یہ کہ قلتیں قلتہ کا تشبیہ ہے، قلتہ ٹکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قد و قامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلتہ کے معنی انسانی قد و قامت ہے۔ اور اس سے گہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے، یعنی جب پانی بہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہتے کیلئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوگا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے گندگی کو بہاے جاویگا۔ فوراً دوسرا پانی آوے گا، اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوگا۔ اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی۔ یہ وجہ بہت بہتر ہے۔ کیونکہ اگر قلتہ کے معنی ہوں مشکا تو پتہ نہ چلے گا۔ کہ کتنا بڑا مشکا کہاں کا مشکا اور پانچ مشک مقدار مقرر کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں یہ مقدار مذکور نہیں۔ نیز یہ خبر نہیں کہ مشکینہ کتنا بڑا اور کہاں کا۔ غرض کہ حدیث مجمل ہوگی، مجمل پر عمل ناممکن ہے، پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ دو قلتے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو ہاتھ سطح ہوگی۔ اب چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہو گیا، لہذا معمولی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔ اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۔ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لیا ہے، پاک پانی چھوڑ آتا ہے۔ بھرت ہے۔ کہ جب کنوئیں میں چوڑا مگر گئی جس سے جس سے سارا کنواں ناپاک ہو گیا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہی نہ ہوا تھا۔ صرف تیس ڈول پانی ناپاک تھا جسے یہ کرا ماتی ڈول چھانٹ کر نکال لایا۔ اگر کل کنواں ناپاک ہو گیا تھا۔ تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہو گیا۔

جواب۔ یہ کرامت وہاں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔ جب کنوئیں کا پانی بومزہ رنگ بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہو جاوے اور کنواں چشمہ والا ہو، جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہاں صاحبان اسے پاک کریں۔ بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہو جائے یا کچھ ڈول اگر کچھ ڈول پانی ناپاک

ہو اسے، تو دہا بیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف گند پانی نکال لایا۔ اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لگایا اور اگر کل کنواں ناپاک ہوا تھا تو کنوئیں کا کل پانی نکالا بھی نہیں، پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہو گیا یہ کیسے ہوا اس کا جواب دہا بی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔ جناب عالی چڑیا مر جانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ مگر ناپاک پھیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی جل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کیلئے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہو جاتا ہے۔ دیکھو مٹی ناپاک ہے۔ لیکن جب کپڑے میں لگ کر خشک ہو جاوے، تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے، کیٹے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیے ہو گیا۔ صرف آسانی کے لئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۴۔ اگر چڑیا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہوگئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈول ڈالا گیا، تو وہ ڈول ورسی بھی نجس ہوگئی تو چاہیے تھا کہ اسے پاک کر نیکو دیوار بھی دھوئی جاتی اور ڈول ورسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب :- اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر ۳ کے جواب میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے، کنوئیں کی دیواریں اور ڈول ورسی دھونے میں سخت دشواری تھی۔ اس لیے اس کی معافی دی گئی۔ تم بھی اپنے گندے کنوئیں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول ورسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور رض کے مقابل قیاس و درانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس وغیر ہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہ زمرم پاک کیا، مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول ورسی۔

# پچیسواں باب

## نماز جمعہ و عیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ و نماز عید و بقر عید گاؤں میں نہیں ہوتی۔ ان تینوں نمازوں کیلئے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ میں ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ و عیدین لازم ہے نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آ کر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائینگے مگر غیر مقلد و باہمی کہتے ہیں کہ جمعہ و عیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کی بھی دو تفصیلات کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات۔

نومٹے خاک و دی۔ خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں۔ ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں۔ اور وہاں کوئی ساکم بھی رہتا ہو۔ جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

## پہلی فصل

نماز جمعہ و عیدین کیلئے دوسری شرائط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا قضاء شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی، گاؤں میں نہیں ہو سکتیں۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اسے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے۔ تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔

نمبر ۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ۔

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے ہیں۔ پہلے جمعہ کے لئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا، جس سے اشارتاً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا۔ جہاں تجارتی کاروبار

ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتے ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ۳۱۳۔ عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں ابو عبید نے غریب میں مروزی نے کتاب الجمعہ میں امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قَالَ لِاجْمَعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ  
آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریح نہیں ہو سکتے  
مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۳۱۴۔ ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

قَالَ لِاجْمَعَةَ وَلَا تَشْرِيقَ وَلَا اَصْلُوَةَ فِطْرٍ وَلَا اَصْحَىٰ إِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ اَوْ مَدِيْنَةٍ عَظِيْمَةٍ  
آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے، نہ تکبیر تشریح  
نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۳۱۵۔ بیہقی نے عرفہ میں انہی حضرت علی سے روایت کی۔

قَالَ لَا تَشْرِيقَ وَلَا اجْمَعَةَ اِلَّا فِي مِصْرٍ جَامِعٍ۔  
آپ نے فرمایا کہ نہیں ہے جمعہ اور نہ تکبیر  
تشریح مگر بڑے شہر میں۔

حدیث نمبر ۳۱۶۔ فتح الباری شرح بخاری جلد ۲۔ ص ۳۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قَالَ لَيْسَ عَلَىٰ اَهْلِ الْقُرَىٰ جُمُعَةٌ اِنَّمَا الْجُمُعَةُ عَلَىٰ اَهْلِ الْاَمْصَارِ مِثْلَ الْمَدَائِنِ  
آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں  
جمعہ مدائن جیسے شہر والوں پر فرض ہے۔

حدیث نمبر ۳۱۷۔ مسلم۔ بخاری، ابو داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ الْجُمُعَةَ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِي فَيَأْتُونَ فِي الْعِيَادِ وَالْعَرَقِ الْخ  
لوگ نماز جمعہ کے لیے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ  
منورہ آتے تھے انہیں بخارا لگ جاتا تھا اور پسینہ آجاتا تھا

حدیث نمبر ۳۱۸۔ ترمذی نے حضرت ثوبان سے انہوں نے قبا والوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے  
اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں روایت کیا۔

قَالَ اَمَرْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فرمایا ہم قبا والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا  
کہ نماز جمعہ کیلئے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔

حدیث نمبر ۳۱۹۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی۔



قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ أَدَاكَ اللَّيْلُ إِلَى  
أَهْلِ يَوْمِهِ

فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات  
تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے

حدیث نمبر ۱۲۔ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا۔

أَنَّ أَهْلَ قُبَاءٍ كَانُوا يَجْمَعُونَ مَعَ رَسُولِ  
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ -  
قبائوے لوگ جمعہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۳ و ۱۴: موطا امام مالک باب لَا جُمُعَةَ فِي الْعَوَالِيِ اور موطا امام محمد باب صَلَوةِ  
الْعِيْدَيْنِ وَآمَسِ الْخُطْبَةِ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبید موسیٰ ابن ازہر ہے۔

فرمایا میں حضرت عثمان کے ساتھ نماز عید میں حاضر  
ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن  
میں دو عیدین جمع ہوگئی ہیں، تو گاؤں والوں میں  
سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ

قَالَ شَهِدْتُ الْعِيْدَ مَعَ عُثْمَانَ فَصَلَّيْتُ  
ثُمَّ انْصَرَفْتُ وَقَالَ إِنَّهُ قَدْ اجْتَمَعَ لَكُمْ  
فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيْدَانِ فَمَنْ أَحَبَّ  
مِنْ أَهْلِ الْعَالِيَةِ أَنْ يَنْتَظِرَ الْجُمُعَةَ  
فَيَنْتَظِرْهَا وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَرْجِعَ  
فَقَدْ أَذِنْتُ لَهُ -

کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت  
دیتا ہوں۔

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ  
وعیدین پڑھنے کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے  
اگر گاؤں میں نماز جمعہ یا نہ ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے، گردوغبار تیش اور پسینہ کی زحمتیں  
اٹھا کر جمعہ وعیدین کے لئے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ يَنْتَظِرُ الْجُمُعَةَ اور موطا کے لفظ أَنْ  
يَرْجِعَ سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں اور نہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور

صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی بغیر جمعہ پڑھ لوٹ جانیکا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہونے کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ سفوفہ کے دن جمعہ تھا۔ جس میں ایک لاکھ سے  
زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھانے کے  
حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کیے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات

نے گاؤں میں جمعے قائم کیے ہوں پنا نہ فتح القدر باب الجمعہ میں ہے۔

وَلِهَذَا الْمَدُّ يُقْلَعُ عَنِ الصَّحَابَةِ حِينَ  
فَتَحُوا الْبِلَادَ وَاسْتَعْلَوْا بِنَصَبِ الْمَنَابِرِ  
وَالْجَمْعِ إِلَّا فِي الْأَمْصَارِ

صحابہ کرام سے کہیں منقول نہ ہوا کہ جب انہوں  
نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا  
کہیں اور عید اور جمعے قائم کیے ہوں۔

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرات ہر جگہ ہی جمعے قائم کرتے جیسے جمعہ کیلئے خطبہ جماعت  
وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کیلئے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں، ظہر سب  
پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرضکہ جمعہ سارے احکام میں ظہر  
کی طرح نہیں۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراض و جوابات

اعتراض نمبر ۱۔ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے، وہاں شہر کی قید  
نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیے جا سکتے ہو۔ قرآنی مطلق حدیث واحد سے  
منفید نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے، کہ قرآن شریف  
میں نماز جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی، نہ خطبہ کی، نہ جماعت کی، نہ جگہ کی، تو چاہیے  
کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھا لیا کرو، نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو۔ جنگل اور  
گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت  
جمعہ مطلق نہیں بلکہ محل ہے اور محل کی تفصیل حدیث واحد سے بھی ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ  
احادیث واحد نہیں عرفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے  
دیکھا۔ بیگی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی، جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں، وہ خبر واحد  
کیونکر ہوگی۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب  
نے مکہ جمعہ کے ساتھ فرمایا وَذُرُّوا الْبَيْعَ جِيسَا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعترض نمبر ۲۔ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جوائی میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہو سکتا ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب میں ایک یہ کہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً لبتی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔  
 وَقَالُوا لَوْلَا نَزَّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَيَّ رَجُلٍ  
 مِنَ الْقُرْبَاتَيْنِ عَظِيمَةٍ۔  
 کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ و طائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں، مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ اور فرماتا ہے  
 وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا۔ | آپ پوچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔  
 دیکھو اس آیت میں مصر کو قریہ فرمایا گیا جو عظیم الشان شہر ہے۔

ع ۳ حَتَّىٰ إِذَا آتَيْتُمُ الْأَهْلَ الْقُرَيْبِينَ اسْتَطَعْتُمْ أَنَّا  
 أَهْلَهَا۔ | یہ دونوں رموزی و خضر علیہما السلام، ایک لبتی میں  
 پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا

اس آیت میں انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا، حالانکہ بڑا شہر ہے، بہر حال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جوائی گاؤں نہ تھا، بلکہ شہر تھا۔ چنانچہ صحاح میں ہے  
 أَنَّ جَوَائِي حِصْنٌ بِالْبَحْرَيْنِ  
 جوائی بحرین میں ایک قلعہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے۔ (فتح القدير) مبسوط میں ہے

إِنَّهَا مَدِينَةٌ بِالْبَحْرَيْنِ  
 وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔

بہر حال جن لوگوں نے کہا ہے کہ جوائی قریہ ہے انکی مراد قریہ سے شہر ہے، دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ یعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا، جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا، لہذا شہر والی روایتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا۔ تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام کے اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ (از فتح القدير وغیرہ)

اعتراض نمبر ۳۔ بہنقی شریف میں بروایت عبدالرحمن ابن کعب عن کعب ابن مالک سے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زرارہ نے مقام حرہ بنی بیاضنہ پر پڑھایا، پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے۔ تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھے حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زرارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی۔ معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جواب۔ یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادت کیا کریں۔ چنانچہ حضرت سعد ابن زرارہ نے حرہ بنی بیاضنہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا نماز و دعا کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا یعنی مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اپنی اجتہاد ہی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ نے اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق بہنقی میں اسی مقام پر اور فتح الفقہ میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مردہ جمعہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضنہ مستقل گاؤں نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں سے تھا۔ یعنی فنائے شہر اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ و عیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴۔ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزلیق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلمہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں، انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو، محمد ابن شہاب نے رزلیق کو ایک بہت چسپوٹے سے گاؤں ایلمہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب۔ اس کا جواب بخاری شریف کے اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں سہلہ معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ ظہر کی طرہ جمعہ بھی ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری

میں اس جگہ اس شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبداللہ ابن عمر نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے آنسوؤں کے متعلق سوال ہوگا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵۔ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علیؓ کے اقوال ہیں نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیوں کر دیا جاسکتا ہے۔

جواب۔ صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے، اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی قسم کی نہ ہوں تو حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لئے شہر کی صراحت قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا ہے، بلکہ مسطور صلے اللہ علیہ وسلم سے سن کر فرمایا اسی لئے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوعہ کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶۔ جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ جب ظہر گاؤں و شہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہر جگہ ہو جانا چاہئے۔

جواب۔ یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں گھر میں مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہئے۔ اللہ کے بند جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں پورا جمعہ کی دو ظہر میں سنت ہو کہ وہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد ظہر میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں ۲ ظہر گھر میں بھی جائز نہ کر جمعہ کے لئے اذان عام کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت و مسافر پر فرض نہیں، جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرق موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کیلئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا۔ اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا۔

اور قبا شریف شہر نہ تھا، جمعہ کے لیے دونوں چیزیں شرط ہیں۔  
اعتراف نمبر ۷۔ - خفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے، منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل  
ہے اگر جمعہ کے لیے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائزہ کیوں ہو گیا۔

جواب۔ حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی  
بنے ہوئے ہیں، حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں ساکن بھی موجود ہوتا ہے۔ اس  
لیئے وہاں جمعہ جائزہ ہے۔ اس زمانہ میں دہلی و کراچی کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض  
میدان ہے چاہیئے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اُس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ  
ہیں اس لیے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی۔ قربانی۔ حجامت۔ طواف زیارت یہ سب دسویں  
تاریخ کو کیئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ  
عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

(نوٹ ضروری) جہاں مسلمان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں، وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے  
کا تاکید حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔

## پچیسواں باب

### نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو  
سورۃ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الہی درود شریف اور  
دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الہی یا دعا کی نیت سے پڑھے  
تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں، تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں  
دیکھو ناپاک اجناس، کی حالت میں آیتہ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے، دعا کی

نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا، آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہم نے کہا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ  
 الْعَالَمِينَ۔ اگر ہم ناپاکی کی رسالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے۔ لیکن اگر تلاوت قرآنی  
 کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مفقود و باقی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت  
 قرآن کی نیت سے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لیے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں،  
 پہلی فصل میں اپنے دلائل، دوسری فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

## پہلی فصل

### اس مسئلہ پر دلائل

نمبر ۱۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ | منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ پر جنازہ نہ پڑھے  
 آیتہ کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوة فرمایا مگر ساتھ میں علیٰ ارشاد فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت

دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا | اے مسلمانو تم نبی پر درود سلام پڑھو

یہاں صلوا علیہ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود دعا مراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد علیٰ ارشاد ہے جب  
 صلوة کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنی دعاء رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورۃ فاتحہ  
 و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا۔ دعا کے لیے تو حمد الہی درود شریف چاہیے چونکہ  
 جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اسی لیے اس میں رکوع  
 سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۔ مؤطا امام مالک میں بروایت نافع عن ابن عمر ہے

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ | سیدنا عبداللہ ابن عمر نماز جنازہ میں تلاوت قرآن  
 عَلَى الْجَنَائِزَةِ | دفع القدير نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۔ اسی مؤطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔

عَمَّنْ سَأَلَ أَبَا هُرَيْرَةَ كَيْفَ يُصَلِّي | روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابوہریرہ سے

عَلَى الْجَنَائِزَةِ فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَا  
 لَعْمُرِكَ أَخْبِرُكَ أَتَّبِعُهَا مِنْ عِنْدِ  
 أَهْلِهَا فَإِذَا وُضِعَتْ كَبَّرْتُ وَحَمَدْتُ  
 اللَّهَ وَصَلَّيْتُ عَلَى نَبِيِّهِ ثُمَّ  
 أَقُولُ اللَّهُمَّ عَبْدُكَ وَابْنُ  
 عَبْدِكَ وَابْنُ أُمَّتِكَ كَانَ  
 يَشْهَدُ الْخِ (رفح)

پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں، تو آپ نے  
 فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے  
 گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت  
 رکھی جاتی ہے تو تکبیریں کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس  
 کے نبی صلعم پر درود عرض کرتا ہوں پھر یہ دعا پڑھتا  
 ہوں الہی تیرا یہ بندہ تیرے فلاں سے بند سے فلانی  
 بندگی کا لڑکا توجید و رسالت کی گواہی دیتا تھا الخ

غور کرو، کہ حضرت ابو ہریرہ کی بتائی ہوئی نماز جنازہ میں حمد - درود - دعا کا ذکر تو ہے۔ مگر تلاوت قرآن  
 کا بالکل ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۳۲۰۳ - ابو داؤد ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت فرمایا۔

قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلَصُوا  
 لَهُ الدُّعَاءَ۔  
 فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم  
 میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے خاص  
 دعا کرو۔

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص دل سے اس کے  
 لئے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات دہانی اس کے معنی یہ کرتے ہیں۔  
 کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص  
 اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی تلاوت نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں  
 میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات، ودعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جہت سے نماز میں  
 سب سے دعا کے کچھ نہ ہو رہی، حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے ادب میں سے ہے  
 بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی اتنی کے خلاف ہے۔ اور احناف کی تائید  
 کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۱۵ - عینی شرح بخاری جلد دوم ص ۱۵۴ باب قراۃ الفاتحہ علی الجنائزہ میں



حسب ذیل احادیث ہیں۔

وَمِمَّنْ كَانَ لَا يَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ عَلَى  
الْجَنَائِزَةِ وَيُنَكِّرُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلِيُّ  
ابْنُ أَبِي طَالِبٍ وَأَبْنُ عَمْرٍو وَالْبُهَيْرِيُّ  
وَمِنَ التَّالِعِينَ عَطَاءٌ وَطَاوُسٌ وَسَعِيدٌ  
وَأَبْنُ الْمُسَيْبِ وَأَبْنُ سَيْرِينَ وَسَعِيدُ  
ابْنِ جَبْرِ وَالشَّعْبِيُّ وَالْحَكَمُ قَالَ ابْنُ  
الْمُنْذِرِ رُوِيَ قَالَ مُجَاهِدٌ وَحَمَّادٌ وَ  
الثَّوْرِيُّ وَقَالَ مَالِكٌ قِرَاءَةُ الْفَاتِحَةِ  
لَيْسَتْ مَعْمُولًا بِهَا فِي بَدَنِ نَافِي صَلَاةِ  
الْجَنَائِزَةِ۔

اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ  
کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے، ان میں  
حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن  
عمر اور ابو ہریرہ ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء  
طاووس، سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید  
ابن جبیر، امام شعبی اور حکم ہیں۔ ابن منذر کہتے ہیں  
کہ یہ ہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے، امام مالک  
فرماتے ہیں کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ  
کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج  
نہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو، کیونکہ عام نمازوں میں جیسے  
تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ، التحیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے، اور ان نمازوں  
میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع۔ سجدہ  
التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا  
ہے اور دعائیں حمد، درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا نماز جنازہ میں تلاوت بھی نہیں، وہابی  
حضرات کو چاہیے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں  
پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلفیق کرتا ہے۔

نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا واسطے  
حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے، اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز  
جنازہ کو حمد، درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مردہ پنچگانہ نماز نہیں سمجھتے، یہ بہ حال نماز  
جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

## دوسری فصل

### اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں، ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو ان شاء اللہ اگلے ادیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔  
اعتراض نمبر ۱۔ مشکوٰۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

روایت ہے طلحہ بن عبد اللہ بن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس کے سچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لئے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے

عَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ عَوْفٍ  
قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلَى  
جَنَائِزَةٍ فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَقَالَ  
لِتَعْلَمُوا أَنَّهُ سُنَّةٌ۔

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے اور صحابہ کا عمل۔

**جواب۔** اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے، کہ نماز کے بعد میت کو ایصالِ ثواب کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ فقہاء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ فقہ تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی، تیسرے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کوئی تکبیر معی مقرر کر لو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ نبیت حمد و ثناء پڑھی یا نبیت تلاوت، نبیت دعاء و تلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں، چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ و تابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لئے کیا تاکہ تم جان لو یہ سنت ہے پتہ سلا کہ صحابہ کرام نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لیے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑھی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ معنی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعاء کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ہم ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز

جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھی ہو، ساتویں یہ کہ سب سے پہلے عبد اللہ ابن عباس کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں، بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

وَلَمْ تَثْبُتِ الْقِرَاءَةُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنازہ میں قراءت ثابت نہیں۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے۔ جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبد اللہ ابن عباس ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ | کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ حَدِيثٌ لَيْسَ اسْنَادُهُ بِذَلِكَ الْقَوِيِّ اِبْرَاهِيمُ بْنُ عُمَرَ هُوَ أَبُو شَيْبَةَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ | ابو عیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباس کی یہ حدیث اسناداً قوی نہیں، ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبد اللہ ابن عباس کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوٰۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مترقاۃ) تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کے اندر سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورۃ

فاتحہ پڑھی ہو۔ یہاں اس کا بیان ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے  
 و احتمال وارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش  
 ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ  
 آلائع متعارف است  
 یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 نماز جنازہ سے پہلے یا بعد، جنازہ پر برکت کیلئے  
 پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ  
 حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جوازی یا استحباب ثابت کرنے کے لیئے نہایت کھری صحیح کسالی  
 حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لیئے ایسی محفل اور منکر وضعیف حدیثیں  
 پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر ۳۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔  
 حدیث شریف میں ہے۔ لَا صَلَاةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی)  
 نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہوتی چاہیئے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ  
 میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں، کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ  
 نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لیئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں،  
 بیسے دنوں قبلہ کو رخ۔ اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو کبھی اگر نہ رکھا جاتا۔

## خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند اہم ضروری مسائل عرض کرتے ہیں، جن سے اہلسنت احناف کے دل  
 باغ باغ ہو جاویں، گلشن تقلید کے ایسے پھول سنگھاتے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایمان مہک  
 جاویں، کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔

## ۲۶ پہلا مسئلہ

### حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر منقلد وہابی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے مسائل پر پستیوں کتے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت سگ، اور تاریخ وفات بولم جہاں پاک، لکھی ہے۔ نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف، نے کہا وہابی اور گد کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گد بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی، غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس، چوبیس کے عدد چوبیس، وہابی چوبیس کی طرح دین کترتے ہیں، گد کی طرح غیبت کر کے مردار کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نے چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے، شانہ رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مدح خوانی کو میرے لئے کفارہ سیات بنا دے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرما دے۔ مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

امام اعظم کا نام و نسب۔ حضرت امام ابوحنیفہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا، جو حضرت علی مرتضیٰ کا دار الخلافہ تھا۔ حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جو سچے تھے حضرت علی مرتضیٰ کے پاس دعا کیلئے لے گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ثابت کیلئے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی۔ حضرت امام حضور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کرامت، و بشارت، ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ ہجری میں بغداد میں وفات پائی، خیزران قبرستان میں دفن ہوئے، آپ کی قبر زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ستر سال عمر شریفی ہوئی۔

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا، جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس ابن مالک

جو بصرے میں تھے، عبداللہ ابن ابی اوفیٰ جو کوفہ میں تھے، بہیل ابن سعد ساعدی جو مدینہ منورہ میں تھے ابو طفیل عامر ابن واصلہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں، مگر یہ قول راجح ہے امام اعظم حضرت حماد کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی۔ حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا۔ پھر آپ سے قاضی القضاة کا عہدہ قبول کر نیکی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب عالم و عمل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم کے مناقب - حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کے فضائل و مناقب ہماری حدود سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں۔ امت مصطفویہ کے چار شاخ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں، ہمارا رسول رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت و عزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ و کرمہ، ہم تبرک کے لیے چند مناقب عرض کرتے ہیں، حنفی سنیں اور باغ باغ ہوں علی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشینگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ سے روایت کی۔

اگر ایمان ثریا تار سے کے پاس ہوتا تو فارسی اولاد میں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اسکی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تار سے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔

كُوْكَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَتَنَّاوَلُهُ  
رِجَالٌ مِّنْ اَبْنَاءِ فَاْرِسٍ وَفِي رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ  
وَالسَّلَامِ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كُوْكَانَ  
الَّذِيْنَ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَتَنَّاوَلُهُ رَجُلٌ  
مِّنْ فَاْرِسٍ۔

تبار فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

سوا کون ہوا؟

۳۷ علامہ ابن حجر کی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَرْفَعُ زَيْنَتُ الدُّنْيَا سِتَّةَ خُمُسِينَ | سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے  
وَمَا سِئَةٌ | گی۔

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم کی ذات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم دنیا سے شریعت کی زینت، شریعت کی رونق علم و عمل کی زیبائش تھے، امام کردری نے فرمایا، کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

۳۸ حضرت امام اعظم دنیا سے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

۳۹ حضرت امام اعظم تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں، یہ تمام حضرات امام اعظم کے شاگرد و چنانچہ امام شافعی حضرت امام محمد کے سوتیلے بیٹے اور ان کے شاگرد ہیں، ایسے ہی امام مالک نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا، نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاد و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمان علم کے سورج امام اعظم میں باقی علماء تارے

۴۰ امام اعظم رحمۃ اللہ کے بلا واسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں جن میں سے اکثر مجتہد ہیں۔ جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک جو دنیا سے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب نے نو سو نو سے زنی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں۔ جنہیں کتب ظاہر الروایت کہا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

۴۱ تمام نبیوں کے سردار چار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب، فرشتوں کے سردار

چار فرشتے صحابہ میں افضل و اعلیٰ پیار یار، علمائے مجتہدین میں افضل پیار امام پیران چار نبیوں میں حضور افضل چار کتابوں میں قرآن افضل، چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل، پیار یار میں ابو بکر صدیق افضل پیار اماموں میں امام اعظم افضل، اسی لیے امام شافعی نے فرمایا، کہ فقہاء ابوحنیفہ کی اولاد ہیں، وہ ان سب کے والد۔

۷۔ امام اعظم جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہ سوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وقت سے فجر کی نماز پڑھی، چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی، گھر سے کھانا لائے۔ باہر طلباء کو کھلا دیا۔ گھر والے سمجھے کہ باہر جا کر کھایا، باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اکٹھے قرآن کریم ختم کرتے تھے، ایک قرآن دن میں، ایک رات میں اور ایک سارے مہینہ میں تراویح میں مقتدیوں کیساتھ سچپن حج کیٹے۔

۸۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لیے اکیر اعظم ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہ فرماتے ہیں، کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو میں بغداد شریف امام اعظم کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں، دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم کی قبر شریف کی برکت سے دعا کرتا ہوں بہت ہی جلد حاجت پوری ہوتی ہے امام شافعی جب امام اعظم قدس سرہ کی قبر انور پر حاضر ہوتے۔ تو حنفی نماز پڑھتے تھے، کہ قنوت نازل نہ پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام و ادب کرتا ہوں۔ شامی۔

خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرمادیتے تھے، مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ غلطی پر بلکہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہنا ہے کہ شاید دوسرے امام کا قول حق ہو، عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے۔ تو گویا حضرت امام شافعی نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

۹۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے سوا بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ آخری بار جو دعا رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا وہ رو۔ المختار میں تفصیل وار درج ہے۔



۱۰۔ امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ، غوث و قطب، ابدال، اقامہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں، جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم، شقیق بلخی، معروف کرخی، حضرت یازید بسطامی فضیل ابن عیاض خراسانی، واؤد ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو عبد الغفار خزردی بلخی، خلف ابن ایوب، عبد اللہ ابن مبارک دلی، فقیہ، محدث، وکیح ابن جراح شیخ الاسلام ابو بکر ابن وراق ترمذی جیسے سرداران اولیاء حنفی ہی ہیں، اور حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں، غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء سے، آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہی ہیں، فخر پاک و ہند حضرت دانا گنج بخش جویری بن آستانہ مرجع خلاق ہے۔ حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی، قادری نقش بند، سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

۱۱۔ حضرت امام اعظم کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے، وہاں مذہب حنفی ہے، اکثر مسلمان حنفی ہیں، بحرین طیبین میں اکثر حنفی بلکہ دنیا کے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہے، دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں، جیسے بلخ، بخارا، کابل قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی، حنبلی، مالکی دیکھنے میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم مقبول بارگاہ الہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

۱۲۔ امام اعظم کے مخالفین نے بھی امام اعظم کے فضائل و مناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفۃ النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الامتصار الامام ائمتہ الامصار و وجہوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبیض الصحیفہ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی، علامہ یوسف ابن عبد البہادی حنبلی نے تنویر الصحیفہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تخریر فرمائی، جس میں ابن عبد اللہ کا قول نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں، کہ میں نے امام ابو حنیفہ جیسا عالم، فقیہ متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرض کہ امت مرحومہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہ کے فضل و کمال کے گواہ ہیں۔ مگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں، تو کیا اعتبار، اگر چیکارڈ سورج کو بڑا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہو جاتا، جیسے آج روافض حضرات صحابہ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرات امام پر ہیں۔

ع ۱۳ تمام ائمہ مجتہدین میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت قریب ہے، کہ آپ کی ولادت پاک ۸۰ھ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات و روایت کی۔ جنہوں نے آپ کی تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ سیدنا عبد اللہ ابن ابی اوفیٰ جیسے صحابی امام اعظم کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام ان سے نہ ملیں! آج بزرگوں سے ملنے دنیا کھچی آئی ہے۔ صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا۔ بہر حال آپ تابعی ہیں۔ اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور سے ملیں، خیر القرون میں ہوئے۔ خیال رکھیے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۸۰ھ ہجری میں ہے۔ وفات ۱۵۰ھ میں، عمر شریف ستر سال، مزار شریف بغداد میں، امام مالک کی ولادت ۹۰ھ ہجری میں وفات ۱۶۹ھ میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف مدینہ منورہ میں امام شافعی کی ولادت شریف ۱۵۰ھ میں وفات ۲۴۰ھ عمر شریف ۵۴ سال، آپ امام اعظم کی وفات کے دن پیدا ہوئے، امام احمد ابن حنبل کی ولادت شریف ۱۶۴ھ میں وفات ۲۴۱ھ میں عمر شریف ۷۷ سال۔

ع ۱۴ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض و برکات حاصل کیئے جو دوسرے ائمہ کو حاصل نہ ہوئے۔ کیونکہ امام اعظم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔ **كُوَلَا الشَّيْئَتَانِ اَلْهَلَّتْ النِّعْمَانُ اِگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔**

ع ۱۵ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو بکر صدیق کے مظہر اتم ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم حضور کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر جامع قرآن ہیں امام اعظم جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر نے حضور کے بعد پہلے عدل و انصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی، امام اعظم نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی، ابو بکر

صدیق نے امت مصطفوی کی بروقت مدد و اعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا، شیرازہ کھینے نہ دیا، امام اعظم نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی کہ انہیں کفر و الحاد و زندہ کی آندھیوں سے بچالیا، آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت مسلمہ کفار و مرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

۱۶ جیسے حضور غوث اعظم تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث پاک کا قدم ہے، آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر

غوث اعظم در میان اولیاء چوں جناب مصطفیٰ در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لئے طریقت کے امام اول کا لقب غوث اعظم ہوا اور شریعت کے امام اول کا لقب امام اعظم بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔

## دوسرا مسئلہ

### تقلید کی اہمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے جاء الحق حصہ اول میں مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے، جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرمادیں، اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لئے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کیے جاتے ہیں، رب تعالیٰ قبول فرمادے آمین۔

خیال رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ و اکمل التیمۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی، اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار کیا وہ حضرات آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی و امام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی۔

أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بَالِيهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ | میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اِهْتَدَيْتُمْ۔

رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کی برکت سے گمراہی

بدعت کی فسق و فجور سے محفوظ و مامون رکھا، خود ارشاد فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ كَلِمَةُ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا۔

رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وَكَرَّهَ إِلَيْكُمْ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَ الْعِصْيَانَ۔

اے صحابہ کرام رب نے کفر و فسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈالی

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد فرمایا۔

وَكَلَّا وَعَدَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ

رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا۔

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا کہ جس کا ایمان ان کی طرح ہو

وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے۔ کہ فرمایا

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا۔

اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لائیں۔ تو ہدایت پر ہوں گے۔

اگر صحابہ کرام کے فضائل و مراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور کی صحبت شریف کی برکت سے صحابہ کرام کے دل روشن سینے نورانی تھے، وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں وہی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے و فساد لہذا اس خیر القرون کو باقاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تمام جہان کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ و منطق کا الحاق پیدا ہوا، تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرمادیا امت نے محسوس کیا، کہ اب تقلید ائمہ کے بغیر چارہ نہیں غرض کہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہو گئے، عوام، علماء، مجتہدین، عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم و ضروری سمجھا، یہ تقلید و اجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم سے کئی کتابی

شکل میں جمع نہ فرمایا، عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا۔ پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زیر لگائے گئے پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام و احکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی، بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں، غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں، یہ چیزیں بنتی گئیں۔ یہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے، جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ قرآن کا جمع، اعراب سپارے بنانا۔ علم حدیث اور کتب حدیث، بدعت ہیں، عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں۔ تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے۔ ہم اسجگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن حدیث عمل امت۔ عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ سینے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

عَا فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ | پھر اگر تم جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے پوچھے، غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں، اس ہی کا نام تقلید ہے۔

۲ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ | اسے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی،

قرآن کریم پر عمل اللہ کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولو الامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین، کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت بہر حال میں واجب نہیں، صرف انہی احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام و سلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

اول سبقت کر نواے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہو ایہ اللہ سے راضی۔

ع۳ وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے۔ مہاجرین، انصار اور تانا قیامت ان کی اتباع و تقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلد ان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری، اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

ع۴ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ | اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدیت و ہدایت مردودوں کا راستہ ہے۔

ع۵ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ | اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

معلوم ہوا کہ صرف بہارا تقویٰ و پرہیزگاری بخشش کے لیے کافی نہیں، پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی سنت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں، اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں اگر کوئی دلی گزرا ہو تو دکھا دو جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی جس فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں، وہ دوزخ کے قابل ہے، کیونکہ اس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ چکا ہے۔

ع۶ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ | ہم کو ہدایت دے سیدھے، راستہ کی انکارا ستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے۔ کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں، حضور غوث پاک خواجہ اجمیری خواجہ بہاؤ الدین نقشبند امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ اور

وہا بیت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جلدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھر دینگے اور اسے دوزخ میں پہنچائینگے۔

وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا  
تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ  
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ  
جَهَنَّمَ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور کی مخالفت کرنے والے کفار کی ہے، وہ ہی سزا ان کلمہ گو بے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں، تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے غیر مقلدان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔

۸ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا  
لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ  
الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت میں گواہ ہیں، جس آدمی یا جس راستہ یا جس مشد کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو بُرا کہیں وہ واقعہ میں بُرا عام دیکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں، مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو بُرا جانتے ہیں۔ لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدین اچھی جماعت۔

## احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاویگا۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مِنْ  
شَدِّ شَدِّ فِي النَّارِ (مشکوٰۃ)

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہیے، جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام المسلمین مقلد ہیں۔ غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ تا ۴ - مسلم ترمذی - احمد نے حضرت حارثہ اشعری سے روایت کی۔

جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا۔ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتا دیا۔

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَبْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ  
(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ)

حدیث نمبر ۵ - مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایمان مذنیہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيمَانَ لَيَأْدُرُ إِلَى الْمَذِينَةِ كَمَا تَأْدُرُ الْحَيَّةُ إِلَى حُجْرِهَا  
(مشکوٰۃ باب الاعتصام)

معلوم ہوا کہ مذنیہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے۔ اور رہیگا۔ وہاں انشاء اللہ کبھی نہ ہوگا۔ الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان مقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں مذہب حسین و طہوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے، غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لیئے گئے وہاں تفتیح کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی۔ پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے، مذہب حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگرچہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے۔ مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں، اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک و صاف رہتے۔

حدیث نمبر ۶ - امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بھیڑیا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا بچھڑ جانوالی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھاٹیوں سے بچو جماعت اور عامتہ المسلمین کے ساتھ رہو۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ ذِئْبُ الْإِنْسَانِ كَذِئْبِ الْغَنَمِ يَأْخُذُ الشَّاذَّةَ وَالْفَاحِشَةَ وَالنَّاحِيَةَ إِيَّاكُمْ وَالشَّعَابَ وَعَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَالْعَامَّةِ -

(مشکوٰۃ باب الاعتصام)

میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی جماعت

عَلَّا يَجْتَمِعَ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ وَيَدُ



اللہ علی الجماعۃ فات من شدَّ  
شُدَّ فی الناس (مشکوٰۃ)

پر اللہ کی رحمت ہے، جو جماعت سے الگ  
رہا وہ دوزخ میں الگ ہو کر جاوے گا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے  
عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آ  
گیا، عام جماعت مسلمین مقلد ہے۔ لہذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔  
عمل مسلمین۔ ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد ہوئے، محدثین، مفسرین، فقہاء، اولیاء  
اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں، چنانچہ امام قسطنی اور تاج الدین بسکی نے صراحتاً امام نووی نے  
اشارۃ فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی ابو داؤد، نسائی، دارقطنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں۔  
طحاوی و امام زلیعی، عینی شارح، بخاری، طیبی، علی قاری، عبد الحق محدث دہلوی وغیرہم تمام محدثین  
حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔  
تفسیر مدارک، تفسیر صناوی والے سارے مفسرین حنفی، فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے  
مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں  
کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں، ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس  
درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت سجدت زہر  
قاتل ہے، ایمان کے لئے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن و حدیث مسائل  
نکالنے کے لئے آسان نہیں، ان سے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے، اس ہی لئے رب  
تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لئے اتنے بڑے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اگر اسے سمجھنے  
کے لئے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے حضور سید الانبیاء نہ بھیجے جاتے  
فرماتا ہے۔

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ | وہ رسول مسلمانوں کو قرآن و حکمت سکھاتے ہیں۔

جیسے قرآن سمجھانے کے لئے حضور بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کیلئے ائمہ مجتہدین بھیجے جاتے

فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن و حدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد و با بیوں کو بار بار اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتا دو کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے۔ حدیث کے کہتے ہیں، اور سنت کے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو۔ ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے۔ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جاوے، آج تک نہ بنا سکے اور ان شاء اللہ قیامت تک نہ بنا سکیں گے۔ ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں، حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں، اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے۔ تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم المبارکی کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے، بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

أَحَدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنَحِبُّهُ۔ | اُحد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت و طریقت کے مستنبط کیئے۔

۱۔ حضور کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں، بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور کے چاہنے والے ہیں۔ حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا، حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں حضور ساری مخلوق کے محبوب ہیں، کیوں نہ ہوں، کہ خالق کے محبوب ہیں۔

۲۔ جس انسان کو حضور سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

۳۔ جب حضور پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں احمد ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

۴۔ حضور کی بارگاہ میں عشق و محبت اور ولی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ

دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں، احد نے منہ سے کچھ نہ کہا، مگر اس کے دل کا حال حضور پر روشن تھا۔ اگر حضور انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے جو بھی حضور سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں تو مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کیسے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

۵۷ تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفویٰ کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں، لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔

بخاری شریف کی ایک اور حدیث سنو اور اس سے ایمانی و عرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث :- حضور دراز گوش پر سوار جا رہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں دراز گوش دو پاؤں سے کھڑا ہو گیا، حضور اتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا۔ ان میں سے ایک تو اونٹوں کا چرواہا تھا، جو اونٹوں کے پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا، اس لئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے، یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چہریں فرما کر دونوں قبروں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

فوائد :- اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ حضور کی چشم مبارک کے لئے کوئی چیز آد نہیں، آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں، دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر ہو رہا ہے، مگر نگاہ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

۲۔ جس جانور پر حضور سوار ہو جاویں، اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھٹک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں، انہیں بھٹکتے، لہذا اگر حضور کسی ولی پر نظر کرے فرمادیں تو اس

کی نگاہ سے بھی غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔

۳۳ حضور بہ شخص کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال بانٹتے ہیں۔ کہ فرمادیا کہ ایک چنبل خور تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

۳۴ حضور عذاب الہی سے بچانا عذاب دور کرنا بھی بانٹتے ہیں۔ گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں، کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لئے تر شاخیں قبروں پر گاڑھ کر فرمایا کہ ان سے عذاب ہلکا ہوگا۔

۳۵ تر سبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے تر سبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

۳۶ اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں، وَاِنْ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا لَيْسَ بِحَسْبِكَ مگر انکی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا، ذکر کی تاثیر کے لئے زبان بھی تاثیر والی چاہئے، لہذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے، مومن جس کے دل میں محبت مصطفیٰ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

۳۷ مومن کی قبر پر سبزہ پھول وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر رہے گی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

۳۸ حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے مگر اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی۔ اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کر لو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فَمَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ اِلاَّ دَابَّتْ اِلَیْهِ | جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر  
تَاكُلُ مِنْ سَاتِئَةٍ۔ | زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات سجالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی، آپ

اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیکھنے لگے۔ لاشی گھائی۔ لاشی گرنیکی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے۔ کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدے۔ اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

۱۔ انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گھنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا، مگر کوئی فرق نہ آیا۔

۲۔ انبیاء کرام کے اجسام شریف کو کبیرا نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیکھنے حضرت سلیمان کی لاشی گھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہذا یعقوب کو یقین تھا کہ یوسف کو بھیڑیے نے نہ کھایا یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں

۳۔ پیغمبر کا کفن بھی گلے میلہ ہونی سے محفوظ ہے، دیکھو حضرت سلیمان کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلانا میلہ ہوا، ورنہ جنات کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

۴۔ انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرا دی۔

۵۔ دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن و کفن میں دیر لگا دینا سنت الہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لیے حضرت سلیمان کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن و فن رکھا، لہذا صحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لیے حضور کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

۶۔ ہاٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لیے عقاب نہیں بلکہ رحمت ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی، مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لیے غدا ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا۔ لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیت کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے اس حاشیہ القرآن میں بیان کیے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ

بِحَمْدِ رَبِّكَ

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی دو خاص نعمتوں کا

ذکر فرمایا اور ان کے شکر یہ میں رب کی تسبیح و حمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔

اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے

۱۔ صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزار ہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار میں جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل اسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

۲۔ فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہذا البوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیر ہم رضی اللہ عنہم سچے پکے، مخلص مومن ہیں۔ جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

۳۔ فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہو یا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریحی آیت موجود ہے، اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ نے ان کے ایمان کا ذکر بطور نعمت الہیہ کیا اگر یہ لوگ آئندہ ایمان سے نکل جانے والے ہوتے تو رب تعالیٰ سچائے تسبیح و تہجد کے حکم کے یوں فرمانا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائینگے، اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے، وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وہا بیو! بولو آج تک قرآن و حدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کسی دہائی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئے، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے۔ تم نے صرف غلط سطر ترجمے کرنا ہی سیکھے ہیں۔

حنفی بھائیو! اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ، عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو، تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن و حدیث طب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کریگا تو جان سے ہاتھ دھوئیگا۔ ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مشد نہیں نکال سکتا، اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن و حدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا، ایسے ہی قرآن و حدیث سے ہر شخص مسئلے نہیں نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہ ملیں گے بلکہ جو بہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن و حدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے۔ کھانا پکانا۔ کپڑا سینا پہننا وغیرہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نیکیے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا دھڑل دیا تو دین تباہ ہو جائیگا غیر مقلد وہابیوں کو چاہیے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر چوتہ ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پاشچامہ پہنا کریں، کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے یہ ہیں، غیر مقلد، یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مثلے۔ قرأت خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں۔ غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام انوکھا کرو، ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث میں اتنا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جاویں تو چکر آجاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے، صرف حدیث دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کہ ہر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھائیں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روایتیں موجود ہیں حضور و تر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، سات پڑھتے تھے۔ تو گیارہ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھائیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آئین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آئین بالا خفاء کی پانچ پڑھ دیں بیچارے منہ تکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس

رسول ہو۔ اور راز دار پیغمبر یہ مزاج شناسی رازداری ہر ایرے سے غیرے کا کام نہیں۔

## دہابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام دہابی ہے، لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبدالواہب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر انہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو دہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جاوے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسبت مورث کی طرف ہے، دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی کہ نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هَذَاكَ الزَّكَالُ وَالْفِتْنُ وَيُخْرِجُ  
مِنْهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ۔

نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبدالواہب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء المحی حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحد کہتے ہیں۔ مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم جمعین کی شان اقدس میں تبرے کرتے ہیں۔

یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں، یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر دہابی کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ دہابیہ وغیرہ ہیں، مگر اب دہابی کے نام سے چڑتے ہیں، ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بد نما داغ ہیں، ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو، کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے امید قبول ہے

خیال رہے کہ دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا



اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے دو تفتیشین یا دو ضدیں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

عَلِ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَكَ يُؤْمِنُونَ۔  
 ۲۔ اللَّهُ سَأَلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ۔  
 ۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ كَيْشُ تَرْتِي لَهُوَ  
 الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ۔

قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔  
 اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔  
 بعض لوگ وہ ہیں جو کھیل کی باتیں و ناول قصے  
 خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں۔

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کو حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے۔ جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کئے جادیں، اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہیے کہ ہر ناول کو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے، اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہو گا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے۔ کیونکہ حضور کے کسی نہ کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے، حضور فرماتے ہیں، کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے، ہر مشرک و کافر اس کا قائل ہے، وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے۔ تم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں، اگر اہل حدیث کے معنی ہیں حضور کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حضور کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور کے لیے مباح یا فرض تھے، ہمارے لیے حرام ہیں، جلیے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا۔ حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل عبا رضی اللہ عنہ کے لیے سجدہ و راز فرمانا۔ حضرت امامہ بنت ابی العاص کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا، نو بیویاں نکاح میں رکھنا۔ بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ لویں پڑھتے تھے، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَ إِنِّي مَرْسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ سِوَاكَ كُفَى مَعْبُودٍ نَهَيْتُمْ أُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ۔ یہ حضرات اسی

حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرضکہ حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور کے لئے کمال ہیں، ہمارے لئے کفر۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ افعال کریمہ جو نبیان یا اجتہادی خطا سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہیئے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا، جو اس معنی سے اپنے کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہے۔ وہ غلط کہتا ہے۔ جب نام ہی جھوٹ ہے۔ تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ | لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو، کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے حضور کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور سے خاص بھی نہ ہوں خطاؤں انسانیات بھی سرزد نہ ہوں، بلکہ امت کے لئے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل سچی و درست ہے۔ کہ ہم بفضلہ تعالیٰ حضور کی ہر سنت پر عامل ہیں۔ مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے، کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون حکم کون حدیث حضور کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لئے کون فعل شریف اقتداء کے لئے ہے، کون نہیں کس فرمان کا کیا منشاء ہے کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحتہ ثابت ہے اور کون مسئلہ اشارہ کون دلالت کون اقتضاء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بنا سکتے ہیں۔ ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے قرآن پر عمل کرنا حدیث کا کام ہے، ایسے ہی حدیث پر عمل کرنا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا، بغیر امام و مجتہد حضور کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں۔

الْقُرْآنُ وَالْحَدِيثُ يُضِلُّانِ إِلَّا بِالْجَهْدِ | بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔  
رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

يَضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّ يَهْدِيْ بِهٖ  
كَثِيْرًا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ بہت کو ہدایت  
دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔

چکڑ الوی اس ہی لئے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں،  
براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں، وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے ہٹکے ہوئے ہیں۔ کہ  
یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں، مقلدین اہل سنت  
کا ان شاء اللہ بٹیرا پار ہے، کہ ان کے پاس کتاب اللہ مجی ہے سنت رسول اللہ صبی اور سراج  
امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اہل حدیث بننا ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق و درست  
ہے۔ اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا۔ جو کسی امام کا مقلد ہوگا، قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے  
بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا۔ رب فرماتا ہے۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنۡسِ اِذَا هُمۡ بِاِمۡمِہِمۡ | اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کیساتھ بلائیں گے  
خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں، اور غیر مقلد وہابی بھی۔ لیکن ہم  
تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی ذمہ  
داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ لگا رہے ہیں۔  
انشاء اللہ مقلدوں کا بٹیرا پار ہے، اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ  
مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ  
تحرمی اور حرام میں کیا فرق ہے۔ اور نماز میں کتنے فرض ہیں۔ کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحبات  
کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحرمی اور کتنے حرام انشاء اللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث  
سے نہیں بتا سکتے۔ حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے۔ تو دوستو ضد کیوں کرتے  
ہو، تقلید اختیار کرو۔ جس میں دینی و دنیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان ۱۳۷۶ھ اپریل ۱۹۵۷ء بروز دو شنبہ کو شروع ہو کر  
۳ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یکم جولائی ۱۹۵۷ء بروز دو شنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو

پہنچی۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اسے قبول فرمائے۔ میرے لئے کفارہ تیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔ مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گناہگار کے لئے حسن خاتمہ اور معافی سبات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهِ وَنَوْمًا عَرَشِهِ سَيِّدِنَا

مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ آمِينَ

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۵

(تصائب)  
محمد یوسف کاتب گزراؤں کے شاگرد اور مولانا محمد یوسف گزراؤں کے پسر والہ

## احمد یار خاں اشرفی بدایونی

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (مغربی پاکستان) ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یومِ دو شنبہ مبارکہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء

## فہرست مضامین "جاء الحق" حصہ دوم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰	اللہ آہستہ پڑھنا		دوسرا باب ناف کے		حدیث کا ضعف مقلد کو	۴	درجہ تصنیف کتاب
۳۲	عقلی دلیل	۱۲	نیچے ہاتھ باندھنا سنت	۹	منز نہیں گروہانی کیلئے موت	۴	حدیث صحیح حسن ضعیف
۳۳	دوسری فصل اس پر	۱۴	اس کے عقلی دلائل	۱۰	پہلا باب قانون تک ہاتھ اٹھانا		کن چیزوں سے حدیث
	سوال و جواب	۱۶	دوسری فصل اس پر	۱۰	پہلی فصل اسکا ثبوت	۵۵	ضعیف حسن بن جاتی ہما
	چوتھا باب امام کے	۱۸	دو جواب عجیب لطیفہ	۱۲	اس کے عقلی دلائل		امام صاحب کی احادیث
۳۴	پچھے قرأت نہ کرو		تیسرا باب نماز میں لبم	۱۲	دوسری فصل غمراض و جوا	۶	ضعیف نہیں۔



صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۳	صحایہ مقلد کیوں نہ تھے۔	۲۳۸ ۲۳۹ ۲۴۲	کی تلاوت نہ کرو پہلی فصل دو روز کی فصل خاتمہ امام ابوحنیفہ	۲۲۱ ۲۲۲	کنواں پاک کرنا۔ پہلی فصل دوسری فصل اس	۲۰۹	پر سوال و جواب بائیسواں باب قے و
۲۵۵	قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کا نمونہ	۲۴۵	کے فضائل و مناقب سپاروں اماموں کے ولادت، وفات، عمر	۲۲۴	پر سوال و جواب چوبیسواں باب نماز جمعہ و عیدین گاؤں میں	۲۱۳ ۲۱۴	نخن سے وضو لوٹ جانا پہلی فصل دوسری فصل اس پر سوال و جواب
۲۴۷	دہائی اور حدیث سنت و حدیث کا فرق	۲۵۰ ۲۵۱	مزار دوسرا مسئلہ تقلید کی اہمیت	۲۳۱ ۲۳۴	نہیں ہوتی۔ دوسری فصل پچیسواں باب نماز جنازہ میں الحمد شریف	۲۱۶ ۲۱۹	قے اور نخن میں عجیب فرق تیسواں باب ناپاک